

اسلام کا پیغامِ حق

ترجمہ
مولا فضل الرحمن رحمانی ندوی حفظہ اللہ
فاضل جامعہ اسلامیہ، مدینہ منورہ

نظارت اور تحقیق و تنقیح
ابو عبداللہ بن ابراہیم حفظہ اللہ
مدینہ منورہ



مکتبہ اہل بیت العالمی

اسلام کا بیجا حق

ترجمہ

مولانا فضل الرحمن رحمانی ندوی حفظہ اللہ
فاضل جامعہ اسلامیہ، مدینہ منورہ

نظرائی اور تحقیق و تنقیح

ابو عبد اللہ بن ابراہیم حفظہ اللہ
مدینہ منورہ



مکتبہ اہل بیت العالمی

اسلام کا پیغامِ حق

نام کتاب

اسلام کا پیغامِ حق

ترجمہ

مولانا فضل الرحمن رحمانی ندوی حفظہ اللہ
فاضل جامعہ اسلامیہ، مدینہ منورہ

نظر ثانی اور تحقیق و تنقیح

ابو عبداللہ بن ابراہیم حفظہ اللہ
مدینہ منورہ

ناشر..... مکتبہ اہل بیت العالمی

اشاعت اول..... جون 2010ء



مکتبہ اہل بیت العالمی

فہرست مضامین

صفحہ نمبر	موضوع	نمبر شمار
۱۱ عرض ناشر	۱
۱۶ سخن مترجم	۲
۲۷ مقدمہ الکتاب	۳
	(۱)..... امام جعفر صادق <small>رضی اللہ عنہ</small> کی سیرت کے سنہرے اوراق	
۶۲ خطبہ مسنونہ	۱
۶۳ مقدمہ	۲
۶۵ آپ <small>رضی اللہ عنہ</small> کی بے مثال شخصیت	۳
۶۵ تمام گروہوں کا امام جعفر <small>رضی اللہ عنہ</small> کی طرف انتساب کرنا	۴
۶۸ امام جعفر <small>رضی اللہ عنہ</small> کی امامت اور مستفاد منہ شخصیت	۵
۶۹ آپ کے زمانہ کی سیاسی حالت کا بیان	۶
۷۲ امام جعفر صادق <small>رضی اللہ عنہ</small> کے زمانے میں فکری و سیاسی عروج و زوال	۷
۷۳ امام <small>رضی اللہ عنہ</small> سے بکثرت روایات کا منقول ہونا	۸
۷۶ امام ابو عبد اللہ جعفر صادق <small>رضی اللہ عنہ</small> کا تعارف	۹
۷۸ امام موصوف <small>رضی اللہ عنہ</small> کے علمی کارناموں کا بیان	۱۰
۸۲ آپ کی عبادت، زہد و قناعت اور تقویٰ کا بیان	۱۱
۸۶ جعفر صادق <small>رضی اللہ عنہ</small> کے اخلاق کریمہ اور جو دو سخا کا بیان	۱۲
۸۸ امام <small>رضی اللہ عنہ</small> کے اقوال و فرمودات کا بیان	۱۳

- ۱۴۔ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی وفات کا بیان ۹۰
- ۱۵۔ سب لوگ امام موصوف رضی اللہ عنہ کی طرف انتساب کیوں کرتے ہیں ۹۲
- ۱۶۔ ایک دلچسپ اور انوکھے علمی مناظرہ کا بیان ۱۰۱
- ۱۷۔ ایک عظیم خوشخبری کا بیان ۱۰۸
- (۲)..... آل بیت رضی اللہ عنہم کے حقوق شریعت کے آئینہ میں
- ۱۸۔ مقدمہ کتاب ۱۱۲
- ۱۹۔ آل بیت کی لغوی تعریف ۱۱۴
- ۲۰۔ اصطلاح میں آل بیت کون لوگ ہیں؟ ۱۱۶
- ۲۱۔ اہل تشیع کے نزدیک آل بیت کا مفہوم ۱۱۷
- ۲۲۔ قرآن حکیم میں آل بیت کے فضائل و مناقب ۱۲۴
- ۲۳۔ احادیث میں فضائل و مناقب اہل بیت ۱۲۶
- ۲۴۔ اقوال سلف کی روشنی میں فضائل اہل بیت کا بیان ۱۳۰
- ۲۵۔ آل بیت الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اہل السنہ والجماعۃ کا عقیدہ ۱۳۳
- ۲۶۔ ایک گہبیر لہجہ فکریہ ۱۴۲
- ۲۷۔ امت مسلمہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آل بیت کے شرعی حقوق ۱۴۵
- ۲۸۔ اہل بیت رضی اللہ عنہم بھی بشر ہیں ۱۶۱
- ۲۹۔ بحث کا حاصل اور لب لباب ۱۷۴
- ۳۰۔ آل بیت کی محبت اور دعویٰ حقیقت کے تناظر میں ۱۸۰
- ۳۱۔ اہل السنہ والجماعۃ کے نزدیک امامت کی برہان ۱۸۴
- ۳۲۔ اہل السنہ کی نگاہ میں قرآن حکیم کا مقام ۱۹۰
- ۳۳۔ آخری گزارش ۱۹۳
- ۳۴۔ عرض مترجم ۱۹۵

(۳)..... آل بیت اور نبی کریم ﷺ کے اصحاب رضی اللہ عنہم جمعین کا انتخاب

- ۲۰۲ ۳۵۔ فرمان علی رضی اللہ عنہ
- ۲۰۳ ۳۶۔ تقدیم
- ۲۰۵ ۳۷۔ مقدمۃ الکتاب
- ۲۰۶ ۳۸۔ کچھ یادیں، کچھ باتیں
- ۲۱۳ ۳۹۔ امام خوئی کا چاند میں ظہور
- ۲۱۵ ۴۰۔ شیعیت سے نفرت کا سبب
- ۲۱۶ ۴۱۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو گالی دینا اور ان پر تہرابازی
- ۲۲۲ ۴۲۔ عقیدہ متعہ کیا ہے؟
- ۲۲۳ ۴۳۔ شیعہ مذہب تضاد فکری پر مشتمل ہے
- ۲۲۹ ۴۴۔ جادو گر کامیاب نہیں ہو سکتا
- ۲۳۵ ۴۵۔ تعصب کی بنا پر قتل
- ۲۳۸ ۴۶۔ امام منتظر کا معہ
- ۲۴۲ ۴۷۔ تصور امانت میں تاریخ کی فتح
- ۲۵۹ ۴۸۔ ایک افسانے کی تصدیق
- ۲۶۳ ۴۹۔ صاحب زمان غائب کیوں؟
- ۲۶۸ ۵۰۔ محمد حسین فضل اللہ سے برتاؤ
- ۲۷۲ ۵۱۔ توبہ کا دروازہ ہر وقت کھلا ہے
- ۲۷۳ ۵۲۔ صلاح کاظمی کا موت سے خوف
- ۲۷۹ ۵۳۔ اور کا پاپلٹ گئی
- ۲۸۳ ۵۴۔ خاتمہ کتاب

(۴)..... مقام اہل بیت رضی اللہ عنہم امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی نظر میں

- ۲۸۸ ۵۵۔ سیدنا حسین بن علی رضی اللہ عنہما کے بارے میں ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا موقف
- ۲۸۹ ۵۶۔ تقدیم
- ۲۹۱ ۵۷۔ مقدمہ
- ۲۹۳ ۵۸۔ فرقہ ناصبیہ کی مذمت میں شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کا موقف
- ۲۹۵ ۵۹۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے مناقب و فضائل میں ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے اقوال
- ۳۰۵ ۶۰۔ قاتلین سیدنا حسین بن علی رضی اللہ عنہما کے متعلق شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کا موقف
- ۳۰۸ ۶۱۔ اہل سنت کے نزدیک اہل بیت رضی اللہ عنہم کی قدر و منزلت کا بیان
- ۳۱۲ ۶۲۔ خاتمۃ الکتاب

(۵)..... مقام اہل بیت رضی اللہ عنہم امام محمد بن عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہ کی نظر میں

- ۳۱۳ ۶۳۔ امام محمد بن عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہ کی دعوت
- ۳۱۴ ۶۴۔ مقدمہ
- ۳۱۵ ۶۵۔ اس کتابچہ کی تحریر کا سبب
- ۳۲۹ ۶۶۔ محمد بن عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہ کون ہیں؟
- ۳۲۲ ۶۷۔ کھرے اور کھولے کو پرکھنے کی کسوٹی
- ۳۲۶ ۶۸۔ شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد کے نام آل بیت رضی اللہ عنہم کے ناموں پر
- ۳۲۸ ۶۹۔ اہل بیت رضی اللہ عنہم کی صفت اور پہچان
- ۳۳۰ ۷۰۔ کتاب اللہ اور اہل بیت کے بارے میں گراں قدر وصیت
- ۳۳۱ ۷۱۔ حقوق اہل بیت
- ۳۳۵ ۷۲۔ اہل بیت رضی اللہ عنہم کے مناقب و فضائل
- ۳۳۶ ۷۳۔ نماز میں نبی کریم ﷺ اور آل بیت رضی اللہ عنہم پر درود کا وجوب
- ۳۳۷ ۷۴۔ اہل بیت کا حق دوستی

- ۳۴۰ ۷۵۔ یوم عاشوراء کو رونما ہونے والے المناک واقعہ کا بیان
- ۳۴۵ ۷۶۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت پر احادیث
- ۳۴۶ ۷۷۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت میں وارد حدیث کا تذکرہ
- ۳۴۷ ۷۸۔ سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا تمام حنتی عورتوں کی سردار ہیں
- ۳۴۷ ۷۹۔ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اہل بیت میں سے ہیں
- ۳۴۹ ۸۰۔ نبی کریم ﷺ کی طرف سے جناب حسن رضی اللہ عنہ کے لیے سردار کا خطاب
- ۳۵۰ ۸۱۔ اہل بیت عیوب سے منزہ ہیں
- ۳۵۲ ۸۲۔ سیدنا علی کی امیر معاویہ رضی اللہ عنہا پر فضیلت
- ۳۵۲ ۸۳۔ اُمّ کلثوم بنت علی کا جناب عمر رضی اللہ عنہ سے نکاح
- ۳۵۲ ۸۴۔ ناصبیوں کی جہالت
- (۶)..... اسلام کا پیغام ہر شیعہ کے نام
- ۳۵۷ ۸۵۔ ہدیہ تبریک
- ۳۵۸ ۸۶۔ مقدمہ
- ۳۶۱ ۸۷۔ قرآن کریم سے بے نیازی کا عقیدہ
- ۳۶۴ ۸۸۔ کسی بھی صحابی کے جامع قرآن اور حافظ قرآن نہ ہونے کا عقیدہ
- ۳۶۸ ۸۹۔ انبیاء علیہم السلام کے معجزے آل بیت کے ساتھ مخصوص ہیں
- ۳۷۱ ۹۰۔ اہل بیت رضی اللہ عنہم کا تمام نبوی علوم سے بہرہ مند ہونے کا عقیدہ
- ۳۷۵ ۹۱۔ شیعہ کی قربانی کا عقیدہ
- ۳۷۹ ۹۲۔ امام کی معصومیت کا عقیدہ
- ۳۸۳ ۹۳۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ارتداد کا عقیدہ
- (۷)..... عقیدہ لقیہ حقیقت کے آئینے میں
- ۳۹۰ ۹۴۔ استفاء (طلب فتویٰ)

- ۳۹۲ جواب ۹۵
- ۳۰۶ شریعت میں دی گئی رخصت اور عقیدہ تقیہ میں واضح فرق ۹۶

(۸)..... متعہ کی حقیقت

- ۴۱۲ خطبہ مسنونہ ۹۷
- ۴۱۳ ترجمہ خطبہ مسنونہ ۹۸
- ۴۱۴ خاندان کی تشکیل ایک فطرتی ضرورت ۹۹
- ۴۱۵ متعہ و حلالہ کیا ہیں؟ ۱۰۰
- ۴۱۷ متعہ کی شرعی حیثیت ۱۰۱
- ۴۲۱ متعہ کی حرمت کا ثبوت قرآن و سنت اور اجماعِ امت میں ۱۰۲
- ۴۲۲ ازروئے حدیث متعہ کی حرمت ۱۰۳
- ۴۲۳ حرمت متعہ ازروئے اجماع ۱۰۴
- ۴۲۶ شیعہ دلائل کا تنقیدی جائزہ ۱۰۵
- ۴۳۷ فرقہ شیعہ کی دوسری دلیل ۱۰۶
- ۴۴۲ احادیث صحیحہ پر شیعہ کے اعتراضات ۱۰۷
- ۴۴۴ شیعہ کتب کا مطالعہ ۱۰۸
- ۴۵۰ شیعہ کے علماء و رجال ۱۰۹
- ۴۵۱ شیعہ کی جرح و تعدیل ۱۱۰
- ۴۵۴ حرمت متعہ میں روایتِ علیؑ ۱۱۱
- ۴۶۱ اہل السنہ کی اسناد والی احادیث سے شیعہ کا جواز متعہ پر استدلال ۱۱۲
- ۴۶۲ جواب ۱۱۳
- ۴۶۵ قرآن کا سنت سے نسخ ۱۱۴

- ۴۶۸ ۱۱۵۔ شیعہ کے نزدیک متعہ کی فضیلت
- ۴۶۹ ۱۱۶۔ جواب صارم
- ۴۶۹ ۱۱۷۔ ہاشمی عورت سے متعہ
- ۴۷۰ ۱۱۸۔ مجوسی عورت سے متعہ
- ۴۷۰ ۱۱۹۔ شادی شدہ عورت سے متعہ
- ۴۷۱ ۱۲۰۔ زنا کار عورت سے متعہ
- ۴۷۴ ۱۲۱۔ مدت متعہ کی حد بندی
- ۴۷۵ ۱۲۲۔ عدم جماع کی شرط پر متعہ
- ۴۷۶ ۱۲۳۔ متعہ اور نکاح شرعی میں فرق
- ۴۸۱ ۱۲۴۔ متعہ کی جدید صورت
- ۴۸۴ ۱۲۵۔ شریعت محمدیہ میں خرافات کی گنجائش نہیں
- ۴۸۶ ۱۲۶۔ متعہ کے مفساد
- ۴۸۹ ۱۲۷۔ صحیح شرعی نکاح اور متعہ میں بنیادی فرق
- ۴۹۱ ۱۲۸۔ شرعی نکاح اور متعہ کے مابین تقابلی جائزہ
- ۴۹۷ ۱۲۹۔ حرمت متعہ پر مزید چند ایک احادیث صحیحہ
- (۹)..... شمینی کا اسلامی انقلاب**
- ۵۰۷ ۱۳۰۔ شیعوں کے امام فرشتوں اور پیغمبروں سے افضل
- ۵۱۰ ۱۳۱۔ شیعوں کے امام اور علماء شریعت میں جو تبدیلیاں چاہیں کر سکتے ہیں
- ۵۱۴ ۱۳۲۔ تحریف قرآن
- ۵۲۱ ۱۳۳۔ ابوبکر و عمر و عثمان اور عام صحابہ رضی اللہ عنہم کی تکفیر اور لعنت وغیرہ
- ۵۳۲ ۱۳۴۔ شمینی کی سنت دشمن خونخوار ذہنیت
- ۵۳۴ ۱۳۵۔ سنی کافروں سے بھی بدتر
- ۵۳۵ ۱۳۶۔ سنی ساری نیکیوں کے باوجود جہنمی اور شیعہ ہر برائی کے باوجود جنتی

- ۱۳۷۔ شیعوں کے لیے سنیوں کا مال ہڑپ کر لینا حلال ہے ۵۳۵
- ۱۳۸۔ کوئی سنی شہید نہیں ۵۳۵
- ۱۳۹۔ سارے سنی گردن زدنی ۵۳۶
- ۱۴۰۔ ”اسلامی“ ایران کی ”یہودی“ اسرائیل سے گہری دوستی ۵۳۶
- (۱۰)..... خوارج و شیعہ سے متعلق کبار علماء کرام کے فتاویٰ
- ۱۴۴۔ خارجی فرقے کی پہچان ۵۸۳
- ۱۴۵۔ رافضی فرقہ اسلام کے خلاف ہے ۵۸۴
- ۱۴۶۔ شیعہ عقائد سے متعلق اہم کتب ۵۸۷
- ۱۴۷۔ شیعہ کے متعدد فرقے ۵۸۷
- ۱۴۸۔ اہل سنت اور شیعہ میں اختلافات اصولی ہیں ۵۸۹
- ۱۴۹۔ رافضی عوام کا حکم ۵۹۰
- ۱۵۰۔ شیعہ ازم ایک نوا ایجاد مذہب ہے ۵۹۱
- ۱۵۱۔ خمینی کے نظریات کی ایک جھلک ۵۹۲
- ۱۵۲۔ کیا ابراہیم علیہ السلام شیعہ تھے؟ ۵۹۳
- ۱۵۳۔ کیا علی رضی اللہ عنہ خلیفہ بلا فصل اور مشکل کشا ہیں؟ ۵۹۷
- ۱۵۴۔ شیعہ اثنا عشریہ اور قرآن ۵۹۹
- ۱۵۵۔ رافضیوں کے رد میں حنفی علماء کی کتابیں ۵۹۷

عرضِ ناشر

خیر الامم، اُمتِ اسلامیہ آج جس درجہ انحطاط و زوال تک پہنچ چکی ہے اس حالت کو دیکھ کر کون ایسا حساس و ہمدرد مومن، مسلمان دل ہوگا جو کرب و اضطراب میں مبتلا نہ ہو۔

ہوگئی رسوا زمانے میں کلاہ لالہ رنگ جو سراپا ناز تھے، ہیں آج مجبور نیاز حکمتِ مغرب سے ملت کی یہ کیفیت ہوئی کھلے کھلے جس طرح سونے کو کر دیتا ہے گاز ہو گیا مانند آبِ ارزاں مسلمان کا لبو مضطرب ہے تو کہ تیرا دل نہیں دانائے راز

جناب حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ: ہم امیر المؤمنین سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے پوچھا: تم میں سے کس آدمی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فتنوں کا ذکر کرتے ہوئے سنا ہے؟ بعض لوگ کہنے لگے: ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسا سنا ہے۔ امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ نے فرمایا: شاید تم لوگ فتنوں سے مراد وہ فتنے لے رہے ہو جو آدمی کو اس کے گھر بار، اہل خانہ اور اس کے ہمسائے کے حوالے سے آلیتے ہیں؟ انھوں نے کہا: جی ہاں! سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ان فتنوں کا کفارہ تو نماز، روزے اور صدقہ و زکوٰۃ وغیرہ بن جاتے ہیں۔ لیکن (میرا مقصود یہ ہے کہ) تم میں سے کس شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہو کہ آپ ان فتنوں کے بارے میں بیان فرما رہے تھے جو سمندر کی ٹھاٹھوں کی طرح ٹھانھیں (موجیں) مار کر آئیں گے؟

حذیفہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ: یہ سن کر سب لوگ خاموش ہو گئے۔ چنانچہ میں نے عرض کیا: میں نے (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا بیان کرتے ہوئے) سنا ہے۔ جناب عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تیرا باپ نہایت اچھا آدمی تھا۔ (یعنی آپ نے حذیفہ بن یمان کی تعریف کی۔) سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ

بیان کرتے ہیں؛ میں نے خود رسول اللہ ﷺ کو یوں فرماتے ہوئے سنا ہے: ”جیسے کسی چٹائی کی تاریں ایک کے بعد ایک، ساتھ آ کر جڑتی جاتی ہیں اسی طرح فتنے دلوں پر اترتے جائیں گے۔ پھر جس دل میں وہ فتنہ رچ بس جائے گا اس میں ایک کا لا داغ پیدا ہو جائے گا۔ اور جس دل نے ان فتنوں کو قبول نہ کیا اس میں ایک سفید نوارنی دھبہ پیدا ہو جائے گا۔ حتیٰ کہ اس طرح کالے اور سفید دھبے ہوتے ہوتے دو قسم کے دل ہو جائیں گے۔ ایک تو خالص دل نہایت سفید چکنے پتھر کی طرح جسے کوئی فتنہ نقصان نہ پہنچا سکے گا جب تک زمین و آسمان قائم رہیں گے۔ دوسرا سفیدی مائل کالا دل (بھورے، براؤن رنگ کا) یا اوندھے کوزے کی طرح جو نہ کسی بھلائی والی اچھی بات کو سمجھے گا اور نہ ہی بری بات کو بری جانے گا۔ مگر وہی جو اس کے دل میں خواہش نفسانی بن کر بیٹھ جائے۔“

جناب حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: پھر میں نے امیر المؤمنین جناب عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے (نبی کریم ﷺ کی) حدیث بیان کی: امیر المؤمنین! ان فتنوں اور آپ (کی حیات و خلافت) کے درمیان ایک بند دروازہ ہے جس کے بارے میں یقینی گمان یہ ہے کہ: وہ عنقریب ٹوٹ جائے گا۔ یہ سن کر سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ارے حذیفہ تیرا باپ مرے! کیا وہ دروازہ ٹوٹ جائے گا؟ اگر وہ کھل جائے تو شاید دوبارہ بند کر دیا جائے؟ جناب حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ: میں نے عرض کیا: نہیں بلکہ وہ ٹوٹ جائے گا۔ اور میں نے جناب عمر رضی اللہ عنہ سے حدیث بیان کی کہ: یہ دروازہ ایک شخص ہے جسے شہید کر دیا جائے گا یا وہ طبعی موت سے ہمکنار ہوگا۔ یہ ایک ایسی حدیث تھی جو دل سے بنائی ہوئی کوئی غلط بات نہ تھی۔“

فتنوں کے آگے بند دروازہ امیر المؤمنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ تھے، رضی اللہ عنہ وارضاه۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے مطابق جناب عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسے ہی شہید ہوئے ان کے بعد فتنوں کا دروازہ کھل گیا۔ حتیٰ کہ بعض فتنے تاریخ کا حصہ بنتے چلے گئے۔ ان میں سب سے بڑا فتنہ

سبائیت و ابائیت کا فتنہ ہے کہ جس کی مختلف انواع اور شکلیں ہیں۔ چودہ صدیوں پر محیط امت اسلامیہ میں سب سے بڑے اس دجالانہ فتنے کی امامیت و اسماعیلیت والی شاخوں نے جو دین اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچایا ہے ویسا نقصان اللہ تعالیٰ کے کھلم کھلے دشمن یہود و نصاریٰ اور ہنود و مشرکین بھی نہیں پہنچا سکے۔ حتیٰ کہ ایک مدبر آدمی یہ کہنے پر مجبور ہو گیا۔

چمن میں ہوا آچکی ہے خزاں کی پھری ہے نظر دیر سے باغباں کی
صدا اور ہے بلبل نغمہ خواں کی کوئی دم میں رحلت ہے، اب گلستاں کی

تباہی کے خواب آرہے ہیں نظر سب

مصیبت کی ہے آنے والی سحر اب

اور یہ ہر حساس و درد مند مسلم دل کی آواز ہے۔ اس ضمن میں رذالت و خساست کی انتہا یہ ہے کہ ہمارے سلفی منہج و طریق والے اہل السنۃ والجماعۃ کے آئمہ کرام و علماء عظام ابو عبد اللہ جعفر الصادق، اُن کے والد محترم محمد الباقر، پھر اُن کے والد محترم علی زین العابدین، اُن کے والد مکرم و محترم سیدنا حسین بن علی اور امیر المؤمنین سیدنا علی ابوتراب و ابوالحسن رضی اللہ عنہم کی طرف اپنی جھوٹی نسبتیں کر کے، تقیہ کے پردہ میں چھپی یہودیت و مجوسیت کا اظہار یہ مجوسیت و یہودیت کے ایجنٹ اہل ایمان و اسلام سے دشمنی کی صورت میں یوں کرتے رہے کہ ظاہر میں ایک طرف آل بیت النبی ﷺ الاظہار سے محبت کا اعلان و اظہار ہوتا اور صرف سات حضرات کو چھوڑ کر باقی تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بارے میں گالی گلوچ اور بکواس بازی کی جاتی جبکہ در پردہ یہود و نصاریٰ اور مجوسیت کے قائدین و عمائدین اور پھر ملحدین و مشرکین کی حکومتوں سے محبت کی پینگھیں بڑھا کر اہل اسلام کے خلاف ان کی بھرپور مدد کی جاتی۔ ایسے ان گنت واقعات سے تاریخ کی کتابیں بھری پڑی ہیں۔ ہمارے زمانہ میں حزب الشیطان کے ان کارندوں اور ایجنٹوں نے فلسطین، عراق، افغانستان، الجزائر، پاکستان اور دنیا کے دیگر مسلم ممالک میں شیطانی سپاہ کی راہ ہموار کر کے ان کی پوری پوری مدد کرتے ہوئے دو

دہائیوں کے اندر لاکھوں مسلمانوں کے خون سے جو ہولی کھیلی ہے اور تانہوز اللہ کے دشمنوں کا ان ممالک میں اہل ایمان پر جو ظلم سرعام ہو رہا ہے، اس کے پیچھے انہی مذکور بالا قوتوں اور فتنہ پرستوں کا ہاتھ ہے۔

چونکہ مسلمانوں کی اکثریت تاریخ کے ان سچے حقائق اور عصر حاضر میں رافضیت و سبائیت کی سازشوں سے آگاہ نہیں ہے اس لیے ہم خالصتاً خیر خواہی و اصلاح کے پیش نظر کم و بیش دس بڑے بڑے علماء کرام رحمۃ اللہ علیہم کی تحریروں کو جمع کر کے کتاب ہذا ”اسلام کا پیغامِ حق“ آپ بھائیوں کے سامنے پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ ہر عالم کی تحریر ایک جامع و مستند دلیل کی حیثیت رکھتی ہے اور پھر تمام تحریروں کے درمیان ربط کو مضبوط کرنے اور زیر مطالعہ موضوع پر شرح مزید کے لیے جو مقدمہ ہمارے محترم ساتھی ابو عبد اللہ بن ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے وہ بذات خود ایک مستند و مدلل تحریر ہے۔ تمام کتابوں کا ترجمہ ہمارے محترم بھائی فضل الرحمن رحمانی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا ہے جو اسلامیہ یونیورسٹی مدینہ منورہ کے فاضل اور بہت ساری کتابوں کے مترجم و مصنف بھی ہیں۔

اردو ان کی مادری زبان ہے جس کے پیش نظر وہ عربی کو اردو میں ڈھالنے والے فن کا مظاہر خوب کرتے ہیں۔ مزید برآں اس ترجمہ کی نظر ثانی ہمارے مذکور بالا ساتھی ابو عبد اللہ بن ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے خوب دقیق نظر سے کی ہے جو بذات خود چالیس کتابوں کے مصنف و مترجم اور اعلیٰ تعلیم سے آراستہ ہیں۔

چونکہ یہ کتاب خالصتاً لوجہ اللہ تیار کروائی گئی ہے اس لیے اسے پڑھ کر جن لوگوں کی اصلاح اور ان کی معلومات میں اضافہ کا یہ سبب بن جائے وہ ہمیں اپنی صالح دعاؤں میں ضرور یاد رکھیں۔ جان رکھیے کہ اگر اس کتاب میں کوئی خوبی ہے تو صرف اللہ عزوجل کی طرف سے اور اگر کوئی نقص و عیب ہے تو ہماری اپنی کم علمی و کوتاہی کی وجہ سے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہماری خطاؤں کو معاف فرمائے اور ہمیں سیدھی، حق والی راہ پر چلا کر اپنی جنتوں کا

وارث بناوے۔

هَذَا مَا عِنْدَنَا وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ وَصَلَّى اللَّهُ عَلَيَّ نَبِيِّنَا
مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهِ وَأَزْوَاجِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِينَ .

أخوكم في الله

ابوشاہین عقاب



سخن مترجم

الحمد لله رب العالمين بأفضل محامد الشاء عليه والتعظيم، والصلاة والسلام على سيدنا ونبينا محمد بأكرم ماصلى عليه خالقه الكريم، وعلى آله وصحبه وأتباعه الطيبين الأبرار، المتبعين لهديه وآدابه المتقين الأطهار، اللهم أرزقنا أتباعهم فى القول والعمل وأمتنا على سننهم وحبهم عند أنتهاء الأجل (أما بعد):

میری زبان قلم سے کسی کا دل نہ دکھے
کسی سے شکوہ نہ ہو زیر آسماں مجھ کو
دلوں کو چاک کرے مثل شانہ جس کا اثر
تری جناب سے ایسی ملے نفاں مجھ کو
مقام ہم سفروں سے ہو اس قدر آگے
کہ سمجھے منزل مقصود کارواں مجھ کو

ہمارے لئے مسرت اور بھرپور سعادت کا مقام ہے اور ہم اس موقع سے رب کریم کا جتنا بھی شکر ادا کریں وہ کم ہے کہ مولائے کریم نے اس کم مایہ کو اس عظیم الشان اور مبارک ترین کام کے لئے قبول فرما کر اس کی توفیق سے بہرہ ور فرمایا ہے اگر ہم قسم کھا کر کہیں کہ اسی کام میں ہر طرح کی کامیابی و سرخروئی کا راز پنہاں ہے تو (ان شاء اللہ) حانت نہیں ہوں گے بلکہ ہم تو یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ اسی کام میں صلاح و فلاح کا راز مضمر ہے اللہ کے نبی ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

”دین تو خیر خواہی اور ایک دوسرے کو نصیحت کرنے کا نام ہے (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) کا کہنا ہے ہم نے بیک آواز عرض کیا،، (کس کے لئے؟) آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کے لئے، اس کی کتاب کے لئے، اس کے رسول کے لئے، مسلمانوں کے ائمہ اور (عامہ المسلمین) کے لئے۔“ (رواہ مسلم)

یہ حدیث ہمارے لئے اساس اور بنیاد کی حیثیت رکھتی ہے کیونکہ بحیثیت مسلمان ہمارا شیوہ ہونا چاہئے کہ ہم اسلام کے پاکیزہ سرچشمہ سے سیراب ہو کر لوگوں کے لئے نفع اندوزی کا سامان مہیا کریں اور انہیں مضرت رساں چیزوں سے دور رکھنے کی کوشش کریں تاکہ ایک تعمیری نفع بخش اور سرگرم عنصر ابھر کر سامنے آئے، اور معاشرہ دوسو سائٹی حق، بھلائی، خیر و فضیلت کے اصولوں پر پروان چڑھے اور انسان اپنی ذات سے دوسروں کو فائدہ پہنچانے کے قابل بن سکے کیونکہ (آپس میں خیر خواہی) کرتے رہنے میں صلاح و فلاح کامیابی و کامرانی کی ضمانت کاراز پوشیدہ ہے اسی لئے (ارشاد باری تعالیٰ ہے) ترجمہ: اور نیک کام سرانجام دو تو قہ ہے کہ تم کو فلاح نصیب ہو جائے (الحج: ۷۷) اس بنیاد پر ہم کہہ سکتے ہیں اور کہنے کے اہل ہیں کہ مسلمانوں سے مضرت رساں عناصر دور کرنے کی خاطر تگ و دو کرنا بھی خیر کا ایک پہلو ہے (بلکہ صدقہ جاریہ ہے) تاکہ ہمارے بھائی بندے بھی اس خیر سے نفع اندوز ہو سکیں اور دیکھتے دیکھتے پورا معاشرہ خوش بختی اور خوش حالی کا آئینہ دار بن جائے معاشرے میں محبت و مودت کی باد صرصر چلنے لگے انہیں تعمیری اور نفع بخش کاموں

میں سے ایک کام یہ بھی ہے جو (اسلام کا پیغام حق) کے پیرہن میں آپ کے ہاتھوں میں ہے یہ کام تو ایسا کام ہے جو ہمارے کاندھوں پر بطور قرض لدا ہوا تھا اللہ تعالیٰ خالص اپنی رضا کے لئے اسے قبول فرمائے اور اس کا خیر کو ہمارے لئے صدقہ جاریہ بنا دے۔

مذکورہ کتاب موجودہ دور کے مستند عرب علماء کرام کی عربی کتابوں کا ترجمہ ہے جس میں (حق کا پیغام) علمی پیرا یہ بیان میں اس دور کے گمراہ ٹولہ کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ

کی تعلیمات سے آگاہ کرنے کے لئے پیش کیا گیا ہے اور ان کی گمراہیوں کے ازالہ کے لئے روشن آیات اور صحیح احادیث و منتخب نصوص کے سایہ میں ایک حساس تصویر کشی کی کوشش کی گئی ہے تاکہ معاشرہ اور فرد پر اس گمراہ فرقہ کے برے اثرات کی وضاحت ہو جائے آج اس فرقہ کی وجہ سے ہماری قوم و ملت جس نفسیاتی ہزیمت میں مبتلا ہے اس کی مثال گذشتہ صدیوں میں نہیں ملتی اور اس فرقہ نے تو اسلام کے نام پر اپنی نمایاں پہچان اور امتیازی وصف کو گنوا کر اپنے آپ کو مشرق و مغرب کی مادہ پرست قدروں کے ہاتھوں کوڑیوں کے بھاؤ بیچ ڈالا ہے علامہ اقبال نے کیا خوب کہا ہے۔

گنوا دی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی

ثریا سے زمیں پر آسمان نے ہم کو دے مارا

اس فرقہ نے اسلام کے پورے نظام کو بگاڑ کر اسے سرے سے مسخ کرنے کی کوشش کی ہے کیونکہ اسلام نے مسلمانوں کے لئے جو نظام حیات پیش کیا ہے وہ دنیا کے ہر فرد کے لئے فیضیابی کا ذریعہ ہے اس لئے کہ اس نے قرآن کریم اور احادیث بنویہ کے نصوص قطعہ کے ذریعہ وحی الہی اور ربانی ہدایت کی روشنی حاصل کی ہے اسلام نے یونان کی طرح انسانی عقل و خرد کو نہ تو فلسفیانہ علوم و معارف سے لبریز کرنے کی کوشش کی ہے جیسا کہ یونان مصرور و مانے کیا اور نہ ہی اسلام نے اپنے ماننے والوں کو مبالغہ آمیز اور خرافاتی روحانیت کی آماجگاہ بنانے کی طرف توجہ مرکوز کی ہے جیسا کہ ہندوؤں کی دیومالائی تہذیب نے کیا ہے اور اس نے نہ تو صرف اور صرف جسمانی ورزش یا اکسر سائزوں پر زور دیا ہے جیسا کہ اہل رومان نے کیا اور نہ نفع پرست مادی فلسفہ کا انہیں اسیر بنایا جیسا کہ آج مشرق و مغرب کی مادہ پرست دنیا نے اپنا وطیرہ بنا رکھا ہے بلکہ انسان کی تربیت اور پرورش کے لئے ایک متوازن اور کامل نظام حیات پیش کیا ہے اس کو ہم تک پہنچانے میں اللہ کے نبی ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اہم کردار ہے۔

اس لئے ہمارا عقیدہ ہے کہ ہم اصحاب رسول ﷺ کے بارے میں اپنی زبانوں کو محتاط انداز میں کھولیں ان کی عزت و آبرو کو اپنی عزت و آبرو سے بھی بلند و بالا گردانیں ان کے بارے میں تمہرے بازی تو کیا ذرہ برابر گستاخی ایک مسلمان کے لئے حرام ہے جو گستاخ رسول ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں بدزبانی کرنے والا ہو اس کا عقیدہ کیوں کر سلامت ہو سکتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں صراحت کے ساتھ فرمادیا ہے (ترجمہ: اور [ان کے لئے] جو ان کے بعد آئیں جو کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار ہمیں بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں اور ایمان داروں کی طرف سے ہمارے دل میں کینہ اور دشمنی نہ ڈال اے ہمارے رب بیشک تو شفقت و مہربانی کرنے والا ہے)۔ [الحشر: ۱۰]

اس آیت میں صحابہ کرام اور ان کے بعد ان کے نقش قدم پر چلنے والے (اس میں تابعین اور تبع تابعین اور قیامت تک ہونے والے اہل ایمان و تقویٰ سارے کے سارے شامل ہیں) لیکن شرط یہی ہے کہ وہ انصار و مہاجرین رضوان اللہ علیہم اجمعین کو مومن ماننے اور ان کے حق میں دعائے مغفرت کرنے والے ہوں نہ کہ ان کے ایمان میں شک کرنے اور ان پر سب و شتم کرنے اور ان کے خلاف اپنے دل میں بغض و عناد رکھنے والے ہوں (امام مالک رحمہ اللہ نے اس آیت سے استنباط کرتے ہوئے یہی بات ارشاد فرمائی ہے کہ: رافضی کو جو کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر سب و شتم کرتے ہیں مال فنی میں حصہ نہیں ملے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کی مدح کی ہے اور رافضی ان کی مذمت کرتے ہیں (ابن کثیر) اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ تم لوگوں کو اصحاب محمد ﷺ کے لئے استغفار کا حکم دیا گیا ہے مگر تم نے ان پر لعن طعن کی میں نے تمہارے نبی ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے یہ امت اس وقت تک ختم نہیں ہوگی جب تک اس کے آخرین اولین پر لعنت نہ کریں (رواہ البغوی)۔ چنانچہ امام ابو محمد بر بہاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”اگر تم کسی شخص کو اصحاب نبی ﷺ پر لعن طعن کرتے ہوئے دیکھو تو سمجھ لو کہ (اس کا عقل و خرد سے کوئی تعلق نہیں) بلکہ یقیناً وہ تو ہوائے نفس کو غلام ہے جس کو صاحب ہوا کہا جائے گا کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ (جب میرے صحابہ کا ذکر آئے تو زبان کو لگام لگا لو) (مجمع الزوائد ۷/۲۰۲) علامہ برہماری نے حدیث کے اس مقطعہ کو حضرت عبداللہ مسعود رضی اللہ کی حدیث سے لیا ہے جس کی توثیق امام طبرانی نے بھی کی ہے (ملاحظہ ہو: معجم الامام الطبرانی) نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ (میرے صحابہ کو ان کے حال پر چھوڑ دو ان کی زلات اور لغزشوں کے بارے میں نکتہ چینی مت کرو اور ان کے بارے میں چھان بین اور کریدا کرادی مت کرو نیز ان کے بارے میں وہ بات مت کہو جس سے تم بے خبر ہو اور اس بارے میں اگر کوئی زبان درازی کی جرأت کرتا ہے تو اپنے کان بند کر لو کیونکہ اگر تم نے ان کے بارے میں اس قبیل کی باتوں میں سے کچھ بھی سنا تو تمہارا دل ان کے بارے میں صحیح سلامت نہیں رہ سکتا) اس کے بعد علامہ برہماری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ (امہات المؤمنین میں سے اگر کسی کا تذکرہ کرو تو ان کو خیر کے ساتھ یاد کرو) (ملاحظہ ہو: طبقات الحنابلہ: ۲/۳۵-۳۶)۔

اور وہ حدیث جس کو امام بخاری و مسلم رحمہما اللہ نے اپنی صحیحین میں نقل کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ (میرے صحابہ کرام کی امت دو اللہ کی قسم اگر تم میں کوئی شخص اجد پہاڑ کے برابر بھی سونا صدقہ کر دے پھر بھی میرے صحابی کے ادنیٰ سے ادنیٰ مرتبہ تک تو کیا ان کی خاک پا تک رسائی حاصل نہیں کر سکتا) [متفق علیہ]

اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ علماء اہل سنت والجماعت کا کہنا ہے کہ صحابہ کرام کی سیرت کا عقیدہ سے جدا کر کے مطالعہ نہیں کیا جاسکتا بلکہ ان کی سیرت مطہرہ عقیدہ اسلامیہ کی اساس و بنیاد ہے اسی لئے اہل سنت والجماعت میں سے شائد ہی کوئی ایسا مصنف عالم ہو جس نے عقیدہ کے موضوع پر خامہ فرسائی کی ہو اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں اعتقاد کے

بحث کو نظر انداز کر دیا ہو مثال کے طور پر (لال کٹائی کسی کتاب: اصول اعتقاد اہل السنۃ) اور (ابن ابی عاصم کی کتاب (السنۃ) اور (عبداللہ بن أحمد بن حنبل کی کتاب (السنۃ) اور (ابن بطہ کی کتاب: الأبانۃ) اور (شیخ صابونی کی کتاب: عقیدۃ اہل السلف أصحاب الحدیث) وغیرہ وغیرہ بلکہ اسلاف امت میں سے کوئی شخص جب بھی عقیدہ کے باب میں قلم و قرطاس کا سہارا لیتا ہے تو صحابہ کرام کا ذکر خیر ضرور کرتا ہے چاہے وہ ایک صفحہ یا اس سے کم ہی کیوں نہ ہو (چاہے وہ ان کے محاسن و فضائل کا معاملہ ہو یا خلفاء راشدین کی افضلیت کا مسئلہ ہو یا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی عدالت کے بارے میں بحث ہو یا رافضیوں کی طرف سے ان کو سب و شتم اور ان پر لعن طعن کے بارے میں تنبیہ ہو یا ان کے درمیان آپس میں جو اختلافات اور شقاق و نزاع رونما ہو اس کے بارے میں تبصرہ سے گریز اور اس بارے میں سکوت اختیار کرنے کا مسئلہ ہو غرضیکہ اسلاف کرام کی کتابوں میں عموماً عقیدہ کے ضمن میں صحابہ کرام کے موضوع کو ضرور چھیڑا گیا ہے اس سے بخوبی پتہ چلتا ہے کہ صحابہ کرام اور صحابیات رضوان اللہ علیہم اجمعین کا مقام کتنا بلند و بالا ہے۔

لہذا ایک متقی اور باہوش مسلمان کے لئے یہی کافی ہے کہ وہ اسلام کے پیغام کی طرف موسم بہار کی طرح متوجہ ہو اور اس پر اپنے تمام خزانے نچھاور کر دے اور دین اسلام کی نصرت و حمایت میں اپنی ساری جدوجہد اور مال و دولت قربان کر دے کیونکہ یہ اس کی زندگی کا امتیازی وصف ہے اور اس کے وجود کا نمایاں مقصد ہے اور گویا کہ یہ تقرب الہی کی سرخی اور عنوان ہے اللہ کی رضا و خوشنودی اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتی جب تک اللہ کے رسول ﷺ اور ان کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے سچے دل کے ساتھ حقیقی محبت و مودت، تعلق اور مولاۃ روانہ رکھا جائے کیونکہ مسلمانوں کے سامنے سیدھے راستے کے نقوش نمایاں اور واضح ہوتے ہیں اسی لئے ایک سچا اور پکا مسلمان کوئی ایسی بات کرنے سے گریز کرتا ہے تو تعارض کا پیش خیمہ ہو جس کی وجہ سے اسے خفت اٹھانی پڑے جو اس کی کم عقلی کا ثبوت پیش

کرتی ہو جیسا کہ رافضیوں کا معاملہ ہے انہوں نے تو کم عقلی اور بیوقوفی کی مثال رہتی دنیا تک قائم کر دی ہے جس کی وجہ سے وہ براہ نام مسلمان رہ گئے ہیں حقیقت میں ان کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں شخصیت کا یہی وہ دور خاپن ہے جس میں روافض یا شیعہ برادران بتلا ہیں ان کی دو غلطیوں کی یہی وہ نمایاں ترین صفت ہے جو بہت ہی خطرناک ہے اور دین اسلام کے انمول خزانہ میں نقب زنی کرنے کے مرادف ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی قدر ہے کہ (ترجمہ: جس نے لوگوں کو ناراض کر کے اللہ کی رضا جوئی حاصل کی اسے اللہ تعالیٰ لوگوں کی تکلیف سے محفوظ رکھ کر اس کے لئے کافی ہو جاتا ہے اور جس شخص نے اللہ تعالیٰ کو ناراض کر کے لوگوں کو خوش کرنا چاہا اللہ تعالیٰ اسے لوگوں کے سپرد کر دیتا ہے) [رواہ الترمذی برقم: ۲۴۱۴]

فضیلۃ الشیخ ابو بکر جزائری رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ (اگر شیعوں کے اہداف و مقاصد غلط نہ ہوتے اور ان کے اغراض و مقاصد عزائم و ارادے خباثت پر مبنی نہ ہوتے تو وہ (ولایت اور امامت) کا بیج بو کر مسلمانوں میں افتراق و انتشار پیدا کرنے کی کوشش نہ کرتے اور نہ ہی عقیدہ ولایت اور امامت کا کوئی معنی قرار پاتا بلکہ میں تو یہ کہنا چاہوں گا کہ اس عقیدہ رافض کا بنیادی مقصد ہی یہی ہے کہ شرانگیزی اور تفرقہ بازی کا بیج بویا جائے اور مسلمانوں میں فتنہ و فساد کی آگ بھڑکادی جائے تاکہ وہ آپس میں ہمیشہ ہمیش دست و گریباں رہیں) [ملاحظہ ہو: شیخ ابو بکر جزائری حفظہ اللہ کا اس سلسلہ میں لکھا ہوا سالہ ص ۱۹]

ہم یہ کہتے ہیں کہ اہل سنت و الجماعت سے وابستہ وہ لوگ ہیں جو حاملین قرآن کریم اور متبعین سنت رسول مبین ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے دین اسلامی اور شریعت سماوی کا محافظ و نگہبان بنایا ہے چنانچہ انہوں نے اپنے عہد و پیمان کو نبھاتے ہوئے دین اسلام کی بھرپور آبیاری اور نگہبانی کی ہے یہی نہیں بلکہ شریعت اسلامیہ کی حفاظت اور ناموس رسالت کی پاسبانی نیز اعلائے کلمۃ اللہ کی خاطر انہوں نے بے دریغ اپنی عزیز جانوں کے نذرانے تک

پیش کرنے میں کسی قسم کے پس و پیش کام نہیں لیا ہے بایں طور انہوں نے تاریخ دعوت و عزیمت کے میدان میں ایک سنہرے باب کا اضافہ کیا ہے اور پوستہ رہ شجر سے امید بہار کا ثبوت پیش کیا ہے۔

اس سلسلہ میں (فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر/ عبدالرحمن بن عبدالعزیز السدیس امام و خطیب حرم مکی حفظہ اللہ) دو ٹوک الفاظ میں فرماتے ہیں: شیعہ یا روافض تو وہ لوگ ہیں جو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو گالی دیتے ہیں اور ان پر لعنت ملامت روا رکھتے ہیں اور ان پر تہرابازی کر کے انہیں برا بھلا کہتے ہیں بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ روافض کو شریعت محمدیہ سے چڑھ ہے اسی لئے تو وہ دین اسلام کو صفحہ ہستی سے منادینے پر اتار دیں انہوں نے انہیں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر لعن طعن کی ہے اور نازیبا جملے کسے ہیں جنہوں نے اس دین کی اپنے خون پسینے سے آبیاری کر کے اسے ہم لوگوں تک صحیح سالم پہنچایا ہے اگر صحابہ کرام میں سے کسی ایک صحابی کی شخصیت کو داغدار کرنے کی کوشش کی گئی تو گویا کہ ایسا شخص ملت اسلامیہ کے پورے سرمایہ کو نیست و نابود کر دینے کی ناپاک سازش کرنے والا ہے درحقیقت اس نے اپنی اس حرکت کی وجہ سے ملت اسلامیہ کی عمارت کو زلزلے میں بوس کر دیا عمارت اسلامیہ اگر گر جائے تو پھر کیا باقی بچا؟ کیونکہ صحابہ کرام کو برا بھلا کہنا اور ان پر تہرابازی کرنا یا انہیں گالی گلوں کرنا گویا کہ رسول اللہ ﷺ کو براہ راست لعن طعن کرنا ہے لہذا ہمارا رافضیوں سے دور دور کا کوئی تعلق اور رشتہ نہیں ہو سکتا اور نہ ہی ہم ان سے ذرہ برابر قریب ہونا چاہیں گے بلکہ اگر اس سے بھی کم کوئی پیانا معرض وجود میں ہو تو ہم اس کے برابر بھی ان سے نزدیکی اور ہم آہنگی کے خواہاں نہیں کیونکہ رافضی یہود و نصاریٰ سے بڑھ کر دین اسلام کے لئے مضرت رساں ہیں اور ہم بحیثیت مسلمان ان پر ذرہ برابر بھی بھروسہ نہیں کر سکتے بلکہ تمام مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ ان کو احتیاط کی عینک لگا کر محتاط انداز میں دیکھا کریں کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے (یہی حقیقی دشمن ہیں ان سے بچو اور احتیاط برتو اللہ تعالیٰ انہیں غارت کرے کہاں لٹے پاؤں پھرے جاتے

ہیں) [المنافقون: ۵] (ملاحظہ ہو: کو کب الخطب المنيفه من منبر الكعبة الشريفة)
 لہذا مسلمانوں سے ہماری گزارش ہے کہ عقائد و سلوک کے میدان میں ان کی امتیازی
 شان ہوتا کہ انہیں وہی بات پسند آئے جس میں اللہ کی خوشنودی اور رضامندی پنہاں ہو
 اور انہیں وہی چیز بغض ہو جس سے اللہ کی ناپسندیدگی اور ناراضگی لازم آتی ہو لہذا ہم مسلمان
 بھائیوں کے لئے تو مدد و معاون بن کر باہم شیر و شکر ہو جائیں بلکہ یہ واحد کی طرح ان کا (جزء
 لاینفک) بن جائیں کیونکہ مسلمانوں کے دشمن (عصر قدیم اور عصر جدید) دونوں زمانوں میں
 اپنے عقائد اور اپنے دین کے معاملہ میں مسلمانوں کے خلاف دشمنی نبھاتے ہوئے یہ واحد کی
 طرح متحد و متفق تھے ہیں اور رہیں گے اگرچہ آپس میں ان کا کتنا شدید اختلاف کیوں نہ
 ہو؟ مگر جب اسلام کے خلاف صف آرائی کی بات آتی ہے تو اس میں وہ اپنے اختلافات کو
 بالائے طاق رکھ کر ایک آواز ہو جاتے ہیں ارشاد باری تعالیٰ ہے (ترجمہ: آپ سے یہود
 و نصاریٰ ہرگز ہرگز راضی نہیں ہوں گے جب تک کہ آپ ان کے مذہب کے تابع نہ بن
 جائیں) [البقرہ: ۱۲۰]

ڈاکٹر رضی الاسلام صاحب رقم طراز ہیں: (جب مسلمان اپنے قول و عمل سے اسلام کی
 صحیح ترجمانی کرنے لگیں اور ان کی شخصیت اسلام کا چلتا پھرتا نمونہ بن جائے وہ ہر معاملہ میں
 اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت اور اسلامی حدود کی پابندی کرنا شروع کر دیں ان
 کے اخلاق اسلامی اخلاق ہوں ان کی معاشرت پہ اسلامی چھاپ ہو اور ان کی تہذیب اسلام
 کے رنگ میں رنگی ہوئی ہو خاص طور سے وہ لوگ جو اسلامی تعلیمات کے علم بردار اور اقامت
 دین کے داعی ہیں اور وہ دنیا میں اللہ کی حکومت قائم کرنے کا عزم رکھتے ہیں ان پر لازم ہے کہ
 وہ اپنے قول و عمل میں ہم آہنگی پیدا کریں اور اپنی زندگی اسلام کے سانچے میں ڈھالیں وہ
 لوگ دنیا میں کیا انقلاب برپا کر سکیں گے جو خود اپنے آپ پر اسے برپا کرنے پر قادر نہیں؟ ان
 سے دنیا میں اللہ تعالیٰ کی حکومت قائم کرنے کی کیا توقع کی جاسکتی ہے جو خود اپنی ذات پر اسے

قائم نہیں کر سکتے؟ جو لوگ دوسروں کو ایسے نظریات و عقائد ایسے اصول و اقتصاد، ایسے آداب معاشرت، ایسے ضوابط سیاست اور ایسے اخلاق و کردار کی دعوت دیتے ہوں جن سے خود ان کی زندگیاں عاری ہوں تو انکی اشاعت و قبولیت کی کیا اُمید کی جاسکتی ہے؟

(ملاحظہ فرمائیں عربی کی مشہور و معروف کتاب شخصیت المسلمہ کا اردو ترجمہ: ص ۱۹-۲۰) یہی وہ آرزو و تمنا ہے جس نے اس کتاب کے ترجمہ میں مہینز کا کام کیا اور یہ حسین و جمیل خواب (پیغام حق) کے قالب میں ڈھل کر آپ کے ہاتھوں میں ہے درحقیقت اس کتاب کے ترجمہ اور ایڈیٹنگ کے لئے ہم (مکتبہ اہل بیت العالمیہ مدینہ جده) کے فعال کارکن محترم جناب ابوشاہین عقاب حفظہ اللہ کے تہہ دل سے ممنون و مشکور ہیں کہ انہوں نے اس کتاب کو طباعت کا قالب پہنانے میں (چاہے وہ ڈیزائننگ کا معاملہ ہو یا اس کی پروف ریڈنگ کا فنی مراحل کے پایہ تکمیل تک رسائی کا کام غرضیکہ اس سلسلہ کی کوئی بھی ضرورت) ہر زاویہ سے انہوں نے اس میں تن من دھن کی بازی لگادی یہ کتاب دراصل انہیں کی مساعی جمیلہ کی مرہون منت ہے اللہ تعالیٰ ان کے اور ان کے اہل و عیال کے لئے اس کو صدقہ جاریہ بنائے انہوں نے ہر طرح سے اسکو حیز و وجود میں لانے کے لئے انتھک محنت اور جانفشانی کا ثبوت پیش کیا ہے اللہ تعالیٰ ان کو اجر عظیم سے نوازے۔

اخیر میں قارئین کرام سے درخواست ہے کہ وہ اپنے خیر خواہانہ مشوروں اور مفید تجربات سے مترجم اور اور اے کو روشناس ہونے کا موقع ضرور عنایت فرمائیں تاکہ ترجمہ کے اندر موجود نقص کی تلافی ہو سکے اور اللہ تعالیٰ سے دعاء ہے کہ اس عمل کو امت مسلمہ نیز میرے خاندان خاص طور سے میرے والدین مرحوم میری ذریت (عبدالرحیم میاں رحمانی عطاء الرحیم میاں رحمانی جویریہ رحمانی اور مفازہ رحمانی) اور میرے اہل و عیال اور میرے تمام آباء و اجداد کرام رحمہم اللہ اور میرے تمام مشائخ کرام کے لئے صدقہ جاریہ بنائے (آمین)۔

میں جانتا ہوں کہ کچھ بھی نہیں ہے متاع علم و کمال میری

مگر یہ ہے تیری دسترس میں خذف کو موتی کا رنگ دے دے
 عروج آئے وہ پستیوں پر بلندیاں بھی عرق عرق ہوں
 خزاں کی ویران وسعتوں کو بہار کا جل ترنگ دیدے

اللهم انا نسألك رضوانك والجنة ونعوذ برحمتك من النار و صلى الله
 على نبينا وحبينا وقرآنا أعيننا محمد وعلينا آله وأصحابه وسلم تسليما
 كثيرا كثيرا

أخوكم ومحكم في الله
 خادم القرآن والسنة

فضل الرحمن رحمانى ندوي

فاضل جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ

۱۴۳۱ / ۵ / ۸ھ



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مقدمۃ الكتاب

ہر ملت میں اپنے عقائد و نظریات اور عملی اصول و ضوابط کے ساتھ دل و جان سے مخلص لوگوں کے ذریعے ہی اس اُمت کو دنیا میں غلبہ حاصل ہوا کرتا ہے۔ اس بات میں بھی کسی طرح کا شک و شبہ نہیں ہے کہ اللہ رب العزت نے جب یوں اعلان فرمایا:

﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِی الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۗ وَلَیُمِکِّنَنَّ لَهُمْ دِیْنَهُمُ الَّذِیْ اَرْتَضٰی لَهُمْ ۗ وَلَیُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اٰمَنًا یَعْبُدُوْنَ نِیْیَ لَا یُشْرِکُوْنَ بِیْ شَیْئًا ۗ وَمَنْ کَفَرَۤا بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُوْلٰئِکَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝﴾ (النور: ۵۵)

”جو لوگ تم میں سے ایمان لائے اور اچھے کام کئے، اللہ تعالیٰ نے ان سے وعدہ کیا ہے کہ (ایک دن) ان کو ضرور ملک میں حکومت دے گا جیسے اس نے اگلے لوگوں کو ان سے پہلے حکومت دی تھی (داؤد اور سلیمان اور بنی اسرائیل وغیرہ کو) اور جن کو ان کے لئے پسند کیا ہے۔ (یعنی اسلام کو) وہ ان کے لئے جمادے گا اور ان کو (دشمنوں سے اس وقت) جو ڈر ہے اس کے بعد ڈر کے بدل ان کو امن دے گا۔ وہ مجھ کو پوجتے رہیں گے میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرنے کے۔ جو شخص اس کے بعد کفر کرے (مرتد ہو جائے یا کفر پر جمار ہے) تو ایسے لوگ نافرمان ہیں۔“

تو عہد خیر القرون میں ہی اس وعدہ الہی کا ظہور ہوا۔ اللہ رب العالمین نے حاملین قرآن و سنت، صحابہ کرام و تابعین عظام رضی اللہ عنہم کو چالیس سالوں کے اندر اپنی زمین میں غلبہ عطا

فرمادیا۔ اُس دور کی نہایت طاقتور حکومتیں کہ جن کا تسط دنیا پر ہزار ہا سالوں سے چلا آ رہا تھا، ٹوٹ گئیں۔ ان کے باطل و طاغوتی نظام ختم ہو گئے اور اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ دین، اسلام دنیا میں غالب آ گیا۔ نبی کریم ﷺ نے اہل ایمان اور دین حنیف کے غلبہ کی جو پیش گوئیاں فرمائی تھیں وہ بھی اس عہد خیر القرون میں پوری ہو گئیں۔ اہل ایمان و اسلام کے مفتوحہ و مقبوضہ ملکوں میں امن و عدل قائم ہو گیا، قیصر روم کی سلطنت ختم ہو گئی اور کسریٰ کے خزانے مسلمانوں کے قدموں تلے ڈھیر ہو گئے۔

رسول اللہ ﷺ نے یہ جو فرمایا تھا: ((إِنَّ اللَّهَ زَوَى لِي الْأَرْضَ، فَرَأَيْتُ مَشَارِقَهَا وَمَغَارِبَهَا، وَإِنَّ أُمَّتِي سَيَبْلُغُ مُلْكُهَا مَا زُوِيَ لِي مِنْهَا.....)).....
 ”اللہ تعالیٰ نے زمین کو میرے لیے سکیڑ دیا۔ پس میں نے اس کے مشرقوں اور مغربوں کو دیکھا (یعنی اللہ نے مجھے زمین کے اکثر حصوں کو دکھا دیا۔) عنقریب میری امت کا دائرہ اقتدار وہاں تک جا پہنچے گا جہاں تک میرے لیے زمین کو سکیڑ دیا گیا۔“..... حکمرانی کی یہ وسعت بھی مسلمانوں کے حصے میں آئی۔ فارس و شام، مصر و افریقہ اور ہند، سندھ سمیت دور دراز کے ممالک فتح ہوئے اور کفر و شرک کی جگہ توحید و سنت کی مشعلیں ہر جگہ روشن ہو گئیں۔ اسلامی تہذیب و تمدن کا پھر پورا چار دانگ عالم میں لہرا گیا۔

چودہ صدیاں قبل جن لوگوں کے ہاتھوں انتہائی مختصر سی مدت میں دنیا کا یہ سب سے بڑا انقلاب برپا ہوا، ان عظیم ترین اصحاب الخیر جیسی جماعت آسمان دنیا نے اس زمین پر انسانی تاریخ میں اس سے پہلے کبھی نہ دیکھی تھی۔ ایک شاعر ان لوگوں کے اوصاف بیان کرتے ہوئے کہتا ہے:

کیا اُمیوں نے جہاں میں اُجالا ہوا جس سے اسلام کا بول بالا
 بتوں کو عرب اور عجم سے نکالا ہر اک ڈوبتی ناؤ کو جا سنبھالا

زمانہ میں پھیلائی توحید مطلق
 لگی آنے گھر گھر سے آوازِ حق حق
 ہوا غلغلہ نیکیوں کا بدوں میں پڑی کھلی کفر کی سرحدوں میں
 ہوئی آتشِ افسردہ آتشکدوں میں لگی خاک سی اُڑنے سب معبدوں میں
 ہوا کعبہ آباد سب گھر اُجڑ کر
 جے ایک جا سارے دنگل بچھڑ کر
 ہر اک علم کے فن کے جو یا ہوئے وہ ہر اک کام میں سب سے بالا ہوئے وہ
 فلاحت میں بے مثل و یکتا ہوئے وہ سیاحت میں مشہور دنیا ہوئے وہ
 ہر اک ملک میں اُن کی پھیلی عمارت
 ہر اک قوم نے اُن سے سیکھی تجارت
 جہاں کو ہے یاد اُن کی رفتار اب تک کہ نقش قدم ہیں نمودار اب تک
 ملایا میں ہیں اُن کے آثار اب تک اُنھیں رو رہا ہے ملیبار اب تک
 ہمالہ کو ہیں واقعات اُن کے ازبر
 نشاں اُن کے باقی ہیں جبرائیل پر
 کوئی قرطبہ کے کھنڈر جا کے دیکھے مساجد کے محراب و در جا کے دیکھے
 مجازی امیروں کے گھر جا کے دیکھے خلافت کو زیر و زبر جا کے دیکھے
 جلال اُن کا کھنڈروں میں ہے یوں چمکتا
 کہ ہو خاک میں جیسے کندن دملتا
 ہمارے اسلاف کی اس جماعتِ حقہ کی تعریف و توصیف کیا اُن کے رب سے بڑھ کر بھی
 کوئی کر سکتا ہے؟ فرمایا:

﴿ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ ط وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ

تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا سِيمَاهُمْ فِي
وُجُوهِهِمْ مِنْ أَثَرِ السُّجُودِ ۗ ذَٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَةِ وَمَثَلُهُمْ فِي
الْإِنْجِيلِ كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْئَهُ فَآزَرَهُ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوَىٰ عَلَىٰ سُوقِهِ
يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ۗ وَعَدَّ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا
الصَّالِحَاتِ مِنْهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا ﴿٢٩﴾ (الفتح: ٢٩)

”محمد اللہ کا پیغمبر ہے اور جو لوگ اس کے ساتھ ہیں (یعنی صحابہ) وہ کافروں پر سخت
ہیں، آپس میں (ایک دوسرے پر) رحم دل ہیں۔ (اے دیکھنے والے) تو ان کو
دیکھتا ہے (کبھی) رکوع کر رہے ہیں (کبھی) سجدہ کر رہے ہیں۔ اللہ کے فضل
اور اسکے رضامندی کی فکر میں رہتے ہیں۔ ان کی نشانی ان کے چہرے پر ہے یعنی
سجدے کی نشانی۔ یہ تو ان کا حال تو رات شریف میں بیان ہوا ہے اور انجیل
شریف میں ان کی مثال ایک کھیتی کی سی بیان کی گئی ہے جس نے زمین سے اپنی
سوئی نکالی (موکلہ یا پٹھا) پھر اس کو زوردار کیا اور وہ موٹی ہو گئی۔ اب نال پر سیدھی
کھڑی ہو گئی، کسانوں کو بھلی لگنے لگی۔ اللہ تعالیٰ نے یہ (اس لئے) بیان کیا تاکہ
کافر ان کو دیکھ کر جلیں ان لوگوں میں جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے ان سے
اللہ تعالیٰ نے بخشش کا اور بڑے نیک کا وعدہ کیا ہے۔“

ایک اور مقام پر اہل ایمان کی صفت کچھ اس طرح بیان فرمائی ہے:

﴿ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا وَجَاهَدُوا
بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۗ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ ﴿١٥﴾

(الحجرات: ١٥)

”مومن تو وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر (دل سے) یقین لائے
پھر ان کو (ایمان کی باتوں میں کسی طرح کا) شک نہیں رہا اور انھوں نے اپنی جان

اور مال سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں کوشش کی۔ (جہاد کیا۔) ایسے ہی لوگ سچے (ایماندار) ہیں۔“

پھر ان لوگوں کے صدق و صفا کو یوں بھی بیان فرمایا ہے:

﴿مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضَىٰ نَحْبَهُ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَنْتَظِرُ ۗ وَمَا بَدَّلُوا تَبْدِيلًا ۝ لِيَجْزِيَ اللَّهُ الصَّادِقِينَ بِصِدْقِهِمْ وَيُعَذِّبَ الْمُنَافِقِينَ إِن شَاءَ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا ۝﴾ (الاحزاب: ۲۳-۲۴)

”انہی مسلمانوں میں کچھ مرد تو ایسے ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ سے جو اقرار کیا تھا اس میں سچے اترے۔ ان میں سے بعض تو اپنا کام پورا کر چکے (یا اپنی منت پوری کر چکے) اور بعضے (ابھی) راہ دیکھ رہے ہیں اور ان لوگوں نے (اپنے اقرار کو) ذرا نہیں بدلا۔ کہ اللہ سچوں کو ان کی سچائی کا بدلہ دے اور منافقوں کو چاہے سزا دے۔ چاہے (جب وہ توبہ کریں) ان کو معاف کر دے۔ بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔“

ساری کائنات کے سردار نبی مکرم محمد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((خَيْرُ النَّاسِ قَرْنِي، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ، ثُمَّ يَجِيءُ قَوْمٌ تَسْبِقُ شَهَادَةُ أَحَدِهِمْ يَمِينَهُ وَيَمِينُهُ شَهَادَتُهُ.)) ❶

” (دنیا جہان کے) تمام لوگوں سے بہتر میرا زمانہ ہے۔ پھر ان لوگوں (تابعین کرام) کا جو اس زمانہ کے بعد آئیں گے۔ پھر ان لوگوں (تابعین کرام) کا جو ان کے بعد آئیں گے۔ اس کے بعد ایک ایسی قوم پیدا ہوگی جن کی گواہی

❶ صحیح البخاری / کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ / باب فضائل اصحاب النبی ﷺ ومن صحب الخ / حدیث: ۳۶۵۱۔ صحیح مسلم / کتاب فضائل الصحابة ﷺ / حدیث: ۶۴۷۲ / ۲۰۳۳۔

ان کی قسم سے پہلے زبان پر آ جایا کرے گی اور ان کی قسم، ان کی گواہی سے پہلے ہوا کرے گی۔“

سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((يَا أَيُّهَا عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ فَيَغْزُوا فِتْنًا مِنَ النَّاسِ ، فَيَقُولُونَ ؛ فَيُفْتَحُ لَكُمْ مِنْ صَاحِبِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ ؟ فَيَقُولُونَ لَهُمْ ؛ نَعَمْ ، فَيُفْتَحُ لَهُمْ . ثُمَّ يَا أَيُّهَا عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ فَيَغْزُوا فِتْنًا مِنَ النَّاسِ فَيَقَالُ : هَلْ فِيكُمْ مِنْ صَاحِبِ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ ؟ فَيَقُولُونَ ؛ نَعَمْ ، فَيُفْتَحُ لَهُمْ . ثُمَّ يَا أَيُّهَا عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ فَيَغْزُوا فِتْنًا مِنَ النَّاسِ ، فَيَقَالُ : هَلْ فِيكُمْ مِنْ صَاحِبِ مَنْ صَاحِبِ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ ؟ فَيَقُولُونَ ؛ نَعَمْ ، فَيُفْتَحُ لَهُمْ .)) ❶

”لوگوں پر ایک زمانہ آئے گا کہ اہل ایمان، مسلمانوں کے لشکر جہاد کریں گے۔ لوگ ان سے پوچھیں گے: کیا تمہارے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے کوئی صحابی بھی ہیں؟ (پوچھنے والے مسلمان حکام میں سے ہوں گے۔) مسلم عساکر کے مجاہدین کہیں گے: ہاں! (ہمارے اندر نبی کریم ﷺ کے صحابی ہیں۔) چنانچہ (صحابی رسول ﷺ کا عین قرآن و سنت کے مطابق جہاد فی سبیل اللہ میں مشارکت کرنے والی برکت کی وجہ سے) ان سپاہ اسلام کی فتح ہوگی۔ ان کے بعد پھر ایک ایسا وقت آئے گا کہ مسلمانوں کے لشکر جہاد فی سبیل اللہ کے لیے نکلیں گے۔ اس موقع پر ان سے پوچھا جائے گا: کیا تم لوگوں میں رسول اللہ ﷺ کی مصاحبت اختیار کرنے والے صحابہ کے ساتھی (تابعین کرام رضی اللہ عنہم جمیعاً) موجود ہیں؟ مجاہدین

❶ صحیح البخاری / کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ / حدیث: ۳۶۴۹۔ صحیح مسلم /

اسلام جواب دیں گے: جی ہاں! (ہمارے اندر تابعین کرام رضی اللہ عنہم بھی ہیں۔) چنانچہ (ان تابعین عظام رضی اللہ عنہم کا عین قرآن و سنت کے مطابق جہاد فی سبیل اللہ میں بلاخلاص مشارکت کرنے والی برکت اور اُن کا اللہ عزوجل سے دُعا کرنے کی وجہ سے) ان سپاہِ اسلام کو فتح ہوگی۔ پھر ان کے بعد ایک اور زمانہ آئے گا کہ: مجاہدین اسلام کے لشکر اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے نکلیں گے۔ ان سے بھی پوچھا جائے گا: کیا تم میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی مصاحبت اختیار کرنے والے (تابعین کرام رضی اللہ عنہم) کی شاگردی و مصاحبت میں رہنے والے صاحب (تبع تابعین کرام رضی اللہ عنہم) میں سے کوئی ہیں؟ تو مجاہدین اسلام کہیں گے: جی ہاں! (ہمارے لشکر میں تبع تابعین بزرگ موجود ہیں۔) چنانچہ (ان تبع تابعین کرام رضی اللہ عنہم کا عین قرآن و سنت کے مطابق لاعلاء کلمتہ اللہ، جہاد فی سبیل اللہ میں پورے اخلاص کے ساتھ مشارکت کرنے والی برکت اور اُن کا اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے دُعا کرنے کی بنا پر) ان مسلمان فوجوں کو فتح ہوگی۔“

چنانچہ تھوڑے سے عرصہ میں اپنی للہیت، عقیدہ و ایمان میں پختگی، اسلامی شرعی اصول و ضوابط پر مکمل پابندی اور باہم شیر و شکر ہو جانے والی محبت کی وجہ سے خیر القرون کے اصحاب الخیر والبر کہ نے اپنے دور کی دو تہائی سے زیادہ آباد دنیا پر جو غلبہ حاصل کر کے اللہ عزوجل کے عطا کردہ دین حنیف کو تمام انسانوں کے لیے فلاح و کامرانی اور امن و عدل کا نظام حیات متعارف کروا کر اسے نافذ کرنے میں اپنی تمام صلاحیتوں اور جان و اموال کو اپنے رب کے لیے جب پیش کر دیا تھا تو اللہ کریم نے اُن پر اپنی خوشنودی و رضا مندی کے اعلان و اظہار کو تاقیامت قرآن عظیم میں محفوظ فرمادیا۔ دنیا میں جب تک قرآن مجید کی تلاوت ہوتی رہے گی ان عظیم تر لوگوں کے حق میں اللہ رب العالمین کے اس انعام عظیم کو ان گنت بار پڑھا اور دوہرایا جاتا رہے گا۔ فرمایا:

﴿ وَالسَّبِقُونَ الْأَوْلُونَ مِنْ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ
بِإِحْسَانٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي تَحْتِهَا
الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۗ ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۝ ﴾ (التوبة: ۱۰۰)

”اور مہاجرین اور انصار میں سے جن لوگوں نے اول ہجرت کی اور پہلے اسلام
لائے اور جنہوں نے نیکی کے ساتھ ان کی پیروی کی، اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ
اللہ سے راضی ہوئے (اللہ ان سے خوش وہ اللہ سے خوش) اور اللہ تعالیٰ نے ان
کے لیے باغ تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں پڑی بہ رہی ہیں۔ وہ ان میں
ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہی بڑی کامیابی ہے۔“

انھیں اصحاب خیر القرون کی تعریف ایک اور مقام پر رب ذوالجلال والا کرام یوں
فرماتے ہیں:

﴿ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ آوَا وَنَصَرُوا
أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا ۗ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ۝ وَالَّذِينَ آمَنُوا
مِنْ بَعْدِ وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا مَعَكُمْ فَأُولَٰئِكَ مِنْكُمْ ۗ وَأُولُوا الْأَرْحَامِ
بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللَّهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝ ﴾

(الانفال: ۷۴-۷۵)

”اور جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کیا (یعنی
مہاجرین) اور جن لوگوں نے (ان مہاجرین کو) جگہ دی اور (ان کی) مدد کی (یعنی
انصار) یہی پکے مسلمان ہیں ان لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی بخشش ہے (آخرت
میں) اور عزت کی روزی (دنیا میں)۔ اور جو لوگ بعد کو ایمان لائے اور انھوں
نے ہجرت کی اور تمہارے ساتھ ہو کر جہاد کیا وہ تم ہی میں سے ہیں۔ اور ناطے
رشتے والے ایک دوسرے کے وارث ہونے میں اللہ تعالیٰ کی کتاب کی رو سے

زیادہ حق دار ہیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے۔“
 پھر ایک مقام پر رب العالمین ”حزب الشیطان“ کو (جنہیں بیت اللہ الحرام کی تعمیر کرنے اور حاجیوں کی خدمت پر بڑا گھمنڈ تھا۔) مخاطب کر کے فرمایا:

﴿ أَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ أَمَنَ بِاللَّهِ
 وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَجَهَدَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۗ لَا يَسْتَوُونَ عِنْدَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ لَا
 يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ۝ الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجْهَهُدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ
 بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ أَكْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللَّهِ ۗ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ ۝
 يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِنْهُ وَرِضْوَانٍ وَجَدَّتْ لَهُمْ فِيهَا نِعِيمٌ مُّقِيمٌ ۝
 خُلِّيَدِينَ فِيهَا أَبَدًا إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ أَجْرٌ عَظِيمٌ ۝﴾

(التوبة: ۱۹-۲۲)

” (مشرکوں!) کیا تم لوگوں نے حاجیوں کو پانی پلانا اور ادب والے (کعبہ کی) مسجد کو
 آباد رکھنا اللہ تعالیٰ اور پچھلے دن پر ایمان لانے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کی
 طرح کر دیا (دونوں کو برابر سمجھا)۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ برابر نہیں ہو سکتے
 اور اللہ تعالیٰ بے انصاف لوگوں کو راہ نہیں لگاتا۔ جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت
 کی اور اپنی جان اور مال سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کیا، ان کا درجہ اللہ کے
 نزدیک بڑا ہے (بہت بڑا) اور وہی لوگ (حشر میں) کامیاب ہوں گے۔ ان کا
 مالک ان کو اپنی مہربانی اور رضامندی اور ایسے باغوں کی خوشخبری دیتا ہے جن میں
 ہمیشہ کا آرام ہے۔ ہمیشہ ہمیشہ ان باغوں میں رہیں گے بے شک اللہ تعالیٰ کے
 پاس (بہت بڑا) ثواب (موجود) ہے۔ (اس کے ثواب کا خزانہ کم نہیں ہو سکتا)۔“

غرضیکہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام و تابعین عظام اور تبع
 تابعین کرام رضی اللہ عنہم سمیت خیر القرون کے تمام اصحاب خیر الامم کی قرآن حکیم میں سینکڑوں

مقامات پر تعریف و توصیف بیان فرما کر دنیا کے تمام زمانوں والے سب مسلمانوں کو یہ درس و پیغام دے دیا ہے کہ:

﴿ إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشُرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنتُمْ تُوعَدُونَ ۝ نَحْنُ أَوْلِيَائُكُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ ۗ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِي أَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدَّعُونَ ۝﴾ (فصلت: ۳۰-۳۱)

”جن لوگوں نے یہ کہا کہ ہمارا مالک اللہ ہے (توحید کا اقرار کیا) پھر اس پر جے رہے (مرتے وقت یا قبر میں یا قبر سے اٹھتے وقت) ان پر (رحمت کے) فرشتے اتریں گے (اور کہیں گے) تم ڈرو نہیں اور نہ رنج کرو اور جس بہشت کا تم سے وعدہ تھا اس کی خوشی مناؤ۔ ہم دنیا کی زندگی میں بھی (اللہ کی طرف سے) تمہارے نگہبان (یارِ فیتہ اور مددگار) تھے اور آخرت میں بھی۔ اور بہشت میں بھی جو تمہارا جی چاہے وہ تمہارے لیے حاضر اور جو منگواؤ وہاں تمہارے لیے موجود۔“

اور پھر فرمایا:

﴿ هَذَا بَيَانٌ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِينَ ۝ وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا ۗ وَأَنْتُمْ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۝﴾ (آل عمران: ۱۳۸-۱۳۹)

” (عام) لوگوں کے واسطے تو یہ ایک (تاریخی) بیان ہے اور جو لوگ اللہ سے ڈرتے ہیں ان کے لیے ہدایت اور نصیحت بھی ہے۔ اور ہمت مت ہارو نہ آزرہ ہو اور اگر تم ایمان دار ہو تو (اخیر میں) تم ہی غالب ہو گے۔“

تصویر کا دوسرا رخ:

سوفیہ حقیقت پر مبنی مذکور بالا سچ، تاریخ اسلامی کا ایک ایسا عظیم الشان باب ہے کہ جس کا رد کوئی جاہل اور بے عقل انسان ہی کر سکتا ہے، اپنی سنہری تاریخ سے واقف ایک مومن،

مسلمان آدمی اس سے نہ ہی انکار کرتا ہے اور نہ ہی نفرت۔ اس لیے کہ اپنے اسلاف کی شاندار تاریخ سے انکار کسی منافق سے ہی ممکن ہوتا ہے، پختہ، پکے ایمان والے مسلمان سے ہرگز نہیں۔ البتہ اس عظیم المرتبت حق، سچ کے ساتھ ساتھ ایک اور بھی نہایت کڑوی حقیقت ضرور ہے کہ جو بذاتِ خود تاریخ کا ایک حصہ ہے۔ آئیے! اُس کا بھی قدرنے جائزہ لے لیتے ہیں۔ اس لیے کہ:

..... آج اُمتِ اسلامیہ کی بہت بڑی اکثریت اس حقیقت کے بارے میں پوری معلومات نہ رکھنے کی وجہ سے جہالت و گمراہی کا بھی شکار ہے اور فرقہ بندی میں قابو آ کر اپنی شوکت و سطوت کھودینے کا نتیجہ بھی بھگت رہی ہے۔

ب..... دس سے زیادہ بڑے علماء کرام کی تحریروں پر مشتمل کتابِ ہذا ”اسلام کا پیغام حق“ کا موضوع بھی اس تاریخی حقیقت سے آگاہ کرنا ہے تاکہ مسلمان نوجوانانِ عصر حاضر اپنی اصلاح کر کے عین قرآن و سنت اور صحابہ کرام و تابعین عظام رضی اللہ عنہم والی سیدھی راہ کو اختیار کر سکیں۔

بیدنا اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ کے محلات میں سے ایک محل پر چڑھے اور (ارد گرد والے ساتھیوں سے) فرمایا: کیا تم لوگ (انسانی معاشرے میں کئی فتنوں کے ذریعے پیدا ہونے والی خرابیوں کے ذریعے) وہ کچھ دیکھ رہے ہو جو (عنقریب اُٹھنے والے فتنے) میں دیکھ رہا ہوں؟ اُنھوں نے عرض کیا: نہیں جی۔ فرمایا: ((فَإِنِّي لَأَرَى الْفِتْنَ تَقَعُ خِلَالَ بَيوتِكُمْ كَوْفِ الْقَطْرِ.)) ”میں (عنقریب برپا ہونے والے) فتنوں کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ بارش کے قطروں کی طرح تمہارے گھروں کے اندر داخل ہو جائیں گے۔“^۱

چنانچہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کے آخری ایام میں ہی کئی طرح کے فتنوں نے سر

① صحیح البخاری / کتاب الفتن / حدیث: ۷۰۶۰

اٹھانا شروع کر دیا تھا۔ ہم انھی میں سے چند ایک مرکزی قسم کے ان فتنوں کا ذکر کرنا یہاں ضروری سمجھتے ہیں کہ جنہوں نے آج تک اُمت خیر الامم، ملت محمدیہ علی صاحبہا التحیۃ والسلام کو مصیبتوں سے دوچار کر رکھا ہے۔ ان میں سے بعض کا احاطہ کتاب ہذا میں کر دیا گیا ہے اور بعض شراغینز و سازش پسند فتنوں کا ذکر رہ گیا ہے۔ مثلاً:

(۱)..... جھوٹی نبوتوں کا فتنہ:

اللہ عزوجل کے پسندیدہ دین حنیف، اسلام کو سب سے زیادہ نقصان پہنچانے والے فتنوں میں سے ایک عظیم تر فتنہ جھوٹے نبیوں کا دعوائے نبوت اور اسلام کے لبادہ میں رسول اللہ ﷺ کی نبوت میں شراکت داری رہا ہے۔ محرم سنہ ۱۱ ہجری میں نبی مکرم محمد رسول اللہ ﷺ کے مرض کی خبر مشہور ہوئی تو اس طرح کے بعض مفسدوں نے سر اٹھایا۔ یمن کے علاقے مذحج میں اسود عنسی نے، یمامہ میں بنو حنیفہ کے مسیلہ کذاب نے اور بلاد بنی اسد میں طلحہ بن خویلد الاسدی نے نبوت کے دعوے کر ڈالے اور چہار جانب ایک فساد برپا ہو گیا۔ ان لوگوں نے سمجھا کہ جس طرح محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب القرشی الباشمی (ﷺ) کامیاب ہوئے ہیں، ہم بھی اسی طرح کامیاب ہو جائیں گے۔ مگر یہ سب کے سب ناکام و مخذول اور خاسر و رسوا ہوئے۔ اس لیے کہ: نبوت و رسالت کا معاملہ اجتہادی و جہدی تھوڑا ہے کہ آدمی اپنی محنت شاقہ سے یہ منصب حاصل کر لے۔ یہ تو خالصتاً اللہ عزوجل کے اپنے اختیار میں ہے۔ یعنی یہ وہی منصب ہے کوئی کسی عہدہ و مرتبہ تو نہیں، جیسا کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اللَّهُ يَصْطَفِي مِنَ الْمَلَائِكَةِ رُسُلًا وَمِنَ النَّاسِ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ بَصِيرٌ ۝﴾

(الحج: ۷۵)

”اللہ فرشتوں اور آدمیوں میں سے (اپنے اختیار کے ساتھ) پیغام پہنچانے والے

چھانٹ لیتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ستادیکھتا ہے۔“

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی کریم ﷺ کی حیات طیبہ میں مسیلمہ

کذاب (مدینہ منورہ میں) آیا اور کہنے لگا: اگر محمد ﷺ مجھے اپنے بعد اپنا نائب و خلیفہ بنا دیں تو میں آپ کی پوری پوری تابع داری کروں۔ وہ یہاں مدینہ طیبہ میں اپنی قوم (بنو حنیفہ) کے ایک بڑے مجمع کے ساتھ آیا تھا۔ نبی کریم ﷺ اس کے پاس (دین حق کی دعوت کے لیے) تشریف لے گئے۔ آپ کے ہمراہ جناب ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ میں کھجور کی ایک ٹہنی بھی تھی۔ مسیلہ کذاب اپنے آدمیوں کے ہمراہ جہاں ٹھہرا ہوا تھا نبی مکرم ﷺ وہاں تشریف لے گئے اور وہاں پر کھڑے رہنے کی حالت میں ہی آپ نے اُس سے فرمایا: ”اگر تو مجھ سے یہ چھڑی (کھجور کی ٹہنی) ہی مانگے تو میں تجھے یہ بھی نہیں دوں گا۔ تو اللہ ذوالجلال کے اس فیصلے سے آگے نہیں بڑھ سکتا جو تیرے بارے میں پہلے سے ہو چکا ہے۔ (اور وہ فیصلہ نبی کریم محمد رسول اللہ ﷺ کو خواب میں دکھلایا گیا تھا، جیسا کہ آگے بیان ہوگا۔) اگر تو نے میری اطاعت سے روگردانی کی تو اللہ تعالیٰ تجھے ہلاک کر دے گا۔ اور میرا (یقینی) خیال تو یہ ہے کہ تو وہی ہے جسے مجھ کو خواب میں دکھلایا گیا تھا۔ یہ (میرے صحابی اور ساتھی) ثابت بن قیس ہیں۔ (رضی اللہ عنہ) میری طرف سے تیری باتوں کا جواب تجھے یہ دیں گے۔“ اس کے بعد نبی کریم ﷺ واپس تشریف لے آئے۔

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: میں نے (صحابہ کرام سے) رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان: ((إِنَّكَ أَرَى الَّذِي أُرِيَتْ فِيهِ مَا أَرَيْتُ)) ”مسیلہ! میرا یقینی خیال یہ ہے کہ خواب میں جس (دو میں سے ایک) شخص کے بارے میں مجھے دکھلایا گیا ہے، تو ہی وہ آدمی ہے۔“ کے بارے میں دریافت کیا (کہ اس کا مفہوم کیا ہے؟) تو مجھے جناب ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بتلایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں سویا ہوا تھا کہ میں نے خواب میں اپنے ہاتھوں میں سونے کے دو کنگن دیکھے۔ انھیں دیکھ کر مجھے بہت دکھ ہوا۔ پھر خواب ہی میں مجھ پر وحی (غیر تلو، بصورت حدیث) کی گئی کہ: میں ان پر پھونک مار دوں۔ چنانچہ میں نے ان دونوں کنگنوں پر پھونک ماری تو وہ دونوں اُڑ گئے۔ (ختم ہو گئے۔) میں نے ان دونوں کنگنوں کی

تعبیر دو جھوٹے مدعیانِ نبوت سے کی ہے جو میرے بعد نبوت کا دعویٰ کرتے ہوئے خروج کریں گے۔ ان دونوں میں سے ایک اسود عنسی اور دوسرا یہی مسیلمہ کذاب ہوگا۔“ ①

مسیلمہ بن ثمامہ بن کبیر بن حبیب الحنفی اور الاسود عہبلہ بن کعب ذوالخمار العنسی لعنہما اللہ کے حالات و واقعات کے لیے: صحیح البخاری / کتاب المغازی، حدیث نمبر: ۳۳۷۳ تا حدیث نمبر: ۳۳۷۹ پر فتح الباری میں مفصل شرح، سنہ ۱۱ھ تا سنہ ۱۳ ہجری کے واقعات الہدایہ والنہایہ کا مطالعہ کر لیجیے۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی مکرم ﷺ نے فرمایا: ((لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى يُبْعَثَ دَجَالُونَ كَذَّابُونَ قَرِيبًا مِنْ ثَلَاثِينَ ، كُلُّهُمْ يَزْعُمُ أَنَّهُ رَسُولُ اللَّهِ .)) ”تب تک قیامت قائم نہ ہوگی حتیٰ کہ تیس کے قریب جھوٹے دغا باز قسم کے لوگ (قیامت سے پہلے پہلے اپنے دور میں) فتنہ پیدا کرنے کے لیے (شیطان طاقوں کی طرف سے) اٹھائے جائیں گے۔ ان میں سے ہر ایک یہ دعویٰ کرے گا کہ وہ اللہ کا رسول ہے۔“ ②

جناب ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى تَلْحَقَ قَبَائِلُ مِنْ أُمَّتِي بِالْمُشْرِكِينَ وَحَتَّى يَعْبُدُوا الْأَوْثَانَ وَأَنَّهُ سَيَكُونُ فِي أُمَّتِي ثَلَاثُونَ كَذَّابُونَ ، كُلُّهُمْ يَزْعُمُ أَنَّهُ نَبِيٌّ وَأَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّينَ ، لَا نَبِيَّ بَعْدِي .)) ”قیامت قائم نہ ہوگی یہاں تک کہ میری امت کے قبائل مشرکوں سے مل جائیں گے اور یہاں تک کہ وہ بتوں کی پوجا کرنے لگ جائیں گے۔ اور بلاشبہ میری امت میں تیس سخت جھوٹے (دغا باز) پیدا ہوں گے۔ ان میں سے ہر ایک دعویٰ کرے گا کہ وہ نبی ہے۔ حالانکہ میں خاتم النبیین ہوں۔ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔“ ③

① صحیح البخاری / کتاب المغازی / حدیث نمبر: ۴۳۷۲، ۴۳۷۳۔ صحیح مسلم، حدیث: ۵۹۳۹ / ۲۲۷۳ / ۲۲۷۴۔

② صحیح مسلم / کتاب الفتن / باب: لا تقوم الساعة حتى الخ / حدیث نمبر: ۷۳۴۲ / ۲۹۲۳۔ و صحیح البخاری / کتاب الفتن / حدیث نمبر: ۷۱۲۱۔

③ جامع الترمذی / کتاب (ابواب) الفتن / حدیث نمبر: ۲۲۱۹ وقال هذا حديث حسن صحيح وفقه الالبانی۔

اس ضمن میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے بھی نبی مکرم محمد رسول اللہ ﷺ کے متعلق یہی حکم ارشاد فرمایا:

﴿ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ ۗ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ۝ ﴾ (الاحزاب: ۴۰)

”محمد تم میں سے کسی مرد کا باپ نہیں ہے البتہ وہ اللہ تعالیٰ کا پیغمبر ہے اور پیغمبروں کا ختم کرنے والا۔ اللہ تعالیٰ سب کو جانتا ہے۔“

رئیس الفقہاء و امیر المؤمنین فی الحدیث امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح کتاب المناقب میں ایک باب: خاتم النبیین کا قائم کر کے نیچے درج ذیل دو احادیث درج فرمائی ہیں؛ سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی مکرم ﷺ نے فرمایا: ”میری اور دوسرے انبیاء کرام (ﷺ) کی مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص نے کوئی گھر تعمیر کیا۔ اور اسے خوب آراستہ و پیراستہ کر کے مکمل کر دیا، مگر یہ ہے کہ ایک اینٹ کی جگہ خالی چھوڑ دی۔ لوگ اس گھر میں داخل ہوتے، تعجب و حیرانگی کا اظہار کرتے اور کہتے: کاش یہ ایک اینٹ کی جگہ خالی نہ رہتی۔ (تو کیسا اچھا، مکمل گھر ہوتا۔)“

(ب)..... سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((إِنَّ مَثَلِي وَمَثَلَ الْأَنْبِيَاءِ مِنْ قَبْلِي كَمَثَلِ رَجُلٍ بَنَى بَيْتًا، فَأَحْسَنَهُ وَأَجْمَلَهُ، إِلَّا مَوْضِعَ لَبْنَةٍ مِنْ زَاوِيَةٍ، فَجَعَلَ النَّاسُ يَطُوفُونَ بِهِ وَيَعْجَبُونَ لَهُ وَيَقُولُونَ: هَلَّا وَضَعْتَ هَذِهِ اللَّبْنَةَ؟ قَالَ: فَأَنَا اللَّبْنَةُ وَأَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّينَ.))..... ”میری اور مجھ سے پہلے کے تمام انبیاء (ﷺ) کی مثال ایسی ہے جیسے کسی آدمی نے ایک گھر بنایا اور اس میں ہر طرح کی زینت پیدا کی۔ لیکن ایک کونے میں ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی گئی۔ چنانچہ لوگ آ کر اس گھر کو چاروں طرف سے گھوم کر دیکھتے ہیں اور خوشی و حیرانگی کا اظہار کرتے ہیں۔ کہتے ہیں: یہاں ایک اینٹ

(جو رہ گئی تھی، وہ) کیوں نہ لگادی گئی۔ (یعنی اگر یہ اینٹ لگادی جاتی تو کیا شاندار یہ گھر تھا۔) تو میں ہی وہ (چھوڑی گئی) اینٹ ہوں اور میں خاتم النبیین ہوں۔ (اب میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔)“ (حدیث نمبر: ۳۵۳۳، ۳۵۳۵)

نبی کریم محمد رسول اللہ ﷺ کی جدائی کے ساتھ ہی اس کذب وافتراء والی جھوٹی نبوت والے فتنے سمیت بہت سارے فتنوں کے دروازے کھل گئے۔ مگر ان دروازوں کو بند کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے جو فہم و فراست اور کفر کے خلاف جرأت فیصلہ خلیفۃ الرسول ﷺ بلا فصل سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو عطا فرمائے تھے وہ اپنی مثال آپ تھے۔ جناب صدیق رضی اللہ عنہ کا ایسے فتنوں کے خلاف جرأت مندانہ اقدام آپ کے بعد آنے والے خلیفہ راشد سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے لیے آسانیاں پیدا کر گیا۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی انتہائی قلیل مدت والی خلافت میں جھوٹے مدعیان نبوت کے فتنے کو ایک بار تو جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دیا گیا اور پھر سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دس سالہ دور خلافت میں کسی شخص کو جھوٹی نبوت کے دعویٰ کی جرأت نہ ہو سکی بلکہ دوسرے فتنے بھی اس عظیم الشان دور میں اپنی کونپل تک نہ نکال سکے۔

بعد والے زمانوں میں جھوٹی و مکار نبوت والے فتنے نے البتہ امت اسلامیہ کی بنیادوں کو ہلا کر رکھ دیا۔ دُنیا کے مختلف خطوں اور تاریخ کے مختلف ادوار میں اس فتنے کا ظہور ملت اسلامیہ میں ہر بار کچھ اس انداز سے ہوتا رہا کہ: جھوٹے مدعیان نبوت اپنے اپنے زمانہ میں لاکھوں لوگوں کو اپنے ہمراہ لے کر جہنم کی طرف روانہ ہوتے رہے۔ اسی طرح آج سے کم و بیش سو سال پہلے ملک پنجاب کے ایک شخص مرزا غلام احمد قادیانی نے یورپی نصرانیوں، انگریزوں کی مالی و سیاسی تھپکی پر نبوت کا دعویٰ کر ڈالا۔ اور پھر اسے مسیلہ کذاب کی طرح اپنے دیس کے ہی اپنے بھائیوں، ہمدردوں اور تابع داروں کی ایک جماعت میسر آ گئی۔ اسے اور اس کے مطیعان و فرماں برداران کو اللہ کے دشمنوں کی طرف سے خوب نوازا گیا۔ تقسیم ہند تک ان قادیانیوں اور مرزا نیوں کی سیاسی و جماعتی جڑیں اندر ہی اندر اس قدر مضبوط ہو چکی تھیں کہ

جب تقسیم ہند کے نتیجے میں پاکستان الگ ہوا تو اس ملک کا سب سے پہلا وزیر خارجہ قادیانی مرزائی بنایا گیا۔ اپنی سو سالہ تاریخ میں اس حزب الشیطان نے وطن عزیز پاکستان میں یہودیت و نصرانیت اور الحاد و شیطانیت کی راہ ہموار کر کے پاکستان کے مسلمانوں کو اللہ کے دشمنوں اور منافقوں کے ہاتھوں جو سزائیں دلوائی ہیں وہ ہر عقلمند مسلمان پر عیاں ہیں۔ بے حد افسوس ہوتا ہے اُن عقل کے اندھوں پر جنہوں نے دنیا کے لالچ میں مانیخو لیا جیسی ایک درجن سے زیادہ انتہائی خبیث قسم کی بیماریوں کے شکار اس غلام احمد قادیانی لعنہ اللہ کی اتباع و محبت کا طوق اپنے گلے میں ڈال رکھا ہے۔

محترم قارئین کرام! کتاب ہذا میں اگرچہ ختم نبوت والے موضوع کو نہیں چھیڑا گیا مگر یہ بات یاد رکھیے؛ جس طرح کتاب ہذا میں بیان کردہ دوسرے فتنے امت اسلامیہ کے لیے مہلک ثابت ہو رہے ہیں اور ان فتنوں میں مبتلا افراد کی پہچان بحیثیت ایک سچے مسلمان اور پکے مومن کے ختم ہو کر رہ گئی ہے اسی طرح ختم نبوت کے کسی نہ کسی شکل میں انکار اور رسالت میں شراکت والے خبیث نظریہ نے ان لوگوں کو یکسر ملت سے خارج کر کے رکھ دیا ہے۔ ان لوگوں کے ہتھکنڈوں کو پہچانیے اور اپنی عاقبت کی فکر کرتے ہوئے عین قرآن و سنت والی جماعت حقہ، سلفی اہل السنۃ والجماعۃ کے ساتھ خالصتاً قرآن و سنت پر عمل کرتے ہوئے جڑے رہیے۔ اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان گرامی قدر ہے: ((لَا يَزَالُ مِنْ أُمَّتِي أُمَّةٌ قَائِمَةٌ بِأَمْرِ اللَّهِ، لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ كَذَّبَهُمْ وَلَا مَنْ خَذَلَهُمْ حَتَّى يَأْتِيَ أَمْرُ اللَّهِ وَهُمْ عَلَى ذَلِكَ))..... ”میری امت میں سے ایک بہت بڑی جماعت ہمیشہ (عین قرآن و سنت کے مطابق صحابہ کرام و تابعین اور تبع تابعین رضی اللہ عنہم کے منہج و طریق پر چلنے والی) اللہ کے دین کے ساتھ قائم رہے گی۔ اسے جھٹلانے والے اور اس جماعت کی مخالفت کرنے والے ان (سلفی اہل السنۃ والجماعۃ کے) لوگوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔ حتیٰ کہ قیامت آجائے۔“ ①

① صحیح البخاری / کتاب التوحید، باب نمبر: ۱۲۹ / حدیث نمبر: ۷۴۶۰۔ صحیح مسلم / حدیث: ۱۴۹۵۰ / ۱۹۲۳۔

صحیح مسلم کی روایت میں ان الفاظ کا بھی اضافہ ہے۔ فرمایا: ((وَهُم ظَاهِرُونَ عَلَى النَّاسِ))..... ”اور وہ ہمیشہ دوسرے لوگوں پر غالب رہیں گے۔“ (یعنی عین قرآن و سنت پر عمل پیرا ہونے کی وجہ سے اس سلفی جماع اہل السنہ والجماعۃ کو ایک امتیاز حاصل ہوگا۔) یہ بات بھی یاد رکھیے کہ مذکور بالا فتنہ انکار ختم نبوت بھی کتاب ہذا میں بیان کردہ دوسرے فتنوں کے خاندان کا ہی ایک اہم فرد ہے۔ یعنی یہ فتنہ بھی اُن فتنوں کا ہی سگ بھائی ہے۔

(ب)..... فتنہ خارجیت:

اسلامی تاریخ میں دین حنیف اسلام اور اہل ایمان مسلمانوں کو بہت زیادہ نقصان پہنچانے میں جتنا کردار سبائیت کے لگائے ہوئے انتہائی نوکیلے کانٹوں والے پودے نے مجوسیت کے ہاتھوں نمو پا کر شیعیت کے انتہائی کڑوے پھل والے درخت کی شکل اختیار کر کے ادا کیا ہے، بالکل اُسی کے برابر ہمیشہ فتنہ خارجیت نے اس کاری زخمیت کے لیے اُمت اسلامیہ کے سینے میں چھرا گھونپتے رہنے کا کردار ادا کیا ہے۔ شیعیت و تشیع اور سبائیت کے بانی عبد اللہ بن سبا یہودی کا تذکرہ و کردار تو آگے کتاب میں آ گیا ہے لیکن خارجیت اور اُس کے بانی کا تذکرہ کتاب ہذا میں اس لیے نہیں ہو سکا کہ اس کتاب میں فتنہ سبائیت کی شرانگیزیوں سے زیادہ خبردار کیا گیا ہے۔ جن کو نہیں معلوم وہ حیران ہوں گے کہ: (۱) فتنہ جھوٹی نبوت۔ (۲) فتنہ سبائیت و شیعیت۔ (۳) فتنہ نفاق و اُبائیت اور (۴) فتنہ خارجیت جیسے انتہائی مہلک فتنے کہ جنہوں نے جتنا نقصان ملت محمدیہ علی صاحبہا اُتھیہ والسلام کو ہمیشہ پہنچایا، اُتنا نقصان شاید یہود و نصاریٰ اور مشرکین و ہنود کی صورت میں کھلم کھلے اللہ کے دشمن بھی اس ملت کو نہ پہنچا سکے ہوں۔ ان چاروں بڑے فتنوں کے مؤسسين و بانی اور قائدین اعلیٰ نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور خیر القرون سے ہی تعلق رکھنے والے تھے۔ فتنہ خارجیت کے مؤسس اعلیٰ عبد اللہ ذوالخویرہ لعنہ اللہ اور اُس کی تحریک کے متعلق تفصیلی معلومات کے لیے آپ فضیلۃ الشیخ دکتور علی بن محمد الصلابی حفظہ اللہ کی کتاب ”فتنۃ الخوارج الشیعہ“ کا مطالعہ

کر سکتے ہیں کہ جس کا اردو ترجمہ بعنوان ”خطرناک فتنوں کی سچی حقیقت“ ہو چکا ہے۔

(ج)..... فتنہ نفاق و اُباہیت:

اللہ رب العالمین نے قرآن حکیم کے آغاز اور سورۃ البقرہ کی ابتداء میں دنیا جہان میں پائے جانے والے انسانوں کی تقسیم تین گروہوں میں بیان فرمائی ہے۔ (۱) خالص، کپکے سچے اور مومن مسلمان۔ (۲) ان احباب خیر و برکت کے بالکل برعکس کھلے اللہ عزوجل کے باغی و سرکش لوگ، کفار و ملحدین۔ اور (۳) منافقین؛ جن کی علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر (سورۃ البقرہ، آیت نمبر: ۱۹۳۸) میں دو بڑی قسمیں بیان کی ہیں۔ (۱)..... خالص، کپکے منافق؛ جو ظاہر میں مسلمانوں جیسے ہوتے ہیں مگر اُن کی دلی محبتیں کفر و الحاد اور شرک و خرافات کے نظاموں سے ہوتی ہیں۔ اعتقادی طور پر اُن کی پوری ہمدردیاں بھی طاغوتی نظامِ باطل اور گندی تہذیبوں سے ہوتی ہیں۔ (ب)..... دوسرے وہ منافق جن کے اندر نفاق کے شعبوں میں سے کوئی شعبہ سرایت کیا ہوا ہو۔

دونوں کا بیان ایک صحیح حدیث میں یوں آیا ہے؛ جناب عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((أَرَبَعٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ كُنَّ مُنَافِقًا خَالِصًا، وَمَنْ كَانَتْ فِيهِ خَصَلَةٌ مِّنْهُمْ كَانَتْ فِيهِ خَصَلَةٌ مِّنَ النِّفَاقِ حَتَّىٰ يَدْعَاهَا؛ إِذَا اتُّمِّنَ خَانَ، وَإِذَا حَدَّثَ كَذَبَ، وَإِذَا عَاهَدَ غَدَرَ، وَإِذَا خَاصَمَ فَجَرَ.))..... ”جس آدمی میں چار عادات و خصائل (نشانیوں) پائی جائیں، وہ خالص (پکا) منافق ہے۔ اور جس کسی میں ان چاروں میں سے کوئی ایک عادت و خصلت پائی جائے تو وہ بھی نفاق کی خصلت ہی شمار ہوگی حتیٰ کہ اسے وہ چھوڑ دے۔ (یہ چاروں بد خصلتیں یوں ہیں: [۱]..... جب اسے امین بنایا جائے تو (مالی، حکومتی و سری امانت میں) خیانت کرے۔ [۲]..... بات کرتے وقت جھوٹ بولے۔ (جھوٹ اُس کا و طیرہ ہو۔) [۳]..... جب کسی سے عہد معاہدہ کرے تو اسے توڑ دے۔ (عہد کو پورا نہ کرے۔) [۴]..... جب کسی

سے لڑے تو گالی گلوچ پر اتر آئے۔ (غلیظ زبان استعمال کرے)۔^۱
 اس حدیث میں نفاق کی جتنی علامات ذکر ہوئی ہیں وہ عمل سے تعلق رکھتی ہیں۔ یعنی
 مسلمان ہونے کے باوجود عمل میں نفاق ہو۔ مگر ایسا نفاق کہ جس کی جڑیں دل میں پیوست
 ہوں تو وہ نفاق یقیناً کفر و شرک کے برابر ہے، بلکہ ان سے بھی بڑھ کر۔ چنانچہ اس طرح کے
 اعتقادی منافقین کے بارے میں اللہ عزوجل کا فیصلہ اس طرح ہے۔ فرمایا:

﴿إِنَّ الْمُنَافِقِينَ فِي الدَّرَكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ وَلَنْ تَجِدَهُمْ
 نَصِيرًا﴾ (النساء: ۱۴۵)

”بے شک منافق دوزخ کے سب سے نیچے والے درجے میں رہیں گے اور کوئی
 ان کا مددگار (وہاں) تو نہ پائے گا۔“

لیکن جن ایمان والے مسلمانوں سے عملاً مذکور بالا چاروں غلطیوں میں سے کوئی غلطی یا
 کوئی اور گناہ ہو جائے تو اللہ عزوجل فرماتے ہیں:

﴿إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا وَأَصْلَحُوا وَاعْتَصَمُوا بِاللَّهِ وَأَخْلَصُوا دِينَهُمْ
 لِلَّهِ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِينَ ۗ وَسَوْفَ يُؤْتِي اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ أَجْرًا
 عَظِيمًا﴾ (النساء: ۱۴۶)

”مگر جن لوگوں نے توبہ کی اور اپنے تئیں درست کر لیا (کفر اور نفاق چھوڑ کر ایمان
 پیدا کیا) اور اللہ تعالیٰ (کے دین کو) مضبوط تھا ما (یعنی اللہ پر بھروسہ کیا) اور خالص
 خدا کے لیے عمل کیا (نہ ریا اور نہ دکھلانے کو) تو یہ لوگ (سچے) مسلمانوں کے ساتھ
 (بہشت میں) ہوں گے اور اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو بڑا ثواب دینے والا ہے۔“

یہاں ایک اور حدیث مبارک کا مطالعہ زیر بحث موضوع کی وضاحت کے لیے نہایت
 فائدہ مند رہے گا۔ جناب ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

① صحیح البخاری / کتاب الایمان / حدیث: ۳۴۔ صحیح مسلم / کتاب الایمان / حدیث: ۲۱۰۔

دل چار طرح کے ہوتے ہیں۔ (۱)..... غل و غش سے پاک بالکل صاف دل جس میں (ایمان و یقین اور صدق و اخلاص کی) تابناک روشنی ہوتی ہے۔ (۲)..... غلاف و پردہ چڑھا ہوا دل جس کے اوپر کوئی پردہ باندھ دیا گیا ہو۔ (جیسے قرآن میں یہودیوں کی بہانہ بازیوں کو ان کی زبانی اس طرح بیان کیا گیا ہے: ﴿وَقَالُوا قُلُوبُنَا غُلْفٌ﴾..... ”یہ یہودی کہتے ہیں کہ ہمارے دلوں پر غلاف، پردے چڑھے ہوئے ہیں۔“ [البقرہ: ۸۸]) (۳)..... اُلٹا، منقلب دل اور (۴)..... دو رُخادل۔ (اس کے بعد نبی کریم ﷺ نے چاروں دلوں کی وضاحت بیان کرتے ہوئے فرمایا: یہ پہلا غل و غش سے پاک صاف دل، مومن کا دل ہوتا ہے۔ اس دل کا روشن چراغ اس کے پختہ ایمان کا نور ہوتا ہے۔ (اس ایمان و نور والے دل کی مثال اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے قرآن میں یوں بیان فرمائی ہے:)

﴿اللَّهُ نُورُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۗ مَثَلُ نُورِهِ كَمِثْلَا نَارِ كَبْكَبٍ فِيهَا مِصْبَاحٌ ۗ الْمِصْبَاحُ فِي زُجَاجَةٍ ۗ الزُّجَاجَةُ كَأَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُوقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُبْرَكَةٍ زَيْتُونِيَّةٍ لَا شَرْبِيَّةٍ وَلَا غَرْبِيَّةٍ يَكَادُ زَيْتُهَا يُضِيءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ۗ نُورٌ عَلَى نُورٍ ۗ يَهْدِي اللَّهُ لِنُورِهِ مَنْ يَشَاءُ ۗ وَيَضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ لِلنَّاسِ ۗ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝﴾ (النور: ۳۵)

”اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔ اس کے نور مثال ایسی ہے جیسے ایک طاق ہو۔ طاق میں چراغ (روشن) ہو۔ چراغ ایک شیشے میں ہو، شیشہ (ایسا صاف ہے) گویا چمکتا ہوا (موتی) کی طرح اتارا ہے۔ وہ چراغ ایک مبارک درخت زیتون (کے تیل) سے سلگایا جا رہا ہے جس کا رخ نہ پورب کی طرف ہے (کہ شام کو اس پر دھوپ نہ آئے) نہ پچیم کی طرف ہے (کہ صبح کو اس پر دھوپ نہ آئے)۔ اس کا تیل (چونکہ بہت صاف ہے تو) قریب ہے کہ آگ چھوئے بغیر (آپ ہی آپ) سلگ پڑے۔ (غرض ایک نور نہیں بلکہ) نور علی نور ہے۔ اور اللہ

تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اپنا نور بتلاتا ہے۔ اور اللہ لوگوں کے (سمجھانے کے) لئے مثالیں بیان کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے۔“

اور غلاف و پردہ سے ڈھکا ہوا (سیل بند) دل، کافر کا دل ہوتا ہے۔ (جس میں حق داخل ہوتا ہی نہیں ہے۔) جہاں تک مقلوب دل کا تعلق ہے تو یہ خالص منافق کا دل ہوتا ہے۔ (جو ہمیشہ حق سچ اور اپنے ضمیر کے خلاف فیصلے کرتا ہے۔) وہ حق کو پہچانتا بھی ہے مگر اس کے باوجود انکار کر دیتا ہے۔ (ایسا دل انتہائی لالچی اور مطلب پرست قسم کے آدمی کا دل ہوتا ہے۔)

(۴)..... اور یہ جو دورِ خادل ہوتا ہے تو اس میں بیک وقت ایمان بھی ہوتا ہے اور نفاق بھی۔ اس دل میں ایمان کی مثال کاسنی کی طرح ہے کہ جس کی نشوونما پاکیزہ پانی (رشد و ہدایت اور تقویٰ و تزکیہ والا میٹھا زرخیز پانی) خوب کرتا ہے۔ جبکہ اس میں نفاق کی مثال ایک پھوڑے، پھنسی کی طرح ہے کہ جس کی نشوونما پیپ اور (گندا) خون کرتا ہے۔ چنانچہ ان دونوں میں سے جو مادہ (ایمان و نفاق میں سے) غالب آجاتا ہے تو وہ دوسرے مادہ پر بھی غلبہ حاصل کر لیتا ہے۔“^①

نبی کریم ﷺ کے نبوت والے پہلے تیرہ سالہ کی دور میں کسی قسم کے نفاق کا تصور تک نہ تھا۔ پھر جب آپ مدینہ منورہ تشریف لے آئے تو آپ کے یہاں تشریف لے آنے کے وقت مدینہ میں نسلی اعتبار سے دو طرح کے لوگ تھے۔ ایک بنی اوس و خزرج کے عرب اور دوسرے یہودی قبائل۔ (بنو نضیر، بنو قیقاع اور بنو قریظہ) جبکہ دینی اعتبار سے تین طرح کے لوگ تھے؛ دین یہودیت کے پیروکار یہودی، خالص مومن مسلمان اور عرب کے مشرکین۔ اٹھارہ ماہ تک معاملہ تو یہاں مدینہ منورہ میں بھی ایسا ہی رہا، پھر جب اللہ ذوالجلال والا کرام نے اہل ایمان کو رمضان المبارک سنہ ۲ ہجری مقام بدر میں فتح و نصرت سے نوازا تو؛ یہودی جل بھن کر رہ گئے اور بنو خزرج کے سردار عبداللہ بن ابی ابن سلول نے اسلام کا لبادہ اوڑھ کر

① دیکھئے: مسند الامام احمد: ۱۷/۳ والمصباح المنیر فی تہذیب التفسیر ابن کثیر، صفحہ: ۴۲۔

اپنے دل میں نفاق کے بیج بولیے۔ بعینہ اس کے تابع داران بھی اسی کا راستہ اختیار کرتے ہوئے بظاہر اسلام میں داخل ہو گئے مگر اپنے دلوں میں انہوں نے کفر و الحاد کو چھپائے رکھا۔ چونکہ یہ ابن ابی یہود کا حلیف بھی تھا، اس لیے کچھ یہودی بھی اس کے ساتھ شامل ہو گئے اور انہوں نے اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرنا شروع کر دیا۔ اسی طرح بعد والے سالوں میں یہ نفاق عرب کے بادیہ نشینوں (بدوں) میں بھی پھیل گیا۔ جیسا کہ اللہ عزوجل نے ان کے بارے میں یوں مطلع فرمایا ہے:

﴿وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِنَ الْأَعْرَابِ مُنْفِقُونَ وَمِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ مَرَدُوا عَلَى
النِّفَاقِ ۗ لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ سَنُعَذِّبُهُمْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّونَ إِلَى
عَذَابٍ عَظِيمٍ ۝﴾ (التوبة: ۱۰۱)

”اور (مسلمانوں) تمہارے گرد (آس پاس چاروں طرف) جو گنوار ہیں ان میں بعضے منافق ہیں اور مدینہ کے رہنے والوں میں سے بھی بعضے نفاق پر اڑے بیٹھے ہیں (یا نفاق پر جم گئے ہیں۔ اے پیغمبر!) تو ان کو نہیں جانتا ہم ان کو جانتے ہیں۔ تو اب ان کو (دنیا میں) دوبار عذاب دیں گے پھر بڑے عذاب کی طرف لوٹائے جائیں گے۔“

اعتقادی منافقین کے بارے میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے قرآن حکیم میں بیسیوں جگہ پر ذکر فرما کر اہل ایمان کو ان کی دھوکہ دہی سے خبردار بھی کیا ہے اور ان کے مختلف ہتھکنڈوں سے مطلع بھی فرمایا ہے۔ ہم یہ بات بالوثوق کہہ سکتے ہیں کہ زیر مطالعہ کتاب ”اسلام کا پیغامِ حق“ میں پیچھے بیان کیے گئے اسلام کے چار مرکزی قسم کے دشمنوں میں سے شیعیت کے دلدادہ و پیروکاروں پر اعتقادی نفاق کا لباس پورا پورا فٹ بیٹھتا ہے۔ وہ ہمیشہ سے یہودیت و نصرانیت اور الحادی تہذیبوں کے ہمدرد و مددگار و معاون رہے ہیں۔

یہی حکمِ خارجیت کی جدید صورتوں میں سے بعض پر بھی لگایا جاسکتا ہے۔ جھوٹی نبوتوں

ہوں۔“

مشرکانہ عقائد اور بدعات و خرافات کے بدبودار کچھڑے سے لتھڑے آج کے مسلم معاشرے کے متعلق اقبال نے کیا خوب کہا تھا: ۵

ہاتھ بے زور ہیں، الحاد سے دل خوگر ہیں امتی باعث رسوائی پیغمبر ہیں
بت شکن اٹھ گئے، باقی جورہ گئے بت گر ہیں تھا ابراہیم پدر، اور پسر آزر ہیں
کون ہے تارک آئین رسول مختار؟ مصلحت وقت کی ہے کس کے عمل کا معیار
کس کی آنکھوں میں سایا ہے شعائرِ اغیار؟ ہو گئی کس کی نگہ طرزِ سلف سے بیزار؟
وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود یہ مسلمان ہیں! جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود؟
نہ دیا نشانِ منزل مجھے اے حکیم تو نے! مجھے کیا گلہ ہو تجھ سے، تو نہ رہ نشیں نہ راہی
یہ معاملے ہیں نازک، جو تری رضا ہو تو کر کہ مجھے تو خوش نہ آیا یہ طریقِ خانقاہی
”اسلام کا پیغام حق“ کیا ہے؟ اور آگے کتاب میں مندرج موضوعات کا تعلق اس
عنوان سے کیا ہے؟ آئیے دیکھتے ہیں قرآن کیا کہتا ہے؟ اس حوالے سے اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا
ارشادِ گرامی ہے:

(۱) ﴿فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا ۖ فِطْرَتَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ۚ لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ ۚ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ۝
مُيَبِّبِينَ إِلَيْهِ وَاتَّقُوا وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝﴾

(روم: ۳۰-۳۱)

”تو (اے پیغمبر) ایک طرف کا ہو کر اپنا چہرہ دین پر قائم رکھ، اس دین پر جس پر اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو پیدا کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بناوٹ بدل نہیں سکتی۔ یہی سچا ٹھیک دین ہے (جو فطرت کے موافق ہے) مگر اکثر لوگ (اس بات کو) نہیں سمجھتے۔ اسی (ایک خدا) کی طرف رجوع رہو۔ اس سے ڈرتے رہو اور نماز کو درستی سے ادا

کرتے رہو اور شرک کرنے والوں میں شریک نہ ہو۔“

فطرت کے اصل معنی خلقت، پیدائش کے ہیں۔ مگر یہاں پر مراد: ملت اسلام و توحید ہے۔ مطلب یہ ہے کہ: سب کی پیدائش بغیر مسلم و کافر کی تفریق کے، اسلام اور توحید رب العالمین پر ہوتی ہے۔ اس لیے توحیدان کی فطرت و جبلت میں شامل ہے۔ جیسے کہ عہد ”اَلْسُنْتُ بِسَرِّكُمْ؟“ سے واضح ہے۔ بعد میں اکثریت کو ماحول و معاشرہ یا دیگر عوارض فطرت کی اس آوازِ توحید کی طرف نہیں آنے دیتے جس کی وجہ سے وہ کفر پر قائم ہو جاتے ہیں۔ جیسا کہ جناب ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَا مِنْ مَوْلُودٍ اِلَّا يُولَدُ عَلٰى الْفِطْرَةِ ، فَاَبَاؤُهٗ يَهُودًا وَّ اَوْ
يُنَصْرَانِهٖ اَوْ يُمَجْسَانِهٖ ، كَمَا تُنْتَجُ الْبَهِيْمَةُ بِهِيْمَةٍ جَمْعًا ، هَلْ
تُحْسِنُوْنَ فِيْهَا مِنْ جَدْعَاءَ؟ ثُمَّ يَقُوْلُ: ﴿ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فِطَرَ النَّاسَ
عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِحَلْقِ اللّٰهِ ط ذَلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ ط ﴾ (.....))

”ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے مگر اس کے ماں باپ اس کو یہودی، عیسائی اور مجوسی وغیرہ بنا دیتے ہیں۔ اس کی مثال ایسی ہے، جیسے جانور کا بچہ صحیح سالم پیدا ہوتا ہے۔ کیا تم نے کبھی ان میں سے کوئی بچہ (پیدائشی طور پر) کان کٹا ہوا دیکھا ہے؟ پھر نبی کریم ﷺ نے تلاوت فرمائی: لوگو! اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی اس فطرت (توحید خالص والے دین حنیف) کی اتباع کرو جس پر اُس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے کو بدلنا نہیں۔ (فطرت میں تبدیلی ممکن نہیں ہے۔) یہی سیدھا دین ہے۔“

علامہ ابو جعفر محمد بن جریر الطبری رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں صحیح سند کے ساتھ یزید بن ابومریم کی روایت درج کی ہے کہ: امیر المؤمنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ جناب معاذ بن جبل رضی اللہ

① صحیح البخاری / کتاب التفسیر / حدیث: ۴۷۷۰ - صحیح مسلم / کتاب القدر / حدیث:

کے پاس تشریف لائے اور ان سے پوچھا: معاذ! یہ بتلائیے؛ اُمت محمدیہ (علیٰ صاحبہا التحیۃ والسلام) کی بقاء کا انحصار مدار علیہ کن چیزوں پر ہے؟ فرمایا: تین چیزیں ہیں اور یہی تینوں (دنیا و آخرت کی رسوائیوں اور اللہ عزوجل کی پکڑ سے) نجات دلانے والی ہیں۔ (۱)..... اخلاص؛ اور اس سے مراد وہ فطرت و جبلت (توحید خالص والادین حنیف) ہے کہ جس پر اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے لوگوں کو پیدا فرمایا ہے۔ (۲)..... نماز؛ (اس واجب و فرض کا باجماعت سنت نبوی کے مطابق مکمل اہتمام و قیام) اور یہی طریقہ حیات ہے۔ (۳)..... اور اطاعت؛ یہی بچاؤ ہے۔ (یعنی اللہ رب السموات والارض اور اس کے حبیب و خلیل نبی محمد رسول اللہ ﷺ، قرآن و سنت کی مکمل اتباع، ٹھیک اسی طور سے جس طرح صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور تابعین و تبع تابعین کرام رضی اللہ عنہم نے کی تھی۔) یہ سن کر جناب عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: معاذ! تم نے بالکل سچ کہا ہے۔“ ①

یہاں پر آیت نمبر: ۳۲ میں اللہ عزوجل نے فطرتی دین حنیف سے ہٹ کر اپنے اپنے فرقوں کی اتباع کرنے اور اپنے اپنے امام کی دعوت دینے والوں کی ایک نفسیاتی لغزش اور خوش فہمی کے بارے میں فرمایا کہ: ہر فرقہ اور گروہ سمجھتا ہے کہ وہی لوگ حق پر ہیں اور دوسرے باطل پر ہیں۔ جو سہارے انھوں نے تلاش کر رکھے ہیں کہ جنھیں وہ دلائل کا نام دیتے ہیں سب کچھ دھاگے اور مکڑی کے جالے کی طرح نہایت ضعیف اور کمزور ہوتے ہیں مگر وہ ان پر خوش اور مطمئن ہوتے ہیں۔ آج ملت اسلامیہ کا ہر فرقہ اسی زعم باطل میں مبتلا ہے کہ وہی حق پر ہے۔ حالانکہ حق پر صرف ایک ہی جماعت ہے جس کی پہچان نبی کریم ﷺ نے یوں بیان فرمائی ہے: ((مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي))..... ”جنت کا وارث بننے والا گروہ وہی جماعت ہوگی جو ٹھیک طور پر اسی دین و منج پر ہوگی جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں رضی اللہ عنہم۔“ ②

زیر مطالعہ موضوع کی وضاحت کے لیے درج ذیل حدیث مبارک فائدہ سے خالی نہ رہے گی۔ جناب عیاض بن حمار مجاشعی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ؛ رسول اللہ ﷺ نے ایک

① دیکھئے: تفسیر الطبری: ۹۸/۲۰۔ ② دیکھئے: مستدرک الحاکم: ۱۲۹/۱۔ وجامع الترمذی۔

دن خطبہ میں ارشاد فرمایا: اس بات سے آگاہ رہو کہ بلاشبہ میرے رب نے مجھے حکم فرمایا ہے کہ میں تم لوگوں کو وہ علم سکھا دوں جو تمہیں نہیں ہے اور مجھے اللہ کریم نے آج کے دن وہ علم عطا کر دیا ہے۔ (اللہ عزوجل فرماتے ہیں:) ہر وہ مال جو اپنے بندے کو میں دُوں وہ اُس کے لیے حلال ہے۔ (یعنی جو شریعت مطہرہ کی رو سے حرام نہیں، وہ حلال ہے چاہے لوگوں نے خود اس کو حرام کر رکھا ہو۔) ((وَإِنِّي خَلَقْتُ عِبَادِي حُنَفَاءَ كَلِّمُهُمْ، وَإِنَّهُمْ آتَتْهُمْ الشَّيَاطِينُ فَاجْتَالَتْهُمْ عَنْ دِينِهِمْ، وَحَرَمْتُ عَلَيْهِمْ مَا أَحَلَلْتُ لَهُمْ، وَأَمَرْتَهُمْ (الشَّيَاطِينُ) أَنْ يُشْرِكُوا بِي مَا لَمْ أَنْزِلْ بِهِ سُلْطَانًا الخ))..... اور میں نے تو اپنے تمام بندوں کو (توحید خالص پر) دین حنیف والے (مومن، مسلمان) پیدا کیا ہے۔ (اور اسی فطرت توحید و دین اسلام پر وہ ہمیشہ پیدا ہوتے رہیں گے۔ یعنی گناہوں سے پاک، ہدایت کی قابلیت اور اُس عہد پر جو ان سب کی پیدائش سے پہلے یوں لیا گیا تھا: أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ؟ قَالُوا: بَلَىٰ) پھر ان کے پاس شیطان آئے اور ان کو ان کے دین سے ہٹا دیا۔ (یا انہیں ان کے دین سے روک دیا) جو چیزیں میں نے اپنے بندوں کے لیے حلال کی تھیں ان شیطانوں نے ان پر وہ حرام کر دیں اور پھر ان شیطانوں نے میرے بندوں کو حکم دیا کہ وہ میرے ساتھ شرک کریں کہ جس کی میں نے (ان کے لیے) کوئی دلیل نہیں اتاری تھی.....“ ۱

(ب) ایک دوسرے مقام پر اللہ رب العالمین کا ارشاد گرامی ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ فَرَقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيعًا أَلَسْتُ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ إِنَّمَاءَ

أَمْرُهُمْ إِلَى اللَّهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ﴾ (الانعام: ۱۵۹)

” (قیامت ہی میں ہمارا تمہارا فیصلہ ہو جائے گا) جن لوگوں نے اپنے دین کو ٹکڑے

ٹکڑے کر ڈالا اور کئی فرقے بن گئے تجھ کو ان سے کچھ غرض نہیں۔ ان کا کام اللہ

کے حوالے ہے۔ بس وہی ان کو جتائے گا جو وہ (دنیا میں) کرتے رہے۔“

① صحیح مسلم / کتاب الجنة و نعيمها / باب الصفات التي يعرف بها في الدنيا اهل الجنة و أهل النار / حديث: ۲۸۶۰ / ۷۲۰۷

اس سے بعض علماء یہود و نصاریٰ مراد لیتے ہیں جو مختلف گروہوں میں بٹے ہوئے تھے۔ بعض مشرکین مراد لیتے ہیں۔ یعنی کچھ مشرک لوگ فرشتوں کی پوجا کرتے تھے، کچھ ستاروں کی، اور بعض مختلف بتوں کی پوجا کرتے تھے۔ مگر حق بات یہ ہے کہ: یہ آیت کریمہ عام ہے۔ کفار و مشرکین سمیت وہ سب لوگ اس کا مراد ہیں جو اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے قرآن اور نبی مکرم محمد رسول اللہ ﷺ کے فرمان و منج کو چھوڑ کر دوسرے دین یا دوسرے طریقے کو اختیار کر کے تفریق و تخریب کا راستہ اپناتے ہیں۔ ”شِبَعًا“ کے معنی فرقے اور گروہ کے ہیں۔ یہ بات ہر اُس ملت و قوم پر صادق آتی ہے جو دین کے معاملے میں مجتمع تھی۔ لیکن ان کے بعض افراد نے اپنے کسی بڑے کی رائے کو ہی مستند اور حرفِ آخر قرار دے کر اپنا راستہ باقی ملت سے الگ کر لیا، چاہے اُن کا راستہ اور اُن کے بڑے کی رائے حق و صواب کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ (دیکھئے: فتح القدر لیلو کانی)

(ج)..... اللہ عزوجل نے سورۃ الانعام میں (آیت نمبر: ۱۵۲) مالی یتیم کو حرام طریقے سے کھانے کی ممانعت، ناپ تول کو انصاف کے ساتھ پورا پورا تولنے، انصاف کے ساتھ سچی گواہی دینے (کہ جس کے خلاف گواہی دی جا رہی ہو وہ اگرچہ اپنا ساگ عزیز رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو، اس بات کا لحاظ نہ کیا جائے) اور اللہ عزوجل کے عہد پر ایفاء کرنے جیسے دین حنیف، اسلام کے سنہری اور عادلانہ اصول و ضوابط بیان کرنے کے بعد فرمایا: اے ہمارے حبیب و خلیل نبی! آپ لوگوں سے کہہ دیجیے اور ان کو اپنا پیغام یوں دیجیے!

﴿وَأَنَّ هَذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَابْعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَن سَبِيلِهِ ذَلِكُمْ وَصَّكُم بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ (الانعام: ۱۵۳)

”اور (اللہ نے یہ بھی فرمایا ہے) یہ میری سیدھی راہ ہے اس پر چلو اور دوسری راہوں پر مت چلو۔ وہ تم کو اللہ کی راہ سے ہٹا دیں گی۔ یہ وہ باتیں ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے تم کو حکم دیا ہے۔ اس لیے کہ تم (ان کا خلاف کرنے سے) بچے رہو۔“

صراطِ مستقیم کو واحد کے صیغے سے بیان فرمایا کیونکہ اللہ کی، یا قرآن کی، یا رسول اللہ ﷺ کی راہ ایک ہی ہے، ایک سے زیادہ نہیں۔ اس لیے پیروی صرف اسی ایک راہ کی کرنی ہے کسی اور کی نہیں۔ یہی ملتِ مسلمہ کی وحدت و اجتماع کی بنیاد ہے جس سے ہٹ کر یہ اُمت مختلف فرقوں اور گروہوں میں بٹ گئی ہے۔ حالانکہ اسے تاکید کی گئی ہے کہ ”دوسری راہوں پر مت چلو کہ وہ راہیں تم کو اللہ کی راہ سے جدا کر دیں گی۔“ دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿هُنَّ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ﴾ (الشوریٰ) ”دین کو قائم رکھو اور اس میں پھوٹ نہ ڈالو۔“ گویا اختلاف اور تفرقہ کی قطعاً اجازت نہیں ہے۔ اسی بات کو حدیث میں نبی کریم ﷺ نے اس طرح واضح فرمایا کہ آپ نے اپنے ہاتھ سے ایک خط کھینچا اور فرمایا کہ ”یہ اللہ کا سیدھا راستہ ہے۔“ اور چند خطوط اس کی دائیں اور بائیں جانب کھینچے اور فرمایا: ”یہ راستے ہیں جن پر شیطان بیٹھا ہوا ہے اور وہ ان کی طرف لوگوں کو بلاتا ہے۔“ پھر آپ ﷺ نے یہی آیت تلاوت فرمائی جو یرو ضاحت ہے۔ ❶ ابن ماجہ کی روایت میں صراحت ہے کہ دو دو خط داہنے اور بائیں کھینچے۔ یعنی کل چار خطوط کھینچے اور انھیں شیطان کا راستہ بتلایا۔

جناب نواس بن سمان الکلابی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ عزوجل نے ”صراطِ مستقیم“ (قرآن و سنت والے دین حنیف) کی ایک مثال بیان فرمائی ہے اور اس راستے کے دونوں اطراف میں دو دیواروں کی، جن میں کچھ کھلے ہوئے دروازے ہیں۔ ان دروازوں پر نرم و ملائم (چمک دک والے) پردے لٹک رہے ہیں۔ راستے کے (بڑے) دروازے پر ایک دعوت دینے والا آواز لگا رہا ہے: لوگو! لپک کر آؤ اور سب کے سب (مل کر) اس سیدھے راستے میں داخل ہو جاؤ، باہم تفرقہ (فرقہ بندی) نہ کرو۔ اسی طرح اس راستے کے اوپر سے بھی ایک دعوت دینے والا یہی آواز لگا رہا ہے۔ (بموجب روایت جامع الترمذی و پھر نبی کریم ﷺ نے سورہ یونس کی یہ آیت (۲۵) تلاوت فرمائی: ﴿وَاللَّهُ يَدْعُو إِلَىٰ دَارِ السَّلَامِ وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ﴾..... ”اور اللہ تعالیٰ (اے لوگو!

تمہیں) سلامتی کے گھر (جنت) کی طرف دعوت دیتا ہے۔ اور وہ جس کو چاہتا ہے راہِ راست پر چلنے کی توفیق دے دیتا ہے۔“

چنانچہ جب انسان ان دروازوں میں سے کسی دروازے پر لٹکے ہوئے پردے کو (جو راستے کے دونوں اطراف والی دیواروں میں لگے ہوئے ہیں) کھولنے کا ارادہ کرتا ہے تو وہ (آواز لگانے والا) کہتا ہے: ارے تیرا ناس ہو اسے مت کھول۔ اس لیے کہ اگر تو نے اسے کھول لیا تو، تو اس میں ضرور داخل ہو جائے گا۔ (اس کے بعد نبی کریم ﷺ نے اس مثال کی وضاحت و تشریح کرتے ہوئے فرمایا: تو یہاں راستے سے مراد: اسلام ہے۔ اور دونوں دیواروں کا مطلب: اللہ عز و جل کی حدیں ہیں۔ اور کھلے ہوئے دروازوں کا معنی: اللہ تعالیٰ کے منع کردہ کام اور چیزیں ہیں۔) بموجب روایت جامع الترمذی، فرمایا: جب تک ان دروازوں پر پڑا ہوا پردہ نہ کھولا جائے کوئی شخص بھی اللہ تعالیٰ کی حدوں میں واقع نہیں ہو سکتا۔ اس راستے کے سرے (آغاز و ابتداء) پر دعوت دینے والا، اللہ کی کتاب، قرآن مجید ہے۔ اور اس راستے کے اوپر سے دعوت دینے (اور برائیوں سے خبردار کرنے) والا، اللہ تعالیٰ کا واعظ ہر مسلمان کے دل میں (اُس کا ضمیر) ہے۔“

(د)..... آئیے! قرآن و سنت کی روشنی میں ”اسلام کا پیغام حق“ کے خلاصہ کی طرف؛ فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ۝
وَاغْتَصِبُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا ۚ وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ
كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ
عَلَىٰ شَفَا حُفْرَةٍ مِنَ النَّارِ فَأَنْقَذَكُم مِّنْهَا ۚ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ
لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ۝ وَلَتَكُنَّ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ

① مسند الامام احمد: ۱۸۲/۴ وجامع الترمذی / کتاب الامثال عن رسول الله ﷺ / حدیث:

۲۸۵۹ وقال الالبانی: صحیح۔

بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ط وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝ وَلَا تَكُونُوا
كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ وَأُولَئِكَ لَهُمْ
عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝ ﴿آل عمران: ۱۰۲ تا ۱۰۵﴾

”مسلمانوں اللہ سے ڈرو جیسا حق ہے اس سے ڈرنے کا اور مرنے تک اسلام پر قائم رہو۔ اور سب مل کر اللہ کی رسی (یعنی اس کے دین یا عہد یا جماعت یا قرآن کو) تھامے رہو اور پھوٹ نہ کرو (جیسے یہود و نصاریٰ الگ الگ فرتے ہو گئے) اور اللہ کا وہ احسان یاد کرو (اے اوس اور خزرج کے لوگو) جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے (رات دن تم دونوں میں لڑائی رہتی) پھر اللہ تعالیٰ نے تمہارے دل ملا دیے تم اس کے فضل سے بھائی بھائی ہو گئے اور تم آگ کے گڑھے (دوزخ) کے کنارے آگے تھے (اس میں گرنے والے تھے)۔ اللہ نے تم کو اس سے بچالیا۔ اللہ تعالیٰ اسی طرح تم سے اپنی آیتیں بیان کرتا ہے تاکہ تم سچے راہ پر قائم رہو۔ اور تم میں کچھ لوگ ایسے بھی ہونے چاہئیں جو بھلائی کی طرف (لوگوں کو) بلائیں اور اچھی بات کا حکم کریں اور برے کام سے منع کریں اور یہی لوگ (آخرت میں) بامراد ہوں گے۔ اور ان لوگوں کی طرح مت ہو جاؤ جنہوں نے پھوٹ کر لی اور صاف صاف حکم آنے کے بعد اختلاف کرنے لگے اور یہی لوگ ہیں جن کو (آخرت میں) بڑا عذاب ہوگا۔“

یہاں تقویٰ کا حکم دے کر اللہ عزوجل نے ﴿وَأَعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا﴾ کی نصیحت کرتے ہوئے واضح فرما دیا کہ مسلمانوں کی نجات بھی ”تقویٰ اللہ اور اعتماض بحبل اللہ جمیعاً“ جیسے دو بنیادی اصولوں پر عمل سے ہی ممکن ہے اور ان کا باہمی اتحاد بھی انہی دونوں اصولوں کے ذریعے قائم رہ سکتا ہے۔ ”حبل اللہ“ سے مراد؛ قرآن حکیم کو سنت و احادیث نبویہ کے ذریعے سمجھ کر اللہ کے عہد کو پورا کرنا ہے۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((إِنَّ اللَّهَ يَرْضَى لَكُمْ ثَلَاثًا وَيَكْرَهُ لَكُمْ ثَلَاثًا، فَيَرْضَى لَكُمْ أَنْ تَعْبُدُوهُ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا، وَأَنْ تَعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا، وَأَنْ تَنَاصَحُوا مَنْ وِلَاَهُ اللَّهُ أَمْرَكُمْ، وَيَكْرَهُ لَكُمْ ثَلَاثًا قِيلَ وَقَالَ، وَكَثْرَةَ السُّؤَالِ، وَإِضَاعَةَ الْمَالِ.))..... ”بلاشبہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے تمہارے لیے (اے مسلمانو!) تین چیزوں کو پسند فرمایا ہے اور تمہارے لیے تین چیزوں کو ناپسند کیا ہے۔ چنانچہ اُس نے (۱)..... اس بات کو تمہارے لیے پسند فرمایا ہے کہ تم صرف اسی کی ہی عبادت کرو اور اُس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ (۲)..... اور یہ کہ تم سب مسلمان مل کر اللہ کی رسی (قرآن و سنت پر مبنی دین اسلام والے عہد) کو مضبوطی سے تھامے رکھو اور فرقہ بندی کا شکار نہ ہو جاؤ۔ (۳)..... جس شخص کو اللہ تعالیٰ تمہارا ولی الامر (حاکم و خلیفہ) بنا دے، اُسے تم نصیحت کرتے رہو۔ اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے تین چیزوں کو ناپسند کیا ہے۔ (۱)..... بے فائدہ گفتگو و شنید (بک بک) کرنے سے۔ (۲)..... بہت زیادہ سوالات کرنے سے (جن مسائل اور باتوں کا جاننا ضروری نہ ہوا ان کی کرید کریدی کرنا)۔ (۳)..... اور مال کے ضائع کرنے سے۔ ❶

﴿وَلَا تَفَرَّقُوا﴾ ”اور پھوٹ نہ ڈالو“ کے ذریعے فرقہ بندی سے روک دیا گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر مذکورہ دو اصولوں سے انحراف کرو گے تو تمہارے درمیان پھوٹ پڑ جائے گی اور تم الگ الگ فرقوں میں بٹ جاؤ گے۔ چنانچہ فرقہ بندی کی تاریخ دیکھ لیجیے، یہی چیز نمایاں ہو کر سامنے آئے گی، قرآن و حدیث کے فہم اور اس کی توضیح و تعبیر میں کچھ باہم اختلاف، یہ فرقہ بندی کا سبب نہیں ہے۔ یہ اختلاف تو صحابہ و تابعین کے عہد میں بھی تھا لیکن مسلمان فرقوں اور گروہوں میں تقسیم نہیں ہوئے تھے۔ کیونکہ اس اختلاف کے باوجود سب کا مرکز اطاعت اور محور عقیدت ایک ہی تھا، قرآن اور حدیث رسول ﷺ۔ لیکن جب شخصیات کے نام پر دبستان فکر معرض وجود میں آئے تو اطاعت و عقیدت کے یہ مرکز و محور تبدیل

ہو گئے۔ اپنی اپنی شخصیات اور ان کے اقوال و افکار اولین حیثیت کے اور اللہ، رسول اور ان کے فرمودات ثانوی حیثیت کے حامل قرار پائے۔ یہیں سے اُمت مسلمہ کے افتراق کے لیے کا آغاز ہوا جو دن بدن بڑھتا ہی چلا گیا اور نہایت مستحکم ہو گیا۔

روشن دلیلیں آ جانے کے بعد تفرقہ ڈالا سے معلوم ہوا کہ یہود و نصاریٰ کے باہمی اختلاف و تفرقہ کی وجہ یہ نہ تھی کہ انھیں حق کا پتہ نہ تھا اور وہ اس کے دلائل سے بے خبر تھے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ انھوں نے سب کچھ جانتے ہوئے محض اپنے دنیاوی مفاد اور نفسانی اغراض کے لیے اختلاف و تفرقہ کی راہ پکڑی تھی اور اس پر جمے ہوئے تھے۔ قرآن مجید نے مختلف اسلوب اور پیرائے سے بار بار اس حقیقت کی نشاندہی کی ہے اور اس سے دور رہنے کی تاکید فرمائی ہے۔ مگر افسوس کہ اس امت کے تفرقہ بازوں نے بھی ٹھیک یہی روش اختیار کی کہ حق اور اس کی روشن دلیلیں انھیں خوب اچھی طرح معلوم ہیں، مگر وہ اپنی فرقہ بندیوں پر جمے ہوئے ہیں اور اپنی عقل و ذہانت کا سارا جوہر سابقہ اُمتوں کی طرح تاویل و تحریف کے مکروہ شغل میں ضائع کر رہے ہیں۔

جناب عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اگلی آیت میں قیامت والے دن بعض سفید، چمکدار اور بعض سیاہ چہروں سے اہل سنت و الجماعت اور اہل بدعت و افتراق مراد لیے ہیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ اسلام وہی ہے جس پر اہل سنت و جماعت، سلف صالحین کی راہ پر گامزن لوگ عمل پیرا ہیں اور اہل بدعت و اہل افتراق اس نعمت اسلام سے محروم ہیں جو ذریعہ نجات ہے۔

اخو کم فی اللہ

ابو عبد اللہ بن ابراہیم

مدینہ منورہ سعودی عرب

۲۱ فروری ۲۰۱۰ء بمطابق ۱۸/۲/۱۴۳۱ھ



امام جعفر صادق رحمہ اللہ کی سیرت کے سنہری اوراق

تالیف!

فضیلۃ الشیخ / صالح عبداللہ الدرویش حفظہ اللہ
القاضی بالمحکمۃ الکبریٰ بالقطفیف

مترجم

فضل الرحمن رحمانی الندوی

فاضل جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ

المدرس بالجمعیۃ الخیریہ لتحفیظ القرآن الکریم

بمحافظة جدہ

خطبہ مسنونہ

((إِنَّ الْحَمْدَ لِلَّهِ نَحْمَدُهُ، وَنَسْتَعِينُهُ، ①، وَنَسْتَغْفِرُهُ، ②، وَنَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا ③ وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا ④، مَنْ يَهْدِهِ اللَّهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ، وَمَنْ يُضِلِّ فَلَا هَادِيَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ، لَا شَرِيكَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ، وَرَسُولُهُ ⑤

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ﴾ ⑥
 ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً ⑦ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ ط
 إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا ⑧

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ⑨ يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ، فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا ⑩﴾
 أَمَّا بَعْدُ: فَإِنَّ خَيْرَ الْحَدِيثِ كِتَابُ اللَّهِ وَخَيْرَ الْهُدَى هُدَى مُحَمَّدٍ (صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) وَشَرَّ الْأُمُورِ مُحَدَّثَاتُهَا، فَإِنَّ كُلَّ مُحَدَّثَةٍ بَدْعَةٌ ⑩ وَكُلَّ بَدْعَةٍ ضَلَالَةٌ، أَلْضَلَالَةُ فِي النَّارِ)) ⑩

① ② ③ ④ ⑤ صحیح مسلم، کتاب الجمعہ، باب تخفیف الصلاة والجمعة: ۲۰۰۸،

⑥ ⑦ ⑧ ابو داؤد، کتاب النکاح، باب فی خطبۃ النکاح: ۲۱۱۸ (نَحْمَدُهُ کے بغیر) مسند احمد ۱/۳۹۳ (ک)

اور نَحْمَدُهُ کے بغیر) جامع الترمذی، کتاب النکاح، باب ماجاء فی خطبۃ النکاح: ۱۱۰۵ (نَحْمَدُهُ کے بغیر) ابن

ماجہ بحوالہ مشکوٰۃ المصابیح: ۳۱۴۹ تصحیح فضیلۃ الشیخ الالبانی رحمۃ اللہ علیہ وقال: حدیث صحیح

② جامع الترمذی، حوالہ سابقہ ⑥ آل عمران: ۱۰۲ ⑦ النساء: ۱

⑧ الاحزاب: ۷۰-۷۱

⑨ فَإِنَّ كُلَّ مُحَدَّثَةٍ بَدْعَةٌ..... کے الفاظ مسند احمد ۱/۱۲۷ (جلد نمبر ۵) کے ہیں۔

⑩ صحیح مسلم: ۲۰۰۵

ترجمہ خطبہ مسنونہ

بلاشبہ سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں۔ ہم اس کی تعریف کرتے ہیں۔ اس سے مدد مانگتے اور اسی سے ہم بخشش طلب کرتے ہیں۔ ہم اپنے نفسوں کے شر اور اپنی بد اعمالیوں سے اللہ کی پناہ میں آتے ہیں۔ جسے اللہ (سیدھی) راہ سمجھا دے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جسے وہ گمراہ کر دے اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں (ہو سکتا۔) میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

”اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے۔ اور تمہیں موت نہ آئے مگر اس حال میں کہ تم مسلمان ہو۔“..... ”اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور (پھر) اس (جان) سے اس کی بیوی کو پیدا کیا۔ پھر ان دونوں سے بہت سارے مرد اور عورتیں پیدا کر کے (زمین پر) پھیلا دیے۔ اور ڈرو اللہ سے کہ جس کے نام پر تم ایک دوسرے سے (حاجت براری کے لیے) سوال کرتے ہو اور ناطہ توڑنے سے (بھی ڈرو) بلاشبہ اللہ تمہارے اوپر نگہبان ہے۔“

”اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور بات سیدھی (سچی) کہا کرو۔ (ایسا کرو گے تو) اللہ تمہارے اعمال کی اصلاح کر دے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔ اور جس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (ﷺ) کی اطاعت کی، اس نے بڑی کامیابی حاصل کی۔“

حمد و صلوة کے بعد: یقیناً تمام باتوں سے بہتر اللہ کی کتاب ہے۔ تمام طریقوں سے بہتر طریقہ محمد (رسول اللہ ﷺ) کا ہے۔ اور تمام کاموں سے بدترین کام وہ ہیں جو (دین اسلام میں) اپنی طرف سے وضع کیے جائیں۔ دین میں ہر نیا کام بدعت اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ گمراہی کا انجام جہنم کی آگ ہے۔“

مقدمہ

اس پر آشوب و پر فتن زمانے اور شکوک و شبہات سے لبریز خطرناک دور میں خاص طور سے اس وقت کہ جب دین اسلام سے دوری اور بیزاری عام ہو چکی ہے، جاہد حق کی معرفت اور اس کی طرف رہنمائی کے لیے بہترین وسائل میں سے اہم ترین وسیلہ علماء ربانیین اور ائمہ سلف صالحین کی سیرت و سوانح کا تاریخی تجزیہ اور مطالعہ ہے۔ کیونکہ ائمہ سلف صالحین اور علماء ربانیین ہی ہمارے لیے انبیاء ﷺ کے وارثین کی صورت میں جیتا جاگتا نمونہ ہیں۔ وہ عمل کے پیکر میں اسوہ اور قدوہ ہیں۔ اللہ کے نبیوں اور رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام (صلوات اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ اجمعین) کے بعد وہی انبیاء ﷺ کے حقیقی جانشین ہیں، جن کی اقتداء و اتباع کی جاتی اور جن کے عمل کو نمونہ گردانا جاتا ہے۔

یہ چند اوراق جو قلمبند کرنے جا رہا ہوں، یہ آئمہ سلف میں سے ایک امام کی حیات گرامی سے متعلق ہیں۔ بلکہ اگر میں یہ کہوں تو بے جا نہ ہوگا کہ ائمہ سلف رضی اللہ عنہم میں سے ایک ایسے امام کی سیرت بیان کرنے جا رہا ہوں جس کو اکابر آئمہ میں ایک عظیم ترین امام شمار کیا جاتا ہے۔ وہ ہے جناب امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ ورضوانہ کی ذات محترم۔

امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی شخصیت گونا گوں صفات عالیہ سے مزین تھی۔ ایسی صفات کسی ایک شخص میں شاذ و نادر ہی پائی جاتی ہیں۔ اس زاویہ سے اگر ہم ان کی شخصیت کا تاریخی جائزہ لیں تو ہمیں پتہ چل جائے گا کہ: آپ ذاتی عز و شرف میں اوج کمال پر پہنچے ہوئے ہیں۔ لہذا ایک طرف اگر آپ رضی اللہ عنہ علم و عبادت، عادات و اطوار اور اخلاق و صفات میں اپنی مثال آپ ہیں تو دوسری طرف حسب و نسب میں خاندان محمدی رضی اللہ عنہم کے چشم و چراغ ہیں۔ جس کی وجہ سے آپ رضی اللہ عنہ کو بنو ہاشم سے قرابت کا شرف حاصل ہے۔ نسب نبوی رضی اللہ عنہم سے نسبت بذات خود ایک اعزاز و شرف ہے جس سے آپ رضی اللہ عنہ بہرہ ور ہیں۔

اسی طرح آپؑ کا دور بڑا عجیب و غریب دور ہے۔ اس کے گونا گوں اسباب و عوامل ہیں جن کی وجہ سے حضرت امام جعفر صادقؑ کی سیرت پڑھنے پڑھانے کی اہمیت ہمارے لیے دو چند ہو جاتی ہے۔ ہم اس اختصار میں بھی ان اسباب و عوامل کی طرف اشارہ کریں گے اور بہت ہی ایجاز کے ساتھ اسے بیان کرنے کی کوشش کریں گے۔

امام ابو جعفر صادقؑ کی سیرت پر قلم اٹھانے کے اسباب و عوامل کا بیان:

(۱)..... آپؑ کی بے مثال شخصیت:

آپؑ کی ذات والا صفات (علیہ رضوان اللہ تعالیٰ) کا بڑے اعلیٰ اور معزز ترین خاندان سے انتساب ہے۔ یہی نہیں بلکہ آپؑ علوم و معرفت، عبادت و ریاضت اور دین داری و شرافت میں اوج کمال پر فائز تھے۔ اس لیے جن جن صفات سے آپؑ متصف تھے ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم ان پر غور و خوض کریں اور آپؑ کی ہر خوبی کو مفصل بیان کریں تاکہ اس سے مکمل طور پر مستفید ہو جا سکے۔

(۲)..... تمام گروہوں کا امام جعفر صادقؑ کی طرف انتساب کرنا:

امام جعفر صادقؑ ایسی ہمہ گیر شخصیت کے مالک تھے کہ جس کی وجہ سے لوگ خود بخود کشاں کشاں ان کی طرف کھینچے چلے آتے تھے۔ چاہے وہ کسی بھی مکتبہ فکر سے تعلق رکھنے والے ہوں۔ جیسا کسی عربی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

وَكُلٌّ يَدْعِي وَصَلًا بِلَيْلِي

”مراد یہ کہ ہم میں سے ہر شخص لیلیٰ سے ملاقات کا خواہاں ہے [مگر لیلیٰ ہر ایک کے نصیب میں کہاں]“

اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ ہر شخص امام جعفر صادقؑ سے انتساب کا خواہاں ہے: اگر اہل سنت والجماعت کو دیکھا جائے تو وہ بھی یہی کہتے ہیں کہ امام جعفر صادقؑ ان کے امام ہیں اور یہ سلفی جماعت حقہ والے لوگ بھی اپنے آپ کو انہیں کی طرف منسوب کرتے

ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ امام جعفر صادق کی طرف انتساب کرتے اور اس پر فخر محسوس کرتے تھے۔ بلکہ یہاں تک وارد ہوا ہے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اس بات پر اللہ کی حمد و ثناء بیان کرتے تھے کہ امام جعفر رحمۃ اللہ علیہ ان کے مداحوں میں ہیں۔ اسی طرح امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ان دو سالوں کے بارے میں اکثر و بیشتر فرمایا کرتے تھے جن کو آپ نے امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کی شاگردی میں گزارا تھا، کہ اگر اللہ تعالیٰ نے یہ دو سال امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ سے استفادہ کے لیے مہیا نہ کیے ہوتے تو نعمان کا وجود تک نہ ہوتا یا نعمان ہلاک و برباد ہو جاتا۔^①

اس مذکورہ صراحت سے پتہ یہ چلا کہ آپ حضرت امام جعفر رحمۃ اللہ علیہ کی علمی جلالت شان کا اعتراف کرتے ہوئے فرما رہے ہیں کہ آپ نے امام صاحب سے بھرپور علمی استفادہ کیا ہے۔ اگر آپ کی زندگی سے اس مدت کے کالم کو حذف کر دیا جائے کہ جس میں آپ نے حضرت امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے زانوئے تلمذتہ کیا تھا یا حصول علم کی خاطر آپ کی صحبت اختیار کی تھی تو آپ کے وجود سے علمی بساط سمٹ جائے۔

اور اگر اس سلسلہ میں شیعوں کے فرقہ اشاعریہ کی تاریخی چھان بین کی جائے تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ وہ بھی امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کی طرف انتساب کرنے میں فخر کرتے اور اسے اپنے لیے باعث اعزاز سمجھتے ہیں۔ اسی لیے وہ اپنے آپ کو جعفری کہنا باعث افتخار سمجھتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ اگر ان کو اس لقب سے نوازا جائے تو ان کے لیے یہ اعزاز و اکرام کی اوج کمال ہے۔ اسی طرح اگر ہم فرقہ زیدیہ کا تحقیقی جائزہ لیں تو ہمیں یہ بات ان کے نزدیک بھی عیان نظر آئے گی کہ وہ امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کو ائمہ ہدی کی فہرست میں شہ سرفی پر جگہ دیتے ہیں۔ بلکہ ابن عقدہ زیدی رحمۃ اللہ علیہ نے امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کی سیرت و سوانح پر بڑی تفصیلی بحث کی ہے اور اس سلسلہ میں اپنے سے سابقہ تجزیوں اور روایات، نیز اس سلسلہ میں تمام سابقہ علمی بحث و تحقیق کی فہرست کو انہوں نے اس میں یکجا اور اکٹھا کر دیا ہے۔

① ملاحظہ فرمائیں: الخلاف للطوسی (۴۹/۱)۔ جامع المقاصد للکرمی (۲۱/۱)۔

اسی طرح باطنی فرقہ میں سے اگر فرقہ اسماعیلیہ کو دیکھا جائے تو وہ بشمول تمام فرقہ اسماعیلیہ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی طرف نسبت کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ انہوں نے اسی نسبت کے پیش نظر اپنا لقب اسماعیلیہ رکھا ہے۔ مراد یہ کہ وہ اپنے آپ کو حضرت اسماعیل بن جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کرتے اور اسماعیلی کہلاتے ہیں۔ اسماعیل بن جعفر صادق رضی اللہ عنہ، حضرت جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے بڑے بیٹے تھے۔ فرقہ اسماعیلیہ حضرت اسماعیل بن جعفر رضی اللہ عنہ سے اوپر حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے باپ، دادا میں امامت کے معترف ہیں جب کہ اسماعیل بن جعفر رضی اللہ عنہ سے نیچے کی اولادوں کے اندر امامت میں اختلاف کرتے ہیں۔ مراد یہ کہ اثنا عشریہ اور اسماعیلیہ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ تک تو مسلسل امامت کے قائل ہیں۔ پھر اسماعیل بن جعفر رضی اللہ عنہ کے بعد امامت کے سلسلہ میں ان لوگوں کے مابین باہمی اختلاف ہے۔

اثنا عشریوں نے وصی یعنی خلافت کا حق دار حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے چھوٹے لڑکے موسیٰ کاظم کو مانا ہے اور اسماعیلیوں نے وصی حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے بڑے لڑکے اسماعیل بن جعفر رضی اللہ عنہ کو قرار دیا ہے۔ ان کا عقیدہ ہے کہ اسماعیل بن جعفر رضی اللہ عنہ اٹھالیے گئے ہیں اور عنقریب وہ آسمان سے اتارے جائیں گے۔ یہی وہ لوگ ہیں جو [رجعت] کے عقیدہ کے قائل ہیں۔ اس سے ان کی مراد یہ ہے کہ ان کے امام کا دوبارہ ظہور ہوگا اور وہ دوبارہ واپس لوٹ کر آئیں گے۔ اسماعیلیوں کا خیال ہے کہ ان کے امام جناب اسماعیل بن جعفر اپنے والد حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے علمی وارث ہیں۔ اس لیے فرقہ اسماعیلیہ اپنے آپ کو حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کر کے [جعفری] کہلاتا ہے۔

اس سے بھی عجیب و غریب بات سے مجھے سابقہ پڑا۔ وہ یہ کہ بعض ملحد قسم کے فلسفیوں کا کلام میری نگاہوں سے گذرا تو میں نے خود ملاحظہ کیا ہے کہ وہ بھی اپنے آپ کو حضرت جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کرتے دکھائی دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ امام جعفر صادق ہی میرے امام ہیں۔ (سُبْحَانَكَ هَذَا بُهْتَانٌ عَظِيمٌ)

بلاشبہ یہ حقیقت بھی ہے کہ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کا فن فلسفہ میں بھی ایک منفرد مقام ہے۔ ہم نے اس فن میں بھی ان کے بہت سے اقوال یاد کیے ہیں۔ ان کو فلاسفہ اور حکماء کی کتابوں پر دسترس حاصل تھی۔ لیکن ان تمام چیزوں کے باوجود ان کا شمار ائمہ دین میں سے موحدین کی صف میں ہوتا ہے۔ کیونکہ آپ کا مشن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم کی اتباع کرتے ہوئے رب العالمین کی توحید کی دعوت دینا تھا۔ اس میں کسی کی دو آراء نہیں بلکہ آپ اس مشن کے پکے داعی اور مبلغ تھے۔

اسی طرح فنِ کیمیا اور علوم نباتیہ میں دسترس اور مہارت رکھنے والے لوگوں نے یہ شوشہ چھوڑا ہے کہ حضرت جعفر صادق رضی اللہ عنہ ان کے امام ہیں۔ درحقیقت آپ کو اس فن میں بھی دسترس حاصل تھی اور آپ کا علوم کیمیا کے ماہرین میں شمار بھی ہوتا تھا۔ لیکن جیسا کہ ہم آپ کے سامنے صراحتاً عرض کر چکے ہیں کہ آپ کا شمار آئمہ ہدیٰ والنور میں ہوتا ہے۔ آپ لوگوں کو ہدایت اور نور کی طرف بلانے والے تھے۔

(۳)..... اس کتابچے کی تالیف کی تیسری وجہ: امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی امامت اور آپ سے ائمہ کرام کی ایک بہت بڑی تعداد کا مستفید ہونا بھی ہے:

اس کتاب کی تالیف کا تیسرا سبب یہ ہے کہ آپ کے سامنے بڑے بڑے ائمہ کرام اور علماء عظام نے بغرض استفادہ زانوئے تلمذ تہ کیا تھا، سو اس پہلو کو بھی بیان کرنا ضروری ہے۔ علماء کرام کی سیرت و سوانح پر نظر رکھنے والے لوگوں کے علم میں یہ بات ضرور ہوگی کہ علماء اہل سنت والجماعت کی ایک بہت بڑی تعداد کا عراق اور حجاز سے تعلق تھا۔ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ جن کا ہم اس کتابچے میں تذکرہ کرنے جا رہے ہیں اپنے زمانے میں اہل مدینہ کے متفق علیہ امام تھے۔ آپ نے مکہ مکرمہ کی بارہا زیارت کی اور آپ کئی مرتبہ عراق آئے گئے تھے۔ وہاں کے علماء اور طلباء سے ملاقاتیں بھی کی ہیں۔ خصوصاً جناب امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اور ان جیسے ذی علم و فہم ائمہ کرام جو کہ منارہ علم و معرفت اور مشعل رشد و ہدایت ہیں۔ خود انہوں نے اور ان

کے مثل وہاں کے بڑے بڑے اکابر علماء نے آپؑ سے اکتساب فیض کیا تھا اور آپؑ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بغرض استفادہ حاضری دی تھی۔

اگرچہ اہل سنت والجماعت کے علماء کی ایک بہت بڑی تعداد نے حصول علم کی غرض سے آپؑ کی صحبت اختیار کی اور آپؑ کے چشمہ فیض سے سیراب ہونے کی سعادت حاصل کی تھی مگر اہل سنت والجماعت کے بالمقابل بعض فرقوں کا دعویٰ یہ ہے کہ انہیں کو آپؑ کی ملازمت اور مصاحبت کا شرف حاصل ہے۔ ان کے علاوہ کسی اور کو اس کے دعویٰ کا حق حاصل نہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے آپؑ سے اکتساب فیض کیا، ان کے علاوہ کسی اور کو آپؑ سے علمی فیضیابی حاصل نہیں ہے۔

بعض اہل علم نے ان لوگوں کی تعداد جنہوں نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ سے علم حاصل کیا ۴۰۰۰/بتلائی ہے۔ بعض نے تو اس سے بھی زیادہ اس کا تخمینہ لگایا ہے۔ حقیقت میں جن لوگوں نے آپؑ سے اکتساب فیض کیا ہے ان کی تعداد اس سے کہیں زیادہ ہے۔ وہ اس وجہ سے کہ آپؑ نے تعلیم و تعلم کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیا تھا اور سیاسی معاملات میں دخل اندازی سے کنارہ کشی اختیار کر لی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ تاریخ میں کہیں بھی آپؑ سیاست کے میدان میں حصہ لیتے ہوئے نظر نہیں آتے۔ آگے اس موضوع پر گفتگو ہوگی، ان شاء اللہ۔

(۴)..... آپؑ کے زمانے کی سیاسی اور اندرونی حالت کا بیان:

امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ علمی مشاغل میں انہماک کی وجہ سے سیاسی میدان سے کنارہ کش رہے۔ اسی لیے ہم کو آپؑ کی زندگی سیاسی ہنگامہ آرائیوں سے تہی دامن نظر آتی ہے۔ اگرچہ آپؑ کے دور میں بہت سے فسادات اور فتنوں نے سر اٹھایا اور اس کی سرکوبی کے لیے اس وقت کی سیاسی تاریخ میں بڑا عروج و زوال آیا مگر آپؑ اس سے لاتعلق نظر آتے ہیں۔ یہی وہ راز ہے جس کی وجہ سے ہمارے قلم کو جرات ہوئی کہ ہم اس امام زمانہ کی زندگی کو عوام کے سامنے پیش کریں۔ یہی ہماری اس کتاب کی تالیف کا چوتھا سبب ہے۔

اس وجہ سے کہ ہم بھی دور شرور و فتن کی موجوں میں تھپیڑے کھا رہے ہیں۔ ہر طرف سے ابتلاء اور آزمائش کا دور دورہ ہے۔ اسی طرح امام جعفر رضی اللہ عنہ کا دور بھی شرور و فتن سے لبریز تھا۔ آپ نے بڑے ہی پر آشوب دور میں آنکھیں کھولی تھیں۔ آپ نے تقلبات زمانہ کو قریب سے دیکھا تھا اور اس سے نبرد آزمائی بھی کی تھی۔ آپ کے جد امجد سیدنا حسین بن علی رضی اللہ عنہما جو جنتی نوجوانوں کے سردار ہیں، ان کی شہادت کا سانحہ آپ کی آنکھوں کے سامنے گھومتا رہتا تھا حالانکہ آپ نے اس کا عینی مشاہدہ نہیں کیا تھا۔ آپ اپنے دادا سیدنا علی زین العابدین رضی اللہ عنہ کی دیکھ ریکھ میں پروان چڑھے تھے جو اپنے بچپن میں معرکہ کربلاء کے عینی شاہد تھے۔ اسی بنا پر حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ اپنے شریف الاصل پوتے جناب جعفر صادق رضی اللہ عنہ کو معرکہ کربلاء کے عینی واقعات اور المناک خبروں سے کبھی کبھی مطلع فرمایا کرتے تھے۔ اسی طرح حضرت جعفر صادق کی سعادت مندی کا اس بات سے بھی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ انہوں نے اپنے دادا کی علمی میراث سے بھرپور فائدہ اٹھایا تھا۔ انہوں نے موقع غنیمت جانتے ہوئے ان سے بڑا ہی اکتساب علم کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت ساری احادیث اپنے آباء واجداد ساداتنا حسنین کہ جو جنتی نوجوانوں کے سردار ہیں اور ان کے بابا جان علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہما کے واسطے سے روایت کیں۔

پھر جب آپ سن بلوغ کو پہنچے تو اپنے ارد گرد شرور و فتن کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر موجزن پایا۔ یہ عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد ہشام بن عبدالملک رضی اللہ عنہ کے دور خلافت کی بات ہے۔ ہشام بن عبدالملک کا دور ختم ہوا اور اس کے بعد عمر بن ہشام بن عبدالملک رضی اللہ عنہ نے زمام حکومت سنبھالی۔ ان کے دور میں سیاست نے رنگ بدلا اور سیاسی حالات دگرگوں ہوتے نظر آتے رہے۔ ان کا دور ختم ہوا اور علویوں کو تسلط حاصل ہو گیا۔ ان کی حالت مستحکم نظر آنے لگی۔ لیکن اس کے بعد کوفہ والا المناک واقعہ رونما ہوا اور حالات مزید دگرگوں ہوتے چلے گئے۔ کوفہ کا سانحہ بڑا دردناک سانحہ ہے جو ہشام بن عبدالملک کے خلاف زید بن علی رضی اللہ عنہما

کے کھڑے ہونے وجہ سے علوی خاندان پر رونما ہوا۔ اس کے بعد شرور و فتن اور لڑائی جھگڑوں کا ایک لانتناہی سلسلہ شروع ہو گیا۔ ہم میں سے ہر ایک اس بات سے بخوبی واقف ہو گا کہ زید بن علی جناب امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے چچا اور بچپن کے بے تکلف دوست ہونے کے ساتھ ساتھ ہم درس بھی تھے۔ اس لیے امام زید بن علی رحمہم اللہ کو جن مصائب و آلام سے دو چار ہونا پڑا، اس کا اثر جناب امام جعفر رضی اللہ عنہ اور بنی ہاشم کے عام لوگوں کے دلوں پر بھی پڑا۔

اس کے بعد خاندان ہاشمی کی میٹنگس شروع ہو گئیں۔ خاندان ہاشمی سے مراد بنو عباس، امام علی کی ذریت اور جعفر طیار رضی اللہ عنہ کی آل و اولاد ہے۔ یہ لوگ آپس میں مجتمع ہونا شروع ہو گئے اور بنو ہاشم اس طرح سر جوڑ کر حکومت امویہ کا تختہ پلٹنے کی پلاننگ کرنے لگے۔ اس پلاننگ سے امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کسی طور پیچھے نہیں رہ سکتے تھے۔ حتیٰ کہ ان سیاسی میٹنگوں میں سے بعض میٹنگوں اور اجتماعات میں آپ بنفس نفیس شریک ہوئے لیکن آپ نے محمد بن عبداللہ (جو نفس زکیہ کے لقب سے جانے جاتے ہیں) اور ان کے بھائی ابراہیم بن عبداللہ کے ہاتھ پر بیعت کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ پورا واقعہ ذکر کرنے کا یہ محل اور مقام نہیں ہے۔ اگر ہم یہاں پوزی تفصیل میں جائیں تو ہمارا کتابچہ طوالت کی نظر ہو جائے گا۔^① اس کے بعد خلافت عباسیہ قائم ہوئی اور لڑائی جھگڑے، مار کاٹ، شرور و فتن نے سر اٹھانا شروع کر دیا۔ خوں ریزی اور قتل و غارت گری عام ہو گئی۔ بنو حسن، بنو عباس کے خلاف انقلاب برپا کرنے کے درپے ہو گئے۔ محمد بن عبداللہ (نفس زکیہ) خود اپنے بھائی ابراہیم کے خلاف برسرِ پیکار ہو گئے اور لڑائی جھگڑے کا بازار گرم ہو گیا۔ پھر اس کی پاداش میں خوزریزی اور قتل و غارتگری جو ہونی تھی وہ ہوئی۔ (العیاذ باللہ)

ان تمام شرور و فتن کا جناب امام جعفر صادق بن محمد الباقر رضی اللہ عنہما نے بہت قریب سے مشاہدہ کیا۔ بلکہ اسی زمانے میں آپ پر وان چڑھے۔ مگر آپ نے کبھی ان معاملات میں دلچسپی

① ملاحظہ ہو: امام ابو زہرہ رضی اللہ عنہ کی "امام جعفر صادق" نامی کتاب (ص: ۳۹-۴۰)۔

نہیں لی۔ آپ نے تعلیم و تعلم، عبادت و ریاضت کو اپنا اوڑھنا چھوٹا بنائے رکھا۔

ہمیں اپنے اس شرور و فتن والے دور میں اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ ہم ان ائمہ اعلام کی زندگی کا موضوعی مطالعہ کریں جنہوں نے بڑی بیباکی کے ساتھ اپنی زندگیاں شرور و فتن کے گرداب میں گزاری تھیں۔ اپنے دامن کو ان کی آلودگی سے بچا کر قوم و ملت کی بھرپور آبیاری میں اپنا وقت صرف کیا تھا۔ حکومتوں پر حکومتیں بدلتی رہیں ایک گئی اور دوسری آئی۔ قتل و غارت گری کا بازار گرم ہوتا رہا۔ مگر انہوں نے اپنے علمی مشن کو جاری رکھا۔ اس میں ایک لمحہ کے لیے غفلت کا شکار نہیں ہوئے۔ لہذا ہمارے لیے ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم مذکورہ ائمہ اعلام کی سیرت و سوانح کا مطالعہ کریں تاکہ ہمیں پتہ چل سکے کہ ان لوگوں نے حد سے زیادہ پر آشوب اور پر فتن دور میں کیا موقف اپنایا اور اپنے دین اسلام کی کیسے آبیاری کرتے رہے؟

ہمیں اس بحث میں ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم پتہ لگائیں: امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کا اس موقع پر کیا موقف تھا اور ان کے ان اکابر طلبہ کا بھی کہ جنہوں نے حکومت عباسیہ کو قائم ہوتے اور خلافت امویہ کو اجڑتے ہوئے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ دور عباسی کے اوائل میں جو انقلابات اور ادھیڑ بن ہوئی تھی اس کا انہوں نے قریب سے مشاہدہ بھی کیا تھا، تو ان کا اس سلسلہ میں کیا رویہ تھا؟

(۵)..... امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جو فکری اور سیاسی عروج و زوال ہوا، اس کا جائزہ لینا:

پانچواں سبب جس کی وجہ سے امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی سیرت کے مطالعہ کی اہمیت مزید بڑھ جاتی ہے، یہ ہے کہ آپ کا دور ایسا دور ہے جس میں غور و فکر کے انداز بدل گئے اور گروہ بندی ہونے لگی۔ نیز مختلف قسم کے مکاتب فکر میں اختلافات شروع ہو گئے۔ نئے نئے فرقوں نے سراٹھانا شروع کر دیا اور سیاسی انداز میں پیچیدگیاں آنا شروع ہو گئیں۔ کبھی کسی نقطہ نظر

کے لیے اہل علم میں سے کوئی شخص سامنے آتا اور وہ عقدہ حل ہو جاتا۔ کبھی حل ہونے کی بجائے اور پیچیدہ ہو جاتا۔ مراد یہ کہ کبھی ایک علمی قضیہ کی بنیاد پڑتی اور اسی کو سیاسی ارباب حل و عقد اپنے سیاسی نظریات کی بنیاد سمجھ لیتے۔

چنانچہ اس دور میں بہت سے سیاسی اور فکری احکامات کو علمی طور پر قانونی شکل دی گئی جس کی وجہ سے افکار و آراء میں بھونچال آ گیا۔ سیاسی دنیا میں اختلاف رونما ہوتا چلا گیا جس کی وجہ سے امت مسلمہ انتشار و افتراق کا شکار ہو گئی۔ لہذا امت میں اختلافات و افتراق کے اسباب تلاش کرنے کا واحد ذریعہ یہی ہے کہ اس مکتبہ فکر سے تعلق رکھنے والے لوگوں کی زندگیوں کا مطالعہ کیا جائے جن کی طرف ان اقوال و آراء کو منسوب کیا جا رہا ہے تاکہ کھرا اور کھوٹا نکھر کر سامنے آجائے۔

(۶)..... چھٹا سبب: امام جعفر رحمۃ اللہ علیہ سے بکثرت روایات کا منقول ہونا:

چنانچہ اس نابغہ روزگار شخصیت کی سیرت و سوانح لکھنے کے اسباب میں سے ایک اہم سبب یہ بھی ہے کہ ان کی طرف کثرت سے روایات منسوب ہیں۔ آپ کے سیرت نگاروں میں سے بعض لوگوں نے یہاں تک لکھا ہے کہ حضرت امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ سے ان کے شاگردوں نے تیس ہزار سے زیادہ روایات نقل کی ہیں۔ ایک دوسری روایت کے مطابق ان سے پندرہ ہزار روایات منقول ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ ان سے اتنی اتنی روایات منقول ہیں۔ غرضیکہ اگر ہم ان میں سے بعض مصادر و مراجع کا جائزہ لیں کہ جن میں امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب اقوال و آراء کو جمع کر دیا گیا ہے تو ہمیں بخوبی پتہ چل جائے گا کہ امام موصوف رحمۃ اللہ علیہ کی طرف ہزاروں حدیثوں کو منسوب کر دیا گیا ہے۔ بلکہ اگر ان ائمہ کرام کی فہرست بنائی جائے کہ جن کی طرف احادیث نبویہ کو منسوب کیا گیا ہے اور امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب احادیث کی فہرست الگ بنائی جائے تو امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب روایات ان تمام ائمہ کی روایات سے کہیں زیادہ ہوں گی جن کی طرف لوگوں

نے احادیث کا انتساب کیا ہے۔

لہذا امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کی طرف بکثرت روایات کا انتساب ہم کو اس بات کی دعوت دیتا ہے کہ ہم اس بے مثال شخصیت کی سیرت کا مطالعہ کریں اور پھر اس پر غور و فکر کریں۔

بہر حال وہ تمام عوامل و اسباب کہ جن کی وجہ سے اس امام جلیل کی سیرت و سوانح نگاری ہماری لیے ضروری بن جاتی ہے مذکورہ اسباب میں سے بعض اسباب کا میں تفصیلی تذکرہ ضرور کروں گا کیونکہ سیرت نگاری قلمبند کرتے وقت واقعات کا تسلسل ہوتا ہے کہ جس کی لڑی ایک دوسرے سے جڑی ہوئی ہوتی ہے اور گفتگو کا تسلسل توڑا نہیں جاسکتا۔

امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کی سیرت پر خامہ فرسایا لوگ:

اس سلسلہ میں عالم اسلام کے معروف و مشہور مؤرخ و ناقد پروفیسر ابو زہرہ رحمۃ اللہ علیہ نے جہاں ائمہ اربعہ رحمہم اللہ کی سیرت پر تاریخی بحث کی ہے وہیں اس عظیم شخصیت کے بارے میں بھی منفرد انداز میں خامہ فرسائی کی ہے۔ انہوں نے امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کو ان کے چچا زید بن علیؑ کے ساتھ کہ جن کو قابل اتباع ائمہ کرام کی صف میں گردانا جاتا ہے، بڑے بہترین اور اچھوتے انداز میں بیان کیا ہے۔ اس کے علاوہ انہوں نے خصوصاً امام زید بن علی زین العابدین رحمہم اللہ پر بھی ایک منفرد مقالہ لکھا ہے۔ اس میں ان کے اقوال و آراء اور ان کے زمانے کا علمی جائزہ لیا ہے۔ جس نے اس مقالہ کی قیمت کو دو بالا کر دیا ہے۔

مزید برآں ابو زہرہ رحمۃ اللہ علیہ نے ہمارے موصوف امام جناب ابو عبد اللہ جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ پر الگ سے ایک کتاب لکھی ہے۔ اس میں بھی مصنف نے امام موصوف رحمۃ اللہ علیہ کی سیرت مظہرہ کا احاطہ کرتے ہوئے آپ کی آراء اور آپ کے اقوال کو بیان کیا ہے۔ اس کی وجہ سے ان کی اس علمی کاوش کو پڑھے لکھے طبقہ میں سراہا گیا ہے۔

اسی طرح شیعوں نے بھی امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمہ پر خوب دل کھول کر خامہ فرسائی کی ہے اور دفتر کے دفتر سیاہ کر دیئے ہیں۔ بلکہ ان کی حیات پر کئی شیعہ مصنفین نے

مستقل کتابیں تصنیف کی ہیں۔ ان میں سے عبدالعزیز سید الاہل کی ”جعفر بن محمد الصادق علیہ السلام“ ایک مشہور تصنیف ہے۔

جہاں تک اہل سنت والجماعت سے تعلق رکھنے والے ان علماء کرام کا تعلق ہے جنہوں نے ائمہ مسلمین اور علمائے دین، نیز محدثین عظام کی سیرت و سوانح کے سلسلہ میں قلم اٹھایا ہے۔ تو ان کی تصانیف میں سے ہر تصنیف میں اس امام جلیل کا تذکرہ ضرور ملتا ہے۔^①

اسی طرح ”مناظرہ للامام الحجة جعفر بن محمد الصادق رضی اللہ عنہما“ نامی کتاب کے محقق نے اس کتاب کے ضمن میں امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے بارے میں بڑا مفصل بیان لکھا اور موضوع کا پورا پورا احق ادا کر دیا ہے۔ اس کتاب پر ان کی تحقیق بہت سے فوائد علمی اضافات پر مشتمل ہے۔ ایک طالب علم کے لیے اس کا مطالعہ بڑا سود مند اور نفع بخش ہے۔^②

صالح بن عبداللہ الدرویش

جسٹس القطیف ہائی کورٹ

مملکت سعودی عربیہ



① مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بطور مثال ہم ان لوگوں کی کتابوں کا یہاں تذکرہ کرتے چلیں جنہوں نے امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے تراجم پر قلم اٹھایا ہے۔ مثال کے طور پر: (۱) سیر اعلام النبلاء (۶/۲۵۵ - ۲۷۰)۔ (۲) وفيات الاعيان لابن خلكان (۱/۳۲۷ - ۳۲۸)۔ (۳) مشاہیر علماء امصار لابن خلكان (ص: ۱۲۷)۔ (۴) الکامل فی التاريخ لابن اثیر، حوادث سنہ (۱۴۵ھ)۔ (۵) شذرات الذهب لابن عماد الحنبلی (۱/۲۰)۔ (۶) صفة الصفوة لابن الجوزی (۲/۹۴)۔ (۷) تاریخ الاسلام للذہبی (۶/۴۵)۔ (۸) تاریخ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ (۱۰/۱۰۸)۔ (۹) تاریخ ابن جریر حصری فی حوادث سنہ (۱۴۵ھ)۔

② ملاحظہ فرمائیں: ”مناظرہ للامام جعفر بن محمد الصادق رضی اللہ عنہ“ (ص: ۱۵)

امام ابو عبد اللہ جعفر الصادق رضی اللہ عنہ کا تعارف

یہ بات ہم میں سے کسی شخص پر ڈھکی چھپی نہیں ہے کہ ہمارے معزز و مشرف امام موصوف کا نام نامی جعفر بن محمد رضی اللہ عنہما تھا۔ آپ کو صادق کے لقب سے موسوم کیا جاتا ہے۔ آپ کو اپنے زمانے کی علمی قیادت و سیادت حاصل تھی۔ آپ کے والد محترم سیدنا محمد الباقر بن علی زین العابدین رضی اللہ عنہم بھی علوم و فنون، علم و ادب، دین و اخلاق میں اپنے زمانے کے امام تھے۔ آپ کے والد ماجد کا نام محمد رضی اللہ عنہ تھے۔ ان کو باقر کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ محمد الباقر رضی اللہ عنہ اپنے زمانے میں تابعین کرام رحمہم اللہ جمیعاً کے امام سیدنا زین العابدین علی بن الحسین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے فرزند ارجمند تھے۔

پھر جناب زین العابدین علی رضی اللہ عنہ کے والد ماجد سیدنا حسین رضی اللہ عنہ ہیں جن کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسہ ہونے کا شرف حاصل ہے۔ جو جنت کے نوجوانوں کے سردار اور شہید کر بلاء ہیں۔ آپ کو ظلم و زیادتی کے ساتھ قتل کیا گیا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ کی والدہ جگر گوشہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا ہیں۔ اور آپ کے والد ماجد علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی اور چوتھے خلیفہ راشد ہیں۔

امام ذہبی رضی اللہ عنہ نے اپنی مشہور زمانہ کتاب ”سیر اعلام النبلاء“ میں امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کو تابعین کے پانچویں طبقہ میں سرفہرست شمار کیا ہے۔^① بایں طور کہ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی ولادت زیادہ سے زیادہ ۸۰ ہجری میں ہوئی ہے۔ اس بنیاد پر کہا جاسکتا ہے کہ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے ان صحابہ کرام کو پایا ہے جن کی وفات سن

① دیکھئے: سیر اعلام النبلاء میں امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کا تذکرہ۔ (۶/۲۰۰-۲۷۰)

۸۰ ہجری کے بعد ہوئی ہے۔ بعض اہل علم نے پورے وثوق کے ساتھ یہ بات کہی ہے کہ آپؑ نے اپنے بچپن میں حضرت امام انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو دیکھا ہے۔ اس لیے آپؑ تابعین کی صف میں شمار کیے جاتے ہیں۔

امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کا ننھیالی حسب و نسب:

آپؑ کی والدہ ماجدہ ام فروہ بنت المقاسم بن محمد بن ابی بکر الصدیق ہیں رضی اللہ عنہما۔ آپؑ کے نانا جناب قاسم بن محمد اپنے وقت میں مدینہ منورہ کے اکابرین علماء میں شمار ہوتے تھے۔ ان کو مدینہ منورہ کے فقہاء سبعہ میں گردانا جاتا ہے۔ آپ کی والدہ محترمہ کے دادا یعنی امام جعفر رضی اللہ عنہ کے پرانا نام محمد بن ابوبکرؓ تھے جو حضرت علی ابی طالبؑ کے سوتیلے بیٹے اور ان کی کفالت میں پروان چڑھے تھے۔

کیونکہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد ان کی بیوہ حضرت اسماء بنت عمیسؓ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے شادی کر لی تھی۔ اس وقت ان کے صاحبزادے محمد بن ابوبکرؓ اپنی والدہ کی گود میں تھے۔ اس لیے ان کو بھی حضرت علیؑ کی تربیت کا شرف حاصل ہوا۔ یہی محمد بن ابوبکرؓ جناب جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے پرانا نام ہیں۔

جہاں تک ام فروہ رحمہا اللہ کی نانی کا تعلق ہے تو وہ اسماء بنت عبد الرحمن بن ابی بکر الصدیق ہیں رضی اللہ عنہما۔ اس وجہ سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ ام فروہ کے ننھیال اور دھدیال دونوں بکری یعنی صدیقی الاصل ہیں۔ اسی لیے جب امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے سائل کو یہ جواب دیا: کیا کوئی شخص اپنے نانا کو گالی دے سکتا ہے؟ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ میرے نانا بزرگوار ہیں۔^① اور فرمایا:

((وَلَدْنِي أَبُو بَكْرٍ الصِّدِّيقُ مَرَّتَيْنِ .))^②

”حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے تو میرا ڈھرا رشتہ ہے۔“

①، ②: ملاحظہ ہو: سیر اعلام النبلاء جلد نمبر: ۶، ص: ۲۵۸، ۲۵۵۔

امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ سے یہ قول تو اتر کے ساتھ منقول ہے۔ آپ نے اس کو بار بار کئی مجلسوں میں دہرایا۔ اہل علم نے اس مقولہ کو تو اتر کے ساتھ نقل کیا ہے۔ اسی لیے امام جعفر رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کو تاریخی حیثیت حاصل ہے۔

امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کے علمی کارناموں کا بیان:

جناب امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کی نشوونما خالص علمی گھرانے میں ہوئی۔ آپ علم و ادب کے گہوارے میں پروان چڑھے اور آپ رحمۃ اللہ علیہ نے نہایت معزز و مکرم گھرانے میں آنکھیں کھولیں۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ آپ نے اپنے ماموؤں کے گھر میں اپنے نانا جناب قاسم بن محمد رضی اللہ عنہما کے گھر میں پرورش پائی۔ جیسا کہ بعض مؤرخین کی مضبوط رائے ہے۔ مؤرخین و سیرت نگاروں میں سے بعض لوگوں کے نزدیک آپ کی ساخت و پرداخت اپنے والد محترم جناب امام محمد باقر رحمۃ اللہ علیہ کی نگرانی میں ہوئی۔ بہر حال دونوں صورتوں میں آپ کو علمی ماحول ملا۔ کیونکہ دونوں گھرانے علم و ادب، حسب و نسب، قدر و منزلت میں اپنی مثال آپ تھے۔ اس لیے چاہے یہ گھرانہ ہو یا وہ گھرانہ، دونوں ہی آپ کے لیے باعث اعزاز و صداقتار ہیں۔ اس کے علاوہ آپ کی مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانی فضاء میں ذہن سازی ہوئی۔ اس وقت مدینہ منورہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور تابعین عظام رحمہم اللہ میں سے اکابر علماء و فضلاء سے بھرا پڑا تھا۔ چنانچہ آپ نے اس وقت کے علمی سرچشمہ سے فیضیاب ہونے کی تیگ و دوکی۔ اسی سلسلہ کی ایک کڑی یہ بھی ہے کہ آپ نے اپنے والد ماجد اور دادا بزرگوار زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۹۴ ہجری) سے اکتساب فیض کیا۔ اس وقت آپ کی عمر صرف ۱۳/۱۴ سال کی تھی۔

اسی طرح آپ نے اپنے نانا قاسم بن محمد سے بھی اکتساب فیض کیا۔ کیونکہ حضرت قاسم بن محمد کا مدینہ منورہ کے اکابرین علماء اور فقہاء میں شمار ہوتا تھا۔ زیادہ تر آپ نے اپنے والد امام محمد باقر سے استفادہ کیا ہے۔ امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی شہرہ آفاق کتاب ”سیر اعلام

النبلاء“ میں تحریر فرمایا ہے کہ حضرت جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے اہل علم کی ایک بہت بڑی جماعت سے فیض حاصل کیا تھا۔ چنانچہ امام ذہبی رضی اللہ عنہ رقمطراز ہیں کہ ”امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ ۸۰ھ میں پیدا ہوئے اور آپ نے بعض صحابہ کرام کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ بھی کیا تھا۔ میرے خیال میں آپ نے حضرت انس بن مالک اور سہل بن سعد رضی اللہ عنہما کو دیکھا تھا۔“

آپ نے اپنے والد محترم امام باقر، عبید اللہ بن ابی رافع، عروہ بن زبیر، عطاء بن ابی رباح (کہ جن سے آپ رضی اللہ عنہ کی روایت صحیح مسلم میں بھی ہے) آپ نے اپنے نانا قاسم بن محمد، نافع العمری، محمد بن المنکدر، محمد بن مسلم بن شہاب الزہری اور مسلم بن ابو مریم سے روایت کی ہے۔ مگر آپ کی اکثر و بیشتر روایتیں آپ کے والد کے واسطے سے ہیں۔ مذکور بالا تمام کے تمام رواۃ کا شمار اکابر علماء مدینہ میں ہوتا ہے اور آپ کے والد محترم امام محمد الباقر رضی اللہ عنہ بھی مدینہ منورہ کے اجل علماء میں شمار ہوتے تھے۔^①

امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے ایک بہت بڑی خلق خدا مستفید ہوئی اور آپ سے روایت کرنے والوں کی ایک بہت بڑی تعداد ہے۔ امام ذہبی رضی اللہ عنہ نے اپنی کتاب ”سیر اعلام النبلاء“ میں ان میں سے معروف و مشہور لوگوں کا تذکرہ کیا ہے۔ امام ذہبی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ سے آپ کے صاحبزادے موسیٰ کاظم، یحییٰ بن سعید انصاری، یزید بن عبد اللہ بن الہاد (یہ دونوں راوی عمر میں آپ سے بڑے تھے)، امام ابو حنیفہ، ابان بن تغلب، ابن جریج، معاویہ بن عمار الدہنی، ابن اسحاق.... نے اپنے ہم عصروں کے ساتھ، سفیان ثوری، شعبہ، مالک بن انس، اسماعیل بن جعفر رضی اللہ عنہ، وھب بن خالد، حاتم بن اسماعیل، سلیمان بن بلال، سفیان بن عیینہ اور حسن بن صالح رحمہم اللہ اجمعین نے روایت کی ہے۔^②

(۲)..... اس کے علاوہ امام ذہبی رضی اللہ عنہ نے ان اکابرین علماء کی ایک فہرست نقل کی ہے

① ملاحظہ ہو: سیر اعلام النبلاء (۲۵۸/۶)۔

② ملاحظہ ہو: المرجع السابق نفسہ (۲۵۵/۶)۔

جنہوں نے آپؑ کے واسطے سے محدثین روایت کی ہیں۔

غرضیکہ امام جعفر صادقؑ نے سرزمین مدینہ الرسول ﷺ کی اس ایمانی اور علمی فضا میں نشوونما پائی تھی جہاں علم و عرفان، تقویٰ و ایمان اور معرفت الہی کا فیضان تھا۔ جہاں علم و معرفت کی نورانی بارش ہو رہی تھی جو علماء کرام اور صالحین عظام کا گنجینہ تھا۔ ایسے مبارک شہر میں آپؑ نے اپنے گھر اور مسجد نبوی ﷺ کی آغوش میں اپنی زندگی کے سنہرے ایام گزارے اور اس کی روحانی، علمی فضا سے بھرپور فیضیاب بھی ہوئے۔

امام ذہبیؒ نے جہاں آپؑ کے علم و فضل کا اعتراف کیا اور آپؑ کے تبحر علمی کا تذکرہ کیا ہے، وہیں انہوں نے ایک عجیب و غریب اور انوکھے قصہ کا بھی ذکر کیا ہے۔ اصلاً اس قصہ کا تعلق اس مناظرہ سے ہے جو آپؑ اور امام ابوحنیفہؒ کے درمیان پیش آیا تھا۔ ہوا یہ کہ خلیفہ ابو جعفر منصور نے ابوحنیفہؒ سے درخواست کی کہ وہ امام جعفر صادقؑ کے لیے چند دشوار اور سخت ترین مسائل کا انتخاب کریں۔ تاکہ امام جعفر صادقؑ جب عراق تشریف لائیں تو ان سے ان مسائل کے بارے میں استفسار کیا جائے۔ دراصل لوگوں میں امام جعفر صادقؑ کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ لوگ ان پر جان نچھاو رکرنے کے لیے تیار ہیں۔

امام ابوحنیفہؒ بیان کرتے ہیں کہ: خلیفہ ابو جعفر منصور نے مجھے بلوا بھیجا اور کہا: اے ابوحنیفہ! لوگ جعفر صادقؑ کے بڑے گرویدہ نظر آتے ہیں۔ اس لیے آپؑ ان کے لیے ایسے چند سخت قسم کے مسائل کا انتخاب فرمائیں جو درحقیقت آپؑ کی نظر میں بھی پیچیدہ اور گنجلک ہوں۔ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ایسا ہی کیا جیسا کہ مجھے حکم دیا گیا تھا۔ میں نے [۴۰] مسائل کا انتخاب کیا اور اسے لے کر ابو جعفر منصور کی خدمت میں حاضر ہوا۔ امام جعفر صادقؑ اس وقت خلیفہ ابو جعفر منصور کی دائیں طرف جلوہ افروز تھے۔ چنانچہ جیسے ہی میری ان دونوں شخصیتوں پر نگاہ پڑی۔ امام جعفر صادقؑ کی ہیبت اور جلالت شان کی وجہ سے مجھ پر جو رعب کی کیفیت طاری ہوئی، اس نے جلال سلطانی کی ہیبت کو ماند کر دیا۔

حسب معمول داخل ہوتے ہی میں نے سلام کیا اور مجھے داخل ہونے کی اجازت مرحمت ہوئی۔ مجلس میں جا کر بیٹھ گیا۔ پھر خلیفہ ابو جعفر منصور، امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ سے مخاطب ہوا اور ان سے سوال کیا: اے ابو عبد اللہ! کیا آپ ان کو جانتے ہیں؟ امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا: ہاں۔ میں ان کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ یہ ابو حنیفہ ہیں۔ یہ مدینہ منورہ میں ہماری مصاحبت میں رہ چکے ہیں۔ دراصل امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اس زمانے میں مدینہ منورہ جا کر پناہ گزین ہوئے تھے۔ جن دنوں انہیں چیف جسٹس کا عہدہ قبول کرنے کے لیے مجبور کیا گیا تھا۔ اس موقع پر ایک محدود وقت کے لیے وہ مدینہ منورہ جا کر روپوش ہو گئے تھے اور وہیں آپ نے امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کی مصاحبت اختیار کی اور ان سے اکتساب علم کے لیے ان کے سامنے زانوئے تلمذتہ کیا تھا۔

اس کے بعد خلیفہ ابو جعفر منصور نے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے مخاطب ہو کر کہا: کہاں ہیں وہ مسائل جن کو آپ نے مرتب کیا ہے۔ لائیے ان کے بارے میں ابو عبد اللہ سے پوچھنا چھ کریں۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ سے بعض مسائل کے بارے میں دریافت کرنا شروع کر دیا۔ چنانچہ حضرت امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کا مسائل کے استنباط پر عبور دیکھ کر حیرانی ہوئی کہ آپ ہر مسئلہ کے جواب میں فرماتے جاتے تھے: اے اہل عراق! تم اس مسئلہ کے بارے میں یہ یہ رائے رکھتے ہو اور اہل مدینہ کے اس مسئلہ میں یہ یہ اقوال ہیں۔ ہم اس مسئلہ کے بارے میں یہ رائے رکھتے ہیں۔ پھر اپنی رائے اور ترجیح کا ذکر فرماتے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اس سلسلہ میں مزید فرماتے ہیں کہ: آپ کبھی کسی مسئلہ میں ہم سے اتفاق کرتے اور کبھی اہل مدینہ کی رائے کو ترجیح دیتے۔ کبھی خود اس سلسلہ میں اپنی رائے کا ترجیحاً اظہار فرماتے۔ کبھی ایسا ہوتا کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ نہ تو اہل عراق کے مشائخ کی رائے سے اتفاق کرتے اور نہ اہل مدینہ کے مشائخ کی رائے کو سراہتے، بلکہ ہم میں سے تمام لوگوں کی رائے کے خلاف فیصلہ صادر فرماتے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہاں

تک کہ میں نے اپنے تیار کردہ ۴۰/۴۰ مسائل میں سے ہر مسئلہ کو فرداً فرداً پوچھ ڈالا اور ان میں سے ایک مسئلہ سے بھی چشم پوشی نہیں کی۔ آپؑ کی اس تبحر علمی کو دیکھ کر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے یوں فرمایا: کیا میں نے آپ حضرات کو اس بات سے آگاہ نہیں کر دیا تھا کہ لوگوں میں ذی علم شخص وہ ہے جو مسائل میں علماء کے اختلافات سے باخبر ہو۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس قصہ کو اس موقع پر بیان کیا ہے جب ان سے سوال کیا گیا تھا کہ لوگوں میں سب سے زیادہ فقہ کی درایت رکھنے والا کون ہے؟ تو انہوں نے جواباً ارشاد فرمایا تھا کہ میں نے جعفر بن محمد رحمۃ اللہ علیہ سے بڑا فقیہ نہیں دیکھا۔ (فرضی اللہ عنہ وارضاه)۔^①

آپؑ کی عبادت، زہد و قناعت اور تقویٰ کا بیان:

جہاں تک آپ کی عبادت و ریاضت اور اس سلسلہ کی باتوں کا تعلق ہے تو آپؑ اس میدان میں نابغہ روزگار تھے۔ اس بارے میں بھی امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ اپنی مثال آپ تھے۔ بلکہ عابدوں اور زاہدوں کے امام تھے۔ اگر بلا کسی تردد کے آپ کو اس میدان کا شہسوار کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ جہاں بھی عابدوں اور زاہدوں کا تذکرہ آتا ہے وہاں زمام کار آپؑ ہی کے ہاتھ میں نظر آتی ہے۔ جب ذاکرین و شاکرین کا تذکرہ ہوتا ہے تب بھی آپؑ آگے آگے نظر آتے ہیں۔ غرضیکہ دینی لحاظ سے ہر میدان میں آپ کو سبقت حاصل ہے۔ عبادت و ریاضت، زہد و قناعت اور ورع و تقویٰ میں سے کوئی میدان ایسا نہیں ہے جس میں منصب امامت پر آپؑ فائز نظر نہ آتے ہوں؟

آپؑ کی عبادت و مناجات، کے بارے میں بہت سے واقعات نقل کیے گئے ہیں۔ ائمہ ثقات نے اس سلسلہ میں بہت سی روایات بیان کی ہیں کہ جن سے کتابیں بھری پڑی ہیں۔ اگر یہاں پر موقع ہوتا تو میں ان میں سے بہت سے قصوں اور روایتوں کو جمع کر دیتا۔ مگر اس خدشہ سے کہ یہ کتابچہ کہیں تطویل محض کا شکار نہ ہو جائے۔ ہم نے ان روایات کی

① ملاحظہ ہو: سیر اعلام النبلاء (۶/۲۵۸)۔

طرف اشارہ کر دینے پر اکتفا کیا ہے۔ کیونکہ کتابچہ کی تنگ دامانی کا یہی تقاضہ ہے۔

امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: میں امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے پاس جب بھی حاضری دیتا تھا، وہ میرے اعزاز میں تکیہ پیش کرتے اور میری بڑی آؤ بھگت کرتے تھے۔ مجھے مخاطب کر کے ازراہ شفقت ارشاد فرماتے: اے مالک! میں تم سے محبت کرتا ہوں۔ مجھے آپ کے اس قول سے بڑی خوشی ہوتی اور میں فوراً اللہ کی حمد و ثناء بجالاتا۔

امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ ہر وقت تین صفات میں سے کسی ایک صفت سے ضرور متصف نظر آتے تھے۔ (۱)..... یا تو روزے کی حالت میں ملتے تھے۔ (۲)..... یا اللہ کی بارگاہ میں کھڑے مناجات اور سرگوشی کرتے ہوئے ملتے۔ (۳)..... یا ذکر و اذکار میں مصروف نظر آتے تھے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کا شمار ان اکابر عباد و زہاد میں ہوتا ہے جو تقویٰ و خشیت الہی سے سرشار رہنا اپنا شعار بنائے رہتے ہیں۔ نیز آپ رضی اللہ عنہ حدیث کے رواۃ مکثرین میں سے ایک تھے۔ اپنی ہم نشینی کے اعتبار سے آپ رضی اللہ عنہ بڑے خوش اخلاق تھے۔ فوائد و منافع کا خزینہ علم و حکمت کا گنجینہ تھے۔ جب حدیث بیان کرتے ہوئے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تو مارے خوف و خشیت اور ادب و احترام کے آپ رضی اللہ عنہ کا رنگ متغیر ہو جاتا تھا۔ کبھی آپ رضی اللہ عنہ کا رنگ ہرا پڑ جاتا تو کبھی زردی مائل ہو جاتا۔ یہاں تک کہ کوئی شخص اگر اچھی طرح سے آپ رضی اللہ عنہ سے واقف نہ ہوتا تو اس کا آپ کو پہچانا مشکل ہو جاتا تھا۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک سال امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی معیت میں حج کیا۔ جب احرام کی نیت کرتے ہوئے آپ رضی اللہ عنہ اپنی سواری پر سیدھے بیٹھ گئے اور تلبیہ پڑھنے کا وقت آیا تو آپ رضی اللہ عنہ کی آواز حلق میں اٹک کر رہ گئی۔ اس کا نکلنا مشکل ہو گیا۔ مراد یہ کہ آپ کی آواز بیٹھ گئی۔ جوں جوں آپ تلبیہ پڑھنے کی کوشش کریں آواز بیٹھتی چلی جائے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہمیں لگ رہا تھا کہ آپ رضی اللہ عنہ سواری پر سے اب گرے تب گرے۔ میں نے عرض کیا: اے فرزند رسول صلی اللہ علیہ وسلم! ضروری ہے کہ تلبیہ پڑھیں۔ امام موصوف نے مجھے

جواب دیا: اے ابن ابی عامر! میں کیسے! لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ کہنے کی جسارت کر سکتا ہوں۔ مجھے خدشہ ہے کہ میرا تلبیہ قبول نہ ہو اور اللہ فرمائیں: لَا لَبَّيْكَ وَلَا سَعْدِيكَ اس خوف سے میری آواز حلق سے باہر نہیں نکل رہی۔^①

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے ہی روایت ہے کہ علم و فضل عبادت مجاہدیت اور ورع و تقویٰ میں کسی آنکھ نے جناب جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ سے بہتر شخص نہ دیکھا ہوگا اور کسی کان نے اس معاملہ میں ان سے افضل کسی شخص کے بارے میں کبھی سنا ہوگا اور نہ کسی دل پر ان سے بہتر کسی شخص کے بارے میں خیال ہی گذرا ہوگا۔^②

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ ایک اور مقام پر یوں بھی بیان کرتے ہیں کہ میں ایک زمانے تک امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آتا جاتا رہا ہوں۔ یہاں تک کہ لوگوں نے میری طرف انگلیاں اٹھانا شروع کر دیں اور کہنے لگے آخر کیا بات ہے کہ مالک رحمۃ اللہ علیہ کی حضرت امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اتنی زیادہ آمد و رفت شروع ہو گئی ہے۔ میں اس مدت میں جب بھی آپ کے یہاں گیا، آپ کو تین حالتوں میں سے کسی ایک ہیئت میں ضرور پایا۔ یا تو آپ نماز پڑھتے ہوئے ملتے۔ یا روزے کی حالت میں ملتے۔ یا قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہوئے پائے جاتے۔ ہمیشہ حالت طہارت میں آپ حدیث کا درس دیا کرتے تھے۔^③

امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو دیکھتا کیا ہوں کہ آپ ریشم اور اون سے بنا ہوا سیاہی مائل رنگ کا جبہ پہنے ہوئے ہیں۔ اس کے اوپر ریشم کی ایرانی چادر اوڑھے ہوئے ہیں۔ میری نگاہ جو آپ کے اوپر پڑی تو میں آپ کو ازراہ تعجب ٹکٹکی باندھ کر دیکھنے لگا۔ امام جعفر صادق نے فرمایا: اے ثوری! تم اتنی تعجب کی نگاہ سے کیوں دیکھ رہے ہو؟ تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ تو امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے

② المناقب لابن شہر آشوب (۴/۲۴۸)

① ملاحظہ ہو: الخصال (۱/۷۷)۔

③ تہذیب التہذیب لابن حجر (۲/۸۸)

جواباً عرض کیا: اے فرزند رسول ﷺ! یہ لباس آپ کو زیب نہیں دیتا۔ یہ نہ تو آپ جیسے شرفاء کا لباس ہے اور نہ ہی آپ کے آباء و اجداد کا لباس ہے۔ تو امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ہمارے آباء و اجداد کا زمانہ تنگ حالی کا زمانہ تھا۔ وہ اپنی بساط کے مطابق اس زمانے میں کام چلا لیا کرتے تھے۔ اور یہ دور ایسا دور ہے کہ اب ہر چیز کی فراوانی ہے۔ پھر اس کے بعد امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے اپنے جبے کا پلو اٹھایا تو دیکھتے کیا ہیں کہ اس کے نیچے سفید اون کا کام چلاؤ جبہ زیب تن کیے ہوئے ہیں۔ جس کی بناوٹ بھی ڈھنگ کی نہیں ہے۔ اس کے بعد پھر آپ نے ارشاد فرمایا: ہم نے یہ جبہ اللہ کے لیے زیب تن کیا ہے۔ ظاہری لباس تم لوگوں کی خاطر پہنا ہے اور جو لباس اللہ کے لیے ہم نے اختیار کیا ہے اس کو تو ہم نے پوشیدہ رکھا ہے۔ جو لباس تم لوگوں کی خاطر ہم نے زیب تن کیا اس کو ظاہر کر رکھا ہے۔^①

مراد یہ ہے کہ جب ہم لوگوں کے روبرو ہوتے ہیں تو اللہ کی نعمت کے اظہار کی خاطر اس طرح کا لباس زیب تن کرتے ہیں جس کا آپ نے مشاہدہ فرمایا۔ جب ہم اپنے گھروں میں اللہ کے روبرو ہوتے اور خلوت میں اللہ سے مناجات کر رہے ہوتے ہیں تو ہم زہد و روع کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ تاکہ ہمارے زہد و تقویٰ کا اللہ ہی کو علم ہو۔ اس کے علاوہ کسی اور کو کانوں کان اس کی خبر تک نہ ہو۔ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے امام سفیان ثوری رضی اللہ عنہ کے سامنے اس بات کی صراحت ایک تو آپس میں بے تکلفی کی وجہ سے کی اور ان سے گہرے تعلق کی بنا پر۔ دوسرے یہ کہ ان کے دل میں موجود تردد کو دور کرنے کی وجہ سے فرمائی۔ تاکہ کسی کوئی تکلف کی گنجائش باقی نہ رہے۔

حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قول و فعل کے پکے اور گفت و شنید میں سچے لوگوں پر آخری عمر میں سٹھیا پن سوار نہیں ہوتا اور وہ کبر سنی کی وجہ سے سٹھیاتے نہیں ہیں۔ نزع کے عالم میں ان کے اوسان خطا نہیں ہوتے۔ یہاں پر ہم ڈنگے کی چوٹ یہ بات کہہ سکتے اور

① سیر اعلام النبلاء للذہبی (۲۶۲/۴)

پورے وثوق و اعتماد کے ساتھ یہ دعویٰ کر سکتے ہیں: کیا اس شخص سے بھی زیادہ سچا اور پاک باز کوئی ہو سکتا ہے کہ جس کو اس کے دوستوں اور مخالفوں میں سے ہر ایک نے اور تاریخ عالم نے بیک زبان ”صادق“ کا خطاب دیا ہے۔ نہیں ہرگز نہیں۔ اس بارے میں پروفیسر ابو زہرہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ”الامام الصادق“ میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی مذکورہ عبارت پر تعلق چڑھاتے ہوئے یہ بات کہی ہے۔^①

امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کے اخلاق کریمہ اور جو دوسخا کا بیان:

جہاں تک آپ رحمۃ اللہ علیہ کے اخلاق و عادات کریمہ، کردار و اطوار، جو د و کرم، تواضع و انکساری، حلم و بردباری، صدق و صفاء، سچائی و راست گوئی، خوف و ہیبت اور آپ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں علماء و مؤرخین کی مدح و ثناء کا معاملہ ہے تو اس سلسلہ میں آپ رحمۃ اللہ علیہ ایک اعلیٰ پیمانہ رکھتے ہیں۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے ہم عصروں پر اس معاملہ میں سبقت حاصل ہے۔ نیز آپ رحمۃ اللہ علیہ اس میدان میں بھی ایک انفرادی حیثیت کے حامل ہیں۔ اس سلسلہ میں آپ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں روایات کی بہتات ہے جن کا تذکرہ محال اور دشوار ہے۔ یہ وہ روایات ہیں جن کی شہرت حد تو اتر کو پہنچی ہوئی ہے۔ اگر ان تمام روایات کو یکجا کیا جائے تو صفحات کے صفحات تحریر ہو جائیں اور ان کا تذکرہ ختم نہ ہو۔ اس لیے مختصر اس کی طرف اشارہ ہی یہاں کافی ہے اور عقل مند کے لیے اشارہ ہی کافی ہوتا ہے۔

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ اپنی مشہور زمانہ کتاب ”سیر اعلام النبلاء“ میں نقل کرتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ: احمد بن ابی بکیر، ہیاج بن سطم۔ سے امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ: سیدنا جعفر بن محمد رحمۃ اللہ علیہ لوگوں کو کھانا کھلاتے چلے جاتے حتیٰ کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے بچوں کے لیے کچھ بھی نہ بچتا۔^②

① ملاحظہ ہو: الامام الصادق (ص: ۵۱)۔

② ملاحظہ ہو: سیر اعلام النبلاء (۶/۲۶۲)۔

یہ اس شخص کی سخاوت اور دریادلی کے بات ہے جو فقر و فاقہ کے خدشہ سے بے نیاز تھا۔ آپ ﷺ کا یہ تعامل اپنے جدا مجد نبی مکرم محمد رسول اللہ ﷺ کی اتباع اور پیروی میں تھا۔ امام ذہبی رحمہ اللہ نے ”سیر اعلام النبلاء“ میں سیدنا جعفر صادق رحمہ اللہ کے بعض ہم عصروں سے روایت کرتے ہوئے نقل کیا ہے کہ حضرت جعفر بن محمد الصادق رضی اللہ عنہما سے جب پوچھا گیا: اللہ تعالیٰ نے سود کی حرمت کا حکم کیوں نازل فرمایا ہے؟ تو آپ ﷺ نے جواب دیا: تاکہ لوگ کہیں نیکی اور بھلائی سے پہلو تہی نہ کر بیٹھیں اور حسن سلوک کرنا نہ چھوڑ دیں۔ اس لیے سود کی حرمت کا حکم نازل ہوا ہے۔ یہ مقولہ آپ ﷺ کی جود و سخا، بذل و عطاء، سخاوت و دریادلی کی عملی تصویر تھا۔

اس سے بھی بڑھ کر آپ ﷺ کی فیاضی اور دریادلی کی مثال یہ ہے کہ آپ ﷺ کے بارے میں بعض اہل سیر نے یہ بھی لکھا ہے کہ: لوگوں کے درمیان صلح و صفائی کی غرض سے آپ ﷺ لوگوں کے مابین جو خسارہ اور نقصان یا تاوان ہوتا اس کی ادائیگی کو اپنے ذمہ لے لیتے اور متخامین کے درمیان صلح کروا کر ہی چین لیتے تھے۔

اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں کہ امام جعفر صادق رحمہ اللہ اخلاق کریمانہ کے حامل تھے رضوان اللہ تعالیٰ علیہ اور کیوں نہ ہوتے؟ آپ ﷺ تو شجرہ نسب کے اعتبار سے سید البشر صلوات اللہ وسلامہ علیہ کے مبارک خاندان کے افراد میں سے ایک فرد ہیں۔ آپ ﷺ کے خون میں ہاشمی اور صدیقی دونوں خونوں کا امتزاج تھا۔ کیونکہ آپ ﷺ کو اللہ کے رسول ﷺ کے خاندان سے نسبت ہونے کے ساتھ ساتھ اللہ کے رسول ﷺ کے خلیفہ، آپ کے یارِ غار اور ہر وقت آپ ﷺ کے ساتھ رہنے والے ساتھی سیدنا ابوبکرؓ کے خاندان سے انتساب کا بھی شرف حاصل ہے۔ گویا آپ ﷺ اللہ عزوجل کے اس فرمان کا مصداق ٹھہرے۔

فرمایا:

﴿تَوَاتَىٰ أَكْلُهَا كُلِّ حِينٍ بِأُذُنِ رَبِّهَا﴾ (ابراہیم: ۲۵)

”یہ پاکیزہ درخت (کہ جس کی مثال بیان کی جا رہی ہے) اپنے پروردگار کے حکم سے ہر وقت برگ و بار لاتا رہتا ہے۔“

امام جعفر رضی اللہ عنہ کے اقوال و فرمودات اور ان کی وصیتوں، نصیحتوں کا بیان: آپ رضی اللہ عنہ کے فرمودات میں سے یہ قول ہے کہ: فقہاء رسولوں کے راز داں اور ان کے محافظ ہوتے ہیں۔ اگر تم فقہاء کو امراء و سلاطین کی حاشیہ برداری کرتے دیکھو تو ان کو اس سلسلہ میں مورد الزام ٹھہراؤ۔^①

ایک دن امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ خلیفہ منصور کے پاس اس کے دربار میں جلوہ افروز تھے (اور آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ خلیفہ منصور اپنی سختی میں مشہور و معروف تھا) ہوا یہ کہ ایک مکھی نے خلیفہ وقت کو پریشان کر ڈالا بایں طور کہ وہ آئی اور آ کر خلیفہ منصور کی ناک پر بیٹھ گئی۔ بادشاہ سلامت اس کو اڑا دیتے مگر وہ اڑ کر پھر اپنی جگہ واپس آ کر بیٹھ جاتی۔ خلیفہ وقت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے طرف مخاطب ہوئے اور امام صاحب سے کہنے لگے: اللہ تعالیٰ نے مکھی کو کیوں پیدا کیا ہے؟ آپ رضی اللہ عنہ نے برجستہ جواب دیا: تاکہ اللہ تعالیٰ ظالموں اور جاہلوں کا گھمنڈ چکنا چور کر دے۔^② (مراد یہ کہ آپ جیسے سخت اور ترش رو لوگوں کو اپنی قدرت کی صنایع کے سامنے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دے۔)^③

آپ رضی اللہ عنہ اپنے بیٹے موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ کو وصیت کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں: میرے بیٹے! جو شخص مقدر شدہ اپنے نصیب پر قانع ہو جائے تو اللہ تعالیٰ غیب سے اس کو استغناء کی توفیق عطا فرمادیتا ہے۔ اور جو شخص غیروں کی ملکیت پر لالچ بھری نگاہیں دوڑائے تو فقر و فاقہ اس کا مقدر بن جاتا ہے۔ حتیٰ کہ اسی حال میں اس کو موت آتی ہے۔ اور جو شخص اللہ کی طرف

① ملاحظہ ہو: سیر اعلام النبلاء (۶/۲۶۲)۔

② المصدر السابق نفسه: (۶/۲۶۴)۔

③ یہ چیز ہی حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی ذات سے تقیہ کی نفی کے لیے کافی ہے۔ شیعہ کا گروہ آپ رضی اللہ عنہ کی طرف تقیہ کی نسبت کرتا ہے مگر آپ رضی اللہ عنہ کا یہ قول تقیہ کی نفی کے لیے واضح ثبوت ہے۔

سے مقدر قضاء و قدر پر اپنی رضامندی کا اظہار نہ کرے گویا کہ اس نے اللہ تعالیٰ کو اس کی قضاء و قدر کے بارے میں اتہام لگانے کی جرات کی اور جو شخص دوسرے کی لغزش کو معمولی گردانے اس کو اپنی غلطی اور لغزش بڑی نظر آنے لگتی ہے۔ جو شخص اپنے بھائی کی پردہ پوشی نہ کرے تو وہ خود اپنی نظر میں ذلیل و خوار ہو جاتا ہے۔ اس کے عیوب خود بخود منظر عام پر آتے چلے جاتے ہیں اور معاشرے میں وہ ننگا گردانا جانے لگتا ہے۔ جو شخص تلوار سونت کر بغاوت کی غرض سے میدان کارزار میں اترتا ہے وہ گویا خود اپنی موت کو دعوت مبارزت دیتا اور اپنی تلوار سے خود قتل کر دیا جاتا ہے۔ جو شخص اپنے بھائی کے لیے کنواں کھودتا ہے سب سے پہلے خود ہی اس میں گرتا ہے۔ جو شخص آورہ گردوں کی ہم نشینی اختیار کرتا ہے لوگوں کی نظروں میں اس کی وقعت ختم ہو جاتی ہے۔ جو شخص علماء کرام کی مصاحبت اختیار کرتا ہے لوگوں کی نظروں میں اس کی وقعت بڑھ جاتی ہے۔ جو شخص برائی کی شاہراہ کو اپنی گذرگاہ بنائے تو گویا کہ وہ اپنے آپ کو تہمتوں کے بازار میں نیلامی کے لیے پیش کر رہا ہے۔

اور فرمایا: اے میرے عزیز بیٹے! خبردار! جو تم نے لوگوں کو کبھی حقارت کی نگاہ سے دیکھا۔ اگر تم نے ایسا کیا تو وہ تمہارے ساتھ بھی یہی معاملہ روا رکھیں گے۔ ہرگز ہرگز لایعنی اور فالتو باتوں کے چکر میں نہ پھنسا۔ کیونکہ ان چیزوں کے چنگل میں پھنسا اپنے آپ کو ذلیل و خوار کرنا ہے۔ خواجواہ ان کی غلامی کے لیے اپنے آپ کو دعوت دینا ہے۔

اور فرمایا: اے میرے عزیز! میری تم کو نصیحت ہے کہ حق بات کہو۔ کیونکہ حق گوئی کی وجہ سے اعزہ و اقرباء اور سماج و سوسائٹی میں تمہاری عزت و شان میں اضافہ ہوگا۔ مزید فرمایا: قرآن کریم کی تلاوت اپنا مشغلہ بنا لو۔ دعوت اسلام کی تبلیغ اپنا مشن بنا لو۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لو۔ جو تم سے قطع تعلق کرے اس سے تم صلہ رحمی کرو۔ جو شخص تم سے بول چال بند کر دے اس سے بات چیت کرنے میں پہل کرو۔ اگر کوئی سائل تم سے کچھ مانگے تو اس کو ضرور اپنی بخشش سے نوازو۔

اور فرمایا: اے میرے عزیز بیٹے! خبردار خبردار! کبھی چغل خوری نہ کرنا کیونکہ چغل خوری دلوں میں کینہ و کدورت اور بغض و عداوت پیدا کر دیتی ہے۔ لوگوں کے عیوب ٹٹولنے سے بچو۔ ان کی عیب جوئی سے پرہیز کرو۔ جو شخص لوگوں کے عیوب تلاش کرنے کے درپے رہتا ہے وہ گویا کہ اپنے آپ کو معاشرے اور سماج میں تیر بہدف بننے کے لیے پیش کر رہا ہے۔

اگر تم جو دو سخا، فیاضی و دریادلی کے طالب ہو تو اس کو اس کے سرچشمہ سے تلاش کر کے حاصل کرو۔ کیونکہ فیاضی و سخاوت کے معادن و سرچشمے ہیں اور ہر سرچشمے کے چند اصول و قواعد ہوتے ہیں اور یہ بات عیاں ہے کہ ہر اصول کی چند شاخیں بھی ہوتی ہیں۔ ہر شاخ پھلوں سے لدی ہوا کرتی ہے۔ پھل شاخ ہی پر تیار ہوتے ہیں اور ہر شاخ اپنے تنے اور اصل پر کھڑی ہوتی ہے۔ ہر اصل کی ایک جڑ اور بنیاد ہوتی ہے۔ اصل تو وہی بہتر ہوتی ہے جس کی بنیاد بہتر اور اچھی ہو۔ اچھے اور شریف لوگوں کے پاس آیا جایا کرو۔ فاسق و فاجر لوگوں سے آمد و رفت نہ رکھو۔ کیونکہ فاسق و فاجر لوگوں کی مثال پتھر کی چٹان جیسی ہے۔ چٹان سے کبھی پانی کا چشمہ ایلنے کی امید نہیں کی جاسکتی۔ فاسق کی مثال اس پیڑ جیسی ہے جو کبھی برگ و بار نہیں لاتا۔ اسی طرح فاسق و فاجر اس اوسر زمین کی طرح ہے جس میں سبزہ اگانے کی سکت نہ ہو۔^①

پند و نصائح اور علوم و حکم کے سلسلہ میں آپ ﷺ کا یہ قول نہایت معروف و مشہور ہے کہ: دین میں کٹ جھتی، بلاوجہ کی جدال اور بحث و تکرار کرنے سے پرہیز کرو۔ کیونکہ بہت زیادہ کٹ جھتی اور بحث و تکرار دلوں میں بغض و عداوت اور آپس میں کینہ و کدورت کا بیج بونے کا ذریعہ بنتی ہے۔

امام جعفر صادق ﷺ کی وفات کا بیان:

امام جعفر صادق علیہ رحمۃ اللہ و رضوانہ نے علم و فضل میں سنجیدگی و متانت، فکر و اخلاص میں اخلاق و تقویٰ عبادت و ریاضت میں خشیت و طاعت، کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کا

① ملاحظہ ہو: سیر اعلام النبلاء (۶/۲۶۳)۔

دامن تھا مے ہوئے نمایاں طور پر کارہائے نمایاں انجام دیتے ہوئے بحیثیت داعی اور معلم کے اپنی زندگی کے سنہرے ایام گزارے اور قرآن و سنت کی نشر و اشاعت میں تن من دھن کی بازی لگادی۔

اس سلسلہ میں آپ ﷺ نے پوری چاق و چوبندی اور مستعدی کے ساتھ اپنی خدمات پیش کیں۔ پوری زندگی نہج نبوت اور دعوت و عزیمت کو اپنا شعار بنایا۔ اسی لیے آپ ﷺ اہل زینغ و ضلال، فرق ضالہ کے لیے حلق کا کاٹا اور اہل سنت والجماعت کے لیے معین و مددگار کے طور پر علمی حلقہ میں جانے پہچانے جاتے ہیں۔

اتنی لائق ستائش اور قابل تعریف زندگی گزارنے، ایسے ہیثمثال کارنامے انجام دینے اور اپنے پیچھے ایسے تابندہ نقوش چھوڑنے کے بعد آپ ﷺ کے پاس بھی اللہ کا وہ امر برحق آ پہنچا جس کو اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے لیے مقدر کر رکھا ہے اور آپ ﷺ نے اس دار فانی سے شوال سن ۱۲۸ھ میں رحلت فرمائی۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُونَ۔

اس کے بعد آپ ﷺ کو مدینہ منورہ کے معروف قبرستان البقیع میں آپ ﷺ کے والد ماجد امام باقر ﷺ کے پہلو میں سپرد خاک کر دیا گیا۔ آپ ﷺ کے جد امجد کی بنائی ہوئی مسجد نبوی ﷺ میں مسلمانوں کے جم غفیر نے آپ ﷺ کی نماز جنازہ ادا کی۔

آپ ﷺ کی وفات کے بارے میں بہت سے لوگوں نے طبع آزمائی کی ہے۔ چنانچہ کسی شاعر نے کہا ہے۔

أَقُولُ وَقَدْ رَاحُوا بِهِ يَحْمِلُونَهُ
عَلَى كَاهِلِي مِنْ حَامِلِيهِ وَعَاتِقِي
أَتَدْرُونَ مَاذَا تَحْمِلُونَ إِلَى الثَّرَى
ثَبِيرًا ثَوَى مِنْ رَأْسِ عَلِيَاءِ شَاهِقِي

”میں ان لوگوں سے برجستہ کہہ رہا تھا جو آپ ﷺ کی نعش کا ندھے پر اٹھائے ہوئے تھے۔ یا جو اس کو شانہ دے رہے تھے: تم کو کچھ پتہ بھی ہے کہ تم کس شخصیت کو سپرد خاک کرنے جا رہے ہو؟ یہ وہ شخصیت ہے جو عزم و استقلال کا

پہاڑ تھا۔ جس نے اپنا نشیمن دعوت و عزیمت کی چوٹی پر بنایا تھا۔“

اسی طرح آپ ﷺ کے بارے میں ایک دوسرے شاعر نے یوں کہا ہے:

فَيَا لَيْتَنِي ثُمَّ يَا لَيْتَنِي شَهَدْتُ وَإِنْ كُنْتُ لَمْ أَشْهَدْ
فَأَسَيْتُ فِي بَنِي جَعْفَرًا وَسَاهَمْتُ فِي لُطْفِ الْعَوْدِ
وَمِنْ قَبْلِ نَفْسِكَ قُلْتُ الْفِدَاءَ وَكَفَّ الْمَنِيَّةَ بِالْمَرْصَدِ
عَشِيَّةً يُدْفَنُ فِيهِ النَّدَى وَعَرَّةَ زَهْرٍ بَنِي أَحْمَدِ

”یہ حسرت دل ہی دل میں دفن ہوگئی کہ اے کاش! میں آپ ﷺ کے جنازے

میں شریک ہوتا مگر نہ شریک ہوتے ہوئے بھی گویا کہ میں شریک تھا۔ میں نے

سیدنا جعفر صادق ﷺ کی موت کی خبر سن کر اپنے آپ کو دلاسه دینے کی کوشش

کی اور عیادت کرنے والوں کے ساتھ مل کر میں نے بھی مراسم عیادت ادا کئے۔

اس سے قبل میں نے اپنے نفس کو مخاطب کر کے کہا: تو حضرت امام جعفر ﷺ پر

فدا ہو جا اور موت کو ان کی کھات میں لگنے سے روک دے۔ جس رات کو وجود

و سخا، بذل و عطاء کے اس پہاڑ کو دفن کر دیا گیا، اس رات کو میں نے کہا: آج آل

بیت رسول ﷺ کے باغ کے پھولوں میں سے ایک پھول ہمیشہ کے لیے

سپرد خاک ہو گیا۔“

سب لوگ امام جعفر صادق ﷺ کی طرف انتساب کیوں کرتے ہیں:

اس بحث میں اہم ترین معاملوں سے ایک ایسے معاملہ کی طرف مختصراً اشارہ کروں گا

جس کی طرف توجہ دینا از حد ضروری ہے اور ہمیں اس کی طرف ضرور توجہ دینی چاہئے۔ کیونکہ

امام جعفر صادق ﷺ کی عبادت و مجاہدت، ان کے زہد و توکل، تقویٰ و خشیت اور دعوت حق کی

آواز کے کھلم کھلا اعلان کرنے، ان کی اجابتِ دعاء کے قصے اور اللہ کی بارگاہ میں ان کے پناہ

لینے کے بارے میں بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ لیکن اہم قضیہ یہاں پر یہ ہے کہ جس کا ہم علمی

اور تحقیقی جائزہ لینا چاہتے ہیں: ”ہر مکتبہ فکر کے لوگ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی طرف انتساب کے درپے کیوں ہیں؟

تو اس بنا پر کہ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی شخصیت بڑی پایہ کی شخصیت ہے۔ اپنے زمانے کی آپ مایہ ناز ہستی بھی تھے۔ نیز ذاتی طور پر بھی آپ رضی اللہ عنہ کی ایک قدر و منزلت ہے۔ اس کے ساتھ حسب و نسب میں بھی آپ رضی اللہ عنہ کا ایک نہایت بلند مقام ہے۔ علم و فضل میں بھی آپ رضی اللہ عنہ بے مثال ہیں اور آپ رضی اللہ عنہ زہد و توکل میں بھی بڑے عظیم مرتبہ کے حامل تھے۔ ان جیسی اور بہت سی صفات ہیں جن میں آپ رضی اللہ عنہ کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ اس لیے لوگوں نے اس عظیم شخصیت کی طرف نسبت کرنے کو اپنے لیے باعثِ فخر سمجھتے ہوئے ان کی طرف انتساب کرنا شروع کر دیا۔ اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں کہ لوگوں نے اپنی عظمت اور شان و شوکت کے لیے آپ رضی اللہ عنہ کی طرف انتساب کو بطور وسیلہ اختیار کرنا اپنے لیے باعثِ فخر سمجھا ہو، تاکہ ان کو بھی قدر و منزلت کی نگاہوں سے دیکھا جانے لگے۔ اس لیے وہ اپنے اس مقصد کے لیے انتساب میں ایک طریقہ سے کامیاب بھی ہیں۔ لیکن یہاں پر سوال پیدا یہ ہوتا ہے کہ: آخر کون لوگ اپنے اس انتساب میں سچے اور کچے ہیں؟ اور کون لوگ اپنے اس انتساب میں جھوٹے اور غلط ہیں؟

ہم نے گذشتہ صفحات میں امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ جو اہل عراق کے امام ہیں، کا قول نقل کیا تھا، انہوں نے فرمایا ہے کہ: اگر میری زندگی میں وہ دو سال نہ ہوتے جو میں نے امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی مصاحبت میں گزارے ہیں تو ابوحنیفہ نعمان بن ثابت کا وجود تک نہ ہوتا۔ آپ رضی اللہ عنہ اپنے اس قول سے اس بات کی طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ آپ رضی اللہ عنہ نے امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے بہت ہی استفادہ کیا تھا جس کی وجہ سے آپ کی شخصیت میں نکھار اور وزن پیدا ہوا۔^①

① مثال کے طور پر: قاضی ابو یوسف رضی اللہ عنہ کی ”کتاب الآثار“ اور محمد بن حسن رضی اللہ عنہ کی کتاب الآثار کا مطالعہ کریں۔

اسی طرح امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے وہ شاگرد جو فقہ حنفی کی بنیاد ہیں، جیسے کہ امام محمد بن حسن، امام زفر اور قاضی اور یوسف رحمہم اللہ جمیعاً، اگر ان کی کتابوں کا مطالعہ کیا جائے [۱] تو ان میں بارہا ان لوگوں نے امام ابوحنیفہ کے واسطے سے امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کے اقوال نقل کئے ہیں اور بہت سی جگہ بغیر واسطہ کے ان لوگوں نے امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ دیا ہے۔ بہر حال احناف کی کتابوں میں اکثر و بیشتر امام ابو عبد اللہ جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے موجود ہیں۔

جہاں تک امام دارالہجرہ مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ کا تعلق ہے تو ان کے بارے میں معاملہ واضح اور دو ٹوک ہے۔ گذشتہ صفحات میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں مفصل کلام گذر چکا ہے۔ جس سے ان کے اور امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کے درمیان مضبوط اور قوی تعلق کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے۔

اسی طرح ذرا امام جعفر صادق اور امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کے درمیان تعلق کی گہرائی اور گیرائی کا اس بات سے اندازہ لگائیے کہ امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ بلا جھجک آپ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں برابر حاضری دیا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ دونوں کے درمیان بے تکلفی ہو گئی تھی۔ اسی لیے آپ دیکھیں گے کہ امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ ان سے ایسی رازداری کی باتیں بھی کر لیا کرتے تھے جس کو عوام کے سامنے کرنا آپ رحمۃ اللہ علیہ ناپسند فرماتے تھے۔

ان ائمہ کرام کا جن کا تذکرہ ابھی ابھی گذرا امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ سے بڑا واضح اور گہرا تعلق تھا۔ ان لوگوں کے درمیان جو تعلق اور رابطہ تھا اس سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا۔ کیونکہ اس کی حیثیت اظہر من الشمس ہے۔ اس لیے کہ امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی زندگی کے اکثر و بیشتر ایام سرزمین مدینہ منورہ پر گزارے تھے اور مدینہ منورہ اس وقت علم و علماء کا گہوارہ تھا، اب بھی ہے اور ان شاء اللہ قیامت تک رہے گا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں مدینہ منورہ طلاب علم کے لیے علمی مرکز اور ایمانی ملبأ و ماویٰ کی حیثیت رکھتا تھا۔ چنانچہ امام

جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے اس علمی اور روحانی فضا سے استفادہ و افادہ کیا۔ بلکہ اس دور میں طلاب علم کے ساتھ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی خاص میٹنگیں بھی ہو کر تھیں۔ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ ان کے ساتھ علمی مجلسوں میں بنفس نفیس حاضری بھی دیا کرتے تھے۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ جب امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کو امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں شکایات پہنچیں تو انہوں نے امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کو بلوا بھیجا۔ ان سے فتاویٰ اور معاملات میں قیاس آرائی و رائے دہندگی کے بارے میں پوچھ گچھ فرمائی اور ان کو قیاس کے بارے میں توسع سے کام لینے سے منع فرمایا۔ یہ قصہ ایک طویل و عریض مناظرہ کی شکل میں جو کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اور ان کے شیخ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے درمیان پیش آیا تاریخ کی کتابوں میں محفوظ ہے۔ استاذ ابو زہرہ رضی اللہ عنہ نے اپنی: الامام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نامی کتاب میں اس کا مفصل تذکرہ کیا ہے۔

جب ہم اس مناظرہ پر کہ جو امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ اور ان کے شاگرد امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے درمیان ہوا، محاسبانہ جائزہ لیں تو ہمارے سامنے یہ بات واضح ہو کر آ جاتی ہے کہ: امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ طلباء اور علماء کی غلطیوں پر بھی نکیر کرنے میں کوئی دریغ نہیں فرماتے تھے اور ان کی غلطیوں کی نشاندہی میں بخل سے کام نہیں لیتے تھے۔ بلکہ سختی سے اس کی تردید فرماتے اور ان کا کھل کر محاسبہ بھی کرتے تھے۔ مختلف معاملات میں ان سے مناقشہ بھی کرتے رہتے تھے۔

اس سے پتہ یہ چلا کہ اگر کوئی شخص نبوی نہج سے ہٹ کر دین کی اشاعت اور ترویج کی کوشش کرتا تھا تو امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ اس معاملہ میں اس سے اپنی رضامندی کا اظہار نہیں فرماتے تھے۔ بلکہ اس سلسلہ میں ان کا دو ٹوک اور فیصلہ کن موقف ہوتا تھا۔ اس کا سختی سے انکار فرماتے اور اس میں موجود خلل کو واضح کر کے چین لیتے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ نہج رسالت کی مخالفت کو واضح کر کے بیان کرنے میں کسی قسم کی مجاملت سے کام نہیں لیتے تھے۔

چنانچہ جب امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ نے دیکھا کہ: مدرسہ کوفہ سے تعلق رکھنے والے قیاس کے سلسلہ میں توسع برتتے چلے جا رہے ہیں تو انہوں نے اس کا سختی سے نوٹس لیا۔ اسی لیے عراق کے بعض فقہاء کو بلوایا۔ ان میں مدرسہ کوفہ کے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو بھی حاضری کی دعوت دی اور ان سے قیاس کے بارے میں مناقشہ و مباحثہ بھی ہوا۔ اس مناقشہ میں یہ طے پایا کہ کس مقدار میں قیاس روا رکھا جائے۔ اس لیے ہم یہاں پر یہ کہہ سکتے ہیں کہ اگر امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کو پتہ چلتا کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ قیاس کے سلسلہ میں شریعت کی حدود سے تجاوز کر گئے ہیں تو آپ رحمۃ اللہ علیہ اس پر ضرور نکیر فرماتے اور کیوں نکیر نہ فرماتے جب آپ رحمۃ اللہ علیہ بنی امیہ اور بنو عباس کے خلفاء کے سامنے حق بات کہنے سے نہ چوکتے تھے، اپنے اہناء اعمام کی مخالفت کی اور ان سے بیعت کرنے سے انکار کر دیا۔ بلکہ دین اسلام کی آبیاری کے لیے سیاست کے میدان سے کنارہ کشی اختیار کر لی، تو ایسا شخص کیسے حق کا آواز بلند کرنے میں کوتاہی سے کام لے سکتا تھا۔ یہ غیر ممکن بات ہے اور عقل و نقل کے سراسر خلاف بھی۔

اس لیے یہاں پر یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ جب امام مالک، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے علاوہ دوسرے علماء قرآن و سنت کے خلاف اپنی دعوت کا نہج اپناتے تو امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ اس پر ضرور نکیر فرماتے تھے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ ہرگز ہرگز چپ نہیں بیٹھتے تھے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ جہاں جہاں آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ان لوگوں کی نہج دعوت پر نکیر نہیں فرمائی تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ان لوگوں کا وہ نہج دعوت درست اور صحیح تھا۔ امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ نے ان لوگوں کے اکثر علم کی موافقت فرمائی اور ان کے دعوتی مشن کی تائید کی ہے۔ اس کی نشرو اشاعت کے لیے ان لوگوں کی ہمت افزائی کا رویہ اختیار فرمایا۔ تو اس بات سے ان لوگوں کا جھوٹ بھی واضح ہو کر سامنے جاتا ہے جو تقیہ کو امامنا و سیدنا جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کے سر تھوپنے کی کوشش کرتے ہیں اور اس کی نسبت ان کی طرف کرنے کے لیے زمین و آسمان کے قلابے ملا دیتے ہیں۔

یہ چند عقلی اور نقلی دلیلوں کا ذکر تھا جو اس بات کی غمازی کرتی ہیں کہ: ”امام جعفر صادقؑ ائمہ اہل سنت والجماعت سے تعلق رکھنے والے اماموں میں سے اکابر ائمہ میں شمار ہوتے ہیں۔ جن کی اتباع اور پیروی سکھ رائج الوقت ہے۔

جہاں تک اہل سنت والجماعت کے علاوہ دیگر فرقوں کا اس معاملے سے تعلق ہے تو وہ تمام کے تمام عجیب و غریب مخمضہ کا شکار ہیں۔ مثال کے طور پر فرقہ اسماعیلیہ کو ہی لے لیا جائے، ان کا عجیب و غریب حال ہے۔ ان لوگوں سے اگر امام جعفر صادقؑ سے ان کے انتساب کی صرف دلیل ہی طلب کر لی جائے تو ان کے نزدیک اس کا بھرپور جواب ملنا مشکل ہو جائے اور وہ بغلیں جھانکنے پر مجبور ہو جائیں۔

اور جہاں تک فرقہ جعفریہ اثنا عشریہ کا تعلق ہے تو انہوں نے بطور غلو ان کے لیے عصمت کا عقیدہ گڑھ رکھا ہے۔ انہوں نے دسیوں ہزار روایات گھڑ کر امام جعفر صادقؑ کی طرف منسوب کر دی ہیں اور ان کو نص معصوم کا خطاب دے دیا ہے۔ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ اس میں صحیح اور سقیم، ضعیف اور قوی کی تمیز کر کے انہیں منظر عام پر لایا جاتا۔

یہاں پر ایک الزامی سوال پیدا ہوتا ہے۔ یا تو وہ اس کا جواب دیں یا اپنی غلطی تسلیم کر لیں۔ ان دو صورتوں کے علاوہ ان کے پاس اور کوئی چارہ نہیں ہے۔ وہ یہ ہے کہ: ان سے کہا جائے: ہمیں پتہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر جب لوگوں نے جھوٹ گھڑ کر آپ ﷺ کی طرف منسوب کر دیا تو آپ ﷺ کے علاوہ کسی دوسرے پر جھوٹ گھڑنا بدرجہ اولیٰ آسان اور سہل ہے۔ خاص طور سے امام جعفر صادقؑ پر جھوٹ گھڑنا ان کے لیے کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ اس لیے اس موقع سے ہم فرقہ اثنا عشریہ سے یہ بات کہنے کے مجاز ہیں کہ: کہاں ہیں صحیح اور جھوٹی روایات کی چھان بین کر کے انہیں (اہل السنۃ والجماعۃ کے رجال الحدیث اور محدثین کی طرح) لوگوں کے سامنے بیان شدہ حقیقت کو واضح طور پر منظر عام پر لانے والے؟ جیسا کہ ہمارے علماء کرام اور ائمہ حدیث نے کر کے دکھلا دیا۔ انہوں نے ضعیف و سقیم کو چھان

چھان کر مستند روایات سے الگ کر دیا۔ اس سلسلہ میں فرقہ اثنا عشریہ کے پاس کوئی جواب ہے؟ اگر ہے تو اسے پیش کریں؟ ہم دعوے کے ساتھ یہ بات کہہ سکتے ہیں کہ ان کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں ہے۔ کیوں کہ جھوٹی روایات کے گھڑنے والے تو یہ خود ہیں۔

معزز قارئین کرام! یہاں پر ہم ایک اہم قضیہ کی طرف اشارہ کر دیں تو مناسب ہوگا۔ وہ یہ کہ: امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے منقول روایات کو تین حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ وہ تین حالتیں یا قسمیں یہ ہیں:

(۱)..... آپ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب روایات کی پہلی قسم تو وہ ہے جو کتاب و سنت کے موافق ہے۔ اس قسم کی روایات میں کوئی اختلاف نہیں بلکہ اس نوعیت کی روایات ہمارے سر آنکھوں پر ہیں۔ اہل سنت و الجماعت اس کو بسرو چشم قبول کرنے کے لیے تیار ہیں۔ اس سلسلہ میں وہ پس و پیش سے کام نہیں لیتے۔

(۲)..... آپ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب روایات کی دوسری قسم وہ ہے جو کتاب و سنت کے معارض نہیں ہے۔ یعنی: ان کا حدیث و قرآن سے کسی قسم کا ٹکراؤ نہیں ہے۔ چاہے وہ علماء اہل سنت و الجماعت سے مروی روایات کے موافق ہوں، چاہے شیعوں کی اصطلاح میں ان کی نوعیت روایات عامہ کی ہو۔ یا احادیث افراد کی شکل میں ہوں۔ تو اس قسم کی روایات بھی مقبول ہیں۔ کتاب و سنت سے عدم تعارض کی وجہ سے اس کو آپ رضی اللہ عنہ کے اجتہاد پر محمول سمجھا جائے گا۔ اس طرح کی روایات بھی قابل قبول ہوں گی۔

(۳)..... اس کے علاوہ آپ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب روایات کی تیسری قسم وہ ہے جو کتاب و سنت یا نصوص شرعیہ سے متعارض ہو اور کسی صورت میں عقل سلیم ان کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہ ہو۔ تو ایسی تمام روایات گھڑ، بنا کر امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کر دی گئی ہیں۔ اس قسم کی مرویات عقل و نقل کی مخالفت کی وجہ سے امام صاحب کے

اوپر سراسر بہتان طرازی کا مظہر ہیں اور یہ حرکت کھلی ہوئی دروغ گوئی و اتہام بازی ہے۔ ہم اس قسم کی تمام روایات کو مردود سمجھتے ہیں۔

یہ اور اس قسم کی گھڑی ہوئی وہ تمام روایات کہ جن کو امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے، مختلف فرقوں کے درمیان اختلاف کی جڑ ہیں۔ اس مسئلہ کی وضاحت سے ہو سکتا ہے کہ تمام فرقوں کے درمیان اتحاد باہمی کی کوئی صورت نکل آئے۔ یا کم از کم اہل سنت والجماعت اور دیگر فرق کے درمیان حائل خلیج ختم ہونے کی کوئی شکل پیدا ہو جائے۔ لہذا ہمیں اس سلسلہ میں دیگر فرق کو منجھ صحیح سے روشناس کرانے کی تگ و دو ضرور کرنی چاہئے۔ اسی لیے ہم علماء کرام کو اس بات کی دعوت دے چکے ہیں اور دے رہے ہیں کہ ائمہ کرام سے منسوب روایات کو جرح و تعدیل کی کسوٹی پر رکھ کر پرکھا جائے اور ان کی تصحیح کی کوشش کی جائے۔ تاکہ اس مرحلہ کے بعد ہم ان میں منتخب روایات پر غور و فکر کرتے ہوئے ان کے بارے میں اظہار خیال کر سکیں۔

اگر ایسا نہیں کیا گیا تو ہم کس طرح کسی ایسی کتاب پر اعتماد کر سکتے ہیں کہ جس میں [۱۶۰۰۰] روایات جمع کر دی گئیں ہوں یا کسی ایسی کتاب کو ہم کیسے قبول کر سکتے ہیں جو ہزاروں روایات کا مجموعہ ہے۔ یا کسی ایسی کتاب کو ہم کیسے مرجع بنا سکتے ہیں جس کی سیکڑوں جلدیں ہیں اور ساری کی ساری روایات کو امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ علیہ السلام کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے۔ نہ تو صحیح اور ضعیف کی اس میں تمیز ہے اور نہ ہی اس کی تصحیح اور تنقیح کا کام کیا گیا ہے۔ اس قسم کی روایات کو کیسے مرجع بنایا جاسکتا ہے؟ یا ان پر کیسے غور و فکر کیا جاسکتا ہے؟ یا ان کے بارے میں کیسے اظہار خیال کیا جاسکتا ہے؟

معاصرین شیعہ ملاؤں میں سے بعض کثر قسم کے شیعوں نے صحابی جلیل سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مہتمم بالشان شخصیت کو تیر بہدف بنایا ہوا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کھڑین حدیث میں سے ہیں۔ ان سے ہزاروں احادیث مروی ہیں اور تعلیمات اسلامیہ کا ایک بہت بڑا ذخیرہ انہیں

کی احادیث سے متعلق ہے۔ ان کی ذات پر نکتہ چینی کا مقصد یہ ہے کہ تعلیمات اسلامیہ کی فلک بوس عمارت پر نقب زنی کر کے اسے زمیں بوس کر دیا جائے۔

شیعوں کا اشکال ہے کہ: یہ بات کیسے ممکن ہے: جناب ابو ہریرہؓ سے احادیث کا اتنا بڑا ذخیرہ مروی ہو؟ ہمارا ان کو یہی جواب ہے: یہ کیسے ممکن ہے کہ: امام جعفر صادقؑ سے ایک راوی ۳۰۰۰۰/ ہزار احادیث روایت کر رہا ہے اور انہیں سے وہی راوی ۱۵۰۰۰/ حدیثیں روایت کر رہا ہے؟ کیا یہ بات عقل میں سما سکتی ہے کہ ایک شخص تو تیس ہزار حدیثیں نقل کرتا ہے اور انہیں سے بیک وقت دوسری طرف وہ پندرہ ہزار حدیثیں روایت کرتا ہے؟

امام جعفر صادقؑ کی طرف روایات کے انتساب کا مسئلہ بڑا غور طلب اور فکر انگیز ہے۔ اس سلسلہ میں ہم یہی کہہ سکتے ہیں کہ ہم امام جعفر صادقؑ کی طرف انتساب کا بھرپور احترام کرتے ہیں اور ہم اپنی زبان سے اس بات کا بھی اعتراف کرتے ہیں کہ: امام جعفر صادقؑ اور ان کے آباء و اجداد اور ان کی آل و اولاد ہمارے ائمہ کی صف میں داخل ہیں۔ ہم ان کا احترام اور بھرپور اکرام کرتے ہیں۔ ہمارا اعتقاد ہے کہ جس میں ہم کسی قسم کی غلط بیانی اور کٹ جھتی سے گریز کرتے ہوئے یہ بات کہنے کے مجاز ہیں کہ امیر المومنین سیدنا علیؑ ہمارے امام اور قدوہ ہیں۔ اور کیوں نہ ہوں؟ آپؑ جو تھے خلیفہ راشد ہیں اور امیر المومنین سیدنا حسنؑ پانچویں خلیفہ راشد ہیں۔ حسن و حسینؑ جو انان اہل جنت کے سردار ہیں۔ اسی طرح ہم امام زین العابدینؑ کی امامت کا سچے دل سے اقرار کرتے ہیں۔ ان کے صاحبزادے محمد بن باقرؑ کی قدر و منزلت اور ان کی امامت کا بھی اعتراف کرتے ہیں۔ اس کے بعد ہم امام جعفر صادقؑ اور ان کے صاحبزادے موسیٰ کاظمؑ کی امامت اور ان کے فضل و کرم کے معترف ہیں۔ تو پتہ یہ چلا کہ ائمہ کرام کا فضل و کرم اور ان کی قدر و منزلت اپنی جگہ پر ہے۔ اس میں کسی قسم کا اشکال نہیں ہے لیکن ہمیں جس معاملہ میں آپ لوگوں سے اختلاف ہے، وہ بغیر کسی جرح و تعدیل کے حد سے زیادہ جھوٹی روایات نقل کرنے

کا معاملہ ہے۔ چاہے وہ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے منقول ہوں یا ان کے علاوہ کسی اور امام سے مروی ہوں۔ اس سلسلہ میں ہم آپ لوگوں سے اگر یہ کہیں تو حق بجانب ہوں گے کہ ان تمام روایات کی چھان بین کی جائے اور ان میں سے صحیح اور ضعیف کو چھان چھان کر الگ کیا جائے تاکہ یہ پتہ چل سکے کہ ان میں سے کون سی روایات قابل قبول ہیں اور کون سی ناقابل قبول؟ تاکہ ہم سر جوڑ کر بیٹھ سکیں اور آپ لوگوں کے معاملات میں آپ سے بات چیت یا مناقشہ و مباحثہ کر سکیں۔

ابھی ابھی میں نے جو کچھ کہا ہے، چاہے اسے آپ میری درخواست سمجھ لیں یا اسے میرا اظہار سرزنش سمجھیں۔ بہر حال یہ میرے دل کی آواز ہے جو تمام لوگوں کی خدمت میں پیش ہے۔ اس زمرے میں علماء اہل سنت والجماعت اور علمی اداروں کے ذمہ داران بھی شامل ہیں۔ یہی نہیں بلکہ ہم تو یہ بھی کہتے ہیں کہ ہم ان تمام کی تمام روایات کا موضوعی مطالعہ کریں اور انہیں جرح و تعدیل کی کسوٹی پر رکھ کر پرکھیں۔ علمی زاویہ سے ان کی چھان بین کر کے ان کی تنقیح اور صفائی کا کام کریں۔ حتیٰ کہ کھر اور کھوٹا الگ الگ ہو کر سامنے آجائے۔ تو ہے کوئی جو ہماری اس دعوت پر لبیک کہے؟^①

ایک دلچسپ اور انوکھے علمی مناظرہ کا بیان!

معزز قارئین کرام! ہم اپنے اس کتابچہ کو ایک دلچسپ انٹرویو پر ختم کرنے کی اجازت چاہیں گے جو مذکورہ مسئلہ کے بارے میں ایک طالب علم کے ساتھ بطور مکالمہ محفوظ کر کے نشر کیا گیا ہے۔

① ماضی قریب میں اس سلسلہ میں بعض موفقات اور کتابیں نیز بعض جامعات میں تیار شدہ ایم، اے، اور پی، ایچ ڈی کے ایسے مقالہ جات منظر عام پر آئے ہیں جن میں اس قسم کی روایات کی بحث و تحقیق کا کام عمل میں آیا ہے۔ ان میں اہم ترین رسالہ: محمد امزون صاحب کا: مواقف الصحابه من الفتنة من روايات الطبري والمحدثين نامی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعاء ہے کہ وہ اس مقالہ کو اس سلسلہ کی سنہری کڑی بنادے، اس کام کے فروغ کا ذریعہ بنائے اور اس کی وجہ سے اس کام کے لیے راستے کھلتے چلے جائیں۔

اس طالب علم نے مجھ سے سوال کیا: آپ ہی بتلائیے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اکابرین صحابہ رضی اللہ عنہم کے ایمان لانے کے بعد اخیر میں دولت اسلام سے مشرف ہوئے تھے۔ یہ چیز کیسے باور کی جاسکتی ہے کہ اکابرین صحابہ سے زیادہ ان کی مرویات موجود ہیں اور آپ لوگ ان کی روایات کو بسر و چشم قبول کرتے ہیں..... الخ

تو میں نے اس طالب علم سے دریافت کیا: ابو ہریرہ کی مرویات کی تعداد کتنی ہے؟ یا انہوں نے کتنی احادیث نقل کی ہیں؟ اور مذہب شیعہ سے تعلق رکھنے والے قدیم علماء کا حضرت ابو ہریرہ کے بارے میں کیا موقف ہے؟

اس طالب علم نے برجستہ جواب دیا کہ: ہمیں ان کی مرویات کی تعداد سے مطلب نہیں ہے اور نہ ہی علماء شیعہ کے موقف سے ہمیں کوئی سروکار ہے..... میں نے کہا سبحان اللہ! تو پھر تم کیا چاہتے ہو؟

میں نے اس کی اس بات کی طرف توجہ مبذول کرانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا: اچھا پھر غور سے سنو! صحیح بخاری رضی اللہ عنہ کی غیر مکرر مرویات کی تعداد بشمول احادیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ [۵۰۰۰] احادیث تک نہیں پہنچتی۔ اس طالب علم کو میری یہ بات سن کر تعجب ہوا اور اس نے حیران کن لہجے میں کہا: بس پانچ ہزار فقط۔ گویا کہ اس نے کوئی نئی بات سنی ہو جسے سن کر اس کو تعجب ہو رہا تھا۔ میری بات کی تصدیق کے لیے اس کا ذہن تیار نہیں ہو رہا تھا۔

میں سمجھ گیا: اس شخص کو پتہ نہیں ہے کہ امام باری رضی اللہ عنہ نے اپنی الجامع الصحیح میں مستند احادیث کو کس طرح چھان چھان کر جگہ دی ہے۔ کتنی سخت شروط کے ساتھ انہوں نے اپنی جامع کے لیے صحیح احادیث کا انتخاب کیا اور اس سلسلہ میں ان کی شرطیں کیا ہیں؟ ان کو ان احادیث کی تصحیح و تنقیح میں کتنا عرصہ لگا اور اس کے جمع کرنے اور اس کو آخری شکل دینے میں انہوں نے کتنا وقت صرف کیا تھا؟ ان کی اس عظیم کتاب جس کو اصح الکتاب بعد کتاب اللہ کہا جاتا ہے، کی کیا خصوصیات ہیں؟

میں نے اس سوال کا جواب دیتے ہوئے خود ہی اس سے عرض کیا: اس کتاب کی اہمیت کا اس بات سے اندازہ لگائیے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کتاب کو آخری شکل دینے میں ۱۶ سال کا عرصہ صرف کیا تھا۔ احادیث کی اسانید میں موجود تمام رواۃ کے لیے اولین شرط یہ ہے کہ وہ حفاظ حدیث میں سے ہوں۔ مراد یہ کہ حفظ تام اور ضبط تام سے متصف ہوں، ان سے عمداً جھوٹ سرزد نہ ہوتا ہو اور وہ رواۃ اس حدیث کی براہ راست اپنے شیخ سے اسناد کریں۔ مراد یہ کہ انہوں نے اس حدیث کو اپنے شیخ سے سن کر روایت کیا ہو۔ بالفاظ دیگر سند کے اتصال کا ثبوت موجود ہو۔ ان کے یہاں مزید ایک شرط یہ بھی ہے کہ راوی کی اپنی شیخ سے ملاقات بھی ہو۔ اس سے اہل کی مجلس میں سماعت کا بھی ثبوت موجود ہو۔ حدیث شاذ نہ ہو اور ایسی علتوں سے خالی ہو جن کو اصطلاح عرف میں علل قادحہ کہتے ہیں۔

اس شخص نے کہا: میں صراحتاً یہ بات کہنا چاہتا ہوں کہ: صحیح بخاری میں بعض احادیث ایسی ہیں جو باعث نقد و اعتراض ہیں۔ پھر اس آدمی نے اس سلسلہ میں اس مشہور حدیث کا ذکر کیا جو کبھی کے کسی مشروب یا طعام میں گر جانے کے بارے میں ہے۔ تو میں نے اس سے سوال کیا: کیا اس کے پاس صحیح بخاری کے بارے میں کچھ معلومات ہیں یا وہ اس سلسلہ میں کوئی گرانقدر اطلاع رکھتا ہے یا اس نے صحیح بخاری کا مطالعہ کیا ہے؟ یا کسی شیخ کے پاس اس کو پڑھا ہے؟ تو اس کا جواب نفی میں تھا۔ دراصل اس نے سنی سنائی باتوں پر تکیہ کر کے ایسی بات کہی ورنہ اس کو اس کا بذات خود کوئی علم نہیں ہے۔

پھر اس نے اس بات کا اعتراف کیا کہ ہم لوگ شیعہ مذہب سے منسلک ہونے کے باوجود اہل سنت والجماعت کی کتابوں کا مطالعہ کرتے ہیں اور ان کو درساً درساً پڑھتے ہیں۔ خاص طور سے ہمارے مشائخ ان کی کتابوں کا بغور مطالعہ کرتے ہیں جن کا رد فعل ان کی شخصیات پر نظر آتا ہے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں ان کے کچھ اشکالات بھی ہیں..... الخ

میں نے اس شخص کو جواب دیتے ہوئے کہا: جس وقت سے اس جامع صحیح کے مصنف

نے اس کتاب کی تصنیف کی ہے اور ان مستند احادیث کو کتابی شکل دی ہے، اس وقت سے اب تک لاکھوں اور کروڑوں لوگ رسول اللہ ﷺ کی احادیث مبارکہ کی خدمت میں اس کتاب کے مصنف کے لیے ان کی اس مایہ ناز اور بے مثال خدمت پر دعائیں دیتے چلے آ رہے ہیں۔ زمانہ گزر جانے کے باوجود آج تک ان کی اس کتاب کی مقبولیت جوں کی توں قائم ہے۔ دراصل احادیث رسول ﷺ کے سلسلہ میں ان کے اخلاص اور ان کی بے لوث خدمت کا یہ ثمرہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کو مقبول خاص و عام بنایا ہے۔ اس کی مقبولیت میں زور افزوں ترقی ہوتی جا رہی ہے۔ یہی نہیں بلکہ اہل سنت والجماعت کا اس کی صحت پر اتفاق رائے ہے۔ یہ محض اللہ تعالیٰ کا ہم لوگوں پر انعام و اکرام ہے۔

لیکن میرا سوال یہ ہے: کیا آپ لوگوں نے بھی احادیث رسول اللہ ﷺ کی تنقیح، چھان بین اور ان ضعیف و موضوع احادیث کی نشاندہی کے سلسلہ میں کوئی قابل ذکر کام کیا ہے جس سے اللہ کے رسول ﷺ پر دروغ گوئی کرنے والوں کی دروغ گوئی کا بھانڈا پھوٹ جائے؟ ان کی اتہام بازی اور جھوٹ کارا زکھل کر منظر عام پر آ جائے؟ اگر اس میدان میں آپ لوگوں کی کوئی خدمت ہو تو اس کا ہم لوگوں کے سامنے تحدیثِ نعمت کے طور پر کھل کر تذکرہ کیجئے۔ اس سلسلہ میں ہچکچانے کی بات نہیں ہے ہم بھی آپ جیسے انسان ہیں۔ آپ ذرا اپنی کوششوں کو منظر عام پر لا کر اپنی خدمات کی وضاحت تو کریں۔

اسی طرح آپ کے نزدیک ائمہ کرام کی قدر و منزلت کسی سے ڈھکی چھپی نہیں۔ آپ کے عقیدے کے مطابق ائمہ کرام معصوم ہیں اور ان کا کلام آپ کے نزدیک حجت ہے۔ اگر ایسا ہے تو آپ لوگوں نے اس سلسلہ میں کوئی خدمات انجام دی ہیں تاکہ ان کی روایات کی صحیح صحیح تشخیص ہو سکے اور ان کے اقوال کی صحیح طور پر نشاندہی ہو سکے؟

اس شخص نے جواب دینے کے لیے منہ کھولا ہی تھا کہ میں نے اس کو روک کر یہ بات کہی: جلد بازی سے کام نہ لو..... ذرا میری بات غور سے سنو! اور صبر سے کام لیتے ہوئے

ٹھنڈے دل سے سوچو! یہ دور پڑھے لکھے لوگوں کا دور ہے۔ ہم میں سے ہر ایک یا دیگر لوگ پڑھے لکھے اور عالم دین بھی ہیں۔ بلکہ ہم میں سے بعض لوگ بڑی بڑی ڈگری ہولڈر بھی ہیں۔ تو ہم تمام پڑھے لکھے لوگوں کی نمائندگی کرتے ہوئے یہ بات کہنا چاہتے ہیں کہ: فرض کر لو، ہم روایات کے اس مجموعہ کو جسے آپ کے نزدیک مشہور ترین کتاب ہونے کا شرف حاصل ہے یا جس کو آپ کے یہاں سند کا درجہ دیا جاتا ہے ”کتاب الکافی“ کو ہی لے لیں! تو اس سلسلہ میں ہمارا سوال یہ ہے کہ ہم یا آپ یا حجۃ الاسلام صاحب اس کتاب میں صحیح اور ضعیف کا کیسے پتہ لگائیں گے؟ کیا اس سلسلہ میں آپ کے پاس کوئی ضابطہ اور اصول ہے؟ اگر ہے تو اسے لا کر پیش کریں۔ بلاشبہ اس سلسلہ میں فکر و نظر اور بحث و تنقیح کی ضرورت درپیش ہوگی۔ اسانید کے پرکھنے اور ان کو میزانِ جرح و تعدیل پر تولنے کی ضرورت ہوگی۔ یہ ضابطہ اور اصول آپ کے پاس ہے ہی نہیں۔ جرح و تعدیل نام کی کوئی چیز آپ کے یہاں دور دور تک نظر نہیں آتی تو آپ روایات کو کس بنیاد پر پرکھیں گے؟

اس نے اس بات کا جواب دیتے ہوئے کہا: کیوں نہیں! ہم روایات کو پڑھتے ہیں ان پر غور کرتے ہیں۔ نیز میں بھی ایک اصولی شخص ہوں۔ اس لیے اگر کوئی حدیث سمجھ سے باہر ہو تو ہم اس کو رد بھی کر سکتے ہیں۔ ہم یہاں پر اس بات کی بھی وضاحت کر دیں کہ ہمارے یہاں کوئی صحیح اور موثوق کتاب پائی نہیں جاتی۔ بلکہ ہماری تمام کتابیں فکر و نظر، بحث و تنقیح اور غور و خوض کی طالب ہیں۔

میں نے کہا: اب ذرا میری بات بھی سن لو اور مجھے یہ سوال پوچھنے کی مہلت دو کہ تم کس طرح روایات پر غور و خوض کرتے ہو؟ کیا ایک روایت کی چھان بین کرتے ہو؟ یا آٹھ دس صفحات پڑھنے کے بعد یا پانچ دس روایات یا اس سے بھی زیادہ روایات پڑھنے کے بعد اس پر غور و خوض کرتے ہو؟ یا روایات پر غور و خوض کے سلسلہ میں تمہارا کوئی اور منہج ہے؟ ذرا اس کی وضاحت تو کرو۔

تو اس نے جواب دیا کہ موقع، محل کے اعتبار سے ہم کام کرتے ہیں۔ ہمارے نزدیک روایات کی تصحیح اور تضعیف کے کچھ اصول و مبادی ہیں۔ اس سلسلہ میں ایک معاصر شخصیت نے کتاب بھی لکھی ہے۔ اس میں تصحیح روایات اور اس کی تضعیف کے بارے میں بیان کیا ہے۔ وہ ”صحیح الکافی للیبودی“ کے نام سے معروف و مشہور ہے۔ ہمارے یہاں مجتہدین بھی پائے جاتے ہیں اور اس فن میں بڑے بڑے علماء موجود ہیں۔ ان میں ہر عالم اپنا نقطہ نظر رکھتا ہے اور اجتہاد بھی کرتا ہے۔ وہ اپنے اجتہاد کے مطابق جو چاہتا ہے حکم صادر کر دیتا ہے۔

شیخ عظیم اللہ فرماتے ہیں؛ میں نے اس سے کہا: ذرا ٹھرو! ہم آپ سے پوچھتے ہیں کہ اس قیاس آرائی میں ان کو کتنا وقت درکار ہوتا ہے؟ اور کیا تمہارے مذہبی ادارہ (الحوزہ) کے طلباء یہ کام کرنے کی استطاعت رکھتے ہیں؟ بلکہ میں تو یہاں تک کہتا ہوں کہ تمہارے اکابرین علماء اس کام کے اہل ہیں؟ اور ان کے بس میں ہے کہ وہ روایات کی بحث و تنقیح کا کام کر سکیں؟ اگر ایسا ہے تو وہ اس کام کو انجام دینے کے لیے میدان میں کیوں نہیں اترتے؟

اس کے بعد میں نے کہا کہ! ابھی ایک بڑا مسئلہ اور بھی وضاحت کے لیے باقی ہے۔ وہ یہ کہ فرض کر لیا جائے؛ تمہارے نزدیک فلاں روایت درست ہے، تو اس کی کیا گارنٹی ہے کہ: امام نے اس کو بطور تقیہ روایت کیا ہے؟ یا بطور حقیقت اس کی روایت کی ہے؟

مراد یہ ہے کہ: آپ کے نزدیک تقیہ اور غیر تقیہ میں فرق کے کیا قواعد و ضوابط ہیں؟ ہم تقیہ اور حقیقت میں کیسے فرق کر سکتے ہیں! کیا ان قواعد کا علم آپ کے تمام علماء کو ہے؟ یا وہ قواعد و ضوابط کیا کتابوں میں تحریری طور پر موجود ہیں؟ یا ہر عالم اس میں اجتہاد کا مجاز ہے جو چاہے اور جب چاہے تقیہ کر لے؟

یہ بات سنتے ہی اس شخص نے مجلس چھوڑ کر جانے کی اجازت چاہی اور میرے ساتھ مزید بحث و مباحثہ کر کے بات کو مکمل کئے بغیر مجلس چھوڑ کر چلے جانے کا بہانہ تلاش کرنا شروع کر دیا۔ میں نے اس شخص سے کہا: جلد بازی سے کام نہ لو! اس مجلس کے اختتام سے پہلے میں

اس بات کے سلسلہ میں تم سے استفسار کرنا چاہوں گا کہ: بہبودی کے بارے میں تمہارے علماء کا موقف اور رد فعل کیا ہے؟ بہبودی نے کس چیز کو اپنے اصول و قواعد کی بنیاد بنایا ہے؟

مثال کے طور پر اگر آپ کے پاس شہد ہو اور اس میں زہر ملا دیا جائے..... تو اس وقت آپ کیا کریں گے؟ کیا زہر ملے ہوئے شہد کو آنکھ بند کر کے پی جائیں گے یا یہ کہ آپ اس شہد میں سے خالص شہد کو پچاننے کی کوشش کریں گے؟ پھر اصلی شہد کو زہر ملے ہوئے شہد سے الگ کر کے زہریلے شہد کو نکال کر پھینک دیں گے اور خالص شہد کو استعمال میں لائیں گے؟ بہر حال عقلمند کے لیے اشارہ ہی کافی ہے۔

اس کے بعد مجلس کے اختتام سے پہلے میں نے اس شخص سے یہ بات بھی کہی کہ: ان کے پڑھے لکھے لوگ اس کتاب کی تلاوت کرتے ہیں جس میں ان کے ائمہ کے اقوال درج ہیں۔ وہ ان اقوال کو حجت بھی سمجھتے ہیں اور ان تمام اقوال کی صحت کا بھی عقیدہ رکھتے ہیں۔ اس پر ان کو انشراح صدر ہونے کا دعویٰ بھی ہے۔ نیز اس چیز کو وہ اپنے لیے باعث سعادت گردانتے ہیں اور ہر جمعہ کی رات کو اپنے امام باڑے یا مجلس یا کسی جگہ جمع ہو کر کمیل نامی کتابچہ کی تلاوت کرتے ہیں۔ شیعہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ یہ رسالہ: صحیح اور درست ہے۔ یہ بڑا پر لطف اور دلچسپ رسالہ ہے۔ میں نے اس کو ایک نظر دیکھا بھی ہے۔

ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم اس قضیہ کے سلسلہ میں ہوش کے ناخن لیں اور عقل و فکر کے دروازے وا کر کے سوچیں: کیا ایسا کرنا ہمارے لیے شرعاً درست ہے؟ ہمیں یہ بات کسی طرح زیب دیتی ہے کہ ہم اپنے اور قرآن کریم کی تلاوت کے درمیان رسالہ کمیل کو حاجز بنائیں؟ اور کلام سید المرسلین ﷺ کو بھی پس پشت ڈال دیں؟ قرآن و سنت کے درمیان ائمہ کرام کے کلام کو بطور واسطہ استعمال کریں۔ بلکہ ہونا یہ تو چاہئے کہ ہم ان کے کلام کو علیحدہ بنفس نفیس پڑھیں اور اس سے استفادہ کریں۔

ہمارے اس مباحثہ کے بعد اس شخص نے قطع کلامی کرتے ہوئے یہ بات کہی کہ: شیعوں

کی بڑی بڑی انجمنوں، خیراتی اداروں اور وفاہی مؤسسات نے بڑی مہتمم بالشان علمی اکیڈمیاں اس عمل کے لیے کھول رکھی ہیں۔ ان شاء اللہ ان کی ضیاء پاش کر نہیں عنقریب پورے عالم کو جگمگادیں گی۔ اس سلسلہ میں انہوں نے کام بھی شروع کر دیا ہے: ان کی کاوش کا ثمرہ ہے جو ہمارے سامنے ”انسائیکلو پیڈیا آف ”امام حسین“ کے نام سے منظر عام پر آنے والا ہے، جو ۵۰۰/۵۰۰ سوجلدوں سے بھی زیادہ پر مشتمل ہوگا۔

اس نے وعدہ کیا کہ اس میں ان شاء اللہ امام حسینؑ کے اقوال و افعال کی تحقیق و تنقیح کا کام کیا جائے گا اور اس میں صحیح و سقیم کی تمیز روارکھی جائے گی۔ اس کے بعد اس کے مثل دوسرا پروجکٹ شروع کیا جائے گا۔

شیخ علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ: میں نے عرض کیا: اگر ایسا ہے تو اس کے نتائج سودمند

ثابت ہوں گے۔

ایک عظیم الشان خوشخبری کا بیان:

میں اپنے اس کتابچہ کو اس خوشخبری پر ختم کرنے کی اجازت چاہوں گا کہ اللہ کے فضل و کرم سے اس قحط الرجال کے دور میں بھی بعض نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں نے کئی ایک اسلامی یونیورسٹیوں سے امام جعفر صادقؑ کی سیرت و سوانح کا موضوعی مطالعہ کرنے اور ان کی طرف منسوب روایات کی تنقیح و تحقیق کی پیش کش کی ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعاء ہے کہ ان میں سے جن لوگوں کے مقالے یا تحقیقی رسالے پایہ تکمیل کو پہنچ گئے ہیں، ان کی یا کم از کم اس کی تلخیص کی نشر و اشاعت کے لیے اللہ تعالیٰ غیب سے کوئی معقول صورت نکال دے۔ تاکہ وہ عوام کے لیے سودمند ثابت ہوں اور اس کے فوائد سے خواص و عوام دونوں مستفید ہوں۔

ہم یہاں پر قراء کرام کی سہولت کے لیے بعض ان مقالہ جات کی فہرست لکھنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں جو اس موضوع پر تیار شدہ ہیں اور الحمد للہ ان کا مناقشہ بھی ہو چکا

- ہے

(۱)..... پہلی کتاب ”الإمام جعفر الصادق وآراؤه في الإمامة“ ہے: یہ دراصل ان تمام دروغ گوئیوں اور امام موصوفہ ﷺ کی طرف منسوب روایتوں کا موضوعی اور تحقیقی و تنقیدی مطالعہ ہے۔ یہ محمد بن محفوظ ابو عکاظ کا جامعہ ام القرى مکہ مکرمہ کے کلیہ الشریعہ و اصول الدین میں ایم، اے کا مقالہ ہے۔

(۲)..... دوسری کتاب ”الإمام جعفر الصادق و منہجہ فی الدعوة إلى اللہ“ ہے۔ یہ دراصل جامعہ ازہر میں عزت محمد السروجی کا پیش کردہ P.H.D کا مقالہ ہے۔

(۳)..... تیسری کتاب ”الإمام جعفر الصادق ﷺ و منہجہ و مدرستہ و أثرہ“ ہے۔ یہ دراصل جامعہ اسکندریہ میں پیش کیا گیا عبدالقادر محمود الدسوقی کی طرف سے ایم، اے کا مقالہ ہے۔

(۴)..... چوتھی کتاب ”مرویات الامام جعفر الصادق ﷺ فی السنۃ النبویۃ و أحوال الرواۃ عنہ و نماذج مما نسب إلیہ“ یہ جامعہ ام القرى میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری کے لیے پیش کیا گیا لطیفہ ابراہیم الہادی کا مقالہ ہے۔

(۵)..... پانچویں کتاب ”مرویات الإمام جعفر الصادق ﷺ فی الكتب التسعة“ ہے۔ یہ دراصل جامعہ آل البیت میں ایم، اے کے لیے پیش کیا گیا محمد اسعد ناوی کا مقالہ ہے۔

اخیر میں آل بیت ﷺ کے سلسلہ میں دراسات علیاء کے طلباء کی توجہ مبذول کراتے ہوئے میں یہ کہنا چاہوں گا کہ ہم طلاب علم کے لیے ضروری ہے: ”ہم اپنے سلف صالحین کی علمی میراث کی بحث و تحقیق کا کام کرنا اپنا شیوہ زندگی بنالیں۔ ان میں بالخصوص آل بیت ﷺ کے علمی ذخیرہ کی بحث و تحقیق کا کام کریں۔ مثال کے طور پر امام جعفر صادق ﷺ، ان کے چچا حضرت زید بن علیؑ، ان کے والد محترم امام محمد باقر ﷺ اور آل بیت ﷺ سے تعلق رکھنے

والے دوسرے ائمہ کرام رحمہم اللہ کی علمی میراث کا تحقیقی مطالعہ کریں۔
اس کام کی بحث و تحقیق کا فریضہ سرانجام دے کر اہل سنت والجماعت کے موقف کو واضح
طور پر عوام کے سامنے بیان کریں۔

وَصَلَّى اللّٰهُ وَسَلَّم عَلٰى نَبِيِّنَا
مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِينَ .



آل بیت رضی اللہ عنہم جمعین کے حقوق شریعت کے آئینہ میں

تالیف

فضیلۃ الشیخ صالح بن عبداللہ الدرویش حفظہ اللہ
القاضی بالمحکمۃ العامۃ بالقطیف

ترجمہ و تلخیص

فضل الرحمن رحمانی ندوی مدنی

المدرس بالجمعیۃ الخیریۃ لتحفیظ القرآن الکریم بمحافظۃ جدۃ
المملکۃ العربیۃ السعودیۃ

مقدمہ کتاب

إِنَّ الْحَمْدَ لِلَّهِ نَحْمَدُهُ وَنُسْتَعِينُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ، وَنَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ
شُرُورِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَهْدِهِ اللَّهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ
وَمَنْ يَضِلَّ فَلَا هَادِيَ لَهُ، وَاشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاشْهَدُ أَنَّ
مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ، صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَصَحْبِهِ
وَسَلَّمَ تَسْلِيمًا كَثِيرًا۔ أَمَّا بَعْدُ:

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کے آل بیت کے چند حقوق واجب کر رکھے ہیں جن کی
بجا آوری ضروری ہے۔ انہیں لمحض خصائص سے بہرہ ور کیا ہے جن کا لحاظ رکھنا ایک مؤمن
کامل کا شیوہ ہے۔ انہیں حقوق اور فضائل کی بجا آوری سے اہل سنت والجماعت اور ان کے
مخالفین کے درمیان فرق واضح ہو کر سامنے آ جاتا ہے۔ اسی ادائیگی حقوق سے دودھ کا دودھ
اور پانی کا پانی آشکارا ہو کر منظر عام پر آ جاتا ہے۔ چنانچہ یہ بدیہی امر ہے کہ اہل سنت
والجماعت رسول اللہ ﷺ کے آل بیت کے حقوق کا لحاظ رکھتے ہیں، ان کے حقوق کی
بجا آوری میں بغیر کسی مبالغہ آرائی و غلو بازی اور افراط و تفریط کے بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں
اور وہ اس سلسلہ میں کسی پس و پیش سے کام نہیں لیتے۔ جبکہ اس کے برعکس اہل سنت والجماعت
کے مخالفین کا حال یہ ہے کہ وہ ان کی مخالفت میں ہاتھ دھو کر پیچھے پڑے ہوئے ہیں اور اس ضمن
میں سینہ تان کر اکھاڑے میں کود پڑے ہیں۔ اہل سنت والجماعت اور ان کے مخالفین میں ماہ
الافتیاز تو یہ ہے کہ ان کے مخالفین نے آل بیت نبی ﷺ کے حقوق کے بارے میں مبالغہ
آرائی اور غلو بازی کی حد کر دی ہے، حتیٰ کہ انہوں نے ان کو رب العالمین کے مرتبہ پر فائز کر دیا

ہے (العیاذ باللہ)۔ اس پر مستزاد یہ کہ جس نے ان کی نہ مانی اس سے انہوں نے بائیکاٹ کیا، جنگ و جدال پر آمادہ ہو گئے اور ان سے کھلم کھلا عداوت کا اعلان کر دیا، حتیٰ کہ ان کو ظالمین کی صف میں شامل کر دیا گیا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس مختصر رسالہ کے ذریعہ سے امت مسلمہ کو آل بیت نبی ﷺ سے متعارف کروانے کی ہمیں توفیق عطا فرمائے اور کسی مبالغہ آرائی اور غلط بیانی کے بغیر ان شرعی حقوق سے آگاہ کرنے کی سعادت نصیب فرمائے۔ آمین

دعاؤں کا طالب

صالح بن عبداللہ الدریش

جسٹس قطیف ہائی کورٹ

المملكة العربية السعودية



آل بیت کی لغوی تعریف!

اہل زبان کہتے ہیں: اہل الرجل سے مراد کسی شخص کی اہلیہ اور عربی زبان میں: تأہل سے مراد خانہ آبادی ہوتی ہے۔ لغت کے امام خلیل نخوی کا اسی طرف رجحان ہے۔^① علمائے لغت کے نزدیک اہل بیت سے مراد گھر والے، خاندانی رشتے دار، کنبے اور برادری والے ہوتے ہیں۔ اور اہل اسلام سے مراد مسلمان ہوا کرتے ہیں جو کلمہ گو اور دین اسلام کو ماننے والے ہوں۔^②

المقاییس فی اللغة“ میں ہے کہ جب عربی زبان میں آل کہا جائے تو اس سے مراد: اہل بیت ہوا کرتے ہیں۔ یعنی گھر والے، کنبے اور برادری والے، خاندانی رشتے دار وغیرہ۔^③

ابن منظور لغوی تحریر فرماتے ہیں: وآل الرجل اہله، وآل اللہ وآل رسولہ اولیاءہ، اصلہا (اہل) ثم ابدلت الہاء ہمزۃ، فصار فی التقدير (آل) فلما توالت الہمزتان ابدلوا الثانیۃ الفاء: ”یعنی آدمی کے آل سے مراد اہل و عیال، خاندانی رشتے دار ہوتے ہیں اور آل اللہ وآل رسول اللہ سے مراد اللہ والے اور رسول اللہ ﷺ سے سچی محبت کرنے والے ہوتے ہیں۔ (آل) اصلاً (اہل) تھا۔ کثرت استعمال کی وجہ سے (ہاء) کو ہمزہ سے بدل دیا گیا تو (آل) ہو گیا۔ چونکہ اکٹھے

① ملاحظہ ہو: کتاب العین (۴/۸۹)۔

② ملاحظہ ہو: الصحاح (۴/۱۶۲۸) ولسان العرب (۱۱/۲۸)۔

③ ملاحظہ ہو: المقاییس فی اللغة (۱/۱۶۱)۔

④ ملاحظہ ہو: لسان العرب (۱۱/۳۱) ونحوہ عن الاصفہانی فی المفردات فی غریب القرآن (ص: ۳۰)

دو ہمزہ باعث ثقل تھے اس لئے دوسرے ہمزہ کو الف مدہ سے بدل دیا تو (آل) ہو گیا۔
 آل: کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کو صرف اور صرف مقام عزت و شرف کی طرف منسوب کر کے استعمال کیا جاتا ہے۔ کسی گھٹیا پیشے اور کم تر شعبے کی طرف نسبت کر کے اس کلمہ کو استعمال نہیں کیا جاتا۔ لہذا: آل حائک کہنا لغوی طور پر درست نہ ہوگا، لیکن اس کے برخلاف اہل ہر شخص کے لئے استعمال کیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ اہل حائک کہنا درست ہوگا۔

بیت الرجل: سے مراد آدمی کا گھر، اس کا محل اور مکان وغیرہ ہوتا ہے۔^① لیکن مطلقاً بیت کہا جائے تو فوراً یہ بات ذہن میں آتی ہے کہ اس سے مراد بیت اللہ یا کعبۃ اللہ ہے، کیونکہ مؤمنین کے دل مارے شوق کے بیت اللہ کی طرف کھینچے چلے جاتے ہیں۔ بلاشبہ اللہ کے گھر میں ہی دلوں کے لئے راحت و سکون کا سامان مہیا ہے اور وہیں دلوں کو قرار آتا ہے۔ کیونکہ بیت اللہ ہی مسلمانوں کا قبلہ و کعبہ ہے۔ اگرچہ زمانہ جاہلیت میں اہل بیت سے سگان بیت اللہ مراد لئے جاتے تھے اور اس سے مراد قریش کا قبیلہ تھا۔ لیکن اسلام کے آجانے کے بعد اہل بیت سے آل رسول ﷺ مراد لیا جانے لگا۔ چنانچہ اب اہل بیت سے مراد آل رسول ﷺ ہی ہوں گے۔^②



① ملاحظہ ہو: النہایۃ لابن الاثیر (۱/۱۷۰)۔

② ملاحظہ ہو: المفردات فی غریب القرآن (ص: ۲۹) شیخ الاسلام علامہ ابن قیم نے اپنی کتاب جلاء الافہام فی فضل الصلاة والسلام علی خیر الانام میں اس موضوع پر تفصیل کے ساتھ بحث کی ہے۔ طلاب علم کو اس کا ضرور مطالعہ کرنا چاہئے۔ خاص طور سے جس نے اس کی تحقیق کی ہے ان کے لکھے ہوئے مقدمہ کی طرف ضرور رجوع کرنا چاہئے۔ کیونکہ انہوں نے اس میں اس موضوع پر لکھی ہوئی کتابوں کے ناموں کی فہرست بھی تحریر فرمادی ہے۔ اس موضوع پر یہ خدمت علماء اہل سنت والجماعت کی بھرپور اہتمام کی غماز ہے۔

اصطلاح میں آل بیت کون لوگ ہیں؟

نبی کریم ﷺ کے آل بیت کی تعریف کے سلسلہ میں علماء کا اختلاف ہے۔ اس سلسلہ میں علمائے امت کے مختلف اقوال ہیں۔ جن میں سے چند مشہور اقوال درج ذیل ہیں:

..... نبی کریم ﷺ کے آل بیت سے وہ لوگ مراد ہیں جن پر صدقہ و خیرات حرام قرار دے دیا گیا ہے اور یہی جمہور کا قول ہے۔

..... نبی کریم ﷺ کی آل و اولاد اور آپ ﷺ کی ازواج مطہرات کو بطور خاص آل نبی ﷺ میں شمار کیا جاتا ہے۔ یہ موقف ابن عربی نے اختیار کیا ہے ① اور اسی کو راجح قرار دیا ہے۔ اس قول کی طرف بعض ان لوگوں کا بھی میلان ہے جو ازواج مطہرات کو آل رسول ﷺ سے خارج قرار دیتے ہیں۔

..... قیامت تک آپ ﷺ کی امت میں سے ہر وہ شخص جو آپ ﷺ کی اتباع کرے گا وہ بھی آپ ﷺ کی آل میں شامل ہے ② اس قول کو شافعیہ میں سے امام نووی رحمہ اللہ نے اختیار کیا ہے ③ اور حنابلہ میں سے مرداوی نے اس کو اپنایا ہے۔ ④

① ملاحظہ ہو: احکام القرآن (۳/۶۲۳)۔

② لغت کے امام نثوان حمیری جو زبان و ادب کے ثقہ عالم تھے، انہوں نے اس قول کی تائید میں یہ اشعار کہے ہیں:

آل النبی ہم اتباع ملتہ من الأعاجم والسودان والعرب

لولم یکن آلہ الا قرابتہ صل المصلی علی الطاغی ابی لہب

ترجمہ: بلاشبہ آل نبی ﷺ تو عرب و عجم اور سوڈان میں سے آپ ﷺ کے متبعین لوگ ہیں۔ اگر آپ ﷺ کے قرابت داروں کو ہی آل نبی ﷺ گردانا جاتا تو نمازی لوگ سرکش و باغی ابولہب کو درود و سلام کا نذرانہ پیش کرتے۔ (جو کہ آپ ﷺ کا قریبی رشتہ دار تھا۔)

③ ملاحظہ ہو: شرح صحیح مسلم (۴/۳۶۸)۔

④ ملاحظہ ہو: الانصاف (۲/۷۹)۔

۴..... امت محمدیہ میں سے متقی اور پرہیزگار لوگ ہی اہل بیت کے زمرے میں شامل ہیں۔ مذکورہ تمام اقوال میں سے راجح پہلا قول ہے اور جمہور کا بھی یہی متفقہ فیصلہ ہے۔ لہذا ہمیں یہ معلوم ہونا چاہئے کہ وہ کون لوگ ہیں جن پر شرعاً صدقہ و خیرات کو حرام قرار دیا گیا ہے؟ اس سلسلہ میں علمائے امت کے راجح قول کے مطابق اس سے مراد بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب ہیں۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: **إِنَّمَا بَنُو هَاشِمٍ وَبَنُو الْمُطَلَبِ شَيْسَىٰ ؕ وَاحِدٌ.....** بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب خاندانی اعتبار سے ایک ہی ہیں گویا کہ چنے کے دو دیول ہیں۔ ❶ مگر بعض علماء نے اس حکم کو بنی ہاشم کے ساتھ خاص کر رکھا ہے اور بنی عبدالمطلب کو اس حکم سے خارج قرار دیا ہے۔

اہل تشیع کے نزدیک آل بیت کا مفہوم

(۱)..... جمہور شیعہ کی رائے میں آل بیت سے مراد وہ پانچ لوگ ہیں جن کو آپ ﷺ نے اپنی ردائے مبارک میں داخل کیا اور جن کے بارے میں آیت تطہیر نازل ہوئی تھی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا ۝ (الاحزاب: ۳۳) ﴾

”اللہ تو یہی چاہتا ہے کہ تم سے گندگی دور کر دے اے گھر والو! اور تمہیں پاک کر دے، خوب پاک کرنا۔“

اس سے مراد نبی مکرم محمد رسول اللہ ﷺ ساداتنا علی رضی اللہ عنہ، فاطمہ رضی اللہ عنہا، حسن رضی اللہ عنہ اور حسین رضی اللہ عنہ ہیں۔ شیعہ اثنا عشریہ نے اصحاب رداء کے زمرے میں اپنے بارہ اماموں کو بھی شمار کیا ہے حالانکہ رداء والی حدیث میں ان کا ذکر تک نہیں ہے اور وہ حدیث صحیح مسلم میں حضرت

❶ صحیح البخاری، کتاب المغازی، حدیث: ۴۲۲۹.

عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ آپ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ:

نبی کریم ﷺ ایک دن صبح کو باہر تشریف لائے اور آپ ﷺ کے جسد اطہر پر کالی اون سے بنی ہوئی ریشمی چادر تھی۔ اسی اثناء میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو آپ ﷺ نے ان کو اپنی چادر میں داخل فرمایا۔ اس کے بعد حضرت حسین رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو آپ ﷺ نے ان کو بھی اپنی چادر میں داخل فرمایا۔ پھر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا تشریف لائیں تو آپ ﷺ نے ان کو بھی اپنی چادر میں داخل فرمایا۔ اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو آپ ﷺ نے ان کو بھی اپنی ردائے مبارک میں جگہ عطا فرمائی اور فرمایا:

﴿إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ

تَطْهِيرًا﴾ (الاحزاب: ۳۳) •

”اللہ تو یہی چاہتا ہے کہ تم سے گندگی دور کر دے اے گھر والو! اور تمہیں پاک کر

دے، خوب پاک کرنا۔“

شیعہ اثنا عشریہ امہات المؤمنین کو آل بیت (رضی اللہ عنہم) کے زمرے سے خارج سمجھتے ہیں۔ • وہ اپنے اس زعم باطل میں مذکورہ آیت تطہیر کو بطور استدلال پیش کرتے ہیں۔ ہم ان کے اس عقیدہ باطل کا یوں جواب دیتے ہیں کہ آیت کریمہ میں سرے سے حصر ہے ہی نہیں، جس کی بنیاد پر شیعہ یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ ازواج مطہرات اہل بیت کے زمرے سے خارج ہیں۔ اس کا جواب یہ بھی ہے کہ مذکورہ آیت کریمہ کے سیاق و سباق پر غور و خوض سے یہ بات عیاں ہو کر سامنے آ جاتی ہے کہ آیت کریمہ میں اہل بیت سے مراد ازواج مطہرات ہیں، جن کو امہات المؤمنین کے پاکیزہ خطاب سے بھی نوازا گیا ہے اور آیت کریمہ کا سیاق و سباق متقاضی بھی اسی کا ہے۔ کیونکہ آیت تطہیر سے قبل اور بعد والی آیت میں امہات المؤمنین ہی

① صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب فضائل أهل بيت النبي ﷺ، ح: ۲۴۲۴

② ملاحظہ ہو: شرح الزيارة الجامعة لعبدالله شبر (ص: ۱۲۷ - ۱۲۸)۔ والامام جعفر الصادق (ع) لعبد

الحليم الحندي (ص: ۷۳)۔ مودة اهل البيت عليهم السلام۔ مركز الرسالة (ص: ۲۳)

سے خطاب کیا گیا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

﴿وَأَذْكُرَنَّ مَا يُتْلَىٰ فِي بُيُوتِكُمْ﴾ (الاحزاب: ۳۴)

”اور پڑھی جاتی ہیں تمہارے گھروں میں۔“

فریق مخالف کا دعویٰ ہے کہ مذکورہ آیات میں ضمیر مخاطب مذکر کا ورد اس بات کی دلیل ہے کہ امہات المؤمنین اہل بیت میں شامل نہیں ہیں، لہذا آیات مذکورہ میں ”عنکم“ اور ”یطہرکم“ جیسی ضمائر مذکر کا استعمال ہونا اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ امہات المؤمنین ”اہل بیت“ کے زمرے سے خارج ہیں۔

ہم کہتے ہیں کہ یہ قیاس مع الفارق ہے۔ کیونکہ یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ جب ایک ہی جملہ میں مذکر و مؤنث کا اجتماع ہو جائے تو وہاں ”تغلیباً“ ضمیر مذکر کی استعمال ہوگی۔ اس موقع پر صیغہ مذکر ہی کا ذکر کر کے مؤنث کو اس کے تابع سمجھا جائے گا، لہذا اس قاعدہ کے اعتبار سے آیت مذکورہ اپنے عموم پر برقرار ہے۔ اس میں تمام ”آل بیت“ داخل ہیں مگر ”تغلیباً“ صیغہ مذکر لایا گیا ہے۔^①

اس کے باوجود بھی اگر شیعوں میں فرقہ اثنا عشریہ اس آیت کو مفید ماننے پر مصر ہے اور مذکر مخاطب کی وجہ سے امہات المؤمنین، ازواج مطہرات کو ”آل بیت“ کے زمرے سے

① عربی زبان میں اس طرح کی ترکیب کا جواز موجود ہے اور قرآن کریم بھی اس پر شاہد ہے۔ چنانچہ سورہ ہود میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿قَالَتْ يَوْمَئِذٍ اٰلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ وَّهٰذَا بَعْلِيْ شَيْخًا﴾ (ہود: ۷۲) پھر اسی سباق میں اگلی آیت میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿قَالُوْا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحِمَتُ اللّٰهِ وَ بَرَكَتُهُ عَلٰیكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ﴾ (ہود: ۷۴) آیت مذکورہ میں مؤنث سے مذکر کی طرف خطاب کا رخ بدلتا ہوا نظر آ رہا ہے۔ وہ اس طرح کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نام کی رعایت کرتے ہوئے ”علیکم“ ضمیر مخاطب کی استعمال کی گئی ہے اور اس خطاب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی تغلیباً داخل ہیں۔ مذکورہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ ازواج مطہرات اہل بیت میں داخل ہیں اگرچہ خطاب مذکر ہے۔ اسی طرح یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ شیعوں نے صرف حضرت فاطمہ کو اس عموم میں داخل کیا ہے، تو ہم ان سے پوچھتے ہیں کہ تم نے خطاب مذکر کے تحت حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو تو اس عموم میں داخل کر لیا اور ان کے علاوہ دوسروں کو خارج کر دیا۔ آخر ایسا کیوں ہے؟ اس کی وجہ سے تمہارا دعویٰ خود بخود ختم ہو گیا اور خود تم اپنے دعوے سے روگردانی کا شکار ہو گئے!

خارج کرنے پر تلا ہوا ہے تو ہم الزامی طور پر ان سے یہ کہیں گے کہ:
 انہوں نے اپنے بیان کردہ استدلال کی مخالفت کر کے اپنے منہج سے روگردانی کی ہے،
 بایں طور کہ وہ خود اس آیت کریمہ میں اپنے قول کے مطابق عدم حصر کی تطبیق کے مرتکب
 ہو چکے ہیں۔ کیونکہ انہوں نے اصحاب رداء کے ساتھ اور لوگوں کو بھی اس ضمن میں شمار کیا
 ہے۔ جیسا کہ ان کا عقیدہ ہے کہ وہ بارہ امام بھی اس زمرے میں شامل ہیں۔ یہاں ہم ان
 سے سوال کرتے ہیں کہ انہوں نے نص کے بغیر کیسے ائمہ اشاعرہ کو اس زمرے میں
 شمار کر لیا ہے؟ کیا ان کے پاس اس کا کوئی ثبوت موجود ہے؟

۲..... ہم ان سے یہ بھی کہنے کے مجاز ہیں کہ انہوں نے ساداتنا علی رضی اللہ عنہ، حسن و حسین رضی اللہ
 عنہما اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ۹ بیٹوں تک آل رسول ﷺ کو محصور کر دیا ہے۔ یہاں پر ہمارا
 ان سے سوال یہ ہے کہ کیا صرف یہی لوگ آل رسول ﷺ کہلانے کے مستحق ہیں؟
 اگر ایسا ہی ہے تو پھر نبی کریم ﷺ کے چچاؤں کو کس زمرے میں شمار کیا جائے گا؟
 حیرت کی بات ہے کہ آپ ﷺ کے وہ چچا جن کو اسم اللہ اور اسم رسول اللہ ﷺ کا
 خطاب ملا، جو شہدائے احد میں سے ایک ہیں، جن کو غزوہ بدر کے جانا بزا سپاہی ہونے کا شرف
 حاصل ہے، جن کی شہادت پر نبی کریم ﷺ نے بڑے گہرے رنج و غم کا اظہار فرمایا تھا اور
 آپ ﷺ نے جن کے بارے میں ارشاد فرمایا تھا: ”حزہ رضی اللہ عنہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے
 روبرو شہیدوں کی سرداری کی خلعت سے نوازے جائیں گے۔“^۱ ان کو کس زمرے میں
 شمار کیا جائے گا؟

اسی طرح حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کو کس زمرے میں شمار کیا جائے گا؟ یہ
 وہی عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ ہیں جو فتح مکہ میں آپ ﷺ کے ساتھ تھے اور غزوہ حنین
 میں نبی کریم ﷺ کے ہم رکاب تھے، جن کے بارے میں نبی مکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے

① الحاکم فی المستدرک (۲/۱۳۰)۔

کہ: ”عباس رضی اللہ عنہ مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہوں“^① اور مزید فرمایا ہے ”اے لوگو! جس شخص نے میرے چچا کو اذیت اور تکلیف پہنچائی گویا اس نے مجھ کو اذیت اور تکلیف پہنچائی۔

کیونکہ چچا باپ جیسا ہوتا ہے یا باپ کے ہم پلہ ہوتا ہے“^②۔

اسی طرح نبی کریم ﷺ کے چچا زاد بھائیوں کو کس زمرے میں شمار کیا جائے گا؟ کیا جعفر طیار رضی اللہ عنہ جو بڑے فضائل و محاسن اور کارناموں کے حامل ہیں، جن کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: ”جعفر رضی اللہ عنہ اخلاق و کردار اور شکل و صورت میں میرے مشابہ ہیں۔“^③ سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ سب سے پہلے اسلام لانے والوں میں سے ایک ہیں اور آپ کا شمار حبشہ کی طرف ہجرت کرنے والوں میں سرفہرست ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ حبشہ ہی میں رہے جب تک کہ نبی کریم ﷺ نے مدینہ منورہ ہجرت نہ کر لی۔ اس کے بعد فتح خیبر کے موقع پر آپ بھی ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے۔ آپ کی آمد سے نبی کریم ﷺ کو بڑی خوشی اور مسرت ہوئی۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اپنی مسرت و شادمانی کا اس موقع پر اظہار بھی فرمایا تھا، اُن کے استقبال کے لئے والہانہ طور پر کھڑے ہو گئے تھے اور ان کو گلے لگایا اور ان کی پیشانی کو بوسہ بھی دیا تھا۔

یہ وہی جعفر ہیں رضی اللہ عنہ کہ جن کو نبی کریم ﷺ نے غزوہ موتہ میں زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کا نائب سپہ سالار بنا کر روانہ فرمایا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر اپنی ذمہ داری کو بخوبی نبھایا اور بڑی پامردی کے ساتھ اس جنگ میں اپنی جنگی قوت کا مظاہرہ کیا تھا۔ آپ میدان جنگ میں پوری مستعدی کے ساتھ اسلام کا دفاع کرتے رہے حتیٰ کہ آپ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ کٹ کر گر گئے مگر آپ رضی اللہ عنہ کے پائے استقلال میں ذرہ برابر بھی لغزش نہیں آئی تھی جب تک کہ جام شہادت نوش نہ فرمایا۔ اس کے صلہ میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو جنتی بازوؤں سے نوازا، اسی لئے شہادت

① الترمذی (۳۷۵۹) النسائی (۳۳/۸)۔

② الترمذی (۳۷۵۸)، احمد (۱۶۵/۴)۔

③ صحیح البخاری (ج: ۲۰۵۲)۔

کے بعد آپ کو طیار کے لقب سے موسوم کیا گیا۔ نبی کریم ﷺ کو آپ ﷺ کی شہادت کی جب خبر پہنچی تو آپ ﷺ کو بڑا صدمہ پہنچا اور فرط غم سے آپ ﷺ ٹڈھال ہو گئے اور فرمایا: ”کل رات میں نے جنت کی سیر کی تو کیا دیکھتا ہوں کہ جعفر (رضی اللہ عنہ) ملائکہ کے ساتھ جنت میں اڑ رہے ہیں۔“^①

ایک دوسری جگہ ارشاد فرمایا ”آج رات جعفر (رضی اللہ عنہ) کا میرے پاس سے گزر ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ جعفر (رضی اللہ عنہ) کے دونوں پر خون سے رنگین ہیں اور ان کا دل سفیدی مائل ہے۔“^②

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے مناقب میں سے چند مناقب کا یہ تذکرہ تھا جو ان کی جلالت شان کی بین دلیل ہیں اور آپ کی علوم مرتبت کی جیتی جاگتی تصویر ہیں۔

اور کیا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی جلالت شان کا انکار کیا جاسکتا ہے؟ آپ نبی کریم ﷺ کے چچا زاد بھائی ہونے کے ساتھ ساتھ امت مسلمہ کے لئے علم و فضل کے اعتبار سے مستند عالم دین اور ترجمان قرآن ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ کو علم و فضل میں باکمال ہونے کی وجہ سے علم کا بحر ناپید کنار کہا جاتا ہے۔ اور دین کی فہم و فراست میں بے مثال ہونے کی وجہ سے بحرامت کے لقب سے نوازا جاتا ہے۔ آپ نبی کریم ﷺ کی صحبت میں ایک طویل عرصہ رہے، اسی لئے نبی کریم ﷺ نے آپ کے لئے ”تفقه فی الدین“ کی دعا فرمائی کہ ”اے اللہ علم تفسیر میں ان کو دسترس عطا فرما۔“ علاوہ ازیں آپ رضی اللہ عنہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ جنگ جمل اور جنگ صفین میں شرکت کی سعادت بھی حاصل ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ کی قدر و منزلت کا بڑے بڑے صحابہ کرام اور تابعین عظام رحمہم اللہ اجمعین نے اعتراف کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے چچا زاد بھائیوں میں سے ابوسفیان بن الحارث بھی ہیں جن کو غزوہ حنین میں شاہسواری کا شرف حاصل ہوا تھا۔ کیا ان کو شیعان اثنا عشریہ بھول گئے ہیں؟ یہی نہیں

① الحاکم فی المستدرک (۲۱۷/۳)، والطبرانی فی الکبیر (۱۰۷/۲)۔

② الحاکم فی المستدرک (۲۳۴/۳)۔

بلکہ اس کے علاوہ نبی کریم ﷺ کے دیگر چچا زاد بھائیوں کا ان کے ہاں کوئی تذکرہ نہیں ملتا۔ پھر یہ کہ اہل تشیع کے اس فرقہ نے نبی کریم ﷺ کے نواسے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی آل اولاد کی بھی پرواہ نہیں کی اور انہیں بھی درخور اعتنا سمجھا۔ مثال کے طور پر شہید کوفہ حضرت زید بن علی بن حسین رضی اللہ عنہ اور ان کی آل اولاد کا بھی تذکرہ کرنا انہوں نے گوارا نہ کیا۔

اسی طرح حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی آل و اولاد کہاں ہے؟ کیا ان کے حقوق کو بالکل نظر انداز کر دیا گیا؟ اور کیا اس فرقہ شیعہ کے نزدیک مذکورہ لوگ آل بیت کے زمرے میں شامل نہیں ہیں؟ ان کے نزدیک یہ لوگ آل بیت کے زمرے میں شامل نہیں ہیں تو ان کو کس بنیاد پر آل بیت کے دائرے سے خارج کیا گیا ہے؟ اس کے علاوہ اسی قسم کے بہت سے سوالات ہیں جو اثنا عشریہ فرقہ سے جواب کے متقاضی ہیں۔ اگر ان کے پاس اس کا کوئی معقول جواب ہے تو وہ اس میں سستی یا کنجوسی کی خطا نہ کریں۔

بعض اثنا عشریہ فرقہ میں سے وہ لوگ بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ ”آل بیت رسول ﷺ“ کو ۱۲ تک محصور کرنا بیجا بات ہے، کیونکہ یہ لوگ تو ائمہ معصومین ہیں اور جہاں تک آل بیت کے مفہوم کا تعلق ہے تو وہ اس سے زیادہ کا جامع ہے، لیکن انہوں نے آل بیت کے مفہوم کو بہت سی قیود سے مقید کر دیا ہے۔^① جو شخص بھی ان صفات سے متصف ہو وہ ان کے بقول آل بیت کے دائرے میں داخل سمجھا جائے گا۔ یہ بات ان کی بعض کتابوں تک ہی محدود ہے۔ بلاشبہ حقیقت تو وہی ہے جو روزمرہ کے مشاہدہ میں ہے، جس کا ہم روزانہ چشم بینا سے مشاہدہ کرتے رہتے ہیں۔ لیکن جہاں تک ان کی قیود و حصر کی بات ہے تو وہ صرف کتابوں کے اوراق تک محدود ہے، اس سے زیادہ اس کی کوئی حیثیت نہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ آل بیت رسول ﷺ کے سلسلہ میں اہل سنت والجماعت اور ان کے مخالفین کے درمیان بہت زیادہ تضاد پایا جاتا ہے۔ فرق کے تناسب کا اندازہ لگانا ایک دشوار کن مسئلہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے دین کی سمجھ عطا فرمائے۔ (آمین)

① ملاحظہ ہو: اہل البيت في الكتاب والسنة، لمحمد الريشيري۔

قرآن و حدیث میں آل بیت کے فضائل و مناقب

قرآن حکیم کی روشنی میں فضائل و مناقب

اس بات میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ اہل بیت کی شان، قدر و منزلت اور رفعت درجات کے متعلق اور اسی طرح ان کو گندگی و آلودگی سے پاک کرنے کے بارے میں بھی قرآن میں متعدد جگہ واضح بیان موجود ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے آل بیت کی فضیلت، شان، ان کی عظیم الشان قدر و منزلت اور ان کے عز و شرف کے شرک و خرافات اور بد کرداریوں والی گندگیوں اور آلودگیوں سے پاک و صاف ہونے کے سلسلہ میں متعدد جگہ پر قرآن کریم میں آیات کا ورود اور جا بجا نصوص کا نزول ہوا ہے۔ نیز ان کی قدر و منزلت کو قرآن میں وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد الہی ہے:

﴿وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ وَأَقِمْنَ الصَّلَاةَ
وَآتِينَ الزَّكَاةَ وَأَطِعْنَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ
الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا﴾ (الاحزاب: ۳۳)

اور اپنے گھروں میں قرار پکڑو، قدیم جاہلیت کی طرح اپنے بناؤ سنگھار کا اظہار نہ کرو۔ نماز قائم کرتی رہو، زکوٰۃ ادا کرتی رہو، اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت گزاری میں لگی رہو، اللہ تعالیٰ یہی چاہتا ہے کہ تم سے وہ ہر قسم کی گندگی کو دور

کردے اور تمہیں پاک باز بنا دے۔“

آیت مذکورہ آل بیت رسول ﷺ کے مناقب و فضائل میں بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے ”اہل بیت رسول کو“ عز و شرف کی اوج ثریا پر فائز فرمایا ہے اور (شرک، خرافات اور بد کرداری جیسی) ہر طرح کی گندگی اور آلودگی سے پاک کر دیا اور ان سے ہر قسم کی غلاظت کو کھرج کر پھینک دیا ہے چاہے وہ گندگی کسی قبیل سے ہی کیوں نہ ہو۔ مختصر یہ کہ اللہ تعالیٰ نے آل بیت رسول ﷺ کو ہر قسم کے افعالِ خبیثہ اور اخلاقِ ذمیرہ سے پاک و صاف رکھا ہے۔ چنانچہ صحیح مسلم ۱ میں اُمّ المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ:

”نبی کریم ﷺ ایک دن صبح کے وقت باہر تشریف لے گئے۔ آپ ﷺ کے جسدِ اطہر پر کالے اون سے بنی ہوئی ریشمی چادر تھی۔ اسی اثناء میں سیدنا حسن رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو آپ ﷺ نے ان کو اس چادر میں داخل فرمایا، اس کے بعد حضرت حسین رضی اللہ عنہ تشریف لے آئے، تو آپ ﷺ نے ان کو بھی اپنی چادر میں جگہ مرحمت فرمائی، اس کے بعد سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا تشریف لائیں تو آپ ﷺ نے ان کو بھی اپنی ردائے مبارک میں جگہ عنایت فرمائی اور پھر ان کے بعد سیدنا علی رضی اللہ عنہ تشریف لے آئے تو آپ ﷺ نے ان کو بھی چادر میں داخل کر لیا اور فرمایا:

﴿إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا﴾ (الاحزاب: ۳۳)

”اللہ تعالیٰ یہی چاہتا ہے کہ اے نبی کے گھر والو! تم سے وہ ہر قسم کی گندگی کو دور کر دے اور تمہیں خوب پاک کر دے“

(۲)..... رسول اللہ ﷺ کے آل بیت کی فضیلت پر دلالت کرنے والی نصوص میں

سے ایک آیت مباہلہ بھی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَمَنْ حَاجَّكَ فِيهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ
أَبْنَآءَنَا وَابْنَآءَكُمْ وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَكُمْ وَأَنْفُسَنَا وَأَنْفُسَكُمْ ثُمَّ
نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَعْنَتَ اللَّهِ عَلَى الْكٰذِبِينَ ۝﴾ (آل عمران: ۶۱)

”جو شخص آپ کے پاس اس علم کے آجانے کے بعد بھی آپ سے اس بارے
میں کٹ جتی کرے اور جھگڑے پر آمادہ ہو تو آپ اس سے کہہ دیں کہ آؤ ہم تم
اپنے اپنے فرزندوں کو اپنی اپنی عورتوں کو اور خاص اپنی اپنی ذوات کو بلا لیں، پھر
عاجزی کے ساتھ التجا کریں اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت کی بددعا کریں۔“

مذکورہ آیت کریمہ میں اصحاب رداء کی عظیم الشان فضیلت اور کمال درجہ منزلت کا بیان ہے۔
اسے امام مسلمؒ نے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے روایت فرمایا ہے۔ چنانچہ آپؓ نے
روایت کرتے ہیں کہ: جب آیت مذکور بالا ﴿فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَآءَنَا وَابْنَآءَكُمْ﴾ نازل
ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے سادات اعلیٰ و فاطمہ اور حسن و حسینؓ کو بلا کر فرمایا: ”اے
اللہ تو گواہ رہ! یہ میرے اہل بیت ہیں“ ۱

احادیث کی روشنی میں فضائل و مناقب

احادیث نبویہ میں بھی آل بیت رسول ﷺ کے مناقب و فضائل کثرت سے بیان
ہوئے ہیں، جن میں سے چند ایک یہ ہیں:

(۱)..... حدیث غدیری:

صحیح مسلم میں یزید بن حیانؓ سے مروی ہے کہ میں نے حصین بن سبرہ اور عمر بن
مسلمؓ کے ہمراہ جناب زید بن ارقمؓ کی مجلس میں حاضری کا عزم کیا۔ جب ہم ان کے
روبرو بیٹھ گئے تو جناب حصینؓ نے حضرت زید بن ارقمؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا:

۱ صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، حدیث: ۶۲۱۷/۴/۲۴۰۴.

”جناب زید رضی اللہ عنہ آپ نے خیرات و برکات کی برکھا برتے دیکھی ہے۔ آپ اس سے بخوبی محفوظ بھی ہوئے ہیں۔ آپ کی آنکھیں رسول اللہ ﷺ کے دیدار پر انوار سے بھی مشرف ہوئی ہیں۔ اور آپ نے زبان نبوی سے احادیث مبارکہ کی سماعت بھی فرمائی ہے۔ آپ کو نبی کریم ﷺ کی رفاقت میں غزوات میں شرکت کا موقع بھی ملا ہے۔ اور آپ تو ان خوش نصیبوں میں بھی ہیں کہ جن کو نبی کریم ﷺ کی امامت میں نماز ادا کرنے کا شرف حاصل ہے۔ اس لئے بلاشبہ اے زید بن ارقم رضی اللہ عنہ آپ نے خیرات و برکات سے بخوبی اکتساب فیض کیا ہے تو ہماری آپ سے یہی التجا ہے کہ آپ ہمیں کوئی ایسی حدیث سنائیں جس کو براہ راست آپ نے نبی کریم ﷺ سے سنا ہو۔ یہ سن کر سیدنا زید رضی اللہ عنہ نے جواباً فرمایا: میرے عزیز میں کبرسنی کا شکار ہو چکا ہوں، بڑھا پامجھ پر سایہ فگن ہے، جس کی وجہ سے میں نے نبی کریم ﷺ سے جو کچھ سن کر یاد کیا تھا وہ میری یادداشت سے مضمحل ہوتا نظر آتا ہے۔ پھر بھی جو کچھ میں تم سے بیان کروں اس کو غنیمت جانو اور جو میرے بس سے باہر ہے اس کے لئے مجھے تکلیف نہ دینا۔ پھر ارشاد فرمایا:

ایک دن نبی کریم ﷺ غم نامی چشمہ پر تشریف لائے جو کہ (براہ راستہ بدر پرانے روڈ پر جھم کے قریب) مکہ مدینہ کے درمیان ہے، اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کی اور وعظ و تلقین کے بعد ارشاد فرمایا:

”لوگو! میں بھی تمہارے جیسا ہی ایک انسان ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ میرے رب کا فرشتہ میری رخصتی کا پروانہ لے کر آجائے اور میں اپنے رب کے بلاوے پر اس سے ملاقات کی غرض سے چلتا بنوں، لیکن میں تمہارے درمیان دو بھاری بھر کم چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں، ان میں سے ایک کتاب اللہ ہے، جس میں نور ہی نور ہے، لہذا کتاب اللہ کو لے لو اور اسے مضبوطی سے پکڑ لو۔“

آپ نے کتاب اللہ پر عمل کی طرف توجہ دلائی اور اس کو مضبوطی سے پکڑے رہنے کی

ترغیب دی اس کے بعد فرمایا:

”میں تمہارے درمیان اپنے اہل بیت کو چھوڑے جا رہا ہوں۔ میں اپنے اہل بیت کے بارے میں تم کو اللہ کا واسطہ دیتا ہوں۔ اہل بیت کے بارے میں تمہیں اللہ کا واسطہ دیتا ہوں۔ اہل بیت کے بارے میں تمہیں اللہ کا واسطہ دیتا ہوں۔“..... الخ ❶

حدیث مذکور میں اہل بیت رسول ﷺ کی فضیلت و اہمیت کا واضح طور پر بیان موجود ہے، کیونکہ آپ ﷺ نے اہل بیت کو دو نفیس اور قیمتی چیزوں کے ضمن میں شمار کر کے ان کی اہمیت اور فضیلت کی طرف اشارہ فرمادیا ہے۔ قرآن کریم پر مضبوطی سے جبرے رہنے اور اس پر عمل کرنے میں کوتاہی نہ کرنے کی وصیت کے ساتھ ضم کر کے بیان فرمایا۔ یہ بات رسول اللہ ﷺ کے آل بیت کی قدر و منزلت کی وضاحت کرتی ہے، ان کے حقوق کی عظمت کی طرف اشارہ کرتی ہے، ان کے عز و شرف کی بھرپور غماز ہے اور ان کے مقام و مرتبہ کی بلندی کو بیان کرتی ہے۔

(۲)..... حدیث اصطفاء:

امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح جامع میں حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو سنا، آپ ﷺ فرما رہے تھے:

”اللہ تعالیٰ نے اولاد اسماعیل علیہ السلام میں سے بنو کنانہ کو چنا۔ بنو کنانہ میں سے قریش کو منتخب فرمایا۔ قبیلہ قریش میں سے بنو ہاشم کو منتخب فرمایا اور قبیلہ بنو ہاشم میں سے مجھے منتخب فرمایا ہے۔“ ❷

یہ حدیث بنو ہاشم کی فضیلت کی بین دلیل ہے اور خصوصاً بنو ہاشم میں سے نبی کریم ﷺ کی عظمت شان اور اس سلسلہ میں آپ ﷺ کی منفرد حیثیت ہونے کی بھرپور غمازی کرتی ہے۔

❶ صحیح مسلم (ح: ۶۲۲۵/۲۴۰۸)

❷ صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب فضل نسب النبی ﷺ..... (ح: ۵۹۳۸/۲۲۷۶)

(۳)..... احادیث درود:

امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں ایک قوی سند کے ساتھ کسی صحابی کے واسطے سے نقل کیا ہے کہ وہ اس طرح درود بھیجا کرتے تھے:

”اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى اَهْلِ بَيْتِهِ، وَعَلٰى اَزْوَاجِهِ
وَدُرِّيَّتِهِ، كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔
وَيَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى اَهْلِ بَيْتِهِ، وَعَلٰى اَزْوَاجِهِ وَدُرِّيَّتِهِ كَمَا
بَارَكْتَ عَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔“

”اے اللہ! محمد ﷺ، ان کے اہل بیت، ان کی ازواج مطہرات اور ان کی
ذریعت پر رحمت نازل فرما، جس طرح تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آل پر
رحمت نازل فرمائی تھی۔ بلاشبہ تیری ذات حمد سے متصف ہے اور تو ہی مجد و شرف
والا ہے۔ اے اللہ! تو محمد ﷺ پر، ان کے اہل بیت پر، ان کی ازواج مطہرات
پر اور ان کی آل اولاد پر اپنی خیر و برکت کی برکھا برسا جس طرح تو نے حضرت
ابراہیم علیہ السلام کی آل پر رحمت کی برکھا برسائی تھی، بلاشبہ تیری ہی ذات حمد و ستائش
کی مستحق ہے اور تو ہی بڑائی و بزرگی والا ہے۔“

امام ابن قیم رحمہ اللہ اس سلسلہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ ”اس دعا میں اس صحابی نے نبی
کریم ﷺ کی ازواج مطہرات، اپنی اولاد اور اپنے اہل بیت کو جمع کر دیا ہے۔ اس میں
آپ ﷺ نے آل بیت کا اس مخصوص انداز میں تذکرہ کیا ہے کہ ان کے آل بیت ہونے کی
تعیین کا جو مسئلہ چلتا ہے اس کی بخوبی وضاحت ہو جاتی ہے کہ حقیقت میں یہی لوگ رسول
اللہ ﷺ کے آل بیت ہیں اور ان کو کسی صورت میں رسول اللہ ﷺ کے آل بیت کے
زمرے سے خارج نہیں سمجھا جاسکتا۔ بلکہ درحقیقت یہی لوگ آل بیت رسول کہلانے کے مستحق
ہیں اور یہی وہ لوگ ہیں جن کو اس شرف سے نوازا گیا ہے۔ بلاشبہ ان کو اس بات کا بھرپور حق

حاصل ہے کہ ان کو رسول اللہ ﷺ کے آل بیت کہا جائے، جس کی طرف حدیث مذکور میں خاص طور پر ”حکم عام عطف“ کر کے ان کی خصوصیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جو آل رسول ﷺ کی قدر و منزلت کی غماز ہے۔ درود مذکور میں عام کا ذکر کرنے کے بعد تخصیص سے اس بات کا بھی بخوبی پتہ چل جاتا ہے کہ وہ تمام کے تمام افراد جن کی اس میں تخصیص کی گئی ہے وہ اس عموم کی وجہ سے خصوصی طور پر رسول اللہ ﷺ کے آل بیت کہلانے کے مستحق ہیں۔^①

اقوال سلف کی روشنی میں فضائل اہل بیت کا بیان

رسول اللہ ﷺ کے آل بیت کے بارے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے وارد آٹارواقوال حدوتاترکوپنچے ہوئے ہیں۔ اس مختصر سے کتابچہ میں تمام اقوال وآٹارکوجمع کرنا ممکن نہیں ہے تاہم ان میں سے چند اقوال وآٹارکوذکر کرنے پراکتفا کیا جارہا ہے کیونکہ عقل مند کے لئے اشارہ ہی کافی ہوتا ہے۔

سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ”محمد رسول اللہ ﷺ کو اہل بیت کے آئینہ میں دیکھو“^② جناب علی سے سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”قسم اس ذات اقدس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے؛ مجھے رسول اللہ ﷺ کی قرابت داری اور رشتہ داری کا پاس ولحاظ رکھنا اپنے قرابت داروں اور رشتہ داروں سے صلہ رحمی کرنے سے زیادہ محبوب ہے۔“^③

سیدنا عمر فاروق نے حضرت عباس رضی اللہ عنہما کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا: اللہ کی قسم جس دن تم نے اسلام قبول کیا اس دن میرے نزدیک تمہارے اسلام لانے سے بڑھ کر کوئی چیز باعث مسرت نہ تھی۔ چاہے وہ میرے باپ خطاب ہی کا اسلام کیوں نہ ہوتا اگر وہ اسلام قبول کر لیتے، کیونکہ خطاب کے اسلام لانے سے زیادہ نبی کریم ﷺ تمہارے اسلام کے خواہاں تھے۔^④

① دیکھئے: جلاء الافہام (ص: ۳۳۸)۔

② دیکھئے: صحیح البخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ، حدیث: ۳۷۱۳۔

③ صحیح البخاری حدیث: ۳۷۱۲۔ صحیح مسلم کتاب الجہاد والسير حدیث: ۴۵۸۰۔

④ اس بات کو حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اپنی مشہور زمانہ تفسیر میں نقل کیا ہے (۱۹۹/۶)۔

حضرت شععی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ: ”حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ کسی سواری پر سوار ہوئے تو سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی مہارتھا منا چاہی۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: اے نبی کریم ﷺ کے چچا زاد بھائی! براہ کرم آپ ایسا نہ کریں۔ جناب ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جواباً فرمایا: ہم کو اپنے علماء کرام اور فضلاء عظام کے ساتھ اسی طرح ادب و احترام سے پیش آنے کی تربیت دی گئی ہے۔ جناب زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے درخواست کی: ذرا اپنا ہاتھ بڑھائیں۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ان کی طرف اپنا ہاتھ بڑھا دیا۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے آپ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ کو بوسہ دیا اور فرمایا کہ ہم کو اہل بیت رسول ﷺ کے ساتھ اسی طرح ادب و احترام روا رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔^①

امام حاکم رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ ان کی حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے ملاقات ہوئی۔ ابو ہریرہ نے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے آپ کے بطن مبارک کو بوسہ دیا تھا۔ میں آپ رضی اللہ عنہ سے درخواست کرتا ہوں کہ براہ کرم آپ اپنے بطن مبارک کا وہ حصہ کھول دیں جس حصہ پر اللہ کے رسول ﷺ نے بوسہ دیا تھا تاکہ میں بھی اس حصہ کو چومنے کی سعادت حاصل کر سکوں۔ راوی فرماتے ہیں کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے اپنا بطن مبارک کھول دیا اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس کو بوسہ دیا۔^②

آپ کے سامنے چند آیات و احادیث اور آثار و اقوال سلف کا نمونہ پیش کیا گیا جس سے رسول اللہ ﷺ کے آل بیت کے مناقب و فضائل کے نقوش سامنے آتے ہیں اور آگے ہم رسول اللہ ﷺ کے آل بیت رضی اللہ عنہم کے حقوق کے عنوان کے تحت مزید نصوص و اقوال پیش کریں گے جس سے یہ مسئلہ اچھی طرح واضح ہو کر سامنے آجائے گا۔

① البدایہ والنہایہ (۳۰۱/۸)۔ ② دیکھئے: منسند احمد: ۲/۲۰۰، ۴۹۳۔ سنن البیہقی: ۲/۲۳۲۔

یہاں ہم اس بات کی بھی وضاحت کر دیں کہ ہم نے اختصار کو مد نظر رکھتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کے آل بیت کے بارے میں علماء اہل سنت والجماعت اور ائمہ کرام رحمہم اللہ اجمعین کی تمام آراء اور اقوال کا قصداً تذکرہ نہیں کیا۔ اس لیے کہ اس باب میں علماء کرام اور آئمہ عظام کے بیش بہا آثار و اقوال ہیں۔ اگر ان کو جمع کیا جائے تو ”سفینہ چاہئے اس بحر بیکراں کے لئے“^①

اس مختصر سی کاوش کے بعد ہم قارئین کرام سے عرض کرنا چاہیں گے کہ وہ براہ کرم اتنا کام ضرور کر لیں کہ صحیح بخاری و مسلم اور اس کے ساتھ ساتھ اہل سنت والجماعت سے منقول مراجع و مصادر پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالیں تاکہ آپ کے احاطہ علم اور گوشہ دماغ میں ان احادیث کا خاکہ آجائے جن کو ائمہ اہل سنت والجماعت نے اپنی کتابوں میں مناقب و فضائل اہل بیت رسول ﷺ کے بارے میں روایت کیا ہے۔ اور آپ کو یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ ان روایتوں میں سے بعض تو عام روایات ہیں اور بعض خصوصی حیثیت کی حامل ہیں۔



① آئمہ کرام کے بارے میں بطور مثال صرف ایک کتاب کا حوالہ دینا چاہتا ہوں اگر اس سلسلہ میں موضوعی مطالعہ کیا جائے تو اس کے لئے کسی قسم کی تحدید کرنا محال اور دشوار ہے۔ ہم بطور مثال آپ کو صرف سیر اعلام النبلاء میں ان مواقع کی ورق گردانی کی زحمت دیں گے۔ آپ ان مواقع کا بغور مطالعہ کیجئے اور اندازہ لگائیے۔

(جلد ۳، صفحہ: ۲۴۵-۲۷۹، ۲۸۰-۳۲۱) (جلد ۴، صفحہ: ۲۸۶-۴۰۱، ۴۰۱-۴۰۹) (جلد ۶، صفحہ ۲۵۵-۲۷۰-۲۷۴) (جلد ۹، صفحہ ۳۸۷، ۳۹۳) (جلد ۱۳، صفحہ ۹۱۱-۱۲۲)۔

آل بیت رسول ﷺ کے بارے میں اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ایک نظر میں!

شیعوں کا اثنا عشریہ نامی فرقہ اہل سنت والجماعت پر تہمت بازی کرتے ہوئے کہتا ہے کہ اہل سنت والجماعت سے منسلک حضرات رسول اللہ ﷺ کے اہل بیت رضی اللہ عنہم سے بغض و عداوت رکھتے ہیں، اس لیے اثنا عشریہ ان کو نواصب اور خوارج کے القاب سے یاد کرتے ہیں۔ لیکن حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔ کیونکہ اہل سنت والجماعت ایک مستقل مذہب ہے۔ جب کہ نواصب اور خوارج کی اپنی الگ سے ایک مستقل پہچان ہے۔ ان کے اپنے اصول و مبادی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کو ایک دوسرا مذہب گردانا جاتا ہے۔

تمام مذاہب و ادیان میں سے اہل سنت والجماعت ہی واحد جماعت ہے جو رسول اللہ ﷺ کے آل بیت سے محبت و چاہت کے معاملہ میں میانہ روی اور اعتدال پسندی کا موقف اپنانے میں اپنی مثال آپ ہے۔ جب کہ اس کے برعکس فرقہ اثنا عشریہ رسول اللہ ﷺ کے آل بیت سے محبت کے بارے میں افراط و تفریط کا شکار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان میں سے بعض تو قبروں اور مزاروں کا طواف کرتے ہوئے نظر آتے ہیں، بعض دوسرے غیر اللہ سے نقصان سے چھٹکارا اور نفع اندوزی کی دعائیں کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ اور بعض لوگ وہ ہیں جن کا عقیدہ یہ ہے کہ آل بیت رسول ﷺ غیب کی خبروں کا علم رکھتے تھے۔ (علاوہ ازیں اور ان کے بہت سارے عقائد قرآن و سنت کے بالصرحت خلاف ہیں۔)

دوسری طرف فرقہ نواصب آل بیت رسول ﷺ سے بغض و عداوت رکھنا اپنا شیوہ

سمجھتا ہے۔ ان کی شان میں بہتان طرازی اس فرقہ کا طرہ امتیاز ہے۔ اسی طرح فرقہ خوارج نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو قتل کر کے اپنی خارجیت کا ثبوت پیش کرنے میں کوئی کسر باقی نہیں رکھی تھی۔ آپ رضی اللہ عنہ پر بہتان طرازی اور طعنہ زنی کر کے اپنی دلی بھڑاس نکالنے میں ذرہ برابر کوتاہی نہ ہونے دی اور امیر المؤمنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شخصیت کو اپنی طعن و تشنیع کا نشانہ بنانے میں زمین و آسمان کے قلابے ملا دیئے۔

مگر اہل سنت والجماعت ہی وہ فرقہ ناجیہ ہے جو رسول اللہ ﷺ کے اہل بیت کی محبت کا متفقہ طور پر قائل و معترف ہے اور ان کے شرعی حقوق، باہمی ہمدردی اور تعلق خاطر کی رعایت کرنے کا حکم دیتا ہے۔ ان کو ایذا رسانی یا ان کی شان میں قولی و فعلی گستاخی کی حرمت کا قائل ہے۔ اسی کے ساتھ ساتھ اہل سنت والجماعت ان کی شان میں غلو بازی سے بھی بھرپور پرہیز کرتے ہیں۔ ان کی قبروں کا طواف نہیں کرتے۔ کیونکہ اللہ عزوجل نے بیت اللہ کے علاوہ کسی اور چیز کے طواف کو ممنوع قرار دیا ہے۔ اس لیے کہ طواف عبادت ہے اور عبادت صرف اور صرف ایک اللہ ہی کی ہونی چاہئے۔ چنانچہ وہ اللہ کے علاوہ کسی غیر کی عبادت نہیں کرتے۔ اسی طرح اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ اہل بیت رسول ﷺ علم غیب کے دعوے دار نہیں تھے۔ بلکہ وہ اہل بیت کے بارے میں علم غیب کے دعوے کو باطل قرار دیتے ہیں کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ ﴾ (النمل: ۶۵)

”کہہ دے اللہ کے سوا آسمانوں اور زمین میں جو کبھی ہے غیب نہیں جانتا۔“

علماء تو کیا، عام مسلمانوں کو بھی بدیہی طور پر اس حقیقت کا علم ہے کہ انسان کے لئے کسی صورت میں اس بات کا جواز نہیں کہ وہ اپنے آپ کو ہلاکت کے کنویں میں جھونک دے یا بلاوجہ اپنی جان گنوا بیٹھے۔ اگر ان کے امام کو علم غیب پر دسترس حاصل تھی تو ان کے امام نے جان بوجھ کر زہر کیسے کھا لیا؟ جس کی اثر انگیزی سے ان کی موت واقع ہوگئی۔ حالانکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿ وَلَا تَقْتُلُوْا اَنْفُسَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ﴾ (النساء: ۲۹)

ترجمہ: ”اور اپنے آپ کو قتل مت کرو بلاشبہ اللہ تعالیٰ تم پر نہایت مہربان ہے۔“ اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ ”جس نے زہر پی کر خودکشی کی تو وہ (قیامت والے دن) اپنے ہاتھ میں زہر کا پیالہ لئے ہوگا اور جہنم کی آگ میں اس کو کھڑے ہو کر پئے گا۔ اس کے اندر ہمیشہ کھڑا رہتا نظر آئے گا۔“ ❶ اگر امام کو علم غیب ہوتا تو کیا ان کو یہ بات زیب دیتی تھی کہ وہ جان بوجھ کر اپنے چھوٹے چھوٹے بچوں کو لے کر میدان کارزار میں کود پڑیں اور انہیں بلاوجہ موت کے منہ میں دھکیل دیں؟ جبکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ﴾ (الاسراء: ۳۱) اگر امام حسین رضی اللہ عنہ کو علم غیب تھا تو آپ رضی اللہ عنہ اپنے شیرخوار بچوں کے ساتھ میدان کارزار میں کیوں پہنچتے؟ اور بلاوجہ اپنے شیرخوار بچوں کی جانیں کیوں گنواتے؟ حادثہ کربلا کے المناک واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ امام حسین رضی اللہ عنہ کو بھی علم غیب حاصل نہ تھا بلکہ وہ بھی اللہ کے بندوں میں سے ایک بندے اور بشر تھے۔ یہی نہیں بلکہ ہمارے نبی محترم ﷺ جو کہ مخلوق میں سب سے معزز و مکرم اور افضل و اشرف ہیں ان کو بھی علم غیب نہیں تھا۔ اسی لئے آپ ﷺ نے رب کریم کے حکم کے بموجب ارشاد فرمایا:

﴿وَلَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ لَأَسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْغَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ

السُّوءُ﴾ (الاعراف: ۱۸۸)

”آپ فرما دیجئے کہ اگر میں علم غیب جانتا ہوتا تو خیر ہی خیر اکٹھی کرتا اور کسی قسم

کے نقصان سے مجھ کو سابقہ نہ پڑتا۔“

اس مختصر سی بحث سے بخوبی پتہ چل گیا کہ اثناعشریہ فرقہ کا یہ دعویٰ باطل ہے کہ ائمہ کرام علم غیب جانتے تھے، کیونکہ اس قسم کے عقیدہ کی وجہ سے بہت سے اشکالات رونما ہوتے ہیں۔ بلکہ اس طرح کا عقیدہ بذات خود ائمہ کرام رضی اللہ عنہم کی ذوات پر انگلی اٹھانے کے مترادف ہے جب کہ ائمہ رضی اللہ عنہم اس قسم کے بہتان سے بری ہیں۔

❶ صحیح بخاری - کتاب الطب حدیث: ۵۷۷۸، وصحیح مسلم - کتاب الایمان: حدیث نمبر: ۱۰۹.

رسول اللہ ﷺ کے آل بیت کے بارے میں اہل سنت والجماعت کا عقیدہ واضح اور دو ٹوک ہے جس کی وضاحت کتب حدیث، کتب عقائد اور فقہ کی کتابوں میں موجود ہے۔ اس کو مختلف مصنفین اور مؤلفین نے اپنی اپنی کتابوں میں شایان شان مقام پر ذکر کیا ہے۔ چنانچہ احادیث شریفہ کی بیشتر کتابوں میں رسول اللہ ﷺ کے اہل بیت کے مناقب و فضائل میں مستقل ابواب کا ذکر ملتا ہے۔ کتب عقائد میں اکثر و بیشتر رسول اللہ ﷺ کے آل بیت کے بارے میں صحیح اعتقاد رکھنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ ان کے بارے میں غلط عقائد کی بیخ کنی کی گئی ہے اور کتب فقہ میں رسول اللہ ﷺ کے اہل بیت سے متعلق احکامات کی وضاحت کی غرض سے خاص ابواب کا انعقاد کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر رسول اللہ ﷺ کے آل بیت کے بارے میں صدقہ و خیرات کا حکم اور جو شخص ان کو برا بھلا کہے۔ ان پر لعن طعن کرے یا ان پر کچھڑا اچھالے اور ان کو ایذا رسانی کے درپے ہو وغیرہ اس کے بارے میں تفصیلی بیان موجود ہے۔

اہل سنت والجماعت کا آل بیت رسول اللہ ﷺ کے بارے میں مختصر اور ہی عقیدہ ہے جس پر شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ”عقیدۃ الواسطیہ“^① میں یہ بیان جاری فرما کر مہر تصدیق ثبت فرمادی ہے۔ بلاشبہ آپ رحمہ اللہ کی عقیدۃ واسطیہ نامی کتاب بڑی مختصر اور جامع کتاب ہے۔ اس میں شیخ الاسلام رحمہ اللہ اس مسئلہ کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں کہ ”اہل سنت والجماعت رسول اللہ ﷺ کے اہل بیت سے محبت کرتے ہیں اور ان کے ساتھ ہمدردی و تعلق بحال رکھنے کے قائل ہیں اور ان کے بارے میں نبی کریم ﷺ کی وصیت کا پاس و لحاظ رکھتے ہیں۔ یہی وہ وصیت ہے جو آپ ﷺ نے خم زامی چشمہ پر کھڑے ہو کر فرمائی تھی کہ میں تم کو اپنے اہل بیت کے بارے میں اللہ کا واسطہ دیتا ہوں اور تاکید اس جملہ کو دو مرتبہ دہرایا تھا۔“^②

- ① یہی وہ عقیدہ جسے اہل سنت والجماعت نے اپنی کتابوں میں اختیار کیا ہے۔ اس سلسلہ میں امام باقلانی کی کتاب الانصاف: ص ۱۱۲۔ الفرق بین الفرق: ص ۳۶۰ اور التبصیر فی الدین (ص: ۱۹۶) شرح العقیدۃ الطحاویہ (ص: ۷۳۷) منهاج السنۃ (۷۱/۲) جواب اہل السنۃ النبویہ (ص: ۱۵۱)۔
- ② صحیح مسلم: کتاب فضائل الصحابة: (۹۱۸/۲) باب فضائل علی (ح: ۲۴۰۸)

جس وقت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے آپ ﷺ سے قریش کے بعض افراد کی قبیلہ بنو ہاشم کے ساتھ بدسلوکی و ترش روئی روار کھنے کی شکایت کی تھی تو آپ ﷺ نے اس موقع پر تاریخی کلمات ارشاد فرما کر بنو ہاشم کی اہمیت اور شان کو رہتی دنیا تک زندہ جاوید بنا دیا تھا۔ فرمایا ”قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! قریش کا ایمان اس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتا جب تک کہ اللہ کی خاطر وہ تم سے اور میرے رشتہ داروں سے محبت نہ کرنے لگیں۔“^①

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: ”اللہ تعالیٰ نے اولاد اسماعیل علیہ السلام سے بنو کنانہ کو منتخب فرمایا، بنو کنانہ سے قبیلہ قریش کو منتخب فرمایا، قبیلہ قریش سے بنو ہاشم کو منتخب فرمایا اور بنو ہاشم سے مجھے منتخب فرمایا ہے۔“^②

اہل سنت والجماعت کے عقائد کی خشت اول رسول اللہ ﷺ کے اہل بیت سے محبت اور تعلق ہے۔ ان کے اس تعلق اور لگاؤ کی بنیاد دو چیزیں ہیں ”ایک ان کا ایمان ہے اور دوسری چیز قربت رسول ﷺ ہے۔“ اگر آل بیت میں یہ دونوں چیزیں پائی گئیں تو پھر ان سے بغض کرنا یا ان پر طعن کرنا حرام اور ایمان کے منافی عمل ہے اور اگر وہ دولت ایمان سے عاری ہیں اور اسلام کی سعادت سے محروم ہیں تو ہم ان سے محبت کرنے کے ہرگز مجاز نہیں۔ چاہے وہ رسول اللہ ﷺ کے سب سے قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں۔ چنانچہ ابولہب اگرچہ نبی کریم ﷺ کا چچا ہے، اس کے باوجود ہمارے لئے کسی صورت میں جائز نہیں کہ ہم اس سے محبت کریں اور اس کے لئے اپنے دل میں نرم گوشہ رکھیں۔ بلکہ ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم اس کے کفر اور نبی کریم کے ساتھ اس کی بدتمیزی اور بدسلوکی کی وجہ سے اس کی ذات سے ناپسندیدگی کا اظہار کریں۔^③

① رواہ احمد بنی فضائل الصحابہ۔ اس کتاب کے محقق نے اس موضوع پر اس کتاب میں بڑی تفصیلی بحث کی ہے اور بڑی پرمغز اور موقع محل کے اعتبار سے برمل بحث کی ہے۔ وہاں اس پر بڑے اموزوں اور طویل و عریض حاشیہ ہے۔

② رواہ مسلم، کتاب الفضائل، فضل نسب النبی ﷺ: (ح: ۲۲۷۶)۔

③ مجموع الفتاویٰ: ۱۰۴/۳۔ ملاحظہ ہو: شرح العقیدۃ الواسطیۃ لابن عثیمین ۲/۲۷۴۔ ۲۷۵۔

امام طحاوی رحمہ اللہ اپنی معرکہ الآراء کتاب ”عقیدہ طحاویہ“ میں تحریر فرماتے ہیں:

”ہم بحیثیت اہل سنت والجماعت رسول اللہ ﷺ کے بعد حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو پہلا خلیفہ تسلیم کرتے ہیں۔ اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ پھر یکے بعد دیگرے جناب عثمان رضی اللہ عنہ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کو بسر و چشم تسلیم کرتے ہیں۔“^①

امام ابو العزحنی رحمہ اللہ امام طحاوی رحمہ اللہ کی مذکورہ عبارت کی تشریح کرتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ ”حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ہم جناب علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ثبوت کا اعتراف کرتے ہیں اور اس کو برحق قرار دیتے ہیں۔“ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کا جانکاہ واقعہ پیش آیا اور آپ رضی اللہ عنہ کو ناحق قتل کر دیا گیا تو لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں میں ہاتھ دے کر متفقہ طور پر ان سے بیعت کی، جس کی وجہ سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ باجماع امت خلیفہ قرار دیئے گئے اور امیر المؤمنین کی مسند پر جلوہ افروز ہو کر امام حق کہلانے کے مستحق قرار پائے۔ اس لئے آپ رضی اللہ عنہ امام حق ہیں، آپ کی اطاعت واجب ہے اور آپ اپنے زمانے میں خلافت نبویہ کے پاسبان اور امین تھے۔ حدیث سفینہ رضی اللہ عنہ میں اس موضوع پر نبی کریم ﷺ کا فرمان دلالت کرتا ہے۔ جناب سفینہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی مکرم ﷺ نے فرمایا:

”آپ ﷺ کے بعد ۳۰ سال تک خلافت نبویہ قائم و دائم رہے گی۔ اس کے

بعد اللہ تعالیٰ جس کو مناسب سمجھے گا بصورت ملوکیت زمام حکومت سونپ دے گا۔“^②

اگر تاریخ اسلامی پر طائرانہ نگاہ ڈالی جائے تو بخوبی معلوم ہو جائے گا کہ حقیقت میں خلافت نبویہ کا تابناک دور ۳۰ سالوں پر ہی محیط ہے۔ چنانچہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے دو

① امام طحاوی رحمہ اللہ کا اکابرین علماء احناف میں شمار ہوتا ہے اور عقیدہ طحاویہ نامی کتاب اہل سنت والجماعت کے عقائد کے لئے مرجع کی حیثیت رکھتی ہے۔ ان کی یونیورسٹیوں اور اسلامی قانون کے کالجوں میں بطور کورس شامل ہے۔ سعودی عرب کی مشہور یونیورسٹی امام محمد بن سعود اسلامک یونیورسٹی اور جامعہ ام القرئی مکہ مکرمہ میں درسا دیا پڑھائی جاتی ہے۔

② ملاحظہ ہو: سنن ابو داؤد: ح: ۴۶۶۶ مسند احمد (۵/۲۲۰-۲۲۱)۔ ابن حبان (ح: ۶۶۵۷)

سال اور تین ماہ خلافت کے فرائض انجام دیئے۔ پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ساڑھے دس سال بڑی شان کے ساتھ خلافت کے فرائض انجام دیئے، ان کے بعد جناب عثمان رضی اللہ عنہ نے خلافت کے فرائض بحسن و خوبی انجام دیئے۔ پھر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں زمام خلافت آئی اور انہوں نے بھی چار سال ۹ ماہ اس امانت کو احسن انداز سے انجام دیا۔ اخیر میں ان کے بیٹے حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے بھی چھ ماہ تک اس فریضہ کو نبھایا۔ مذکورہ تجزیہ سے پتہ چلتا ہے کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ پانچویں خلیفہ راشد ہیں اگرچہ ان کی خلافت کی مدت بہت ہی کم ہے، مگر پھر بھی انہوں نے اس بھاری بھر کم بوجھ کو اپنے ناتواں کاندھوں پر اٹھائے اس فریضہ کو چھ ماہ تک بحسن و خوبی انجام دیا۔^① اس کے بعد ملوکیت کا دور شروع ہو گیا اور اس دور ملوکیت کا آغاز حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور سے ہوا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ مسلم بادشاہوں میں معزز و مکرم بادشاہ کہلانے کے مستحق ہیں۔ بلاشبہ آپ کا مرتبہ تمام بادشاہوں میں سے بہتر ہے۔ چنانچہ جب سیدنا حسن رضی اللہ عنہ آپ کے حق میں خلافت سے دست بردار ہو گئے اور خلعت خلافت آپ کو عطا فرمادی تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حقیقت میں امیر المؤمنین بن گئے اور آپ کو منند خلافت پر بیٹھنے کی وجہ سے ائمہ مسلمین کی صف میں شامل سمجھا جانے لگا۔ چنانچہ جب آپ رضی اللہ عنہ نے اسلامی حکومت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں تھام لی تو اس کو بحسن و خوبی انجام دینا اپنا فریضہ سمجھا۔^② یہاں یہ بات واضح ہو گئی کہ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ خلافت و ملوکیت کے بارے میں صاف اور دو ٹوک ہے۔ لہذا وہ خلیفۃ رسول اللہ ﷺ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے لے کر سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں خلافت سے دست برداری اور ان کی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کے وقت تک کے وقفہ کو خلافت کا وقفہ تسلیم کرتے ہیں۔ وہ اس خلافت

① امام حسن رضی اللہ عنہ کی سیرت کے بارے میں دا علی الصلابی نے اپنی کتاب "خامس الخلفاء الراشدين امیر المؤمنین الحسن بن علی بن ابی طالب، شخصیتہ و عصرہ" میں بڑا ہی انوکھا اور منفرد انداز اختیار کیا ہے۔

② اس ترجمہ شدہ اصل عبارت اور اس کے سیاق و سباق پر غور و فکر کے لیے دیکھئے: شرح العقیدۃ الضحاویۃ ص: ۷۲۲۔

کے خلافتِ رسول اللہ ﷺ ہونے کے قائل ہیں۔ اس کے بعد ۴۰ ہجری میں جناب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں زمام حکومت آتے ہی ملوکیت کا دور شروع ہو گیا۔ (اس اوّل دور ملوکیت کو صحیح احادیث کی روشنی میں عدل و انصاف اور اشاعتِ اسلام والا زمانہ کہنا چاہیے۔)

اس کے بعد ابن ابی العزیز رضی اللہ عنہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مابین اختلاف کے سیاق میں فرماتے ہیں: ”در اصل امیر المؤمنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ ہی حق پر تھے اور آپ رضی اللہ عنہ ہی اس معاملہ میں حق بجانب تھے۔ کیونکہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ پیش آیا تو اس موقع پر جناب عثمان رضی اللہ عنہ کے دشمنوں نے دروغ گوئی اور کذب بیانی کو ہوا دے کر فساد برپا کر دیا تھا۔ اہل مدینہ میں موجود صحابہ پر تہمت درازی اور بہتان بازی کا بازار گرم کر کے تمام اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شخصیات کو بدنام کرنے کی کوشش کی، جس کی وجہ سے عوام شک و شبہ اور تذبذب کا شکار ہو کر رہ گئی۔ وہ لوگ جو حقیقت حال سے ناواقف تھے شکوک و شبہات کے جال میں جا پھنسے، اہل شام اور ایران جیسے دور دراز علاقوں کے ہوس پرستوں کے دلوں پر شکوک و شبہات نے جلتی پر تیل کا کام کیا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے چاہنے والوں کے دلوں میں اکابر صحابہ کرام کی طرف سے بدظنی نے کروٹیں لینا شروع کر دیں۔ نیز امیر المؤمنین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے وابستگان کو ایسی خبریں پہنچائی گئیں جن میں سے بعض کا نہ تو سر تھا اور نہ ہی پیر۔ اس پر مستزاد یہ کہ ان میں سے بعض باتوں کو لگا بجا کر پیش کیا گیا۔ ان میں بعض باتیں وہ بھی تھیں جن کی سرے سے کوئی اصل ہی نہ تھی۔“ ❶

مذکورہ پیرا گراف پر غور و فکر سے ہمیں اس بات کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ اہل سنت والجماعت کا اس مسئلہ میں موقف یہ ہے کہ امیر المؤمنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ ہی حق پر تھے کیونکہ اہل سنت والجماعت سے منسلک لوگ ہمیشہ حق گوئی سے کام لیا کرتے ہیں، چا پلوسی اور چمچہ گیری ان کا شیوہ نہیں ہوتا۔

اور یہ بھی پتہ چلا کہ اہل سنت والجماعت تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس معاملہ میں

❶ مصدر سابق ملاحظہ ہو: (ص: ۷۲۳) وانظر: مجموع فتاویٰ (۳/۴۰۶)۔

معذور سمجھتے ہیں اور ان کے لئے عذر تلاش کر کے ان کو اس تہمت سے بری الذمہ قرار دیتے ہیں۔ اسی طرح وہ ساداتنا علی، امیر معاویہ اور ان دونوں کے علاوہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس بارے میں بے گناہ ثابت کرتے ہوئے اس تہمت سے پاک و صاف سمجھتے ہیں۔

اس کے بعد اہل سنت والجماعت کا اس سلسلہ میں یہ بھی کہنا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے علاوہ دیگر تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف جن باتوں کو منسوب کیا جاتا ہے ان کا درج ذیل چار نقاط میں سے کسی ایک سے تعلق ضرور ہے۔

۱..... وہ باتیں یا تو سراسر جھوٹ اور بہتان ہیں جن کو صحابہ کرام کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے۔
۲..... حقیقت کو مسخ کر کے بیان کیا گیا ہے یا حقیقت کو بیان ہی نہیں کیا گیا ہے بلکہ دروغ گوئی سے کام لیا گیا ہے اور بنیادی اصول و مبادی کو بدل دیا گیا ہے۔

۳..... جو بات ان کی طرف منسوب کی گئی ہے اس کا سبب غیر معروف ہے اور اس کی حقیقت کا اللہ ہی کو علم ہے۔

۴..... وہ لوگ اپنے اجتہاد کی بنیاد پر خدا نخواستہ اگر غلطی پر تھے تو ہم اس سلسلہ میں یہ جواب دیں گے کہ اللہ تعالیٰ ہی ان کا محاسبہ کرے گا، ہم ان اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا محاسبہ کرنے والے کون ہوتے ہیں؟ ہمیں اس سلسلہ میں اپنی زبانیں بند رکھنی چاہئیں۔

آخر میں علامہ ابن ابی العزیز رحمہ اللہ ان فتن کے بارے میں جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور میں رونما ہوئے، تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”جن فتنوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں سراٹھایا، جس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کی آلودگی سے ہمارے اعضاء و جوارح کو محفوظ و مامون رکھا ہے محض اپنے فضل و کرم اور عنایات و برکات کے طفیل ہماری زبانوں کو بھی اس کی آلودگی سے محفوظ و مامون رکھے۔“ ①



① ملاحظہ ہو: شرح عقیدہ طحاویہ (ص : ۷۲۴-۷۲۵)۔

ایک گمبیر لمحہ فکر یہ !!

یہاں ایک مغالطہ ہے جس کو بہت بڑے پروپیگنڈہ کے طور پر استعمال کیا جا رہا ہے۔ بلاشبہ اس کو اٹھارہویں فرقہ نے شد دے کر عام کرنے میں کلیدی کردار ادا کیا ہے۔ درحقیقت ان کے ذہنوں میں بغیر کسی دلیل کے یہ بات راسخ ہو چکی ہے کہ اہل سنت والجماعت فرقہ نواصب سے تعلق رکھتے ہیں۔ علاوہ بریں شیعوں نے اہل سنت والجماعت کو خوارج کے ساتھ ضم کر رکھا ہے۔ ان میں اور خوارج میں وجہ امتیاز کو ختم کر کے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اہل سنت والجماعت بھی خوارج کی قبیل سے ہیں۔ حالانکہ دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اس سلسلہ میں میری بعض تعلیم یافتہ شیعوں سے گفتگو بھی ہوئی ہے۔ بلکہ ان کے علمی مرکز ”حوزہ“ کے بعض مدرسین سے اس بارے میں میرا بحث و مباحثہ بھی ہوا ہے جس سے پتہ یہ چلا کہ انکو حقیقت کا علم نہیں ہے اور نہ ہی وہ اس بات کی معرفت رکھتے ہیں کہ دراصل اباضی کون لوگ ہیں؟ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اندھیرے میں تیر چلا کر اہل سنت والجماعت کو اس فرقہ سے جوڑ دیا ہے اور لاشعوری طور پر اپنی پرانی عادت کا اظہار کر بیٹھے ہے۔^①

جس شخص کو بھی اہل سنت والجماعت کی کتابوں اور ان کے اہم مراجع و مصادر سے ادنیٰ سی بھی واقفیت ہے اس کو پتہ ہوگا کہ ان میں کتنے صریح اور واضح انداز میں ناصبیوں پر نقد کیا گیا اور ان کی دروغ گوئی کا کھلم کھلا جواب دیا گیا ہے۔ بلکہ خوارج کو مبتدعین کی صف میں شمار

① فرقہ خوارج کی چار بڑی شاخوں میں سے ایک شاخ فرقہ اباضیہ کی بھی ہے جو اپنے عقیدہ کے اکثر اصول و مبادی میں خوارج سے مشابہت رکھتے ہیں اور ان کی اندھی تقلید کرتے ہیں۔ ان کا مذہب اس وقت سلطنت عمان کا سرکاری مذہب ہے۔ مزید تفصیلات کے لئے دیکھئے: دکتور غالب العواجی کی ”فرق معاصرہ“ (۱۰۶/۱-۱۶۰) اور الموسوعہ المیسرہ (۱/۶۲-۶۸) اور: الخوارج اول الفرق فی الاسلام: د. ناصر العقل (ص: ۶۱-۱۰۹)۔

کر کے گمراہوں کا شرچشمہ قرار دیا گیا ہے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے مجموع فتاویٰ کا وہ اقتباس نقل کیا جائے جس میں انہوں نے اس فرقہ کے بارے میں صراحت سے بیان فرمایا ہے:

”جس نے بھی سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو قتل کیا یا ان کے قتل کے سلسلہ میں مدد کی یا اس گھناؤنے کام کی تائید کرتے ہوئے اپنی رضامندی کا اظہار کیا تو اس پر اللہ تعالیٰ، ملائکہ اور دنیا کے تمام لوگوں کی لعنت ہو۔“^①

افسوس صد افسوس یہ لوگ انہی پر ناصبی ہونے کی تہمت لگاتے ہیں جنہوں نے آل بیت کی دفاع میں تن من دھن کی بازی لگادی اور اپنی تمام تر صلاحیتیں ان کی خدمت کے لئے صرف کر دیں۔ مذکورہ عبارت کو بار بار پڑھیے، شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں اپنا عقیدہ درست کیجئے، اللہ تعالیٰ سے ڈر کر سچی توبہ کیجئے اور دائرۃ اسلام میں پورے طور پر داخل ہو جائیے، اسی میں دین و دنیا کی فلاح کا راز مضمحل ہے۔

امام آلوسی رحمۃ اللہ علیہ ان ناصبیوں کے بارے میں جو امیر المؤمنین سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی خلافت کا انکار کرتے ہیں، اظہار خیال کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

”فریقین^② میں سے ہر ایک کی طرف سے ان ناصبیوں کے عقائد کے بطلان میں جو کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کا انکار کرتے ہیں دلائل وارد ہوئے ہیں۔ اللہ ان کو ان کے مکرو فریب کا اتنا بدلہ دے جتنے کے وہ مستحق ہیں۔“^③

نواب محمد صدیق حسن خاں قنوجی رحمۃ اللہ علیہ صحابہ کرام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آل بیت کے بارے میں اہل سنت والجماعت کے عقیدے کی وضاحت کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

① دیکھیے: مجموع الفتاویٰ (۴/۴۸۷)

② فریقین سے مراد اہل سنت والجماعت اور شیعہ ہیں۔

③ روح المعانی (۲۰۵/۱۸)

”اہل سنت والجماعت رافضیوں اور شیعہوں سے براءت کا اظہار کرتے ہیں جن کا عقیدہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بغض و عدوات رکھنا اور ان کو گالیاں دینا ہے۔ اسی طرح اہل سنت والجماعت نواصب اور خوارج سے براءت کا اظہار کرتے ہیں جو اہل بیت کو تولی و فعلی دونوں طریقوں سے تکلیف پہنچاتے ہیں۔“^①



① ملاحظہ ہو: قطف النمر فی بیان عقیدة اهل الاثر (۱/۹۷)۔

امت مسلمہ پر

رسول اللہ ﷺ کے آل بیت رضی اللہ عنہم جمعین کے شرعی حقوق

بلاشبہ اہل سنت والجماعت کے عقیدہ کی رو سے امت مسلمہ پر رسول اللہ ﷺ کے اہل بیت کے بہت سے شرعی حقوق عائد ہوتے ہیں۔ قارئین کرام کے استفادہ کی غرض سے ہم یہاں ان میں سے چند حقوق کو ذکر کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں:

..... امت مسلمہ پر رسول اللہ ﷺ کے آل بیت رضی اللہ عنہم جمعین کے حقوق میں سے ایک حق یہ بھی ہے کہ ان سے ان کے ایمان، رسول اللہ ﷺ سے قرابت اور رشتہ داری کی وجہ سے دوستی اور محبت کی جائے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے امت مسلمہ کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے: میں تم کو اپنے اہل کا پاس و لحاظ رکھنے کے سلسلہ میں اللہ کا واسطہ دیتا ہوں۔^① اور فرمایا ہے کہ تم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اس وقت تک وہ لوگ کامل مؤمن نہیں ہو سکتے جب تک کہ وہ تم سے میری قرابت اور رشتہ داری کا پاس و لحاظ رکھتے ہوئے محض اللہ کے واسطے محبت نہ کریں۔^② اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ﴾ (الشوریٰ: ۲۳)

”اے نبی ﷺ آپ فرمادیجئے کہ میں تم سے کوئی بدلہ نہیں چاہتا مگر محبت اور رشتہ داری کا لحاظ رکھو۔“

آیت مذکورہ کا ایک تو ظاہری مطلب ہے جیسا کہ ذکر کیا جا چکا۔ اور دوسرا مطلب یہ ہے

① اس حدیث کی تخریج پیچھے ہو چکی ہے۔

② اس حدیث کی بھی تخریج پیچھے ہو چکی ہے۔

کہ میں وعظ و نصیحت اور تبلیغ و دعوت کی تم سے کوئی اجرت طلب نہیں کرتا، البتہ ایک چیز کا سوال ضرور ہے کہ میرے اور تمہارے درمیان جو رشتہ اور تعلق ہے اس کا پاس و لحاظ ضرور رکھو۔ تم میری دعوت کو نہیں مانتے تو نہ مانو تمہاری مرضی لیکن مجھے نقصان پہنچانے سے تو باز رہو۔ تم میرے دست و بازو نہیں بن سکتے تو رشتہ داری و قرابت کے ناطے مجھے ایذا تو نہ پہنچاؤ اور میرے راستے کی رکاوٹ تو نہ بنو کہ میں بحسن و خوبی فریضہ رسالت ادا کر سکوں۔ گویا یہاں مخاطب بنو ہاشم اور بنو قریش ہیں۔

۲..... امت مسلمہ پر رسول اللہ ﷺ کے آل بیت کے حقوق میں سے ایک حق یہ بھی ہے کہ وہ ان کی عزت و آبرو کا دفاع کرے۔ اگر کوئی ان کی ہزرہ سرانی کرنے کے درپے ہو تو اس کو اس عمل سے روکا جائے اور اگر کوئی آل بیت رسول ﷺ کے راستے میں روڑا بن کر آتا ہے تو امت مسلمہ پر حق بنتا ہے کہ اس کو ان کے راستے سے طاقت کے ذریعہ دور کرے۔

الغرض جیسا کہ پیچھے اہل السنہ والجماعہ کے عقیدہ کے ضمن میں بیان ہو چکا ہے؛ اگر کوئی شخص رسول اللہ ﷺ کے اہل بیت کو ایذا رسانی کے درپے ہو تو آل رسول ﷺ کا دفاع کیا جائے اور ان کی عزت و آبرو کو پامالی سے بچایا جائے۔ اہل سنت والجماعت کے معتقدات میں سے یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے آل بیت کے افراد میں سے کسی فرد کو ایذا اور تکلیف دینا حرام ہے۔ بلکہ اپنے قول اور فعل کے ذریعہ ان کی شان میں گستاخی کرنے کی بھی ممانعت آئی ہے۔ چنانچہ امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ انہوں نے فرمایا: ”قسم ہے اس ذات باری تعالیٰ کی جو دانے کو پھاڑنے والا ہے یعنی جس نے زمین میں دبے ہوئے دانے کو پھاڑ کر اس سے انواع و اقسام کے درخت پیدا فرمائے ہیں اور جس نے ہر جاندار کے جسم میں روح پھونک کر اس کو وجود بخشا ہے؛ نبی امی جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے وصیت کرتے ہوئے مجھ سے ارشاد فرمایا: ”اگر مجھ (علی بن ابوطالب) سے کسی کو محبت ہو سکتی ہے تو وہ مؤمن کے علاوہ

اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ اور اگر مجھ سے کسی کو بغض اور دشمنی ہو سکتی ہے تو وہ منافق کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔“ ① مراد یہ ہے کہ سیدنا علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ سے محبت ایمان کی علامت ہے اور آپ رضی اللہ عنہ سے دشمنی نفاق کی نشانی ہے۔

سیدنا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر شکایت کی کہ قریش کے بعض افراد بنو ہاشم کے ساتھ زیادتی اور ناانصافی کا معاملہ روارکھتے ہیں تو اللہ کے رسول ﷺ نے جواباً ان سے یوں ارشاد فرمایا:

”ان لوگوں کا اس وقت تک ایمان کامل نہیں ہو سکتا جب تک اللہ کے واسطے اور میری قربت و رشتہ داری کا پاس و لحاظ رکھتے ہوئے وہ تم لوگوں سے محبت نہ کرنے لگیں۔“ ②

۳..... امت مسلمہ پر رسول اللہ ﷺ کے آل بیت کے حقوق میں سے ایک حق یہ بھی ہے کہ ان کی طرف منسوب جھوٹے الزامات، دروغ گوئی کے ذریعہ ان پر تھوپنی گئی تہمتوں اور ان کی عزت و آبرو کو داغ دار کرنے کے لئے ان پر الزام تراشیوں کا ازالہ کیا جائے اور ان کی ذات کو مزکی و مصفیٰ بنا کر لوگوں کے سامنے حقیقت کے آئینہ میں پیش کیا جائے۔ یہی عزیمت کا بلند ترین مقام ہے۔ اس طرح کے کاموں میں دلچسپی لینا خصوصاً اس دور قحط الرجال میں ہم لوگوں کی ذمہ داری ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے آل بیت کی طرف سے دفاع کا مطلب صرف یہ نہیں ہے کہ جو ان کو گالی دے، ان کی شان میں گستاخی کرے، ان کی جناب میں ہرزہ سرائی کرے یا ان کی عزت و آبرو کو داغ دار کرنے کی کوشش کرے، اس کو سزا دی جائے اور سرزنش کی جائے، بلکہ ہم پر یہ بھی حق بنتا ہے کہ جو ان کی شان میں غلو بازی کرے، ان کے بارے میں افراط و تفریط کا شکار ہو تو اس کا دندان شکن جواب دیا جائے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے آل بیت کے

① صحیح مسلم، کتاب الإیمان، باب الدلیل علی أن حب الانصار وعلی رضی اللہ عنہم من الإیمان وعلاماتہ و بغضہم من علامات النفاق / ح: ۱۳۱/۲۴۰۔

② اس حدیث کی تخریج پیچھے ہو چکی ہے۔

کسی فرد کو اس کے مقام و مرتبہ سے بڑھا چڑھا کر پیش کرنا آل بیت رسول ﷺ کے لئے باعث ایذاء اور ان کی روح کو تکلیف پہنچانے کے مترادف ہے۔ لہذا رسول اللہ ﷺ کے آل بیت سے متعلق ان کے بارے میں ان کے مقام و مرتبہ کا لحاظ کرتے ہوئے حق گوئی سے کام لینا چاہیے۔

جن شیعہ نے رسول اللہ ﷺ کے آل بیت کے بارے میں انتہا پسندی کی وجہ سے افراط و تفریط سے کام لیا ہے، شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے ”منہاج السنّة النبویة“ کے نام سے ایک جامع کتاب تصنیف فرمائی ہے جو روافض کے خلاف بہت بڑی دلیل ہے۔ اس سلسلہ میں مزید تفصیل کے لئے اس کتاب کا مطالعہ کیا جائے تو بہتر ہوگا۔

شیعوں کے ایک بہت بڑے عالم ابو عمرو ”محمد بن عمر الکشی“ نے اپنی اہم ترین کتاب ”رجال الکشی“^① میں امام ”زین العابدین علی بن الحسین رضی اللہ عنہما“ کا بیان نقل کیا ہے کہ: جناب زین العابدین سیدنا علی بن حسین بن علی رضی اللہ عنہم نے فرمایا:

”یہود نے حضرت عزیر علیہ السلام سے محبت کا دعویٰ کیا اور ان کے بارے میں ان کو جو کچھ کہنا تھا انہوں نے کہا۔ (یعنی یہود نے جناب عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا بنا ڈالا) تو نہ عزیر علیہ السلام ان سے ہیں اور نہ ہی ان لوگوں کا حضرت عزیر علیہ السلام سے کوئی تعلق ہے۔ یعنی حضرت عزیر علیہ السلام ان کی غلو بازی سے بری الذمہ ہیں۔ اور نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے محبت کا دعویٰ کیا حتیٰ کہ انہوں نے ان کے بارے میں غلو بازی سے کام لیا اور ان کے بارے میں جو کہنا تھا وہ کہا۔ تو نہ ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ان سے کوئی رشتہ ہے اور نہ ہی ان لوگوں کا ان سے کوئی تعلق ہے اور ہم لوگ بھی ان کے نقش قدم پر قائم ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے پیروکار اور ماننے والے بھی ہم سے محبت کا دعویٰ کریں گے۔ اس کے بعد وہ غلو بازی کا شکار ہو جائیں گے

① شیعوں کے نزدیک یہ اہم اور قدیم ترین کتاب ہے جس کو ابو عمر کشی نے چوتھی صدی ہجری میں اپنے شیوخ سے نقل کر کے لکھا تھا۔ شیخ زمانہ ابو جعفر الطوسی نے اس کی تہذیب اور تنقیح کر کے اس کو ”اختیار معرفة الرجال“ کے نام سے موسوم کیا ہے۔ یہ کتاب اس وقت متداول اور رائج ہے۔

اور ہمارے بارے میں وہی کہیں گے جو یہودیوں نے حضرت عزیر کے بارے میں کہا تھا اور نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ اور ابن مریم علیہ السلام کے بارے میں بطور غلو کہا تھا۔ اس لیے ہم اعلان کر کے صاف طور پر کہہ رہے ہیں کہ ہمیں ان سے کوئی سروکار نہیں کیونکہ نہ تو وہ ہم سے ہیں اور نہ ہم ان سے ہیں۔“ ❶، ❷

علماء شیعہ کی ایک بہت بڑی تعداد نے شیعوں میں سے غلو باز شیعوں کا بائیکاٹ بھی کیا ہے اور ان کی غلو بازی کا پردہ فاش کر۔ تھے ہوئے ان کے بیان کردہ بہت سے عقائد کو منظر عام پر لا کر اس کی تردید بھی کی ہے، لیکن مروایا م کے ساتھ ساتھ رسول اللہ ﷺ کے آل بیت کے بارے میں غلو بازی مذہب اثنا عشریہ کے عقائد کا جزء لاینفک بن کر ان کی ضرورت ناگزیر بن گئی۔ چنانچہ شیعوں کے کبار علماء میں سے اباب عالم ”عبداللہ محمد الما مقانی“ ہیں، جن کو موجودہ زمانہ میں شیعہ علماء کے درمیان علم رجال کے سلسلہ میں مرجع گردانا جاتا ہے۔ وہ اپنے قلم سے تحریر کرتے ہیں:

”زمانہ قدیم کے شیعہ لوگ ان باتوں کو، جن کو ہم اس زمانہ میں ضروریات دین شیعہ سمجھ بیٹھے ہیں غلو بازی اور افراط تقریط کی قبیل میں شمار کرتے تھے۔ اس کی وجہ سے ثقہ اور عادل لوگوں کی ثقاہت اور ضبط میں جرح کرنے سے بھی وہ گریز نہیں کرتے تھے۔ اس علم سے واقف لوگوں کو ان کے اصطلاحی کلمات سے بخوبی اندازہ ہوگا کیونکہ جرح و تعدیل کے انداز بیان سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے۔“ ❸

۳..... رسول اللہ ﷺ کے آل بیت کا چوتھا حق یہ ہے کہ مختلف اوقات میں ان پر درود و سلام

❶ ملاحظہ فرمائیں: (رجال الکشی، ص: ۱۱۱)۔

❷ ہماری اسی کتاب میں ان روایات کا بھی مطالعہ فرمائیں جو آگے آرہی ہیں اور یہ روایات رسول اللہ ﷺ کے آل بیت کے لئے باعث اذیت ہیں۔ کیونکہ ان میں ان کے لئے غلو بازی سے کام لیا گیا ہے۔

❸ ملاحظہ فرمائیں: تنقیح المقال (۲۳/۳) جو فن علوم رجال میں ہے اور اس کے مصنف کی اس کے علاوہ اور کئی مؤلفات بھی ہیں ان کی ولادت: ۱۲۹۰ھ میں اور وفات ۱۳۵۱ھ میں ہوئی۔ ملاحظہ فرمائیں: الاعلام للزرکلی (۷۹/۴)۔

بھیجنا مشروع قرار دیا گیا ہے۔ اس بارے میں متعدد نصوص وارد ہوئی ہیں۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾ (الاحزاب: ۵۶)

”اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبی کریم ﷺ پر درود بھیجتے ہیں اے ایمان والو! تم بھی نبی کریم ﷺ پر درود بھیجا کرو اور ان پر خوب خوب سلام کا نذرانہ بھی پیش کیا کرو۔“

اسی طرح حدیث نبوی ﷺ میں اس موقع پر، جبکہ آپ سے نماز کی حالت میں آپ ﷺ پر درود بھیجنے کی کیفیت کے بارے میں پوچھا گیا تھا، تو آپ ﷺ نے اس سائل سے فرمایا کہ تم لوگ نماز کی حالت میں یہ کہا کرو:

((اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ - وَبَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ فِي الْعَالَمِينَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ))

”اے اللہ، محمد ﷺ اور ان کی آل پر رحمت کاملہ نازل فرما، جس طرح تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی آل پر نازل فرمائی تھی۔ محمد ﷺ اور ان کی آل پر اپنی خیر و برکت کی برکھا برسا دے، جس طرح تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر بالخصوص رحمت برسائی تھی۔ بلاشبہ تیری ذات حمد و ستائش کی مستحق ہے اور تو ہی بڑائی و بزرگی والا ہے۔“^①

اس سے پتہ یہ چلا کہ رسول اللہ ﷺ کے آل بیت پر درود بھیجنے بغیر نماز پوری نہیں ہوتی۔ گویا کہ رسول اللہ ﷺ کے آل بیت پر درود بھیجنا نماز کے لئے تتمہ اور اس کے لازمہ

① صحیح مسلم: کتاب الصلاة على النبي ﷺ بعد النشيد ۱/۳۰۵ رقم (۴۰۵) درود ابراہیمی کے ثبوت میں مختلف روایات وارد ہوئی ہیں اور تھوڑے بہت اختلاف کے ساتھ تمام کی تمام روایات کا محور ایک ہی ہے (اگلے مرجع کا مطالعہ فرمائیں)

کی حیثیت رکھتا ہے کہ آل محمد ﷺ کا درود میں ذکر کرنا درود کے بال و پر ہیں۔ چونکہ درود، دعاء ہے اور رسول اللہ ﷺ کے آل بیت کے لئے دعا کرنا آپ ﷺ کی روح کو تسکین کا سامان مہیا کر کے آپ ﷺ کے دل کو ٹھنڈک پہنچاتا ہے، جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو عزت و شرف، بزرگی و برتری سے مزید نوازا تا چلا جاتا ہے۔ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَعَلَى أَزْوَاجِهِ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيمًا كَثِيرًا۔

نبی کریم ﷺ پر درود و سلام بھیجنے کے فضائل میں امام ابن قیم رحمہ اللہ نے مستقل رسالہ تحریر فرمایا ہے۔ اس کا نام انہوں نے ”جلاء الافهام فى فضل الصلاة والسلام على محمد ﷺ خير الانام“ رکھا ہے۔ اس میں درود و سلام کے فضائل کے ضمن میں یہ بھی تحریر فرمادیا ہے کہ اہل السنۃ والجماعۃ کا متفقہ فیصلہ ہے: رسول اللہ ﷺ کے آل بیت پر درود و سلام ضرور بھیجا جائے۔^①

لیکن بعض علماء کرام یہاں دو مسائل بیان کرتے ہیں؛

(۱)..... اہل سنت والجماعت میں سے بہت سے لوگ آل رسول ﷺ کا ذکر کئے بغیر نبی کریم ﷺ پر درود و سلام بھیجتے ہیں۔ چنانچہ ان کے درود کے الفاظ یوں ہوتے ہیں: ”صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ“۔

(۲)..... اہل سنت والجماعت میں سے بہت سے لوگوں کی عادت ہے کہ جب درود و سلام پڑھتے ہیں تو آل رسول ﷺ کے ساتھ اصحاب رسول ﷺ کا بھی تذکرہ کرتے ہوئے یوں کہتے ہیں: صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَصَحْبِهِ وَسَلَّمَ۔

پہلے مسئلہ کا جواب دیتے ہوئے علماء کرام نے یہ صراحت فرمائی ہے کہ مذکورہ مسئلہ میں اس بات کی گنجائش ہے کہ صرف صلی اللہ علیہ وسلم پر اکتفا کیا جائے۔ کیونکہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ پر درود بھیجنے کا جہاں حکم دیا ہے وہاں ”آل“ کا ذکر نہیں فرمایا۔ جس

① دیکھئے: جلاء الافهام (۱/۲۲۴)۔

سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر آل کا ذکر کر دیا جائے تو بہتر اور اولیٰ ہے اور اگر آل کا ذکر نہیں کیا گیا تو اصولاً اس کی گنجائش ہے۔ کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾ (سورۃ الاحزاب) یہ آیت کریمہ اس معاملہ میں نہایت صریح اور واضح ہے جس کی وجہ سے اشکال کا خود بخود ازالہ ہو جاتا ہے۔

دوسرے مسئلہ کا جواب دیتے ہوئے علماء کرام فرماتے ہیں:

”اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو اپنے جانثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر درود و سلام بھیجنے کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿وَصَلِّ عَلَيْهِمْ إِنَّ صَلَاتَكَ سَكَنٌ لَهُمْ﴾ (التوبة ۱۰۳) اے نبی ﷺ آپ صحابہ کرام پر درود بھیجا کریں۔ بلاشبہ آپ کا ان کے لئے دعا کرنا موجب اطمینان ہے۔ ہمیں نبی کریم ﷺ کی اقتدا کا حکم دیا گیا ہے۔ چنانچہ انشاء درود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا نام لینے کی اصولاً گنجائش ہے، بلکہ ایسا کرنا نبی کریم ﷺ کے عمل کے عین مطابق ہے جو شرعاً مطلوب بھی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

۵..... امت مسلمہ پر رسول اللہ ﷺ کے اہل بیت رضی اللہ عنہم کا پانچواں حق یہ ہے کہ مال غنیمت میں سے پانچواں حصہ ان کو دیا جائے ۱ اہل سنت والجماعت کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کے آل بیت کے منجملہ حقوق میں سے ایک حق یہ بھی ہے۔

۱ مال غنیمت سے مراد وہ مال ہے جو کافروں سے لڑائی میں فتح اور غلبہ حاصل ہونے کے بعد ہاتھ لگے۔ چنانچہ سارے مال غنیمت کے پانچ حصے کئے جائیں گے اور ان میں سے چار حصے ان مجاہدین میں تقسیم کردئے جائیں گے جو اس میں شریک تھے۔ اس میں سے جو پانچواں حصہ ہے اس کو عربی زبان میں خمس کہتے ہیں۔ جبکہ مال نے وہ مال ہے جو دشمن بغیر لڑے بھڑے دیدے یا صلح کے ذریعہ حاصل ہو یا جزیہ اور خراج کے طور پر ہاتھ آئے۔ اور جو مال باقاعدہ لڑائی اور غلبہ حاصل کرنے کے بعد ملے وہ مال غنیمت ہے اور کبھی مال غنیمت کو بھی مال سے تعبیر کر لیا جاتا ہے۔ اسی لئے مؤلف حفظہ اللہ حاشیہ میں تصریح فرماتے ہیں کہ ایسے مال کا اس مال میں شمار نہیں ہوگا جس کو مسلمانوں نے غنیمت اور فے کے علاوہ کسی دوسرے طریقہ سے حاصل کیا ہے اور ابن منظور نے لسان العرب میں (۴۳۶/۱۲) میں اس کی یوں تصریح فرمائی ہے کہ! احادیث میں مال غنیمت کا بار بار تذکرہ آیا ہے۔ مال غنیمت سے مراد وہ مال ہے جو مسلمانوں کو اہل حرب سے ملے اور وہ مال بغیر کسی جانفشانی کے ہاتھ نہ آیا ہو بلکہ اس کا حصول لڑائی اور قتال کے بعد عمل میں آیا ہو۔

کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَأَعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي

الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ﴾ (الانفال: ۴۱)

”تم کو جان لینا چاہئے کہ مال غنیمت میں سے پانچواں حصہ اللہ تعالیٰ، رسول اللہ

ﷺ، قرابت داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کا ہے۔“

چنانچہ جب آیت مذکورہ کا نزول ہوا تو بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مال غنیمت میں سے

اپنا حصہ لینے میں احتیاط برتنا شروع کر دی۔ مگر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما کر ان کے

تردد کا ازالہ فرمادیا:

﴿فَكُلُوا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلَالًا طَيِّبًا﴾ (الانفال: ۶۹)

”حلال اور پاکیزہ مال غنیمت میں سے جو تم بطور غنیمت حاصل کرو اس میں سے

بے چون و چرا کھاؤ پیو!“

اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿مَا آفَاءَ اللَّهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ مِنْ أَهْلِ الْقُرَىٰ فَلِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي

الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ﴾ (الحشر: ۷)

”اور بستیوں والوں کا مال اگر اللہ تعالیٰ لڑے بھڑے بغیر اپنے رسول ﷺ کے

ہاتھ لگائے تو وہ اللہ تعالیٰ، رسول اللہ کے قرابت داروں، یتیموں، مسکینوں اور

مسافروں کا ہے۔“

ایک حدیث میں جناب عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے؛ وہ فرماتے ہیں کہ

میں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو خمس کے بارے میں یہ کہتے ہوئے سنا ہے: ”مجھے رسول اللہ ﷺ

نے مال خمس پر مامور فرمایا تو میں اس کو نبی کریم ﷺ کی زندگی میں اس کے مصرف میں

صرف کرتا رہا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں بھی حسب ضرورت اسے اس کے مصرف

میں صرف کرتا رہا۔ جناب عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں بھی اپنی ذمہ داری نبھاتا رہا۔ اس کے بعد ایک مرتبہ مال غنیمت آیا تو مجھے امیر المؤمنین جناب عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بلا بھیجا اور مجھے مخاطب کر کے ارشاد فرمایا: اس مال کو تم لے لو۔ میں نے جواب دیا کہ میں اسے لینا نہیں چاہتا مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔ انہوں نے دوبارہ اصرار کیا۔ مجھ کو اس مال کے لینے کا حکم دیا اور فرمایا کہ تم اس مال کے زیادہ حق دار ہو۔ (کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ آل رسول ﷺ میں سے ہیں) آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے جواباً عرض کیا: ہم لوگ اب اس مال سے مستغنی ہو چکے ہیں۔ چنانچہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بالآخر اس مال کو بیت المال کے خزانے میں ڈال دیا۔^①

اس سے معلوم ہوتا ہے مال غنیمت کے پانچویں حصہ میں رشتہ داروں اور قرابت داروں کا بھی مخصوص حصہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے آل بیت کے لئے آپ ﷺ کی وفات کے بعد بطور ثبوت اس رشتہ اور اس حصہ کا وجود موجود ہے۔ یہی جمہور علماء امت کا قول ہے اور یہی قول راجح اور درست ہے۔^②

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ نے اس مسئلہ میں تحریر فرمایا ہے کہ امت مسلمہ پر رسول اللہ ﷺ کے آل بیت کے چند شرعی حقوق ہیں جن کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ انہیں حقوق میں سے ایک حق یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے مال غنیمت اور مال فے میں سے پانچواں حصہ خاص کر دیا ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ پر درود و سلام بھیجنے کے ضمن میں آل بیت رسول ﷺ پر بھی درود و سلام بھیجنے کا حکم دیا ہے۔^③ مگر اہل سنت والجماعت شیعوں کے برعکس یہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے آل بیت رضی اللہ عنہم کو مال غنیمت کا پانچواں حصہ دیا جائے گا نہ کہ آپ کی ذاتی جائیداد کا۔ اسی طرح

① دیکھئے: ابو داؤد (۲۹۸۳) اور الحاکم (۱۴۰/۲)۔

② ملاحظہ ہو: المغنی لابن قدامہ (۲۸۸/۹) حقوق رسول اللہ ﷺ کے آل بیت کے بارے میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رضی اللہ عنہ نے ایک بڑا ہی جامع رسالہ تحریر فرمایا ہے۔ البتہ اب اللفظا ہری نے اس کی تحقیق اور تصحیح کی ہے۔

③ مجموع الفتاویٰ (۳/۳۰۷)۔

میراث میں خمس نہیں نکالا جائے گا۔ کیونکہ میراث تو میت کے ورثہ کا ذاتی حق ہے اس میں خمس نکالنے کا حکم کیسے لگایا جاسکتا ہے۔ اسی طرح مکانوں، گاڑیوں وغیرہ میں خمس نہیں ہے، کیونکہ یہ تو ان کے مالکوں کی ذاتی ملکیت ہوتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَإِنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ﴾ (انفال: ۴۱) آیت مذکورہ میں اللہ تعالیٰ نے مال غنیمت کی شرط لگا کر واضح کر دیا ہے کہ خمس مال غنیمت سے ہی نکالا جائے گا، اسی لئے ”أَنَّمَا غَنِمْتُمْ“ کہا گیا ہے۔ اگر یہ حکم عام ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس کی جگہ ”أَمْوَالِكُمْ“ فرماتے مگر ایسا نہیں فرمایا، بلکہ محض امت مسلمہ پر رحمت کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے مال غنیمت کی قید لگائی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

شیعوں کے اثنا عشریہ فرقہ میں یہجانی کیفیت طاری ہو چکی ہے بالخصوص ان کے بارہویں امام کے روپوش ہونے کے بعد۔ وہ خمس یعنی پانچواں حصہ نکالنے کے بارے میں مضطرب ہیں۔ اور اس وقت ان کی مشکلات اور بھی دو چند جاتی ہیں جب یہ مسئلہ درپیش ہو کہ خمس کا مال کسے دیا جائے؟ یا اسے کس مصرف میں لایا جائے؟

شیعوں کے بڑے مشائخ میں سے ایک بلاجن کو ”شیخ المفید“ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے ❶ وہ اس سلسلہ میں اظہار خیال کرتے ہوئے کہتے ہیں: ”ہمارے فرقہ کے بہت سے لوگ امام غائب کے روپوش ہو جانے کے بعد مال خمس کے بارے میں اختلاف رائے کا شکار ہو چکے ہیں اور ان میں سے ہر فریق کی اپنی اپنی مستقل رائے ہے۔

(۱)..... ان میں سے بعض تو امام غائب کے چلے جانے کے بعد اس حکم کے ساقط ہونے کے قائل ہیں۔ چنانچہ رخصت کے بارے میں مفصل بیان ان کی کتاب میں موجود ہے۔

(۲)..... جب کہ بعض کی رائے یہ ہے کہ اب مال خمس کو نکال کر دفن کر دینا واجب ہے۔ یہ لوگ دلیل میں اس حدیث کو پیش کرتے ہیں جس میں ہے کہ: امام کے ظہور کے وقت

❶ شیخ مفید اپنے زمانے کے شیعہ امام تھے۔ ان کا پورا نام ہے: محمد بن محمد بن العمان۔ ان کی تقریباً ۲۰۰ کتابیں ہیں۔ ان کی وفات ۴۱۳ھ میں ہوئی۔ ملاحظہ ہو! الاعلام للزرکلی (۷/ ۲۱) اور سیر اعلام النبلاء (۱۷/ ۳۴۴)۔

زمین اپنے دھینے اگل دے گی۔ اور امام جس وقت آئیں گے اللہ تعالیٰ ان کو زمین میں دفن، تمام خزانوں کے بارے میں بتلا دے گا۔ چنانچہ وہ زمین میں موجود سارے خزانے نکال لیں گے۔

(۳)..... جب کہ بعض لوگوں کی رائے ہے کہ مالِ خمس کو قرابت داری مستحکم کرنے یا فقراء شیعہ کی دل جوئی کے لیے صرف کیا جائے گا۔

(۴)..... ان میں سے بعض کی رائے یہ ہے کہ اس کو ولی امر کی صوابدید پر چھوڑ دیا جائے گا۔ اگر اس کو امام کے ظہور سے پہلے موت آ جائے تو ولی امر دیانت داری اور ہوشمندی میں جس کو قابل اعتماد سمجھتا ہو، وصیت کر کے اس دنیا سے رخصت ہوگا تا کہ موصلی اگر امام کا زمانہ پالے تو وہ امانت اس کے حوالہ کر دے ورنہ اپنی موت کے وقت موصلی بھی کسی دیانت دار اور ہوشمند شخص کو بعینہ وہی وصیت کر کے اس دنیا سے رخصت ہو جائے جو اس کو اس کے وصی نے کی تھی۔ اس کے بعد یہ معاملہ پشت در پشت اسی انداز سے چلتا رہے گا حتیٰ کہ اس امام متعظر کا ظہور ہو جائے جس کو ان کے نزدیک ”امام آخر الزمان“ کے خطاب سے موسوم کیا جائے گا۔

ملا مفید مزید فرماتے ہیں کہ ہمارے شیعہ حضرات کے پاس کوئی صریح دلیل موجود نہیں جس کا وہ سہارا لے سکیں اور نہ ہی ان کو اس کی کوئی علت معلوم ہے جس کے ذریعہ وہ اس کی تاویل کر سکیں۔^① یہی وجہ ہے کہ وہ اس بارے میں اختلاف کا شکار ہو گئے ہیں۔

ان اقوال میں سے مستند ترین پہلا قول ہی معلوم ہوتا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ امام غائب کے روپوش ہو جانے کی صورت میں ”خمس“ ساقط ہو جاتا ہے۔ اس قول کی تائید میں شیعوں کی کتابوں اور ان کے مستند مصادر و مراجع میں بے حد روایات پائی جاتی ہیں۔^②

۶..... امت مسلمہ پر ایک حق یہ بھی ہے کہ انہیں اہل بیت کے حسب و نسب کے بارے میں پورا یقین ہو کہ خاندانی اعتبار سے پورے قبائل عرب میں یہ لوگ معزز و مکرم اور افضل

① دیکھئے: المقننہ: للشیخ المفید (ص: ۴۶)۔

② مزید تفصیل کے لیے: اصول الکافی جلد ۱، ص ۴۰۸ اور ”من لایحضرہ الفقیہ“ جلد ۲، ص ۲۲۲ کا مطالعہ کر لیجئے۔

واشرف ہیں۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: اللہ تعالیٰ نے بنی اسماعیل علیہم السلام کو (میرے لیے) منتخب فرمایا۔ بنی اسماعیل میں سے بنو کنانہ کا انتخاب فرمایا، بنو کنانہ میں سے قبیلہ قریش کو منتخب فرمایا۔ پھر قبیلہ قریش میں سے بنو ہاشم کو منتخب فرمایا اور بنو ہاشم میں سے مجھے منتخب فرما کر نبوت عطاء فرمائی۔“ (حوالہ پیچھے گزر چکا ہے۔)

۷..... امت مسلمہ پر رسول اللہ ﷺ کے آل بیت رضی اللہ عنہم کے حقوق میں سے ایک حق یہ بھی ہے کہ ان پر زکوٰۃ اور صدقہ کو حرام قرار دیے دیا گیا ہے۔ لہذا ان کو صدقہ و خیرات دینا یا ان کا خود صدقہ و خیرات لینا کسی صورت میں جائز نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے آل بیت کے ذاتی تقدس کو زکوٰۃ و خیرات کی آلودگی سے منزه کیا جاسکے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ”بلاشبہ صدقہ و خیرات لوگوں کا میل کچیل ہے۔

اس لئے محمد ﷺ اور آل محمد ﷺ کے لئے اس کا لینا ناجائز ہے۔ ❶

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ رقم طراز ہیں: ”جہاں تک صدقہ و خیرات کا معاملہ ہے تو اس کو نبی کریم ﷺ نے اپنے اوپر اور اپنے اہل بیت رضی اللہ عنہم پر، ان کے تقدس کو آلودگی سے پاک رکھنے کے لئے، حرام قرار دیا ہے تاکہ ان کی ذات پر بطور تہمت انگلیاں نہ اٹھ سکیں۔ جس طرح کوئی شخص ترکہ نہ چھوڑے تو یہ طبعی امر ہے کہ اس کے ورثاء درہم و دینار سے محروم رہیں گے۔ ❷

یہ رسول اللہ ﷺ کے اہل بیت کے اہم ترین حقوق کا بیان تھا جو امت مسلمہ پر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے عائد ہوتے ہیں۔ ہم نے ان میں سے مشہور قسم کے چند حقوق کو مختصر طور پر بیان کر دیا ہے۔ یہ وہ حقوق شرعیہ ہیں جو زبان زد خاص و عام ہیں اور ہم نے اس کے بیان میں اختصار کا پہلو اختیار کیا ہے تاکہ طوالت کی وجہ سے لوگ اکتاہٹ محسوس نہ کرنے لگیں۔ لہذا ہم پر ضروری ہے کہ ہم ان کے حقوق کا لحاظ رکھیں، انہیں معلوم کرنے کی

❶ صحیح مسلم (ج: ۱۰۷۲)۔

❷ مجموع الفتاویٰ (۳۰/۱۹)۔

پھر پور کوشش کریں اور نبی کریم ﷺ نے آل بیت کے بارے میں جو احکامات صادر فرمائے ہیں ان کی اتباع و پیروی کریں۔ یہ نہ ہو کہ ہم صرف ان کی توقیر و تعظیم کا زبانی دعویٰ کرتے رہیں۔ آل بیت رضی اللہ عنہم کے لیے مذکورہ حقوق اس وقت ثابت ہوں گے جب دو شرطیں پائی جائیں گی:

(۱)..... پہلی شرط دین اسلام ہے۔ یعنی مسلمان ہو۔ کیونکہ کافر کو مذکورہ حقوق کے مستحقین میں نہیں گردانا جاسکتا۔ اگرچہ وہ نسبت کے اعتبار سے آل رسول ﷺ کا ہی ایک فرد کیوں نہ ہو۔ دین اسلام میں عز و شرف کا معیار تقویٰ ہے، حسب و نسب تو ثانوی چیز ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿لَإِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاهُمْ﴾ (الحجرات: ۱۳) ”بلاشبہ تم میں معزز وہ ہے جو زیادہ تقویٰ والا ہو۔“ نبی اکرم ﷺ نے حسب و نسب پر اعتماد کر کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ رہنے والوں کو بہت ڈرایا دھمکایا ہے اور اس پر فخر و مباہات کرنے والوں کو انجام کار سے آگاہ فرمادیا ہے۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

”اے فرزند ان قریش! اللہ سے اپنے نفس کا سودا کر لو اور اپنے آپ کو اللہ سے خرید کر آزاد کرالو۔ میں اللہ کے روبرو اس کے مقابلہ میں تمہارے کچھ بھی کام نہیں آسکتا۔ اے عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ میں اللہ کے مقابلہ میں تمہارے کچھ بھی کام نہیں آسکتا! اے صفیہ بنت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ (اللہ کے رسول ﷺ کی پھوپھی) مجھ پر تکیہ کر کے ہرگز نہ بیٹھنا کیونکہ میں آپ کے کام کچھ نہیں آسکتا۔ اے فاطمہ بنت محمد رضی اللہ عنہا مجھ سے میرے مال میں سے جو چاہو مانگ لو مگر یہ بات یاد رکھو کہ میں اللہ کے مقابلہ میں تمہارے کچھ کام نہیں آسکتا۔“ ①

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”اے لوگو! کان کھول کر سن لو! تمہارا ایک ہی رب ہے اور تمہارا ایک ہی باپ ہے۔ کسی عربی کو عجمی پر اور کسی عجمی کو کسی عربی پر کوئی فضیلت نہیں ہے اور نہ ہی کسی سرخ کو سیاہ پر اور نہ کسی سیاہ کو سفید پر فوقیت ہے۔ اگر برتری کا کوئی معیار ہے تو وہ

① صحیح البخاری (ح: ۲۶۰۲)۔ صحیح مسلم (ح: ۲۰۶)۔

تقویٰ ہی ہے۔“ آپ کو بخوبی معلوم ہونا چاہیے کہ ابولہب پر اس کے کفر اور پھر کسی کی وجہ سے عتاب و عید نازل ہوئی تھی۔

(۲)..... حسب و نسب کا رسول اللہ ﷺ کے آل بیت رضی اللہ عنہم سے منسلک ہونا حقیقت میں بھی ثابت ہو۔ کیونکہ اس شخص کے لئے جو اپنے آپ کو اپنے باپ کے علاوہ، کسی دوسرے کی طرف منسوب کرتا ہے یا اپنے آپ کو کسی ایسی جماعت یا قبیلہ کی طرف منسوب کرے، حالانکہ حقیقت میں اس قوم یا قبیلہ سے اس کا دور کا بھی رشتہ نہ ہو، تو ایسے شخص کے بارے میں بڑی سخت وعید آئی ہے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: ”ہر وہ شخص جو جان بوجھ کر اپنے باپ کے علاوہ کسی دوسری شخصیت سے نسبت کا دعویٰ کرے تو اس نے بلاشبہ کفر کا ارتکاب کیا۔ اور اگر کوئی شخص کسی قبیلہ یا قوم میں اپنے آپ کو شمار کرے حالانکہ حقیقت میں اس کا اس قوم، جماعت یا قبیلہ سے کوئی تعلق نہ ہو تو اس کا ٹھکانا جہنم ہے۔“^①

ان لوگوں سے میری درخواست ہے جو اپنے آپ کو نبی مکرم ﷺ کے اہل بیت کی طرف منسوب کرتے ہیں ان کو چاہئے کہ وہ تقویٰ، طہارت اور خشوع و خضوع میں لوگوں کے لئے نمونہ بنیں۔ اس میدان میں ان کا مقام و مرتبہ بلند ہو، قول و فعل میں تضاد نہ ہو اور ظاہر باطن میں وہ سنت رسول اللہ ﷺ کے شیدائی ہوں۔ اس طرح ان میں دو قسم کے فضائل و محاسن جمع ہو جائیں گے۔ ان میں سے ایک ایمان و تقویٰ ہے اور دوسرا شرف بیت نبوی ﷺ سے انتساب ہے۔

آل بیت کے جن حقوق کو اہل سنت و الجماعت شمار کرتے ہیں ان کا اجمالی خاکہ یہ ہے:

۱۔ ان سے محبت و مودت کا برتاؤ کیا جائے۔

۲۔ ان کا دفاع اور حفاظت کی جائے۔

① رواہ احمد (۴۱۱/۵) وقال شعيب الارنؤوط؛ اسنادہ صحیح۔

② صحیح البخاری (ح: ۳۳۱۷)۔ صحیح مسلم (ح: ۶۱)۔

- ۳۔ ان پر عائد ہونے والے جھوٹے الزامات کی تردید کی جائے۔
- ۴۔ ان پر درودِ سلام بھیجا جائے۔
- ۵۔ ان کو مالِ غنیمت میں سے شمس دیا جائے۔
- ۶۔ ان کے خاندان کو بالیقین دنیا کے تمام خاندانوں سے زیادہ معزز و مکرم سمجھا جائے۔ اس لیے کہ ان کا نسب سید الاولیٰین والآخرین محمد رسول اللہ ﷺ سے اور آپ ﷺ کی ذریت سے جا ملتا ہے۔
- ۸۔ ان پر زکوٰۃ اور صدقہ حرام سمجھا جائے۔



اہل بیت رضی اللہ عنہم بھی بشر ہیں

حضرت عزیر رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہود کے غلو سے قارئین کرام بخوبی واقف ہوں گے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ان کے غلو فی الدین کا پردہ چاک فرمایا ہے کہ:

﴿وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللَّهِ﴾ (التوبة: ۳۰)

”اور یہود کہتے ہیں کہ عزیر رضی اللہ عنہ اللہ کے بیٹے ہیں۔“

یہود نے حضرت عزیر کو بشریت کے مرتبہ سے اٹھا کر الوہیت کے مقام پر بٹھا دیا اور ان کو پروردگار کے اوصاف و خصائص میں سے غیب، تصرف، تخلیق وغیرہ کا پر تو قرار دینا شروع کر دیا۔ ان کی کتابوں میں مشہور و متداول ہے کہ اس عقیدہ الوہیت میں کسی ایسی علت کا وجود تک نہیں کہ جس کی بنیاد پر وہ اپنے اس عقیدہ باطل کی تاویل کر سکیں۔

اور جن لوگوں کے باطل عقیدہ الوہیت میں علت کے وجود کا شبہ پایا جاتا ہے وہ اس شبہ کو بطور حجت پیش نہیں کر سکتے۔ وہ نصاریٰ کا گروہ ہے کہ جن کو دنیا آج کل عیسائیوں کے نام سے یاد کرتی ہے۔ بلاشبہ حضرت عیسیٰ رضی اللہ عنہ کا حمل رحم مادر میں وجود پذیر ہونا اور آپ رضی اللہ عنہ کی ولادت باسعادت بذات خود اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے اور آپ رضی اللہ عنہ اللہ کی روح ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُونِهِمْ حِجَابًا فَأَرْسَلْنَا إِلَيْهَا رُوحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ۗ قَالَتْ إِنِّي أَعُوذُ بِالرَّحْمَنِ مِنْكَ ۖ إِنْ كُنْتَ تَقِيًّا ۗ قَالَ إِنَّمَا أَنَا رَسُولُ رَبِّكِ لِأَهَبَ لَكِ غُلَامًا زَكِيًّا ۗ قَالَتْ أَنَّى يَكُونُ لِي غُلَامٌ ۖ وَلَمْ يَمَسِّنِي بَشَرٌ ۗ وَلَمْ أَكُ بَغِيًّا ۗ قَالَ كَذَلِكَ قَالَ رَبُّكَ هُوَ

عَلَىٰ هَيْبٍ ۖ وَلِنَجْعَلَٰ آيَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِنَّا وَكَانَ أَمْرًا مَّقْضِيًّا ﴿٢١٧﴾

(مریم: ۲۱۷ تا ۲۱۸)

”تو اس (مریم ؑ) نے اُن کی طرف سے آڑ کر لی۔ پھر ہم نے اس کے پاس اپنی روح ”یعنی جبریل ؑ“ کو بھیجا۔ وہ ان کے سامنے پورا آدمی بن کر حاضر ہوئے تو حضرت مریم ؑ بر ملا بول اٹھیں: میں تجھ سے رحمن کی پناہ مانگتی ہوں اگر تیرے دل میں اللہ کا خوف موجود ہے تو۔ اس نے جواب دیا کہ میں تیرے رب کریم کی طرف سے بھیجا ہوا قاصد ہوں، تجھے ایک پاکیزہ لڑکا دینے آیا ہوں۔ حضرت مریم ؑ حیرت سے بولی: بھلا میرے یہاں بچہ کیسے ہو سکتا ہے؟ مجھے تو کسی انسان کی ہوا تک نہیں لگی اور نہ میں بدکار عورت ہوں۔ فرشتے نے جواب دیا کہ بات تو یہی ہے لیکن تیرے پروردگار کا ارشاد ہے کہ وہ مجھ پر بہت آسان ہے۔ ہم اسے لوگوں کے لئے ایک نشانی اور خاص رحمت بنانا چاہتے ہیں اور یہ ایک طے شدہ بات ہے۔“

یہ ایک شبہ ہے جس کو نصاریٰ بطور علت پیش کر کے الوہیت عیسیٰ کے جواز کی بھونڈی تاویل کرتے ہیں اور اسی کو حجت بنا کر حضرت مسیح ابن مریم ؑ کو ابن اللہ قرار دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے بعض خصائص کا انہیں پر تو سمجھتے ہیں۔ مگر ان کو معلوم ہونا چاہئے کہ حضرت عیسیٰ ؑ کو بعض معجزات کی وجہ سے ابن اللہ کہنا جہالت اور نادانی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں اس کا تذکرہ فرما کر اس اشکال کا ازالہ فرما دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَرَسُولًا إِلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ أَنِّي قَدْ جِئْتُكُمْ بِآيَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ أَنِّي أَخْلَقُ لَكُمْ مِنَ الطِّينِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ فَأَنْفُخُ فِيهِ فَيَكُونُ طَيْرًا بِإِذْنِ اللَّهِ وَابْرَأُ الْأَكْمَةَ وَالْآبْرَصَ وَأُحْيِي الْمَوْتَىٰ بِإِذْنِ اللَّهِ وَآتَيْتُكُمْ بِمَاءٍ تَأْكُلُونَ وَمَا تَدَّخِرُونَ فِي بُيُوتِكُمْ ۗ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّكُم إِن

كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿٥٩﴾ (آل عمران: ۴۹)

”اور وہ بنی اسرائیل کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے۔ (انہوں نے اپنی قوم کو مخاطب کر کے کہا) میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے تمہارے لئے نشانی لایا ہوں۔ میں تمہارے لئے پرندے کی شکل کی طرح مٹی کا پرندہ بنا تا ہوں۔ پھر اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ اللہ کے حکم (اور اُس کی قدرت) سے اڑنے لگتا ہے۔ اسی طرح مادر زاد اندھے اور کوڑھی کو بھلا چنگا کر دیتا ہوں اور مردے کو زندگی عطا کرتا ہوں، اللہ عزوجل کے حکم سے۔ اور تم جو کھا کرتے ہو اور جو تم اپنے گھروں میں ذخیرہ کر لیتے ہو وہ سب میں تم لوگوں کو (اللہ کے حکم سے) بتلا دیتا ہوں۔ اگر تم میں ایمان ہے تو یہ تمہارے لیے ایک بڑی (عجزانہ) نشانی ہے۔“

اس سے یہود نے حضرت عیسیٰ ﷺ کی ذات میں غلو کرنا شروع کر دیا اور اس میں حد سے تجاوز کر گئے حتیٰ کہ ان کے زندہ آسمان پر اٹھا لینے سے ان کو مزید تقویت مل گئی اور انہوں نے حضرت عیسیٰ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا قرار دے دیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُولَ اللَّهِ وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلَكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ لَفِي شَكٍّ مِنْهُ مَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا بَلْ رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ﴿١٥٧، ١٥٨﴾ (النساء: ۱۵۷، ۱۵۸)

”اور ان کے یوں کہنے کے باعث کہ ہم نے اللہ کے رسول مسیح عیسیٰ بن مریم (ﷺ) کو قتل کر دیا ہے۔ حالانکہ نہ تو انہوں نے انہیں قتل کیا اور نہ سولی پر چڑھایا۔ بلکہ ان کے لئے ان کا شبیہ بنا دیا گیا تھا۔ اور یقین جانو کہ حضرت عیسیٰ ﷺ کے بارے میں اختلاف کرنے والے ان کے بارے میں شک میں ہیں۔ حالانکہ انہوں نے عیسیٰ کو یقیناً قتل نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی طرف اٹھالیا ہے

اور اللہ تعالیٰ تو غالب ہے حکمت والا۔“

نبی کریم ﷺ نے اس بات کی پیشین گوئی فرمادی تھی کہ عنقریب اس امت میں ایسے لوگ ہوں گے جو یہود و نصاریٰ کی مشابہت اختیار کرنا شروع کر دیں گے اور انہیں کے رنگ میں رنگے جائیں گے۔ بلاشبہ اس دور میں یہ پیشین گوئی برحق ثابت ہو چکی ہے۔ کیونکہ بعض لوگوں نے آل بیت رسول ﷺ کے بارے میں غلو کر کے ان پہلوؤں کو پایہ تکمیل تک پہنچا دیا ہے۔

بلکہ بعض لوگوں نے اس قسم کی غلو بازی میں رسول اللہ ﷺ کی ذات تک کا خیال نہ کرتے ہوئے آپ ﷺ کے ساتھ بھی غلو کرنے میں کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہیں کیا اور انہیں اس بارے میں کچھ بھی علم نہیں سوائے وہم و گمان کے۔ اور آپ ﷺ کو بھی الوہیت کے مرتبہ پر فائز کر دیا ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ عیسیٰ علیہ السلام سے افضل و اشرف ہیں اور بلاشبہ یہ حقیقت بھی ہے۔ مگر انہوں نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اس کی تاویل کرتے ہوئے یہ کہہ بیٹھے: اگر ایسا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے افضل ہیں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ماننے والوں کے نزدیک حضرت عیسیٰ علیہ السلام جن خصائص اور اوصاف سے متصف ہیں انہیں اوصاف و خصائص سے نبی کریم ﷺ کو بھی متصف قرار دیا جائے گا۔ بلکہ آپ ﷺ کی ذات اس سے بڑھ کر مزید خصائص و اوصاف سے متصف ہونے کا حق رکھتی ہے۔ تعالیٰ اللہ عما یقولون علواً کبیراً۔

وہ لوگ جو اس قسم کی غلو بازی کا شکار ہیں کیا انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان برحق کو پس پشت ڈال دیا ہے۔ جس میں اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور محمد ﷺ کی عبدیت کا ذکر کر کے ان دونوں کی بشریت پر مہر ثبت فرمادی اور سارے چور دروازے بند کر دیے ہیں۔ تاکہ تعلیمات اسلامیہ اور عقائد دینیہ کے انمول خزانے پر نقب زنی کی گنجائش باقی نہ رہے چنانچہ اللہ تعالیٰ ہمارے نبی محمد ﷺ کے متعلق قرآن کریم میں خود آپ ﷺ کی زبانی ارشاد فرماتا ہے۔

﴿قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَهُكُمْ إِلَهٌُ وَاحِدٌ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا﴾ (الكهف: ١١٠)

”اے نبی ﷺ آپ فرمادیجئے کہ میں تو تم جیسا ہی ایک انسان ہوں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ میری جانب وحی کی جاتی ہے۔ بلاشبہ تم سب کا صرف ایک ہی معبود ہے۔ جسے بھی اپنے پروردگار سے ملنے کی آرزو ہو اسے نیک اعمال کرنا چاہیں اور اپنے پروردگار کی عبادت میں کسی کو شریک نہ ٹھہرانا چاہیے۔“

ایک دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَىٰ عَبْدِهِ الْكِتَابَ﴾ (الكهف: ١)

”تمام تعریفات اس ذات کے لیے ہیں کہ جس نے اپنے بندے پر قرآن اتارا۔“

مزید ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَىٰ عَبْدِهِ لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا﴾

(الفرقان: ١)

”وہ ذات نہایت بابرکت ہے جس نے اپنے بندے پر فرقان اتارا تاکہ وہ

سارے جہانوں کے لیے ڈرانے والا ہو۔“

یہاں قرآن کو ”الفرقان“ فرمایا ہے۔ یعنی اپنے احکام کے ذریعے حق اور باطل کے

درمیان فرق کرنے والا۔ یہ عزت و شرف والا مقام پھر محمد رسول اللہ ﷺ کو حاصل ہوا اس

وحی قرآن کے ذریعے، حالانکہ آپ ﷺ اللہ کے بندے اور بشر ہیں۔ یہاں اللہ عزوجل کا

آپ ﷺ کو اس عظیم تر مرتبہ و مقام کے لیے منتخب کر لینا آپ کے بلند ترین مقامات میں

سے ایک مقام ہے۔

علاوہ ازیں معراج جیسے اہم ترین موقع پر بھی اللہ تعالیٰ نے نبی مکرم ﷺ کی بشریت

کے اثبات کا اعلان فرمایا ہے:

﴿سُبْحٰنَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلٰی الْمَسْجِدِ
الْاَقْصَا الَّذِیْ بُرْکْنَا حَوْلَہٗ لِیُنْرِیَہٗ مِنْ اٰیَتِنَا اِنَّہٗ هُوَ السَّوْبِغُ
الْبَصِیْرُ﴾ (الاسراء: ۱)

”پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے
کر گئی کہ جس کے ارد گرد ہم نے برکت ہی برکت رکھی ہے تاکہ ہم اسے اپنی قدرت
کے بعض نمونے دکھائیں۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہی خوب سننے اور دیکھنے والا ہے۔“
اللہ تعالیٰ نے خشوع و خضوع اور طاعت و فرمانبرداری کے سیاق میں بھی آپ ﷺ
کی بشریت کا اثبات فرمایا ہے:

﴿وَ اِنَّہٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰہِ یَدْعُوہٗ کَاذُوًا یَّکُوْنُوْنَ عَلَیْہِ لِبَدًاۙ﴾

(الجن: ۱۹)

”اور جب اللہ کا بندہ کھڑے ہو کر اس سے دعا کرنے لگا تھا، (محمد رسول اللہ ﷺ)
تو جنات اسے حلقہ جات کی صورت میں گھیرنے کو ہی تھے۔“ (یعنی قرآن سننے کے
شوق میں ایک دوسرے کو ہٹا کر آپ کے زیادہ سے زیادہ قریب ہونا چاہتے تھے۔)

آیت مذکورہ بھی آپ ﷺ کی بشریت کی بین دلیل ہے۔

اللہ تعالیٰ اور عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان جس باہمی گفتگو کی قرآن کریم نے تصویر کشی کی ہے
اس سے بھی یہ مسئلہ پورے طور پر واضح ہو کر سامنے آ جاتا ہے۔ مزید وضاحت کے ساتھ بھی
بیان موجود ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ اِذْ قَالَ اللّٰہُ یٰعِیْسٰی اِبْنَ مَرْیَمَ ءَ اَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ
وَ اٰمِیْ الْہٰیۡنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ قَالَ سُبْحٰنَکَ مَا یَکُوْنُ لِیْ اَنْ اَقُوْلَ مَا
لَیْسَ لِیْ بِحَقِّۙ اِنْ کُنْتَ قُلْتَہٗ فَقَدْ عَلِمْتَہٗ ؕ تَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِیْ وَ لَا

أَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِكَ ۚ إِنَّكَ أَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ ۝ مَا قُلْتُ لَهُمْ إِلَّا مَا أَمَرْتَنِي بِهِ أَنْ عَبُدُوا اللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ ۚ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَّا دُمْتُ فِيهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتُ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ ۚ وَأَنْتَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ۝ إِنَّ تَعَذِّبُهُمْ فَإِنَّهُمْ عَبْدُكَ وَإِنْ تَغْفِرَ لَهُمْ فإِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝ ﴿المائدہ: ۱۱۶ تا ۱۱۸﴾

”اور وہ وقت بھی قابل ذکر ہے جس وقت اللہ تعالیٰ عیسیٰ ابن مریم ﷺ کو مخاطب کر کے ارشاد فرمائے گا: اے عیسیٰ کیا تم نے ان لوگوں سے کہہ دیا تھا کہ مجھ کو اور میری ماں کو بھی اللہ کے علاوہ معبود بناؤ؟ حضرت عیسیٰ ﷺ عرض کریں گے: اے اللہ تیری ذات مقدس ہے اور میں تجھ کو منزه و مبرا سمجھتا ہوں۔ مجھ کو کیونکر زیب دے سکتا تھا کہ میں ایسی بات کہوں جس کے کہنے کا مجھ کو کوئی حق نہیں؟ اگر میں نے ایسی بات کہی ہے تو تجھے اس کا علم ہوگا۔ تو میرے دل کی بات بھی جانتا ہے۔ اور تیرے نفس میں جو کچھ ہے میں اس کو نہیں جانتا۔ تو ہر قسم کے غیبوں کو جاننے والا ہے۔“

﴿مَا قُلْتُ لَهُمْ إِلَّا مَا أَمَرْتَنِي بِهِ أَنْ عَبُدُوا اللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ ۚ وَ كُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَّا دُمْتُ فِيهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتُ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ ۚ وَأَنْتَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ۝ إِنَّ تَعَذِّبُهُمْ فَإِنَّهُمْ عَبْدُكَ ۚ وَإِنْ تَغْفِرَ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝﴾

(المائدہ: ۱۱۷ تا ۱۱۸)

”میں نے انھیں اس کے سوا کچھ نہیں کہا جس کا تو نے مجھے حکم دیا تھا کہ اللہ کی عبادت کرو، جو میرا رب اور تمہارا رب ہے اور میں ان پر گواہ تھا جب تک ان میں رہا، پھر جب تو نے مجھے اٹھالیا تو تو ہی ان پر نگران تھا اور تو ہر چیز پر گواہ ہے۔“

اگر تو انہیں عذاب دے تو بے شک وہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو انہیں بخش دے تو بے شک تو ہی سب پر غالب، کمال حکمت والا ہے۔“

قرآن کریم میں متعدد مقامات پر جناب عیسیٰ ﷺ کا وہ خطاب ہے جس میں انہوں نے اپنی قوم کو مخاطب کیا تھا۔ اس میں بھی بشریت کا اثبات ہے۔ چنانچہ رب کریم کا حضرت عیسیٰ ﷺ کی زبانی فرمان ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَأَعْبُدُوا طَهَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ﴾

(آل عمران: ۵۱)

”اللہ تعالیٰ ہی میرا اور تمہارا رب ہے لہذا اسی کی عبادت کرو یہی سیدھی راہ ہے۔“

ایک اور مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قَالَ إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ آتَنِيَ الْكِتَابَ وَجَعَلَنِي نَبِيًّا﴾ (مریم: ۳۰)

”فرمایا میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں۔ اس نے مجھ کو کتاب عطا فرمائی ہے اور مجھے نبی بنایا ہے۔“

آیت مذکورہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کی عبدیت کا اعلان فرمایا ہے۔ ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ وَأُمُّهُ صِدِّيقَةٌ كَأَنَّا يَأْكُلُ الطَّعَامَ أَنْظَرُ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْآيَاتِ ثُمَّ أَنْظَرُ أَنِّي يُؤْفَكُونَ﴾ (المائدہ: ۷۵)

”حضرت عیسیٰ مسیح ابن مریم ﷺ بجز رسول ہونے کے اور کچھ بھی نہیں۔ اس سے پہلے بھی بہت سے پیغمبر گذر چکے ہیں۔ ان کی والدہ ایک راست باز عورت تھیں۔

دونوں ماں بیٹے بقاضائے بشریت کھانا کھایا کرتے تھے (اے ہمارے محبوب نبی!) دیکھ! ہم کس طرح ان سے دلائل بیان کرتے ہیں۔ پھر دیکھ! (ایسی روشن دلیلیں سننے

پر بھی) وہ کیسے پھرے جاتے ہیں۔“

بشریت عیسیٰ علیہ السلام کے اثبات میں ایک جگہ اور بھی ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَقَالَ الْمَسِيحُ يٰمَنْ اَسْرَأْ اَيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيَّ وَرَبَّكُمْ ط اِنَّهُ
مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَا وُكِّلَ النَّارُ ط وَمَا
لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ﴾ (المائدہ: ۷۲)

”خود مسیح علیہ السلام نے ان سے کہا تھا کہ اے بنی اسرائیل اللہ ہی کی عبادت کرو جو میرا
اور تمہارا سب کا رب ہے۔ بے شک حقیقت یہ ہے کہ جو بھی اللہ کے ساتھ شریک
بنائے سو یقیناً اس پر اللہ نے جنت حرام کر دی اور اس کا ٹھکانا آگ ہے اور
ظالموں کے لیے کوئی مدد کرنے والے نہیں۔“

ہماری قارئین کرام سے گزارش ہے کہ سورہ مائدہ کی آخری آیات کا غور و تدبر سے
مطالعہ کریں تاکہ حقیقت حال کھل کر سامنے آجائے۔

مذکور بالا چند وہ آیات تھیں جو نبی مکرم محمد رسول اللہ ﷺ اور عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کی
بشریت کے بارے میں قرآن میں نازل ہوئیں۔ تو جن لوگوں نے آئمہ کرام اور اولیاء عظام
رحمہم اللہ اجمعین کے سلسلہ میں غلو بازی اپنا شیوہ بنا رکھا ہے ان لوگوں پر بڑی حیرت ہوتی ہے۔
کیونکہ انہوں نے ﴿اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ کا کھلم کھلا تعارض کرتے ہوئے اپنی
مذہبی کتابوں میں قصے کہانیاں اور اوہام و خرافات گڑھ کر لکھنا شروع کر دیئے اور اپنے ائمہ
و اولیاء کو انبیاء و رسل پر بھی فوقیت دی ڈالی ہے۔

اہم نوٹ:..... علمی مرکز حوزہ سے تعلق رکھنے والے شیعہ طلبہ اور اساتذہ میں سے
بعض کے ساتھ میرے مباحثہ جات بھی ہوئے مگر ان کا عجیب و غریب دعویٰ ہے کہ جس کی نہ تو
اصل ہے اور نہ کوئی بنیاد۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اماموں کو علم غیب میں سے
بعض حصہ پر مطلع فرمادیا ہے۔ یا ان کو اس پر تصرف عطا فرمادیا ہے۔ مذکورہ لوگوں نے اوہام

وخرافات کو اپنا عقیدہ بنا لیا ہے۔ نیز ان کا دعویٰ ہے کہ عیسیٰ ﷺ کو امام منتظر کے زمانہ غیبیو بیت میں آسمان کی طرف اٹھایا گیا ہے۔

اگرچہ یہ مسئلہ ہمارے موضوع بحث سے خارج ہے تاہم موقع کی نزاکت کو مدنظر رکھتے ہوئے اس پر بحث کرنا اور اس کا جواب دینا وقت کی ضرورت ہے۔ لہذا ہمارا نقطہ نظر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ قرآن کریم میں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم ہر چیز پر محیط ہے وہ جس وقت جو چاہتا ہے کر گذرتا ہے۔ جیسا کہ متعدد جگہوں پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

﴿إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ﴾ (یس: ۳۲)

”وہ جب کبھی کسی چیز کے کرنے کا ارادہ کر لیتا ہے تو اسے اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ ہو جا۔ سو، وہ اسی وقت ہو جاتا ہے۔“

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب محکم میں واضح طور بیان فرمادیا ہے کہ اس نے حضرت عیسیٰ ﷺ کو جو چیزیں بطور خرق عادت عطا فرمائی تھیں ان کا تعلق معجزات الہیہ سے ہے۔ انبیاء کرام کے ہاتھوں خرق عادت چیزوں کا ظہور، معجزہ کہلاتا ہے۔ ان کے ذریعہ اللہ تعالیٰ اپنے نبیوں کی تائید کرتا ہے۔ قرآن و سنت کی رو سے کہیں بھی اس بات کا اشارہ نہیں ملتا کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کے علاوہ کسی اور کو بھی معجزہ سے نوازا ہو۔ لہذا پورے وثوق کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ معجزہ انبیاء کرام کا خاصہ ہے اور یہ معاملہ انہیں کے ساتھ مختص رہے گا۔ گویا انبیاء کرام کے علاوہ کسی دوسرے کے لئے اس کو ثابت کرنا عقل و نقل دونوں کی بنا پر واضح خلاف ورزی ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے جن معجزات کو ہمارے نبی محمد ﷺ کے ساتھ خاص کر دیا ہے وہ ہمارے نبی مکرم ﷺ کی ذات کے ساتھ ہمیشہ کے لئے خاص رہیں گے۔ ان میں کسی دوسرے کی شرکت کا جواز نہ ہے اور نہ ہوگا۔ یہاں یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ اور حضرت عیسیٰ ﷺ کے ہاتھوں جن خرق عادت چیزوں کا بطور معجزہ ظہور فرمایا ہے انہیں کو ائمہ کرام یا اولیاء عظام کے لئے ثابت کرنا عقل و نقل کے خلاف ہے۔ کیونکہ

شرعاً اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے اور جس چیز کا کتاب و سنت سے کوئی ثبوت نہ ہو وہ مردود ہے۔ اگر فرض کر لیا جائے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے ان معجزات میں سے بعض معجزے غیر رسل ﷺ کو بھی بطور تائید عطا فرمادیئے ہیں تو وہ معجزہ معجزہ کہاں رہا کیونکہ اس سے انبیاء کا اعجاز ختم ہو جاتا ہے۔ لہذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ شیعوں کے عقیدہ باطلہ کے اثبات میں نہ تو کوئی عقلی دلیل ہے اور نہ ہی نقلی دلیل۔

اگر کہا جائے کہ ہم ائمہ کرام و اولیاء عظام کے حق میں اس کو معجزہ نہیں سمجھتے بلکہ ہم تو ان کے حق میں اس کو کرامت گردانتے ہیں۔ تو ہمارا جواب یہ ہے کہ ہم کرامات کو برحق سمجھتے ہیں۔ لیکن کرامت اور معجزے میں فرق ہے۔ کرامات اور معجزات کو ایک ہی شمار کرنا خلاف واقع ہے۔ ان میں سے ہر ایک کی اپنی مستقل حیثیت ہے۔ دونوں کو ایک سمجھنا عقل و نقل دونوں کے خلاف ہے۔ ہم یہاں اپنے موضوع سے ہٹ کر دوسرے موضوع میں الجھنا نہیں چاہتے۔ اگر آپ مزید تفصیلات کے خواہاں ہیں تو شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی معرکہ الآراء کتاب ”الفرقان بین اولیاء الرحمن و اولیاء الشیطان“ کا مطالعہ ضرور کریں۔

ہم اکثر ریسرچ سکارلز اور اعلیٰ درجہ کے ریسرچرز کی معیت میں شیعہ حضرات کے بارے میں اپنی گفتگو کا محور صرف ایک متفق علیہ مسئلہ کو بناتے ہیں اور وہ مسئلہ اللہ کی قدرت کا ہے۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ شیعہ حضرات کے عقائد کی مختلف کڑیوں میں سے ایک کڑی یہ بھی ہے کہ انہوں نے اپنے ائمہ کرام اور اولیاء عظام کے بارے میں یہ عقیدہ فاسدہ گھڑ رکھا ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے نعوذ باللہ ان حضرات کو اپنی قدرت و تصرف میں شریک کر رکھا ہے اور ان کو ان مقامات عالیہ اور ان خصائص الہیہ میں تصرف کا حق دے رکھا ہے جو اللہ کے ساتھ خاص ہیں۔ اس ضمن میں ہم ان سے مندرجہ ذیل سوالات کرنے کا حق رکھتے ہیں۔

..... تمہارے عقیدہ کے مطابق ائمہ کرام علم غیب جانتے تھے۔ ہمارا تم سے پہلا سوال یہ ہے کہ ذرا اپنے اس قول کو نصوص شرعیہ سے ثابت کر کے تو دکھاؤ! تم کس دلیل کی بنیاد پر ان

کو علم غیب کا حامل قرار دیتے ہو؟ اس پر کہاں ہیں تمہارے دلائل اور براہین؟ اگر ہیں تو انہیں علماء دین کے سامنے لا کر پیش کرو!

۲..... تمہارے عقیدہ کے مطابق ائمہ اور اولیاء اس عالم رنگ و بو میں تصرف کے حق دار ہیں تو نصوص شرعیہ کی رو سے کیا تمہارے پاس اس دعویٰ کی کوئی دلیل بھی موجود ہے؟ اگر ہے تو اسے پیش کرو!

۳..... تمہارے اس عقیدہ کا کیا ثبوت ہے کہ جن ائمہ کرام کو آپ لوگوں نے اماموں کا خطاب دیا یہی لوگ شفاعت کبریٰ کے حق دار ہیں؟ ان کے علاوہ دوسرے ائمہ آپ کے نزدیک شفاعت کا حق نہیں رکھتے۔ آپ کس دلیل کا سہارا لے کر یہ عقیدہ رکھتے ہیں؟ اگر آپ کے پاس دلائل و براہین ہیں تو بلا دروغ انہیں لا کر پیش کریں!

۴..... تمہارے عقیدہ کی رو سے شہداء کرام کی شفاعت کا بطلان لازم آتا ہے۔ حالانکہ یہ شفاعت نص صریح کے ذریعہ سے ثابت ہے۔ اہل سنت والجماعت کے نزدیک شفاعت کی کئی قسمیں ہیں۔ انہیں سے ایک قسم نبی کریم ﷺ کے ساتھ خاص ہے جس کا نام شفاعت کبریٰ ہے۔ شفاعت کی دوسری قسم کا نام ”شفاعت عامہ“ ہے۔ لیکن آپ نے اپنے اعتقاد کے مطابق شفاعت کی ثابت شدہ تمام اقسام کو کسی دلیل و حجت کے بغیر باطل قرار دے دیا جو اہل سنت والجماعت کے عقیدہ پر شبخوں مارنے کے مترادف ہے۔^①

۵..... آپ کے اس عقیدہ کا کیا ثبوت ہے کہ ائمہ کرام اور اولیاء عظام مردوں کو زندہ کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ کیا آپ کے پاس اس بات کی کوئی دلیل موجود ہے؟ اگر ہے تو براہ کرم اسے پیش کرنے کی زحمت گوارا کریں گے۔

۶..... اس قسم کے بہت سے شیعہ عقائد ہیں جو مذہب میں غلو بازی کا کرشمہ ہیں۔ جس کی وجہ

① ملاحظہ فرمائیں: شرح العقیدة الطحاویہ (ص: ۲۹۰-۲۹۴) اور الشفاعة۔ تالیف فضیلة الشیخ مقبل

الوادعی (ص: ۱۳۰-۱۵۰)

سے شیعہ حضرات بے شمار عقائد باطلہ کا شکار ہو چکے ہیں جس کے اثبات میں ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے۔ ہم ان سے کہتے ہیں کہ اگر تمہارے پاس دلائل ہیں تو ان کو پیش کرو۔ ﴿قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنَّ كُنْتُمْ صَادِقِينَ﴾ (البقرہ: ۱۱۱) ”اے نبی ﷺ! آپ ان سے فرماد دیجئے کہ اگر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو تو کوئی دلیل پیش کرو۔“

اگر یہ کہا جائے کہ ان کے یہاں بعض ایسی روایات کا وجود پایا جاتا ہے جو ان کے ہاں سند کا درجہ رکھتی ہیں تو ہماری ان سے گزارش ہے کہ ان روایات کو لا کر علماء کرام کے سامنے پیش کریں اور اس کی صحت کو بھی ثابت کریں۔ اگر واقعی وہ سچے ہیں تو ہم کہیں گے کہ وہ حق بجانب ہیں۔ حقیقت میں وہ ایسا کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔

شیعہ کی کتاب ”کافی“ کی صحت پر آج بھی ان کے جمہور متفق نہیں ہیں۔ حتیٰ کہ ان کے ہاں صحت و ضعف کا کوئی معیار ہی نہیں ہے جس کی بنیاد پر صحیح احادیث کو اختیار کیا جاسکے۔ کسی صحیح ترین کتاب کا وجود تو بہت دور کی بات ہے جس پر ان کے علماء کا اتفاق ہو۔ یہ شیعہ کے چند بڑے اور اہم عقائد ہیں جن کا قرآن و حدیث میں کہیں بھی ذکر تک نہیں ملتا ہے۔



بحث کا ما حاصل اور لب لباب

اس بات میں کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ اہل بیت رسول ﷺ کے بارے میں صحیح موقف اختیار کرنے میں اہل السنہ والجماعۃ سلفی جماعت حقہ کو توفیق الہی شامل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے موقف میں صائب الرائے ہیں۔ کیونکہ وہ اہل بیت رسول ﷺ کے بارے میں اعتدال کی روش اختیار کرتے ہیں۔ وہ ان سے تعلق اور حقیقی محبت رکھتے ہیں اور بذات خود ان کی تعظیم و تکریم کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ وہ ان کی عظمت شان سے بخوبی آشنا ہیں اور وہ جانتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے آل بیت رضی اللہ عنہم بشر ہیں۔ تاہم ان میں سے بعض نے عبادت و ریاضت میں بڑی شہرت حاصل کی۔ جب کہ بعض نے علم و معرفت کی دنیا میں نام کمایا۔ اور ان میں سے بعض لوگ وہ ہیں جنہوں نے شجاعت و بہادری کے جوہر دکھلائے۔ اور ان میں وہ بھی ہیں جنہوں نے ورع و تقویٰ کو اپنا شعار بنایا۔ غرض یہ کہ خیر و رشد کے حصول میں پہلو تہی اختیار کرنا انہوں نے اپنے لئے باعث عار سمجھا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا دامن خیرات و برکات سے بھرا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ اور ان میں سے بعض لوگ وہ بھی ہیں جن کی اس مرتبہ تک رسائی نہ ہو سکی۔

اہل سنت والجماعت رسول اللہ ﷺ کے اہل بیت رضی اللہ عنہم سے طبعی محبت کرتے ہیں۔ اور یہ ایک ایسی محبت ہے جو بشریت کا تقاضا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے آل بیت رضی اللہ عنہم بھی چونکہ بشر ہیں لہذا ان سے بھی نادانستہ طور پر کبھی غلطی سرزد ہو جاتی ہے۔ کیونکہ غلطی بشریت کا خاصہ ہے۔ ان کو فرشتہ نہ سمجھا جائے بلکہ بشر ہی گردانا جائے۔ وہ بھی اللہ کے بندے ہیں۔ مگر رسول اللہ کو ان میں شامل نہ کیا جائے کیونکہ آپ ﷺ کی ذات معصوم عن الخطا ہے۔

اہل سنت والجماعت کے علاوہ دوسرے لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کے آل بیت رضی اللہ عنہم سے محبت ان کے بعض عظیم الشان خصائص و اوصاف حمیدہ کی وجہ سے کی ہے۔ جس سے اللہ تعالیٰ نے انہیں متصف کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ لوگوں کی عقل و دانش سے یہ بات ماورا ہے، جسے ان کا ذہن ماننے کو تیار نہیں ہے کہ آل بیت رسول ﷺ سے کسی غلو کے بغیر طبعی اور بشری تقاضا کے مطابق بھی محبت ہو سکتی ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کی ذہن سازی ہی ایک ایسے ماحول میں ہوئی ہے جہاں آل بیت رسول ﷺ کے بارے میں مبالغہ آرائی اور غلو بازی کا دور دورہ ہوتا ہے۔ لہذا بعید از قیاس ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے آل بیت رضی اللہ عنہم کے بارے میں طبعی اور بشری محبت کو تسلیم کریں۔

ہم سے بہت سے لوگوں نے یہ کہا، خصوصاً وہ لوگ جن سے میرا بحث و مباحثہ ہو چکا ہے کہ آل بیت رسول ﷺ کے بارے میں آپ ہم سے کس قسم کی محبت کے خواہاں ہیں؟ کیونکہ آپ کا دعویٰ ہے کہ وہ تمام انسانوں کی طرح کے انسان ہیں۔ آپ کے نزدیک نہ تو وہ صاحب معجزہ ہیں اور نہ ہی معصوم عن الخطا۔ تو کیا فقط رسول اللہ ﷺ کی قرابت کی وجہ سے ان سے محبت روارکھی جائے؟

ان کی خدمت میں ہمارا یہی جواب ہے کہ: ہاں! ہم ان سے خالص محبت روارکتے ہیں۔ اس لیے کہ بلاشبہ ساداتنا حسن، حسین ابناء علی جعفر، عقیل اور عباس کی اولاد رضی اللہ عنہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ رشتہ اور قرابت میں برابر ہیں۔ لہذا مرتبہ میں بھی سب کے سب برابر ہی گردانے جائیں گے۔ یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آپ ان کی اولادوں میں صرف سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی اولاد ہی کو کیوں فوقیت دیتے ہیں؟ حالانکہ ساداتنا حسن و حسین رضی اللہ عنہم نسب اور قرابت دونوں میں ہم پلہ ہیں۔ یہاں اہل سنت والجماعت اور غیر اہل سنت والجماعت کے درمیان اہل بیت کی محبت میں فرق واضح ہو کر سامنے آ جاتا ہے اور معلوم ہو جاتا ہے کہ دونوں محبتوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے جن کی غرض و غایت الگ الگ ہے۔

کیونکہ غیر اہل سنت والجماعت کی محبت غلو بازی اور مبالغہ آرائی کی وجہ سے ہے جو انہوں نے اپنے ائمہ اور اولیاء کے بارے میں اختیار کر رکھی ہے۔ اور جن کو انہوں نے اللہ تعالیٰ کے خصائص کی خلعت پہنا رکھی ہے۔ یاد رہے کہ ان کی ائمہ اور اولیاء کرام سے محبت خالص اور حقیقی نہیں ہے بلکہ ان کے ساتھ جو خصائص و اوصاف وابستہ کر دیئے گئے ہیں یہ محبت ان کی وجہ سے ہے۔

اب فیصلہ آپ کے ہاتھ ہے۔ ہم آپ سے سوال کرتے ہیں کہ: اس حقیقت بیانی کے بعد آپ ہی بتلائیں! ہم دونوں میں محبت کے اعتبار سے کون سچا ہے؟ جس نے حقیقت میں محبت کی ہے یا جس نے اوہام و خیالات میں؟ یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قارئین کرام کے سامنے شیعہ حضرات کے غلو کی حقیقت کو کھول کر بیان کرنے کے لیے ان کے ایک بڑے عالم ”الکلبینی“ کی معتبر ترین کتاب ”الکافی“ کے چند اقتباسات نقل کر دیے جائیں۔

کتاب مذکور کے چند ابواب کہ جو اس میں قائم کیے گئے ہیں بطور نمونہ درج ذیل ہیں:

(۱)..... ایک باب میں صاحب کتاب نے اپنے ائمہ کرام کے بارے میں غلو بازی کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: ”ائمہ کرام علیہم السلام کے علم میں یہ بات ہوتی ہے کہ ان کو کب موت آئے گی اور وہ اپنے اختیار سے ہی موت کے آغوش میں جاتے ہیں۔“ (۱/۲۵۸)۔

(۲)..... ایک اور باب میں یہ انکشاف کیا گیا ہے کہ: ”ائمہ کرام علیہم السلام ماضی، حال، مستقبل کے احوال کی خوب خبر رکھتے ہیں۔ ان کو پتہ ہے کہ: کیا ہو چکا، کیا ہو رہا ہے اور کیا ہونے والا ہے۔ گویا ان پر کائنات کی کوئی چیز مخفی نہیں۔ نعوذ باللہ من ذلك۔ (۱/۲۶۰)

(۳)..... ایک باب میں قلم بند فرمایا ہے کہ: ائمہ علیہم السلام ان تمام علوم سے باخبر ہیں جن کو ملائکہ، انبیاء اور رسل علیہم السلام پر اتارا گیا۔ مراد یہ کہ ائمہ کرام کا مرتبہ ملائکہ، انبیاء اور رسل علیہم السلام سے بھی بڑھ کر ہے۔ اور وہ ان کو دی گئی تمام خبروں اور ان پر اتارے گئے تمام پیغاموں سے مطلع ہیں۔ (۱/۲۵۵)

(۴)..... ایک اور باب میں صاحب کتاب نے انکشاف کیا ہے کہ اگر لوگوں پر کسی معاملہ کی حقیقت نہیں کھل پاتی تو ائمہ کرام ان کو اس کے بارے میں مطلع فرمادیتے ہیں۔ وہ یہ بھی بتادیتے ہیں کہ آئندہ ان کے حق میں خوشحالی اور فراخی ہے یا وہ مصیبت اور ناگہانی سے دوچار ہونے والے ہیں؟ مراد یہ کہ ان کا علم اتنا وسیع ہے کہ وہ نیب کی ہر خبر رکھتے ہیں۔
نعوذ باللہ (۲۶۳/۱)

(۵)..... ایک باب میں انہوں نے یہ خبر دی ہے کہ: آئمہ کرام علیہم السلام کے پاس تمام آسمانی کتابیں من وعن محفوظ ومامون ہیں۔ مختلف زبانوں میں ہونے کے باوجود، وہ ان تمام کتابوں کا علم رکھتے ہیں۔ یعنی ان کا علم محیط اور وسیع ہے۔ گویا انہوں نے ائمہ کرام کو الوہیت کے مقام پر فائز کر دیا ہے۔ نعوذ باللہ من ذلك۔ (۲۲۷/۱)

(۶)..... ایک باب کا عنوان یوں ہے: باب ہے اس بارے میں کہ: آئمہ کرام علیہم السلام اللہ عزوجل کی زمین پر اس کے نائب ہیں اور اللہ تعالیٰ کے وہ دروازے ہیں کہ جن کے ذریعے سب کچھ عطا کیا جاتا ہے۔ (دیکھئے: جلد ۱، ص ۱۹۳)

(۷)..... ایک باب یوں قائم کیا گیا ہے: باب ہے اس بارے میں کہ: اگر آئمہ کرام علیہم السلام کے راز کو پوشیدہ رکھا جائے تو وہ ہر آدمی کو وہ سب کچھ بتلا دیں جو اس کے لیے تقدیر میں لکھا گیا ہے اور جو اس کے خلاف فیصلہ ہونے والا ہے۔ (۲۶۳/۱)

شیعہ نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ انہوں نے امام کی تعیین کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی اہم قرار دیا ہے۔ آیت اللہ فرزاخراسانی لکھتا ہے: ”امام کی تعیین انبیاء اور رسل کی بعثت سے بھی اہم ہے۔ امام کی تعیین سے روگردانی مقاصد کا گلا گھوٹ دینے اور مذہب کا قلع قمع کر دینے کے مترادف ہے۔“^①

① مزید تفصیل کے لئے: معجزہ اور اسلام نامی کتابچہ ملاحظہ فرمائیں (ص: ۱۰۷)۔

اس سے بھی ایک قدم آگے، ملائمتی نے بڑی جرأت کا اظہار کر کے ائمہ کرام کو نبیوں، رسولوں اور فرشتوں سے بھی بلند و بالا قرار دیا ہے۔ اس کا قول ہے کہ امام کے لئے مقام محمود میں بلند و بالا مرتبہ اور خلافت تکوینی ہے۔ کائنات کی تمام چیزیں اس کی مطیع ہوتی ہیں۔ ہمارے مذہب کی ضروریات یہ ہیں کہ ہمارا امام اس مقام پر فائز ہو جہاں نہ تو کسی مقرب فرشتہ کی رسائی ہو اور نہ کسی نبی مرسل کی پہنچ۔^①

ائمہ کرام کے بارے میں یہ شیعہ کتب سے ماخوذ غلو بازی کے بعض تعجب خیز نمونے تھے۔ آل بیت علیہم السلام سے تو اتر کے ساتھ یہ بات ثابت ہے کہ وہ ہمیشہ اپنے ہم نشینوں سے کہا کرتے تھے: ”اے لوگو! ہماری ذات سے اسلامی اخوت اور بھائی چارگی روارکھو۔ اگر یہ محبت اپنی حدود سے تجاوز کر گئی تو یہ ہمارے لئے باعث عار ہوگی۔“^②

لامجلسی نے سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: ہمارے بارے میں غلو بازی سے کام نہ لو۔ اگر تم ہمیں القاب و آداب سے نوازنا چاہتے ہو تو ہمارے لئے یہ کہہ دینا ہی کافی ہے کہ ہم اللہ کے بندے اور اس کے غلام ہیں۔^③

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا: کیا آپ نبی ہیں؟ تو آپ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ”میں کیونکر نبی ہو سکتا ہوں؟ میں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں میں سے ایک غلام ہوں۔“^④

ایک بڑے شیعہ عالم الکشی نے ابو بصیر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے ایک مرتبہ بیان کیا: میں نے ابو عبد اللہ جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے کہا لوگوں کا آپ کے بارے میں کہنا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ بارش کے قطرات کا علم رکھتے، ستاروں کی تعداد کی واقفیت رکھتے ہیں، درختوں کے پتوں کے عدد جانتے ہیں، سمندروں میں جو کچھ ہے اس کا اندازہ آپ کے علم میں ہے اور ریت کے ایک ایک ذرے کا حساب آپ رضی اللہ عنہ کے احاطہ قدرت میں ہے۔ یہ بات سن کر

① ملاحظہ ہو: مثنوی کی الحکومة الاسلامیہ نامی کتاب (ص: ۵۲)۔ ② ملاحظہ ہو: البیادبہ والنہایہ۔ (۱۱۰/۹)۔

④ دیکھئے: بحار الانوار (۳۸۳/۸)۔

③ ملاحظہ ہو: بحار الانوار (۲۷۰/۲۵)۔

آپ ﷺ نے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھائے اور بڑے تعجب خیز انداز میں فرمایا: ”ان چیزوں کا علم اللہ کے علاوہ کسی اور کو نہیں ہے۔“^①

جناب ابو عبد اللہ جعفر صادق رضی اللہ عنہ کا ایک اور فرمان ہے: ”اہل کوفہ میرے بارے میں جو کچھ کہتے ہیں اگر میں اس کو قبول کر لوں تو زمین مجھے نکل جائے گی۔ میں تو اللہ کا پابند بندہ ہوں جو اپنے نفع اور نقصان کی صلاحیت بھی نہیں رکھتا۔“^②

یہ تھے آئمہ اہل البیت رضی اللہ عنہم کے بعض اقوال کہ جنہیں شیعہ کی کتابوں میں وضاحت سے بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ اس طرح کے اقوال نبی مکرم ﷺ کے آل بیت رضی اللہ عنہم سے متعلق شیعہ لوگ جو عقائد رکھتے ہیں ان کی حقیقت کو واضح کر رہے ہیں۔ اسی لیے ممکن ہی نہیں ہے کہ: جسے اللہ رب العالمین نے عقل سلیم اور فطرت مستقیمہ سے نواز رکھا ہو وہ اس دھوکے، فریب میں آجائے۔



① ملاحظہ ہو: رجال الکشی (ص: ۱۹۳)

② ملاحظہ ہو: تنقیح المقال (۳/۳۲۰)۔

آل بیت کی محبت کا دعویٰ حقیقت کے تناظر میں

محترم بھائیو! یہ مختصر سا مضمون ہماری کتاب کا خلاصہ ہے۔ میری قارئین کرام سے گزارش ہے کہ تدبر و تفکر کے ساتھ اس کا مطالعہ کریں اور اس کی ورق گردانی میں حاضر دماغی سے کام لیں۔ میں نے آپ ہی کو قاضی بنا دیا ہے۔ اب آپ کی صوابدید پر ہے کہ آپ اس دعویٰ کی صحت پر حکم لگائیں یا اس کے بطلان پر مہر ثبت کریں۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ”اگر لوگوں کو ان کے دعووں کے بنیاد پر دیا جانے لگے تو لوگ بے دھڑک لوگوں سے خوں بہا اور مال و دولت کا مطالبہ کرنے لگیں۔ لیکن مدعی کو دعویٰ کا ثبوت پیش کرنا لازمی ہے۔“^①

لہذا پورے وثوق کے ساتھ یہ کہنے کا مجاز ہوں کہ ہمارے پاس رسول اللہ ﷺ کے آل بیت رضی اللہ عنہم سے محبت کے دعویٰ میں قطعی دلائل موجود ہیں۔ لہذا ہم ذرا اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھیں کہ ہم اپنے اس دعویٰ میں حق بجانب ہیں یا دعویٰ صرف دعویٰ کی حد تک ہے۔

چنانچہ تمہارا یہ کہنا کہ میں شیعہ ہوں۔ آل بیت رسول ﷺ سے نسبت رکھتا ہوں۔ ان سے محبت کرتا ہوں اور ان کا پیروکار ہوں۔ تو یہ محض تمہارا زبانی دعویٰ ہے جس کا کوئی اعتبار نہیں۔ ہم آپ سے سوال کرنے میں حق بجانب ہیں کہ آپ کے دعوے کی دلیل کیا ہے؟ آپ اس کا ثبوت پیش کر کے اپنی بات کو ثابت کریں۔ کہاں ہیں آپ کے دلائل؟ ذرا اپنے دلائل علماء کرام کے سامنے پیش کر کے ہمارے اشکالات کا ازالہ تو کریں۔

① صحیح مسلم (ج: ۱۱، ص: ۱۷۱)، مسند احمد (۲۳۲/۱)۔

ہمارے نزدیک آل بیت رسول ﷺ سے انتساب باعث اعزاز و افتخار ہے۔ حتیٰ کہ عز و شرف کے جتنے مراتب ہو سکتے ہیں وہ سارے کے سارے رسول اللہ ﷺ کے اہل بیت رضی اللہ عنہم سے انتساب کی وجہ سے میسر ہو جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ اس خاندان کی طرف نسبت کرنے والا شخص بہت سے دینی و دنیاوی فوائد و منافع کا حق دار بن جاتا ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے جو نصوص شرعیہ سے ثابت ہے۔ ہم بخوبی واقف ہیں کہ یہی وجہ ہے؛ ہر شخص رسول ﷺ کے اہل بیت رضی اللہ عنہم سے محبت و مودت کا دم بھرتا اور ان کی تعظیم و توقیر کا دعویٰ کرتا ہے۔

مثال کے طور پر شیعہ کے فرقہ زید یہ کو پیش کیا جاسکتا ہے۔ فرقہ زید یہ سے مراد وہ لوگ ہیں جو اپنے آپ کو سیدنا زید بن علی بن حسین رضی اللہ عنہم کا متبع کہتے ہیں۔ بلکہ یہ فرقہ جناب زید بن زین العابدین علی بن حسین کے بھائی محمد الباقر بن زین العابدین رضی اللہ عنہم کے بعد ان کی امامت کے بھی قائل ہیں۔ یہ لوگ اس وقت ملک یمن میں رہائش پذیر ہیں۔ اس کے علاوہ عمومی طور پر دنیا کے دوسرے ممالک میں بھی پائے جاتے ہیں۔ ان کا دعویٰ ہے کہ حق ان کے ساتھ ہے اور انہیں آل بیت رسول ﷺ سے محبت کا شرف وراثت میں ملا ہے۔ وہی آل محمد ﷺ کے حقیقی پیروکار ہیں۔

فرقہ اسماعیلیہ: اس سے مراد وہ ادگ ہیں جو جعفر صادق کے بڑے بیٹے اسماعیل بن جعفر کی امامت کے قائل ہیں اور ان کی وفات کے بعد بھی انہیں کی امامت پر قائم ہیں۔ وہ اس بات کا انکار کرتے ہیں کہ امامت ان کے بھائی موسیٰ کی طرف منتقل ہو گئی تھی۔ جناب موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ کی امامت اور بیعت سے یہ لوگ اپنے مابین اختلاف کے باوجود اس بات کا دعویٰ کرتے ہیں کہ وہی شیعہ ائمہ علیہم السلام کی اتباع کرنے والے ہیں۔ ان کے علاوہ نہ تو کوئی شیعہ ہے اور نہ ائمہ کرام کا پیروکار۔ یہ فرقہ ہنز وستان اور یمن کے علاوہ دنیا کے مختلف حصوں میں آباد ہے۔

اثنا عشریہ: یہ شیعوں کا وہ فرقہ ہے جس نے امامت کو بارہ اماموں میں محدود کر دیا ہے۔ انہیں بارہ اماموں کی نسبت سے اثنا عشریہ کہا جانے لگا۔ ان کا دعویٰ ہے کہ یہی لوگ ائمہ آل بیت رسول اللہ ﷺ کے پکے اور سچے متبع ہیں۔ وہ اپنے علاوہ تمام لوگوں کو نواصب کے لقب سے موسوم کرتے ہیں۔

یہ شیعہ کے بعض فرقے ہیں جن کا الگ الگ دعویٰ ہے۔ تو ہم میں سے کون ہے جو ان کے اوہام اور خرافات کی تصدیق کرے؟ کیا ان سب کے مذکورہ بالا دعویٰ و عقائد کے سلسلہ میں ان کے پاس کوئی ثبوت ہے؟ اگر ہے تو کہاں ہے؟

جہاں تک اہل سنت و الجماعت کا تعلق ہے تو وہ اپنے مسلکی اختلافات کے باوجود رسول اللہ ﷺ کے آل بیت رضی اللہ عنہم کو عموم پر محمول کرتے ہیں۔ انہوں نے اس ضمن میں یکسر حق بات کو بیان کیا ہے اور وہ رسول اللہ ﷺ کے آل بیت کو چند افراد کے مجموعہ پر منحصر نہیں سمجھتے۔ بلکہ اہل سنت و الجماعت کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کے آل بیت کے عموم میں ساداتنا حمزہ و عباس ابناء عبدالمطلب اور جعفر طیار رضی اللہ عنہم بھی داخل ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ حضرت حسین اور جناب حسن رضی اللہ عنہما کی سب اولاد کو بھی رسول اللہ ﷺ کے اہل بیت رضی اللہ عنہم میں شامل سمجھتے ہیں۔ اہل سنت و الجماعت اعتدال کی راہ اختیار کرتے ہیں۔

اہل سنت و الجماعت کے پاس اپنے اس دعوے کے دلائل بھی موجود ہیں جن میں سے چند درج ذیل یوں ہیں:

۱..... بشری و نبوی کمال صرف محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات میں پایا جاتا ہے۔

۲..... اہل بیت کی محبت نبی کریم ﷺ اسی کمال و برکت کی مرہون منت ہے۔

۳..... صحابہ کرام کا شرف بھی آپ کی صحبت کا فیضان ہے۔

پس ہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت کرتے ہیں اور ان کا دفاع بھی کرتے ہیں۔ ان کے فضائل بیان کرتے ہیں اور ان کا جہد و جہاد بھی ذکر کرتے ہیں۔ نیز رسول اللہ ﷺ کی

مدد میں ان کی کاوش اور صبر کا تذکرہ بھی کرتے ہیں۔

ایسا ہم قرآن حکیم اور سنت رسول اللہ ﷺ میں ان کے متعلق کثرت سے دلائل پائے جانے کی بنا پر کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب ہیں، اس لیے مصاحبت رسول اللہ ﷺ بذات خود ایک بہت بڑا شرف ہے۔ اس کا ایک خاص مقام ہے۔ اصحاب رسول اللہ ﷺ کے سروں پر یہی تو چمکتا تاج ہے۔



اہل سنت والجماعت کے نزدیک امامت کی برہان

اہل سنت والجماعت کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کے آل بیت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی قدر و منزلت نبی کریم ﷺ کی ذات سے ان کی قرابت اور تعلق کی وجہ سے ہے۔ دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ انہیں دین اسلام میں سبقت حاصل ہے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والی سعادت بھی۔ یہی وجہ ہے کہ اہل سنت والجماعت کے نزدیک نبی کریم ﷺ کی ذات حجت اور سند ہے جو کہ اہل بیت رضی اللہ عنہم کے امام اور قائد ہیں۔

اہل سنت والجماعت کے نزدیک انسانوں کے سردار اور اللہ کے رسول محمد بن عبد اللہ ﷺ کی اتباع ہی حقیقی اتباع ہے۔ کیونکہ ان کے نزدیک آپ ﷺ کی ذات اطہر ہی بہترین نمونہ و قدوہ ہے۔ اہل السنۃ والجماعۃ سلفی جماعت حقہ کے نزدیک:

۱..... اگر کوئی سید البشر کہلانے کا مستحق ہے تو وہ صرف محمد رسول اللہ ﷺ ہی کی ذات ہے۔
 ۲..... محشر کے دن اگر کوئی شفاعت کا حق رکھتا ہے تو وہ بھی صرف رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی ہے۔

۳..... قیامت والے دن رسول اللہ ﷺ ہی کو حمد کا جھنڈا دیا جائے گا۔

۴..... آپ ﷺ ہی مقام محمود سے نوازے جائیں گے۔

۵..... آپ ﷺ ہی کو حوض کوثر عطاء فرمایا جائے گا۔ آپ ﷺ صاحبِ حوضِ کوثر کے لقب سے یاد کئے جاتے ہیں۔

۶..... آپ ﷺ جنت میں نہایت بلند تر مقام پر فائز ہوں گے۔

۷..... اہل السنۃ سلفی جماعت حقہ نے اس بات کا تعین کر رکھا ہے کہ اللہ کی ذات کی معرفت رسول

اللہ ﷺ کے ذریعہ ہی ہو سکتی ہے۔ اگر نبی کریم ﷺ نہایت کھول کر بیان نہ کرتے تو ہمارے لئے اللہ تعالیٰ کی معرفت ناممکن ہوتی۔ لہذا اگر ہم معرفت الہی سے بہرہ ور ہیں تو اس میں بھی نبی کریم ﷺ کی ذات ذریعہ اور واسطہ ہے۔

اہل سنت والجماعت اس بات کا بھی اقرار کرتے ہیں کہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے ہم تک پہنچایا ہے۔ ان کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ اللہ کی عبادت رسول اللہ ﷺ کے بتلائے ہوئے طریقہ پر ہی کی جائے۔ کیونکہ اللہ کے رسول ﷺ کا قول و عمل ساری انسانیت کے لئے حجت اور دلیل ہے۔ علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کی معرفت کا ذریعہ بھی نبی کریم ﷺ کی ذات بابرکات ہی ہے۔ اگر نبی کریم ﷺ کا ذریعہ نہ ہوتا تو ہم اللہ کے اسماء و صفات کی معرفت سے کورے رہ جاتے۔ اللہ کی قربت اور اللہ تعالیٰ کی عبادت اس وقت تک پایہ تکمیل تک نہیں پہنچتی جب تک اسے رسول اللہ ﷺ کے بتلائے ہوئے طریقہ پر ادا نہ کیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم اہل سنت والجماعت بحیثیت مجموعی اللہ کی عبادت، رسول اللہ ﷺ کے طریقہ عبادت کے مطابق کرتے ہیں۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ ہمارے لیے بہترین اسوہ و نمونہ ہیں۔ ہم عبادت کے معاملہ میں آپ ﷺ کے قدم بقدم چلتے ہیں۔ ہم اس سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ کے طریقہ سے ہٹ کر کسی بھی نئی راہ سے گریز کرتے ہیں کیونکہ ہر وہ عبادت کہ جسے کرنے کی نبی کریم ﷺ نے اجازت نہیں دی، وہ مردود ہے۔ اسی کو اصطلاح عرف میں بدعت کہا جاتا ہے۔

آپ ان تین آدمیوں کے واقعہ کا بغور مطالعہ فرمائیں، جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کی عبادت کے بارے میں دریافت کیا اور کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے گناہوں کو بخش دیا ہے، لیکن ہم گناہ گار ہیں۔ لہذا ہمیں زیادہ سے زیادہ عبادت و ریاضت کرنی چاہئے۔ پھر انہوں نے شرعی عبادت کا جائزہ لیا۔ چنانچہ انہوں نے اس عبادت کے التزام کے ساتھ ساتھ مزید عبادت کا تعین کیا۔ چنانچہ ان میں سے ایک نے نذرمانی کہ وہ ساری رات قیام کیا کرے گا

اور دوسرے شخص نے کہا کہ وہ بلا ناغہ روزے رکھے گا اور تیسرے نے عہد کیا کہ وہ عبادت کی غرض سے شادی بیاہ سے کنارہ کشی اختیار کرے گا۔ تو اگرچہ مذکورہ بالا اشخاص نے عبادت کرنے کا ہی ارادہ و عہد کیا تھا لیکن مسنون طریقہ نہ ہونے کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے سختی سے منع کرتے ہوئے فرمایا: فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي . ❶ بلاشبہ جس نے میری سنت سے اور میرے طریقہ سے روگردانی کی وہ مجھ سے نہیں۔“ مراد یہ کہ جو عبادت سنت رسول ﷺ کے مخالف ہو وہ مردود ہے۔ چونکہ مذکور بالا طریقہ سنت نبوی ﷺ کے مخالف تھا لہذا اس کے ادا کرنے کا کوئی جواز نہیں تھا۔

اہل سنت سلفی جماعتِ حقہ کے لوگ اس بات کا تعین بھی کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ سے قلبی محبت اور لگاؤ ہر مومن کے لئے واجب ہے۔ آپ ﷺ کی ذات اطہر ہمارے لیے ہماری جانوں سے بھی زیادہ عزیز ہے۔

خود ہمارے نفوس اور ہماری جانوں سے بڑھ کر نبی کریم ﷺ کی ذات اطہر اور آپ کی سنن سے محبت ہو کیونکہ محبتِ رسول ﷺ ہمارے عقیدہ کا جزء ہے۔ جی ہاں! اگر آپ ﷺ ہماری اپنی جانوں اور ذوات سے بھی زیادہ ہمیں محبوب ہیں تو پھر دنیا جہان کے سب لوگوں سے زیادہ آپ ﷺ ہمیں محبوب کیوں نہ ہوں گے؟ جیسا کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ساداتنا انس بن مالک اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهِ وَوَلَدِهِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ .“ ”اُس ذاتِ اقدس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک کامل مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کی جان، اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔“ ❷

اہل سنت و الجماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ نماز میں نبی کریم ﷺ پر درود بھیجنا واجب ہے۔

❶ صحیح البخاری (ح: ۴۷۷۶)، صحیح مسلم (ح: ۱۴۰۱)۔

❷ صحیح البخاری (ح: ۱۴-۱۵)، صحیح مسلم (ح: ۴۴)۔

اور ہمیں یہ علم ہونا چاہیے کہ نماز میں ہم نبی کریم ﷺ پر جو درود بھیجتے ہیں اس کو درود ابراہیمی کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اہل سنت والجماعت ہر دعا میں نبی کریم ﷺ پر درود بھیجنے کو مشروع قرار دیتے ہیں۔ اس بارے میں ان کا کہنا یہ ہے کہ دعا میں درود پڑھنا قبول دعاء کا قوی ترین سبب ہے۔ اہل سنت والجماعت اذان سے اس کی فراغت کے بعد بھی نبی کریم ﷺ پر درود بھیجنے کے قائل ہیں اس کے بعد اس دعا کے پڑھنے کا حکم دیتے ہیں جو دعائے اذان کے نام سے مشہور ہے۔ ((اَللّٰهُمَّ رَبَّ هَذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلَاةِ الْقَائِمَةِ آتِ مُحَمَّدٍ
السخ)) • اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ آپ ﷺ کی اتباع واجب ہے اور آپ ﷺ ہی اللہ کے آخری رسول ہیں۔ اس میں کسی اہل السنہ مومن کا کسی بھی دوسرے اہل السنہ سے اختلاف نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ اپنے اقوال و افعال کی وجہ سے حجت اور سند کا درجہ رکھتے ہیں۔

اہل سنت والجماعت کا بطور تعین و اقرار یہ کہنا بھی ہے کہ آل بیت رسول ﷺ میں اگر کسی نے کوئی مقام حاصل کیا تو وہ بھی آپ ﷺ کی اتباع اور قربت کی وجہ سے۔ تو پتہ یہ چلا کہ اتباع کے لائق اصل اور صرف نبی کریم محمد رسول اللہ ﷺ کی ہی ذات ہے۔ اہل سنت والجماعت کا کہنا ہے کہ آل بیت میں سے اگر کوئی امامت کے درجہ پر فائز ہو تو اس لیے کہ اس نے رسول اللہ ﷺ کی مکمل اتباع کی تھی، مزید برآں ایسے کسی امام کی قربت داری آپ ﷺ سے اس طور پر تھیں کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ ان کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ ائمہ اہل بیت میں سے اگر کوئی ذات کمال و حجیت کا درجہ رکھتی ہے تو وہ بھی رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی ہے۔

کیا اس کے بعد بھی یہ کہنے کا جواز باقی رہ جاتا ہے کہ اہل سنت والجماعت سلفی جماعت حقہ رسول اللہ ﷺ کے آل بیت رضی اللہ عنہم سے محبت نہیں کرتے؟ حالانکہ رسول اللہ ﷺ کی

ذات سے اہل سنت والجماعت کا بڑا گہرا اور بہت ہی مضبوط تعلق ہے۔

اہل سنت والجماعت اس بات کا صدق دل سے اقرار کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ کی رسالت کی تصدیق کے بغیر ایمان کی کوئی حیثیت نہیں۔ بلکہ اس کے بغیر ایمان کا وجود بھی ناممکن ہے۔ لہذا اللہ کے رسول ﷺ نے جن چیزوں کی خبر دی ہے اس کی تصدیق ضروری ہے۔ ایمان کی تکمیل میں اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت بھی ضروری ہے، جن چیزوں کے کرنے کا آپ ﷺ نے حکم دیا ہے۔ اور اللہ کے رسول ﷺ نے جن چیزوں سے منع فرمایا ہے یا جن کے ارتکاب کے بارے میں ڈرایا دھمکایا ہے ان کو نہ کرنا بھی ایمان کا تقاضا ہے۔ اللہ کی عبادت اس ڈھنگ سے کرنا کہ جس طریقہ پر اللہ کے رسول ﷺ نے کر کے بتلا دی ہے۔ مراد یہ کہ مشروع طریقہ پر عبادت بھی ایمان کے اجزائے ترکیبی میں سے ایک اہم عنصر ہے۔ اور اللہ کے رسول ﷺ کی اولاد آپ کے مقام کو نہیں پہنچ سکتی، خواہ وہ آپ ﷺ کے اعزہ واقارب ہی کیوں نہ ہوں یا آپ ﷺ کے رفقاء واصحاب میں سے ہی کیوں نہ ہوں۔ چاہے وہ قدر و منزلت یا عز و شرف کی اوج ثریا پر ہی کیوں نہ پہنچ جائیں۔ رسول اللہ کی ہر بات واجب الاتباع ہے۔ البتہ اجتہادی مسائل میں ان کا قول لیا بھی جاسکتا ہے اور اگر اجماع کے خلاف ہو تو رد بھی کیا جاسکتا ہے۔

کیا اہل سنت سلفی جماعت حقہ کے لوگ صرف اور صرف اس لئے نشاۃ تنقید بنے ہوئے ہیں کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے تابع اور پیروکار ہیں؟ انہوں نے اتباع سنت رسول ﷺ کو اپنا شعار بنا رکھا ہے؟ اور اس کے علاوہ سے انہوں نے بے نیازی کا مظاہرہ کیا ہے؟ آخر میں ہم قارئین کرام سے اتنا ضرور عرض کریں گے کہ وہ قرآن و سنت والے دین حنیف پر قائم سلفی جماعت حقہ، اہل السنہ اپنے بھائیوں کے ہاتھوں میں اپنا ہاتھ دے کر ان کے ہم رکاب ہو جائیں۔ رسول اللہ ﷺ کو اپنا اسوہ اور نمونہ قرار دے کر ان کے علاوہ کسی اور کے بن کر نہ رہیں۔ کیونکہ اللہ کے نبی ﷺ اپنے خاندان اور اولاد کے بھی امام ہیں اور

باقی تمام اہل ایمان مسلمانوں کے بھی۔ آپ ﷺ کی سنت مطہرہ کو مضبوطی سے تھامے رکھنے میں ہی نجات ہے۔ آپ لوگ نبی کریم ﷺ کی سنت پر مضبوطی سے عمل پیرا ہو جائیں۔ کیونکہ آپ ﷺ کی سنت کی پیروی میں ہی نجات و کامیابی کا راز پنہاں ہے۔ اس اختلاف کے بارے میں بحث و مباحثہ سے کچھ حاصل نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد امامت کن لوگوں کو ملی اور ان میں سے کون امام اعظم تھا کہ جس کی اتباع کی جائے؟ آپ ﷺ کے بعد کون کون لوگ امام ہو کر اس دنیا میں آئے؟ اس قسم کی بیجا باتیں ختم کرو اور امام اعظم محمد رسول اللہ ﷺ کے افعال و اقوال کی اتباع اور پیروی کو اپنا شعار بناؤ۔

میں اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ آپ کو اور ہمیں سید البشر محمد رسول اللہ ﷺ کی اتباع کی توفیق دے۔ قیامت کے دن اللہ رب العرش الکریم ہمیں اور آپ کو سید المتقین و امام المرسلین ﷺ کا ساتھ نصیب فرمائے۔ آپ متقیوں کے سردار اور رسولوں کے امام ہیں۔ اللہ تعالیٰ عنقریب قیامت کو ہم سے سوال کرے گا: کیا آپ نے رسول اللہ ﷺ کی اتباع کی تھی؟ اس وقت ہمارے پاس کیا جواب ہوگا۔



اہل سنت کی نگاہ میں قرآن حکیم کا مقام

یہ تھا سلفی جماعت حقہ اہل السنہ والقرآن کا تمام اماموں کے امام، سید الکونین محمد رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ اطہر کے بارے میں بیان و کلام۔ اب ہم قرآن حکیم کے بارے میں اہل سنت سلفی جماعت حقہ کا اعتقاد مختصر طور پر بیان کرتے ہیں تاکہ قرآن کریم کے بارے میں ان کے خیالات و افکار معلوم ہو سکیں۔

✽ قرآن کرم اللہ عزوجل کا کلام مبارک ہے۔

✽ قرآن کریم وہ کتاب ہے جس کو کبھی جھٹلایا نہیں جاسکتا۔ باطل نہ اس کے سامنے سے آسکتا ہے اور نہ ہی اس کے پیچھے سے۔

✽ قرآن کریم کی حفاظت اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے۔

✽ قرآن کریم شفاء ہے۔

✽ قرآن کریم مواعظ و عبرت، ذکر و فکر، حکمت و معرفت کا گنجینہ ہے۔

✽ قرآن کریم علم و ہدایت کا سرچشمہ ہے۔

✽ قرآن کریم مخزنِ رحمت ہے۔

✽ قرآن کریم سراپا نور ہے۔

✽ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی سیدھی راہ ہے۔

✽ قرآن کریم کو تمام جہانوں کے لیے حجت بنایا گیا ہے۔

✽ قرآن کریم نبی رحمت ﷺ کا معجزہ کبریٰ ہے۔

✽ قرآن کریم کی تلاوت و قراءت عبادت ہے۔

✽ قرآن کریم کی آیات میں تدبر و تفکر قرب الہی کا موجب ہے۔

✽ قرآن کریم میں کمی بیشی کا مرتکب کفر کا مرتکب ہوتا ہے۔

✽ قرآن عظیم ہی عقائد و احکام اور مسلمانوں کے تمام امور میں فیصلہ کرنے والے کی حیثیت سے اصل اوّل کا درجہ رکھتا ہے۔ (سنت اصل ثانی کا درجہ رکھتی ہے۔)

✽ قرآن سے اہل سنت کے لگاؤ کو بیان کرنے کی حاجت نہیں ہے۔ کیونکہ ان کے بڑے اور چھوٹے، بچے اور بوڑھے اس کو زبانی یاد کرتے یا کم از کم اس کی تلاوت کرتے ہیں۔ بلکہ وہ اس پر عمل کرنے کے لئے کوشاں رہتے ہیں۔ ان میں اس پر عمل پیرا ہونے کا داعیہ ہمیشہ پایا جاتا ہے اور ان کے یہاں تفسیر قرآن کے اصول میں سے یہ بھی ہے کہ سب سے پہلے قرآن کی قرآن سے تفسیر کی جائے گی۔ اس کے بعد سنت رسول اللہ ﷺ کی طرف رجوع کیا جائے گا۔ آخر میں کلام عرب اور ان کی لغت کو دیکھیں گے۔

ہماری آپ سے اتنی گزارش ضرور ہے کہ آپ قرآن کریم کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیں۔ کیونکہ قرآن کریم وعظ و ارشاد اور فصاحت و بلاغت کی اونچے کمال کو پہنچا ہوا ہے۔ اگر اس میں تدبر اور تفکر سے کام لیا جائے، عقل سلیم کے دروازے وا کر کے اس کی تلاوت کی جائے تو اس کے اوامر و نواہی کی صراحت اور اس کے اسلوب بیان کی وضاحت سے ضرور محظوظ ہوا جاسکتا ہے۔ آپ اس بات کو بھی جان لیجیے کہ: سلفی جماعت اہل السنہ والقرآن کا دستور العمل صرف قرآن کریم ہے جبکہ اقتداء وہ صرف سید آل البیت وسید الانبیاء والمرسلین محمد رسول اللہ ﷺ کی ہی کرتے ہیں۔

ہماری آپ کی خدمت میں مخلصانہ عرض ہے کہ آپ بھی رسول اللہ ﷺ کے قافلہ میں شامل ہو کر ان کے ہمرکاب ہو جائیں تاکہ آخرت میں نجات و فلاح کے حق دار بن کر آپ سرخرو ہو سکیں۔

اس لیے کہ قیامت کے دن اگر اس بارے میں تم سے سوال کیا گیا تو تمہارے سامنے

رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ اطہر بطور حجت اور دلیل موجود ہوگی۔ رسول اللہ ﷺ کی ذات ہی تمہارے لئے نمونہ اور قدوہ ہے۔ آپ ہی امام و پیشوا ہیں۔ اگر نبی کریم ﷺ کی اقتداء اور اتباع کا الزام کریں گے تو نجات پائیں گے۔

اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْأَلُكَ اَنْ تَجْمَعَنَا بِالْحَبِيبِ الْمُصْطَفٰى ﷺ فِي
جَنّٰتِ النَّعِيْمِ وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنْ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ



آخری گزارش

قارئین کرام! اہل بیت رسول ﷺ کے مناقب اور فضائل کے بارے میں یہ مختصر سی تحریر اختتام پذیر ہوئی۔ درحقیقت اہل بیت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اچھائیوں، خوبیوں، کارناموں، بھلائیوں اور تعریفوں کا سلسلہ نہ ختم ہوا ہے اور نہ کبھی ختم ہوگا۔ علاوہ ازیں اہل بیت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان تعلقات کے بارے میں دفتر کے دفتر سیاہ ہو جائیں پھر بھی حق ادا نہیں ہو سکتا۔ لہذا میرا سفر تمام ہوا مگر کام ابھی باقی ہے۔

قلم و قراطاس کی اس جولانی سے اتنا فائدہ ضرور ہوا کہ میں نے اہل سنت والجماعت کے نزدیک آل بیت رسول ﷺ کے حقوق کے بارے میں آپ کے سامنے ایک مختصر سا خاکہ پیش کر دیا ہے۔ کیونکہ بہترین کلام وہ ہوتا ہے جو مختصر اور جامع ہو۔

محترم قارئین کرام! بلاشبہ آج امت اسلامیہ وحدت واتحاد کی نہایت شدت سے ضرورت مند ہے اور اختلاف و تفرقہ بندی کے اسباب کو بہت پیچھے پھینک دینے کی۔ مگر یہ بات سو فیصد حقیقت ہے کہ: اثنا عشری ملاؤں کی طرف سے اہل السنہ سلفی جماعت حقہ پر رسول اللہ ﷺ کے اہل بیت رضی اللہ عنہم سے بغض والی تہمت بازی، ان اثنا عشری رافضی شیعوں کے مصادر میں جھوٹے قصے کہانیوں اور روایتوں کا بھرا ہوا ہونا اور صد افسوس عامۃ الناس کی طرف سے ان جھوٹی کہانیوں کو مانتے چلے جانا، امت میں فرقہ بندی اور اس کا گروہوں میں بٹ جانے والے اسباب میں سے اہم ترین اسباب ہیں۔ علاوہ ازیں عامۃ الناس کا اپنے ان ملاؤں، مولویوں کی تقلید و تصدیق کرتے چلے جانا بھی ایک مصیبت ہے کہ جو آل بیت رضی اللہ عنہم کے نام پر لوگوں سے مال بٹورتے اور عیش کی زندگی گزارتے ہیں۔ سب کو معلوم ہے کہ اس طرح کے حرام راستے سے وہ آل

بیتِ محمدیؑ کی وراثت علمی و عملی کی کوئی خدمت سرانجام نہیں دے رہے۔ ہم پڑھے لکھے لوگوں سے پوچھتے ہیں: آل بیت کے آئمہ اطہارؑ کی طرف منسوب جھوٹی روایات کی کثرت پر ریسرچ و تحقیق کے لیے کوششیں کیا ہوئیں؟

اور ہاں! صورتِ حال یہ ہے کہ: دنیا بھر میں آل البیتؑ کے نام پر بے شمار جمعیتیں اور پارٹیاں پائی جاتی ہیں جو علمی اور دعوتی ہونے کا دعویٰ کرتی ہیں جبکہ یہ سب کے سب گروہ آل بیتِ محمدیؑ کے لیے نہیں بلکہ اپنی اپنی مصلحتوں اور اپنے اپنے مفادات کی خاطر ایک فرقہ بندی کی شکل اختیار کیے ہوئے ہیں۔ ان کے پاس کروڑوں ڈالرز کے فنڈز بھی ہوتے ہیں۔

قارئین کرام! ہم سب پر لازم ہے کہ ہم حقائق کو ان کے مصادر سے نکالیں اور پھر ان کو معارضین کے سامنے مدلل طور پر پیش کرنا چاہئے تاکہ حق اور باطل میں فرق کیا جاسکے۔ ہمیں ملت کے اتحاد و اتفاق کی غرض سے علمی انداز میں پوری تحقیق کے ساتھ باطل کا دندان شکن جواب دینا چاہئے۔ فرقہ وارانہ فسادات کی جڑ کاٹ کر امن و آشتی کی فضا ہموار کرنی چاہئے اور مثبت کردار سے امت مسلمہ کو یہود و نصاریٰ کے مقابلہ کے لیے تیار کرنا ہمارا مذہبی فریضہ ہونا چاہیے۔

ہماری قارئین کرام سے مؤدبانہ اپیل ہے کہ ہم اختلاف کی بجائے دعوت الی اللہ کو چار دانگ عالم تک پہنچانے کے لئے متحد ہو جائیں۔ فرقہ بازی اور جماعت سازی جو امت اسلامیہ کے اقدام کو ڈگمگانے کے لیے، آپس میں اختلاف و انتشار کی چنگاری بھڑکا کر ایک دوسرے کو بدظن کرنے کے درپے ہے، اسے دور پھینک دینا چاہیے۔ گروہ بندی کے لیے کام کرنے والوں کے خلاف ہمیں سبسہ پلائی دیوار بن جانا چاہیے۔ یہ گروہی بدطینت امت کی مضبوط دیواروں اور بنیادوں کو اکھیڑ پھینکنا چاہتے ہیں۔

آئیے! ہم آپ کو اہل بیت رسول اور اصحاب رسولؑ کی محبت کی دعوت دیتے ہیں۔ جو نموبازی اور انتہا پسندی سے پاک ہو۔ اسی سے دنیا و آخرت کی کامرانی وابستہ ہے۔“
وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهِ مُحَمَّدٍ وَعَلٰى اٰلِهِ وَصَحْبِهِ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا

عرض مترجم

الْحَمْدُ لِلَّهِ الْوَاحِدِ الْأَحَدِ، الْفَرْدِ الصَّمَدِ، الَّذِي لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ، وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ، وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى خَاتَمِ الْأَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِينَ، الْمَبْعُوثِ رَحْمَةً لِلْعَالَمِينَ، سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِينَ وَبَعْدُ:

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب کہا ہے۔

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغ زندگی
تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن اپنا تو بن

یہ اللہ ہی کی ذات ہے جس نے ساری کائنات کو عدم سے وجود بخشا ہے۔ ارشادِ بانی ہے:

﴿هَلْ أَتَى عَلَى الْإِنْسَانِ حِينٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْعًا مَّذْكُورًا﴾

(الانسان: ۱)

بلاشبہ انسان پر زمانے میں ایک ایسا وقت بھی گزرا ہے جبکہ وہ کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس مخلوق کو اپنی اطاعت اور فرمانبرداری کے لئے وجود بخشا ہے تاکہ اسی کی طرف رجوع کیا جائے اور اسی کے سامنے انکساری اور خاکساری کا مظاہرہ کیا جائے۔ کسی بندہ کی سعادت کا بلند ترین مقام یہ ہے کہ اسے اللہ کی صحیح معرفت نصیب ہو جائے اور اللہ کی ذات پر کامل ایمان کی توفیق مل جائے۔ بلاشبہ بندے کا رب کریم کی معرفت کے حصول کی تگ و دو کرتے رہنا، اس کی زندگی کی معراج ہے اور اس کے وجود کا نقطہ ارتکاز ہے کیونکہ قبر میں سب سے پہلے معرفت الہی کے بارے میں سوال ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کو عدم سے وجود بخشا اور اس میں اپنی نعمتوں کی بارش فرمادی ہے۔ اس نے ہر جاندار کے رزق کی کفالت اپنے ذمہ لے رکھی ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا﴾ (ہود: ۶) مراد یہ ہے کہ زمین پر چلنے والی ہر مخلوق خواہ انسان ہو یا جن، چرند ہو یا پرند، چھوٹی ہو یا بڑی، بحری ہو یا بری، ہر ایک کو اس کی نوعی یا جنسی ضروریات کے مطابق اللہ تعالیٰ خوراک مہیا کرتا ہے۔ ہمارا رب کریم خلق، تدبیر، اور رزق جیسی صفات میں منفرد ہے۔ وہ عدم سے وجود بخشنے والا، معاملات کی منصوبہ بندی کرنے والا اور ہمہ قسم کی خوراک بہم پہنچانے والا ہے ﴿إِلَّا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ تَبَرَّكَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ﴾ (الاعراف: ۵۴) ”خالق اور حاکم ہونا اللہ ہی کو لائق ہے جو برکت والا، جہانوں کا رب ہے“۔ اللہ تعالیٰ کی ذات وحدانیت میں منفرد ہے اس کا کوئی شریک یا شبیہ اور مثیل نہیں اور کائنات کے تمام امور کی زمام اسی کے ہاتھ میں ہے۔ اس کی ذات قوی اور غالب ہے اور تمام گردنیں اس کے سامنے جھکی ہوئی ہیں کیونکہ اللہ کی ذات اپنی مخلوق پر غالب اور برتر ہے۔ بڑے سے بڑے جابر اور سفاک اس کے سامنے بے بس ہیں وہ ہر چیز پر غالب ہے، ہم تمام کے تمام اور کائنات کی ساری مخلوق اس کی مطیع اور فرمانبردار ہے۔ اللہ کی ذات اپنے ہر کام میں حکیم ہے اور وہ ہر چیز سے باخبر ہے۔ لہذا اس کو یہ بات ناگوار ہے کہ اس کے علاوہ کسی اور کی عبادت کی جائے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿إِنْ تَكْفُرُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ عَنْكُمْ وَلَا يَرْضَىٰ لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ وَإِنْ تَشْكُرُوا يَرْضَهُ لَكُمْ﴾ (الزمر: ۷) اگر تم ناشکری کرو گے تو یاد رکھو اللہ تعالیٰ تم سب سے بے نیاز ہے اور وہ اپنے بندوں کی ناشکری سے خوش نہیں ہوتا اور اگر تم شکر کرو گے تو وہ، اسے تمہارے لئے پسند کرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں اپنی وحدانیت پر دلالت کرنے والی کوئی نہ کوئی نشانی ضرور رکھی ہے تاکہ بندے کا اللہ تعالیٰ سے قلبی تعلق استوار رہے۔ اللہ کی کھلی نشانیوں میں سے دو نشانیاں رات اور دن کی آمد و رفت ہے جو ایک دوسرے کے تعاقب میں رواں دواں ہیں۔ رات آتی ہے اور دن رخصت

ہو جاتا ہے اور دن کے آتے ہی رات کی بساط سمٹ جاتی ہے۔ ان دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کے آگے پیچھے رواں دواں ہیں اور دونوں تیزی سے ایک دوسرے کا پیچھا کر رہے ہیں۔ یہی چیز ہمیں اللہ کی وحدانیت کا درس دیتی ہے۔

چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يُغْشِي اللَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهُ حَثِيثًا﴾ (الاعراف: ۵۴)

”اللہ تعالیٰ رات سے دن کو ایسے طور پر چھپا دیتا ہے کہ وہ شب اس دن کو جلدی سے آ لیتی ہے۔“

ذرا زمین کو دیکھ لو کیسے ہمارا بوجھ اٹھائے پھرتی ہے اور ذرا آسمان کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھ لو کیسے ہم پر سایہ فگن ہے۔ گویا یہ چیزیں قدرت کی بے مثال کاریگری اور صناعتی کا مظہر ہیں اور اس کی تدبیر کی عجیب منہ بولتی تصویریں ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿هَذَا خَلْقُ اللَّهِ فَأَرُونِي مَاذَا خَلَقَ الَّذِينَ مِنْ دُونِهِ﴾ (لقمان: ۱۱)

”یہ ہے اللہ کی پیدا کردہ چیزیں، اب تم مجھے اس کے سوا دوسرے کی مخلوق تو دکھاؤ۔“

ہماری علماء امت سے درد مندانہ اپیل ہے کہ آج اشد ضرورت ہے: امت مسلمہ کو دین کے اصول و مبادی سے آشنا کرانے کی اس میں عقیدہ توحید کو پہلے نمبر پر پیش کیا جائے کیونکہ اسی عقیدہ کی درستگی میں انسان کی سعادت مندی اور کامرانی کا راز مضمر ہے۔ اسی پر دین اسلام کی بنیاد قائم ہے اور یہی سارے اعمال کی اساس ہے حتیٰ کہ تمام عبادات کی قبولیت کا دار و مدار توحید پر ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَاعْلَمْ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ﴾ (محمد: ۱۹)

”اے نبی ﷺ آپ یقین کے ساتھ علم حاصل کر لیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔“

انسان کو اسی عقیدہ توحید پر قائم رہنا چاہئے کیونکہ توحید الہی اور اطاعت الہی ہی مدار خیر

ہے اور اس سے احراف شر ہے۔ توحید خالص ہی اللہ کے دین حنیف کی بنیاد اور روح ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے

﴿وَمَنْ يَتَّبِعْ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ﴾ (آل عمران: ۸۵)

”جو شخص اسلام کے سوا اور دین تلاش کرتا ہے اس کا دین قبول نہیں کیا جائیگا اور وہ آخرت میں نقصان پانے والوں میں ہوگا۔“

اس پر آشوب دور میں آئے روز نئے نئے فتنے سر اٹھا رہے ہیں۔ امت اسلامیہ پر باطل کی یلغار ہے۔ فتنہ و فساد کے بادل منڈلا رہے ہیں۔ کفر و شرک کے فتنہ والے لگھٹا ٹوپ اندھیرے نے دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔ جو ان فتنوں کی جانب متوجہ ہوا وہ عقیدے و اخلاق اور معاشرت و سلوک کے اعتبار سے پچھلی صف میں چلا گیا۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”فتنے اندھیری رات کی طرح وجود پذیر ہوں گے۔ آدمی ایمان کی حالت میں صبح کرے گا اور شام کو کافر ہوگا۔ یا شام تو ایمان کی حالت میں کرے گا لیکن صبح کو کافر ہوگا۔ اور اپنے دین کو حقیر دنیاوی متاع کے بدلے فروخت کر ڈالے گا۔“

فرزندان اسلام! لائق صد ستائش ہیں وہ لوگ جو دین ایمان پر قائم ہیں اور باعث سعادت ہیں وہ لوگ جو سنن نبوی اور احکام الہی پر کھ بند ہیں۔ اسلام کے قائم کردہ تابندہ نقوش کو اجاگر کرنا جن کا شیوہ زندگی ہے۔ عادات و انوار اور رسوم و رواج کی رو میں وہ حق سے بالشت بھر منحرف ہونا گوارا نہیں کرتے اور نہ ہی بدعات و خرافات۔ بے بھنور میں پھنس کر جاہد حق سے پیچھے ہٹنے کو پسند کرتے ہیں۔ ابو ثعلبہ خشنیؓ سے یہ فرمان رسول مروی ہے۔

”ایک ایسا دور آنے والا ہے جس میں دین پر عمل پیر ہونا سلگتے ہوئے انگاروں کو ہتھیلی پر رکھنے کے مترادف ہوگا۔ چنانچہ اس عہد میں ایمان پر ثابت قدم رہ کر عمل پیر ہونے کا ثواب ۵۰ آدمیوں کے عمل کے برابر ہوگا۔ پوچھا گیا یا رسول اللہ ﷺ کیا واقعی اس عمل کا ثواب

۵۰/آدمیوں کے عمل کے برابر ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں اجر ۵۰ آدمیوں کے عمل کے برابر، دگا۔ (آخر جہ ابوداؤد)

محترم بھائیو! میں اس گروہ کو مخاطب کرنا چاہتا ہوں جس نے لا پرواہی کا لبادہ اوڑھ رکھا ہے اور برائی کا چوفا زیب تن کر رکھا ہے۔ رذائل پر عمل کرنا ان کی فطرت ثانیہ اور ذات و رسوائی ان کا مقدر بن چکی ہیں۔ میں ان سے کہنا چاہتا ہوں: تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم گمراہی، بے راہ روی، اور برائی پر مصر ہو۔ نافرمانیوں اور گناہوں پر ڈٹے اللہ تعالیٰ کو چیلنج کرنے پر آمادہ ہو! کیا تم کو موت کا خوف نہیں؟ اس ذات باری کا لحاظ رکھو جس نے ڈرایا بھی ہے اور دھمکی بھی دی ہے۔ بارہا شدت کا لہجہ اختیار کر کے قہریت کا ثبوت بھی پیش کیا ہے۔ میرے بھائیو! نبی اکرم ﷺ کے سامنے حوض کوثر پر سے دھتکارے جانے اور جام کوثر کی سیرابی سے محروم رہ جانے کا بھی خیال کرو۔

سیدہ اسماء: ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا: ”میں حوض کوثر پر کھڑا تم لوگوں کا انتظار کر رہا ہوں گا۔ کچھ لوگوں کو میرے سامنے سے لایا جا رہا ہوگا اور ان کو حوض کوثر پر آنے سے روکا جا رہا ہوگا میں کہوں گا الہی یہ میرے امتی ہیں۔ کہا جائے گا آپ ﷺ کو کیا معلوم ان لوگوں نے آپ ﷺ کے بعد کیا کیا گل کھلائے تھے۔ انہوں نے آپ ﷺ کے بعد روگردانی اختیار کی اور یہ اسلام سے دور ہوتے گئے اور میں کہوں گا ان کو میری نظروں سے دور کرو! جنہوں نے ہرے بھر دین اسلام بگاڑ ڈالا تھا۔ (متفق علیہ)

محترم بھائیو! قابل تعجب ہے وہ دل جس پر تذکرہ حق کے وقت خشیت طاری نہ ہو۔ لائق حیرت ہے وہ آنکھ جو نہ امت و حسرت سے بہہ نہ پڑے! لائق افسوس ہے وہ نفس جو غوف الہی سے لرزہ بر اندام ہو کر حق کی طرف راغب نہ ہو۔ لہذا یہ اتمام سلسلہ ان بھائیوں کو مخلصانہ مشورہ ہے کہ ہم مولائے کریم کے روبرو گرگڑا کر اس کے عم و کرم کا استدعا کریں۔ سیاہ

کاریوں پر نادم اور پشیمان ہو کر فوراً توبہ کریں۔ ہر حال میں اللہ کا تقویٰ اختیار کریں اور ہر وقت اللہ کے سامنے دست سوال دراز کرتے رہا کریں۔ خواہ خوف و ہیبت کا عالم ہو یا خوشی و مسرت کا کیونکہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہتا ہے وہ مصیبتوں سے محفوظ رہتا ہے۔

آخر میں اپنے بھائی عبدالجلیل ابوساریہ کا از حد ممنون ہوں کہ جن کی ذات اس عمل کی اصل محرک ہے۔ اس کتاب کو اردو قالب میں ڈھالنا انہیں کی خواہش تھی۔ ہم ان کا اور دارالعلوم الندیہ کا شکریہ ادا کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ ہمارے اس عمل کو اپنی رضا اور خوشنودی کے لئے قبول فرمائے۔ بھائی عبدالجلیل ابوساریہ کو کارخیر میں مزید حصہ لینے کی توفیق عطاء فرمائے۔ دارالعلوم الندیہ کو دن دو گنی رات چو گنی ترقی عطاء فرمائے اور ہمیں اپنے حفظ و امان میں رکھے۔ اس عمل کو امت مسلمہ کے لئے عموماً اور میرے والدین، اساتذہ اور اولاد کے لیے خصوصاً صدقہ جاریہ بنا دے۔ (آمین)

تامل فی الوجود بعین فکر
تری الدنیا الدنیۃ کالخیال
ومن فیہا جمیعاً سوف یفنی
ویبقى وجہ ربك ذوالجلال

اسأل اللہ سبحانہ و تعالیٰ ان یزیدنا نوراً و یشرح بہ صدورنا بما فیہا من الحجج و البراہین الساطعہ، لنعلم أننا علی المحجۃ البیضاء لیلہا کنہارہا، لا یزیغ عنہا الاہالک ﴿قَدْ جَاءَ كُمْ بَصَائِرٌ مِنْ رَبِّكُمْ فَمَنْ أَبْصَرَ فَلِنَفْسِهِ وَمَنْ عَمِيَ فَعَلَيْهَا وَمَا أَنَا عَلَيْكُمْ بِخَفِيظٍ﴾ (الانعام: ۱۰۴) و اسالہ سبحانہ و تعالیٰ ان ینفع بہ، وان یجعل اعمالنا خالصۃ لوجہہ الکریم لنفوز بسعادۃ الدارین و هو حسبنا و ولینا و هو نعم المولیٰ و نعم النصیر و صلی اللہ و سلم علی نبینا محمد و علی آلہ و اصحابہ و سلم تسلیماً کثیراً۔



آل بیت اور رسول اللہ ﷺ کے اصحاب رضی اللہ عنہم جمعین کا انتخاب

تالیف

ابو خلیفہ علی بن محمد القصبی رضی اللہ عنہ

ترجمہ

فضل الرحمن رحمانی الندوی

فاضل جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ

فرمان علی رضی اللہ عنہ

”میں نے محمد ﷺ کے صحابہ کو قریب سے دیکھا ہے۔ میری نگاہ میں ان سا کوئی نہیں ہے۔ وہ صبح کو پراگندہ حال اٹھتے تھے۔ ان کی راتیں بارگاہ الہی میں قیام و قعود اور رکوع و سجود کرتے گزرتی تھیں۔ وہ تمام رات بارگاہ ایزدی میں پیشانیوں کو رگڑ رگڑ کر اپنی عاجزی کا اللہ کے سامنے اظہار کیا کرتے تھے۔ مناجات سے ان کی راتیں آباد ہوا کرتی تھیں۔ ان کی دونوں آنکھوں کے درمیان کثرتِ سجود کی وجہ سے نشان بن گئے تھے۔ اللہ کے عذاب کے خوف اور اس کے ثواب کی امید میں قیام کی وجہ سے ان کی کمریں ایسے خمیدہ ہو گئی تھیں، جیسے شدید ہوا کے وقت پیڑ جھک جاتا ہے۔“ (سچ البلاغۃ، خطبہ نمبر ۹۷)

تقدیم

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ، وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى الْمَبْعُوثِ
الْأَمِينِ، سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ بَيْتِهِ الطَّاهِرِينَ الطَّيِّبِينَ،
وَعَلَى صَحَابَتِهِ الْغُرِّ الْمَيَامِينِ، وَمَنْ تَبِعَهُمْ بِإِحْسَانٍ إِلَى يَوْمِ
الدِّينِ، أَمَّا بَعْدُ!

یہ قارئین کرام کے لیے ایک عظیم خوشخبری ہے کہ اس وقت ان کے ہاتھوں میں ایک مفید کتاب ہے جس نے عقیدہ اہل سنت کی ترجمانی کا حق ادا کر دیا ہے۔ اس کو پڑھ کر بے شمار لوگ اہل بیت کے بارے میں صحیح اعتقاد سے روشناس ہوئے ہیں کہ شاید اس کے مفید ہونے کی وجہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے جو رسول اللہ ﷺ کی شان بیان کرتا ہے۔

﴿وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ﴾ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے دشمنوں کے مقابلہ میں آپ کو بلندی عطا فرمائی اور آپ ﷺ کے ذکر کو دوام بخش دیا ہے۔ لہذا جو شخص بھی ناموس رسالت کا دفاع کرے گا اور صحابہ کرام اور آل بیت رسول ﷺ کی عزت و آبرو کے لیے تگ و دو کرے گا تو اس کے مقدر میں بھی رفعت لکھ دی جائے گی۔

یہ ایک مختصر اور جامع کتاب ہے جس کا کئی زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے جو اس کے قبول عام ہونے کی بین دلیل ہے۔ یہ محض اللہ کا فضل و احسان ہے کہ جسے چاہتا ہے وہ عطا فرما دیتا ہے۔ یہ کتاب اس وجہ سے بھی دلچسپ ہے کہ اس میں مؤلف کے قبول اسلام کی کہانی بڑے خوبصورت اور اچھوتے انداز میں خود مؤلف نے بیان کی ہے جس نے اس کتاب کی مقبولیت میں اضافہ کر دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ حدیث و سنت کے شیر، میرے پیارے بھائی ابوخلیفہ کو وہ فردوس اعلیٰ میں فروکش فرمائے اور قیامت کے دن انہیں نبی مکرم ﷺ، آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور آپ ﷺ کے آل بیت رضی اللہ عنہم کے زمرے میں شامل فرمائے۔ (آمین)

وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَّآلِهِ وَصَحْبِهِ وَسَلَّمَ

آپ کا بھائی
سیدنا صرہاشمی



مقدمہ کتاب

الْحَمْدُ لِلَّهِ حَمْدًا كَثِيرًا طَيِّبًا مُبَارَكًا فِيهِ، مِلءَ السَّمَوَاتِ
وَالْأَرْضِ، وَمِلءَ مَا شَاءَ رَبَّنَا مِنْ شَيْءٍ بَعْدُ، وَصَلَوَاتُ اللَّهِ
وَسَلَامُهُ عَلَىٰ صَفْوَةِ خَلْقِهِ وَخَاتِمِ رُسُلِهِ مُحَمَّدٍ وَعَلَىٰ آلِهِ
وَآصْحَابِهِ وَمَنْ تَبِعَهُمْ بِإِحْسَانٍ إِلَىٰ يَوْمِ الدِّينِ، أَمَّا بَعْدُ!

یہ کتاب چند اوراق کا مجموعہ ہے جو درحقیقت میری زندگی کی کہانی ہے۔ اس میں میری زندگی کے گزشتہ لمحات کی داستان رقم ہے گویا میری حیات گم گشتہ کے یہ چند اوراق پارینہ ہیں جنہیں میں نے افکار و خیالات کے ضمن میں لکھا تھا۔ میں نہیں سمجھتا تھا کہ یہ حق و باطل کے درمیان رسہ کشی تھی کہ جو موروثی اور حقیقی کشمکش تھی۔ ایسی کش مکش انسانی زندگی میں بڑی آزمائش کی حیثیت رکھتی ہے۔

یہ صرف میرا ہی تجربہ نہیں بلکہ بہت سے ان لوگوں کا تجربہ بھی ہے جو عجیب و غریب عقائد والے معاشرے میں پیدا ہوئے اور اپنے سماج کے لئے انہوں نے قربانیاں بھی پیش کیں اور اس کے دفاع میں جان توڑ کوششیں بھی کیں۔ لیکن جب حقائق ان کے سامنے اجاگر ہوئے تو انہیں پتہ چلا کہ حق اس کے خلاف ہے۔ جس اعتقاد سے وہ وابستہ ہیں وہ بالکل غلط ہے اور انہیں بخوبی علم ہو گیا کہ خاندان اور سماج کے رسوم و رواج کے نام باطل رسومات کا رواج اختیار کرنا گویا بہترین چیز کے بدلے کم تر چیز طلب کرنے کے مترادف ہے۔ حالانکہ جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ بہتر اور باقی رہنے والی چیز ہے۔ و ما عند اللہ خیر و ابقىٰ

ابو خلیفہ القضیبی

۲۷/۳/۲۰۰۵ء

کچھ یادیں کچھ باتیں

میری پرورش و پرداخت ایک ایسے مذہبی شیعہ گھرانے میں ہوئی جس نے مذہب کی خدمت کو اپنا شیوہ بنایا ہوا تھا۔ میرا گھرانہ علمی و فکری ہر دو میدانوں میں شیعہ مذہب کی خدمت انجام دے کر قرب الہی کا خواہاں تھا۔ صغریٰ ہی میں میرے والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ چنانچہ میری اور میری بہنوں کی کفالت میرے ماموں نے اپنے ذمہ لے لی تھی۔ میرے ماموں مذہبی طور پر صاحب جبہ و دستار تھے۔ انہوں نے بحرین میں شیعوں کے ایک مذہبی ادارہ ”جد حفص“ میں تعلیم حاصل کی۔ بعد میں ایران کے مشہور شہر قم میں اعلیٰ تعلیم کی تکمیل کی تھی۔ ماموں ہماری دیکھ بھال میں بڑے چاق و چوبند رہا کرتے تھے۔ ان کی خواہش تھی کہ کہیں ہم کسی بری سوسائٹی میں پڑ کر بے راہ روی کا شکار نہ ہو جائیں اور اس راہ پر نہ چل پڑیں جو ہماری خاندانی نیک نامی پر دھبہ ہو، ہمارے دین و اخلاق کو غارت کر ڈالے اور ہمارے رب کریم کی ناراضگی کا سبب بن جائے۔ جس کی وجہ سے آپ بڑی سختی سے ہم لوگوں پر نگاہیں رکھتے تھے۔ ہمارے ماموں کی ہم لوگوں کے بارے میں سختی کا یہ عالم تھا کہ جب ان کو پتہ چلا: میں موسیقی کے کالج میں داخلہ لینا چاہتا ہوں اور میری خواہش بھی تھی کہ میں موسیقی ماسٹرنوں کا تو اس موقع پر میرے ماموں نے اس کا سختی سے نوٹس لیا۔ انہوں نے شدت کے ساتھ منع کیا اور اس بات کو ذہن سے کھرچ کر نکال دینے کے لئے بھرپور کوشش کی۔ کہنے لگے: بچپن میں میرا کوئی ایسا سرپرست نہ تھا جو میری رہنمائی کرتا اور برے کاموں سے مجھے روکتا۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے بڑی تنگ دستی اور زبوں حالی کی زندگی گزاری ہے۔ لہذا میرے بچے برانہ مانو!۔ میری نصیحت قبول کرو۔ میں کہہ سکتا ہوں کہ موسیقی کے جنون کو ذہن سے نکالنے میں،

میرے ماموں کا سب سے بڑا ہاتھ تھا۔ اگر ان کی عنایت و شفقت نہ ہوتی تو خدا جانے میں کس حال میں ہوتا۔ اس کے علاوہ اور بھی دوسرے اسباب ہیں جو میرے اس جنون کی راہ میں روکاٹ بن گئے اور میں اس شیطانی دام میں پھنسنے سے محفوظ رہا۔

جہاں تک میری والدہ کا تعلق ہے تو وہ دینی محافل میں شرکت کی عادی تھیں اور اس کا بڑا اہتمام کرتی تھیں۔ وہ ان مجالس میں اجر و ثواب کی نیت سے شرکت کرتی تھیں۔ ان کا واحد نقطہ نظر یہ ہوتا تھا کہ وہ اپنے امام حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی خوشنودی حاصل کر کے اپنے اعتقاد کی خدمت کر رہی ہیں۔ یہاں تک کہ ان کو مرض تک کی پروا نہیں ہوتی تھی۔ امراض و اسقام بھی ان مجالس میں شرکت سے انہیں روک نہیں سکتے تھے۔ میری ماں کا پکا عقیدہ تھا کہ مجالس عزا میں شرکت نہ کرنا معصیت اور گناہ ہے اور اس میں شرکت کرنا امراض و اسقام کے لئے باعث شفاء ہے۔ اس کی وجہ سے مصائب و آلام دور اور غم و اندوہ ختم ہو جاتے ہیں۔

میرے نانا مرحوم کا اپنی زندگی میں ڈھول وغیرہ بنانے کا پیشہ تھا۔ وہ ڈھول تاشوں کی مرمت کیا کرتے تھے جو ڈھول تاشے جلوس حسین رضی اللہ عنہ میں خراب ہو جایا کرتے وہ ان کی اصلاح اور مرمت کیا کرتے تھے۔ اور جو ڈھول تاشے رمضان کے آخری عشرے کی راتوں (جس کو الوداع کی رات سے موسوم کیا جاتا ہے) میں استعمال ہوتے تھے آپ کے یہاں ان کی مرمت کی جاتی جس میں بڑھ چڑھ کر ہمارے نانا حصہ لیا کرتے تھے۔

میں یہاں پر یہ بھی بتا دینا چاہتا ہوں کہ: میرے سمیت میرے تمام گھر والے اُس وقت ایک جاہل پیر سید ”خوئی“ کے مرید و مقلد تھے۔

چونکہ میں مذکورہ معاشرے کا پروردہ تھا، لہذا مجھے بچپن ہی سے بحرین کے محلہ حمام میں ”حاجی عباس“ کے نام سے موسوم ماتم میں حاضری محبوب تھی۔

میں اپنی صغریٰ سے ہی تمام مجالس ماتم میں شریک ہونے میں آگے آگے رہا کرتا تھا تاکہ مجھے اپنے ہاتھوں سے اٹھانے کے لئے وہ علم مل جائے جو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے نام سے

جھانکی کی شکل میں نکالا جاتا ہے۔

جب میں تھوڑا اور بڑا ہوا تو ان ماتمی جلو سوں میں شرکت شروع کر دی جن میں اثنائے ماتم پیٹھ پر لوہے کی زنجیریں چلائی جاتی ہیں جس کی وجہ سے بدن خون آلود ہو جایا کرتے ہیں۔ اسکول میں، مجھے اور میرے ساتھیوں کو دینی پروگراموں میں شرکت کا شوق بڑا تھا۔ کوئی شیعہ پروگرام یا مجلس ایسی نہ ہوتی جس میں ہم بڑھ چڑھ کر حصہ نہ لیتے۔ گویا پروگرام تعلیمی نشاط سے آزادی کا بہانہ تھے۔ ہمیں اس دن آزاد رہنے کا موقع مل جاتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ مجالس اور محافل والے دن اسکول میں بکثرت غیر حاضری ہوا کرتی تھی اور ایک معقول عذر ہمارے ہاتھ آ جاتا تھا۔ اس دن ہماری غیر حاضری پر حوصلہ شکنی کی بجائے دلجوئی کی جاتی تھی اور ہم حوصلہ افزائی کے مستحق قرار دیئے جاتے تھے۔ بڑے افسوس کے ساتھ مجھے اس حقیقت کا انکشاف کرنا پڑ رہا ہے کہ ہم میں اکثر نوجوان اس لیے مجالس عزا و ماتم کا شدت سے انتظار کیا کرتے تھے کہ ان جیسی مجلسوں اور محفلوں میں لڑکیوں سے چھیڑ خانی کا موقع مل جاتا تھا اور محفلوں میں مردوزن کے اختلاط کا راستہ ہموار ہو جایا کرتا تھا۔ ولا حول ولا قوۃ إلا باللہ۔

جہاں تک میرے خاندان کا تعلق ہے تو ان کو نذر و نیاز کے اہتمام سے بڑا لگاؤ تھا۔ وہ نذر و نیاز زیادہ کیا کرتے تھے۔ میری سگی پھوپھی کو ہمیشہ اسقاط حمل کی شکایت رہا کرتی تھی۔ یا تو بچہ ولادت سے قبل ہی اسقاط ہو جایا کرتا تھا۔ یا ولادت کے فوراً بعد فوت ہو جاتا تھا کئی مرتبہ ان کو یہ عارضہ لاحق ہوا حتیٰ کہ ان کے یہاں لوگوں اور ہمارے اہل و عیال کو یقین ہو گیا کہ اب ان کی اولاد بچنا مشکل ہے۔ چنانچہ ان پر اولاد کی طرف سے مایوسی چھا گئی۔ پھر ان لوگوں نے حضرت علیؑ کی نذرمانی کہ اگر ان کے یہاں ہر طرح کے عیوب سے منزہ اولاد پیدا ہوئی اور اس کو زندگی بھی ملی تو وہ اپنے مولود کو ہر سال عاشورا کی صبح ۱ ماتمی جلوس میں

۱ کبھی بکھارا یا ہوتا ہے کہ نذر ماننے والے کی مانگ پوری ہو جاتی ہے۔ گویا اندھیرے میں اندھے کے ہاتھ ٹیڑا جاتی ہے اور وہ کچھ بیٹھتا ہے کہ غیر اللہ میں سے جس سے اس نے استغاثہ کیا ہے اس نے اس کی ساری ہے۔ لیکن حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔ نذر کا تھک لگ جانا اس بات کا شرعی جواز فراہم نہیں کرتا کہ غیر اللہ سے نذرمانی جائے۔

لے جا کر شامل کیا کریں گے اور اس کو کفن پوش کر کے اس میں شریک کیا جائے گا۔ چھریوں سے

﴿﴾ کیونکہ ہمارا زمرہ کا مشاہدہ ہے کہ کتنے لوگ ایسے ہیں جو غیر اللہ سے استغاثہ کرتے ہیں اور ان کی نذریں پوری ہو جاتی ہیں۔ مثال کے طور پر نصرانی لوگ گر جا گھر جاتے ہیں اور اپنے عقیدہ کے مطابق حضرت مریم علیہا السلام سے شفاء اور مال و دولت میں فراوانی کی دعا کرتے ہیں۔ یہ اللہ کی طرف سے ابتلا و آزمائش ہوتی ہے اور انہیں رزق وغیرہ مل جاتا ہے۔ اسی طرح تمام مذہب و افکار سے متعلق لوگوں کا معاملہ ہے۔ اس زمرہ میں ہندو، سکھ، عیسائی، یہود اور وہ تمام کے تمام لوگ شامل ہیں جو بتوں کی پوجا کرتے ہیں۔ اپنے اپنے باطل معبودوں سے اپنی اپنی منتوں اور حاجتوں کا سوال کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی حاجتوں اور منتوں کو پورا کر کے انہیں آزار ہا ہوتا ہے۔ گویا کہ اس میں بھی اللہ کی طرف سے ان کو بظاہر ڈھیل دی جا رہی ہوتی ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ﴾ (الاعراف: ۱۸۲) (اور جن لوگوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا) ہم ان کو چپکے چپکے جہاں سے ان کو معلوم نہ ہو (عذاب یا ہلاکت کی طرف) کھینچ لے جائیں گے۔ (یعنی ہم ان کے شرک و جرائم کی وجہ سے ان پر دنیاوی عیش و فراخی کے دروازے کھول دیں گے اور خوب مالا مال کر دیں گے حتیٰ کہ وہ دنیا کی نعمتوں میں بدمست ہو کر آخرت کی جو ابدی کو فراموش کر بیٹھیں گے۔) اس بارے میں کتاب الکافی [الکلینی: ۴۵۲/۲] پر جناب امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کر کے صاحب کتاب رقمطراز ہے کہ ”آپ رضی اللہ عنہ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس سے مراد وہ بندہ ہے جو گناہ کرے اور اس کے باوجود اللہ تعالیٰ اس پر نعمتوں کی بارش کرتا چلا جائے اور وہ ان بیش بہا نعمتوں میں ایسا محو اور مگن ہو جائے کہ اسے اپنے کئے گناہوں سے استغفار کی بھی توفیق نصیب نہ ہو۔ اسے عربی زبان میں استدرج کہا جاتا ہے کہ توبہ و استغفار کی توفیق سلب کر لی جائے۔“

اور غیر اللہ سے استغاثہ کرنا گناہ ہی نہیں بلکہ بالاتفاق عظیم ترین جرم بھی ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت فرمایا: کون سا گناہ، عظیم عظیم ہے؟ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواباً ارشاد فرمایا: تم اللہ کے ساتھ کسی اور کو شریک کرو حالانکہ اس نے تم کو پیدا کیا ہے۔

ایک مسلمان کا اس بات پر سو فیصد یقین ہوتا ہے کہ دعا عبادت ہے اور عبادت اللہ کے علاوہ کسی اور کی کرنا جائز نہیں ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمادیا ہے ﴿وَإِنَّ الْمَسْجِدَ لِلَّهِ فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ أَحَدًا﴾ (الجن: ۱۸) اور مساجد اللہ ہی کے لئے خاص ہیں، لہذا اللہ کے ساتھ کسی اور کو نہ پکارو۔“ اسی طرح نذر بھی عبادت ہے۔ اللہ کے علاوہ کسی اور کی نذر نہیں مانی جاسکتی۔ اسی لئے نوری طبری نے (المستدرک: ۸۲/۱۶) پر امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کرتے ہوئے یہ روایت کی ہے کہ آپ نے غیر اللہ کی نذر ماننے سے منع فرمایا ہے۔ آیت اللہ العظمیٰ محمد امین زین الدین اپنی کتاب ”کلمۃ التقویٰ“ میں (۴۲۲/۶) پر [۶۳] نمبر مسئلہ کے تحت رقمطراز ہیں کہ غیر اللہ کی نذر ماننا جائز نہیں ہے خواہ وہ کسی رسول، نبی، ولی، فرشتہ یا نیک بندے کی ہی کیوں نہ ہو۔ اور نہ ہی کعبہ اللہ۔ مساجد و معابد یا مقدس مقامات کی نذر ماننے کی اسلام اجازت دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم فرمایا کہ وہ لوگوں کو بتلا دیں ”آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی کسی کو نفع و نقصان پہنچانے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔“ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حال ہے تو پھر دوسرے انبیاء و ائمہ کا کس زمرے میں شمار ہوگا؟ اللہ تعالیٰ نے سورہ جن میں ارشاد فرمایا ہے ﴿قُلْ إِنَّمَا أَدْعُو رَبِّي وَلَا أُشْرِكُ بِهِ أَحَدًا﴾ ﴿﴾

ماتم کرنے والوں کا خون اس کفن پر گرایا جائے گا۔ اس کے بعد اس بچے کو امام شہید کے گھوڑے سے مشابہ گھوڑے پر سوار کرایا کریں گے۔ چنانچہ جب میری پھوپھی کے یہاں لڑکا پیدا ہوا تو اس کے والد نے اس کا نام عقیل رکھا۔ اس کے گھر والوں نے بیٹے کے بارے میں جو نذر مانی تھی وہ اس کو چند سال اسی انداز میں پورا کرتے رہے مگر ابھی اس نذر کو مناتے ہوئے چند ہی سال کا عرصہ گذرا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے عقیل کی بصیرت کو کھول دیا اور اس کے دماغ نے یہ بات محسوس کی کہ اللہ وحدہ لا شریک لہ کے علاوہ کسی اور کی نذر نہیں مانی جانی چاہئے۔ امام علی رضی اللہ عنہ کہ جن کی نذر مانی جا رہی ہے وہ انسان ہی تھے اور کسی انسان کی ذات سے عبادت کو منسوب نہیں کیا جاسکتا اور نہ اس کی بارگاہ میں دعا کی جاسکتی ہے۔ نہ اس سے استغاثہ کیا جاسکتا ہے اور نہ اس کی نذر مانی جاسکتی ہے۔ لہذا عقیل نے سب سے پہلے عقل مندی کا کام یہ کیا کہ اپنے والد (یعنی میرے پھوپھا، عبد الجلیل احمد) کو اس نذر کی حرمت کے بارے میں قائل کر لیا۔ اس کا پورا نام عقیل عبد الجلیل احمد ہے۔ عقیل کا یہ مسئلہ (شرک و خرافات سے نفرت والا) اس کے لیے ایک یادگار عمل بن گیا کہ اس طرح کے واقعات نوادرات میں شمار ہوتے ہیں۔

﴿إِنِّي لَا أَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَلَا رَشَدًا﴾ (الجن: ۲۰-۲۱) ترجمہ: ”آپ کہہ دیجئے کہ میں تو صرف اپنے رب ہی کو پکارتا ہوں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا۔ اور کہہ دیجئے کہ مجھے تمہارے کسی نفع و نقصان کا اختیار نہیں۔“

لہذا کسی عقل مند کو شیطان کی چکر میں بھنس کر دھوکہ کا شکار نہ ہونا چاہئے۔ قارئین کو بخوبی معلوم ہونا چاہئے کہ اس قسم کے قصے کہانی نقل کرنے میں میرا یہ مقصد کارفرما ہے کہ میں لوگوں کو ان افکار و عقائد سے باخبر کر دوں جو اللہ تعالیٰ سے تعلق کی کمزوری اور ایمان میں ضعف کی وجہ سے بعض سادہ لوح عوام کے ذہن میں سرایت کر گئے ہیں۔ ورنہ کون سی عقل سلیم اس قسم کے عقائد کو قبول کر سکتی ہے جس ذہن و دماغ میں یہ آیت گونج رہی ہو ﴿أَلَيْسَ اللَّهُ بِكَافٍ عَبْدًا﴾ (الزمر: ۳۶) ”کیا اللہ اپنے بندے کے لئے کافی نہیں ہے؟“ مسلمان کے لئے ہر موقع پر اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت کافی و دشانی ہے مگر بندے کی زبان حال سے اس بات کی نشاندہی ہوتی ہے جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے اپنے اس ارشاد میں ضاحت فرمادی ہے ﴿وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللَّهِ إِلَّا وَهُمْ مُشْرِكُونَ﴾ (یوسف: ۱۰۶): ”ان میں سے اکثر لوگ باوجود اللہ پر ایمان رکھنے کے بھی مشرک ہی ہیں۔“

میرے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی ایک یادگار قصہ پیش آچکا ہے جس کی حیثیت کسی لطفہ سے کم نہیں۔ یہ داستان بھی عقیل بھائی جیسی ہی ہے۔ قصہ یہ ہے کہ بچپن میں میری گردن کا آپریشن ہوا تھا مگر زخم مندمل ہونے کے بجائے پک گیا جس کی وجہ سے دوبارہ آپریشن کرنا پڑا۔ میری والدہ کا کہنا ہے کہ آپریشن کی وجہ سے میری صحت بہت خراب ہو گئی تھی اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ میں موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا ہو گیا تھا۔

میری والدہ کو فکر دامن گیر ہوئی۔ چنانچہ کسی شیعہ ملانے میری والدہ کو نصیحت کی کہ تم ”منامہ“ کے سقیہ نامی علاقہ میں واقع مزارات میں سے کسی ایک مزار پر جاؤ اور خصوصی طور پر سیدنا علیؑ کی دہائی لگا کر نذر مانو کہ وہ مرض سے مجھے نجات دلا دیں اور میں تندرست ہو جاؤں۔ آپ کا دیگر تمام شیعوں کی طرح یہ عقیدہ بھی ہونا چاہیے کہ: ان مزاروں میں مدفون اولیاء نفع رسائی کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

غیر ارادی حالات کی بنا پر دن گزرتے گئے مگر میری والدہ اس مدت مدیدہ میں اس نذر کو عملی جامہ پہنانہ سکیں یہاں تک کہ میں بڑا ہو گیا۔

چنانچہ محض اللہ کی ہدایت اور توفیق کی وجہ سے جب میں عقیدہ اہل سنت والجماعت کے دائرے میں داخل ہو گیا تو میرے گھر والوں نے چاہا کہ مجھے یہ بات باور کرائیں: ”میرے اہل سنت والجماعت کا مذہب قبول کرنے میں اہل بیتؑ کے حق میں ظلم اور بے ادبی کا ارتکاب پنہاں ہے۔ انہوں نے میری والدہ کیمانی ہوئی نذر کا بھی تذکرہ کیا اور بڑی وضاحت کے ساتھ یہ بات کہی کہ اگر آل بیتؑ کی نظر عنایت اور ان کا کرم خاص شامل حال نہ ہوتا تو تم کبھی شفا یاب نہ ہوتے۔ بلکہ تمہارا نام و نشان اور وجود تک نہ ہوتا۔ یہ تو انہی کی دین ہے کہ تم صحت و عافیت سے بہرہ ور ہو کر زندہ ہو گئے۔ ساتھ ہی انہوں نے نذر پر مجھے ڈرایا دھمکایا اور مجھے ترغیب دینا شروع کر دی کہ میں ان کے ساتھ نذر ادا کرنے کی غرض سے مزار پر حاضری دوں تاکہ میں کسی اندوہ ناک واقعہ سے دوچار نہ ہوں۔

انہوں نے وقفے وقفے سے اپنے ساتھ مزار پر حاضری کے لئے مجھے قائل کرنے کی کوشش کی اور سنی مذہب سے مرتد ہو کر شیعہ مذہب قبول کرنے کی تگ و دو کی۔ لیکن ان کی تمام کوششیں رائیگاں گئیں اور وہ کسی صورت میں اپنی اس سازش میں کامیاب نہ ہو سکے۔ تاہم اس جدوجہد نے میرے اندر ایمان کی جڑیں مضبوط کر کے اس کو بال و پر عطا کر دیئے۔

مضحکہ خیز بات یہ ہے کہ اس مزار میں دفن صاحب قبر سے استغاثہ اور اس نذر و نیاز کرتے ہوئے ابھی چند ہی سال کا وقفہ ہوا تھا کہ یہ حقیقت سامنے آگئی: اس کے بارے میں جو باتیں پھیلائی گئی تھیں، ان کی حیثیت اوہام و خرافات سے زیادہ کچھ بھی نہیں ۱ حقیقت واضح ہو جانے کے بعد مزار پر بلڈوزر چلا دیا گیا۔ پوری زمین کو ہموار کر کے استعمال کے قابل بنا دیا گیا۔ یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم اور اس کا لطف و احسان ہے۔



۱ چنانچہ ۱۴۲۵ھ بمطابق مئی ۲۰۰۴ء کو بعض شیعہ اشتہارات کے ذریعہ اعلان کیا گیا کہ اس جگہ مزار ہے۔ لہذا اس کے بارے میں یہ افواہ گردش کرنے لگی کہ اس جگہ مہدی منتظر کے قدموں کے نشانات پائے جاتے ہیں اور یہ جگہ بابرکت ہے۔

امام خوئی کا چاند میں ظہور

جب شیعہ کے مرجع اعلیٰ اور نجف میں شیعوں کے علمی مرکز حوزہ کے قائد امام خوئی وفات پا گیا اور اس کی موت کے جلوس، جس میں اس کی لاش کی شبیہ بھی اٹھائی گئی تھی، سے ہم لوگ فارغ ہو گئے تو جلوس میں شامل افراد کے پاس مخالف نامی محلہ سے یہ خبر پہنچی کہ امام خوئی کا چاند پر ظہور ہوا ہے اور انہیں رات کے اندھیرے میں چاند پر جلوہ نما دیکھا گیا ہے۔ جب ہم نے چاند کا اسی وقت مشاہدہ کیا تو دو دور دور تک اس کا چاند پر نام و نشان تک نہ تھا۔ مگر منامہ (بحرین) کے کچھ لوگ اس خبر کی اندھی تصدیق پر مصر تھے اور اس کے وقوع کا زور و شور سے پروپیگنڈہ کرتے گھوم رہے تھے۔ یہ خبر پورے منامہ میں جنگل میں آگ کی مانند پھیل گئی۔ لوگوں کی ایک بڑی تعداد اس خبر کی تصدیق کر رہی تھی جب کہ زیادہ تر عورتیں اس کی تصدیق میں آگے آگے تھیں۔

جس دوران ہم لوگ جلوس میں شریک ہو کر چہل قدمی کر رہے تھے کہ ایک دم سے لوگ چاند کی طرف اشارہ کرنے لگے اور امام خوئی کے چاند میں وجود کی خبر کا دعویٰ کرنے لگے۔ اسی دوران میرے ایک دوست علی نے مجھے مخاطب کر کے کہا: کیا تم کو کچھ اس چاند پر نظر آ رہا ہے؟ میں نے اپنے دوست سے کہا کہ مجھے تو امام خوئی وئی چاند پر نظر نہیں آ رہے۔ میرے دوست نے بھی مجھ سے یہی بات کہی کہ مجھے بھی چاند پر ایسی کوئی چیز نظر نہیں آ رہی ہے۔ میں نے اپنے دوست سے کہا: تم ان لوگوں کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے کیوں کہہ رہے ہو کہ امام خوئی کا عکس چاند میں نظر آ رہا ہے؟ حالانکہ حقیقت میں تم کو چاند صاف نظر آ رہا ہے اور اس میں کسی کا کوئی عکس نہیں ہے۔ میرے دوست نے مجھے جواب دیا: کیا تم لوگوں میں جوش و خروش نہیں دیکھ

رہے ہو؟ اگر میں نے ان کی مخالفت میں یہ کہا کہ چاند میں کوئی نظر نہیں آ رہا ہے تو ان کا سارا جوش جذبہ میرے خلاف ٹوٹ پڑے گا اور میں تختہ مشق بن جاؤں گا۔ مجھے اپنے دوست کی اس بات پر بڑی ہنسی آئی اور اس کے اس موقف سے درس عبرت حاصل ہوا جس کی اثر پذیری کا مجھے بعد میں احساس ہوا۔

منامہ کے ایک شخص نے اس عجیب و غریب جھوٹی خبر پر یہ تردید لکھ کر شائع کی کہ رسول اللہ ﷺ نے جس دن وفات پائی تھی اس دن آپ ﷺ کا چاند پر ظہور تک نہ ہوا لیکن امام خوئی اپنی وفات کے پہلے دن ہی چاند پر جلوہ افروز ہو گئے ہیں؟

إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ



شیعیت سے نفرت کا سبب

سب سے پہلے میں اس بات کی وضاحت کر دوں: مجھے کوئی یہ خیال نہیں کہ میں اخلاق کی اس بلندی، عادات کی اس پاکیزگی اور روح کی اس بالیدگی میں پہنچ گیا ہوں کہ جس پر انسان کو پہنچنا چاہئے۔ لیکن میں اتنا ضرور جانتا ہوں کہ انسان خواہ اپنی تہذیب و ثقافت اور اپنے دین و مذہب پر قائم ہو، تاہم ہر چیز کی ایک حد ہوتی ہے جس سے تجاوز کرنے والے نے فطرت سلیمہ اور اخلاق کریمہ کی ساری حدود تجاوز کر کے انسانیت کا خون کر ڈالا ہے جس کو کوئی معاف نہیں کر سکتا۔

سب سے پہلے میرے درمیان اور اس مذہب کے درمیان، جس پر میں گامزن تھا، جو ٹکراؤ ہوا وہ مذہب شیعہ کا اخلاقی پہلو تھا۔ دراصل اس مذہب کا اخلاقی پہلو بڑا گھناؤنا اور اتنا گھٹیا ہے کہ عقل انسانی جس کے بارے میں تصور بھی نہیں کر سکتی۔

ابتداء میں، خود کو میں یہ کہہ کر مطمئن کر لیتا تھا کہ شیعوں کی غیر اخلاقی حرکات دراصل ذاتی افعال سے عبارت ہیں۔ اور جن چیزوں کا گاہے بگاہے میں ملاحظہ کرتا رہتا ہوں اس کا مذہب سے دور کا بھی تعلق نہیں ہے۔ حتیٰ کہ وہ دن آ گیا جب اللہ تعالیٰ نے میری بصیرت کھول دی اور میں حقیقت سے آشنا ہو گیا۔ دراصل مذہب شیعہ میں جن چیزوں سے مجھے دلی کوفت ہوتی ہے وہ تین چیزیں ہیں۔

۱۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو گالی گلوچ کرنا اور تبرے بازی کرنا۔

۲۔ متعہ جیسے فحش فعل کے جائز ہونے کا عقیدہ رکھنا۔

۳۔ غیر اللہ سے دعائیں کرنا اور مردہ مخلوق سے حاجت روائی کی امید رکھنا

یہی وہ تین چیزیں ہیں جنہوں نے درحقیقت میری زندگی کو تبدیل کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ میں نے اس باطل عقیدہ کو چھوڑ کر عقیدہ اہل سنت والجماعت کو اپنایا ہے۔ دراصل یہی وہ عقیدہ ہے جس کی عداوت و دشمنی میں میری زندگی کے سنہرے ایام گزرے تھے اور زمانہ جاہلیت میں جس کی طرف بغض کی نظر سے دیکھا کرتا تھا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عین کو گالی دینا اور ان پر تبر ابازی کرنا:

میرا حال یہ تھا کہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بغض رکھتا تھا۔ ان کے بارے میں میرا یہ خیال تھا کہ انہوں نے آل بیت رضی اللہ عنہم پر ظلم کیا ہے۔ لیکن اس کے باوجود میں نے کبھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو گالی دینے اور ان پر لعن ملامت کرنے کی کوشش نہیں کی اور نہ ہی اس خیال نے مجھ کو اس عمل بد پر کبھی اکسایا تھا۔ اس وقت میرے نزدیک اس مسئلہ کی حیثیت محض اخلاقی تھی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں اس وقت میری کیا رائے تھی؟

دراصل میں سمجھتا تھا کہ کوئی دین یا مذہب اپنے پیروکاروں کو اس طرح کا رویہ اختیار کرنے کی ترغیب نہیں دے سکتا۔ میں نے کبھی بھی ایسا نہیں سنا کہ کوئی مذہب اپنے پیروکاروں کو، مردہ لوگوں کو گالی دینے کی ترغیب دے اور ان پر لعن و طعن کو باعث لذت کام و دہن سمجھے۔ یہاں تک کہ قضائے حاجت کے دوران وقت گزارنے کا اس کو ذریعہ قرار دے (العیاذ باللہ)

شیعوں کا ایک بڑا املا، جسے وہ عمدۃ المحققین کہتے ہیں، محمد التوسیر کانی اپنی کتاب ”لآلی الاخبار“ میں ۹۲/۴ پر رقم طراز ہے:

”تم کو اس بات کا بخوبی علم ہونا چاہئے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر لعن و ملامت اور گالی گفتاری کے لئے سب سے بہتر وقت اور موزوں مقام وقت قضائے حاجت کا وقت اور مقام ہے۔“ چنانچہ استیحاء اور قضائے حاجت کے وقت ہر مرتبہ خوب ٹھنڈے دماغ کے ساتھ یہ کلمات ورد زبان رکھا کرو۔“ (علیہم لعنہ اللہ)

((اللّٰهُمَّ العن عمر ثم ابابكر وعمر ثم عثمان ثم معاوية
وعمر اللّٰهُمَّ العن عائشة وحفصة وهنداً أم الحكم،
والعن من رضی بافعالهم الی یوم القيامة))

”اے اللہ! عمرو ابوبکر اس کے بعد عثمان اور پھر امیر معاویہ و عمر پر لعنت فرما۔ اے
اللہ! عائشہ، حفصہ، ہندہ اور ام حکم پر اور جو ان کے کارناموں سے رضامندی کا
اظہار کرے ان پر قیامت تک لعنت نازل فرما۔“

میں انگشت بدنداں تھا اور جس وقت مجھے اس بات کا یقین ہو گیا کہ ہمارے مذہب شیعہ
میں جو سن گھڑت روایات ہیں اور جو قصے کہانیاں ہیں یہ اسی کی کرشمہ سازی ہے جس نے ہمیں
بلاوجہ برا بیچنے کرنے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر اور جو ان سے ہمدردی اور تعلق رکھے، ان کو گالی
دینے اور لعن طعن پر ابھارنے میں بڑا اہم کردار ادا کیا ہے۔ ان روایات میں سب سے پہلے
صحابہ کرام کی تکفیر اور ارتداد کی تہمت طرازی کر کے مذہب شیعہ کے مشن کی ابتداء کی جاتی
ہے۔ اس کے بعد مذکورہ روایات کے روبرو اصحاب رسول پر لعن طعن کرنے کا مرحلہ آتا ہے۔
آخر میں ان سے براءت کا اظہار کیا جاتا ہے۔ یہ تمام کی تمام چیزیں قدیم اور جدید کتابوں
میں ترتیب کے ساتھ لکھی ہوئی ہیں اور تمام شیعہ اس کو جانتے ہیں۔

ان میں سے ایک روایت یہ ہے جس کو رجال الکشی میں نقل کیا گیا ہے:

”حضرت حنان بن سدر اپنے والد سدر سے روایت کرتا ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام
نے فرمایا ہے: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد تین اشخاص کے علاوہ سارے
کے سارے لوگ مرتد ہو گئے تھے۔ میں نے کہا کہ وہ تین اشخاص کون ہیں؟
انہوں نے جواب دیا: حضرت مقداد بن الاسود، حضرت ابوذر غفاری اور
حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہم۔ بعد ازاں چند اور لوگوں کے ایمان کے بارے
میں انکشاف ہوسکا اور فرمایا کہ یہی وہ لوگ ہیں جن کی بیعت پر لوگوں کی نگاہیں

جمی ہوئی تھیں۔ ان لوگوں نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کرنے سے انکار کر دیا تھا اور بہ دل ناخواستہ امیر المؤمنین کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے بیعت کی۔“^①

بعض روایات میں ہے: ”ان تین صحابہ کرام کے ساتھ چار صحابہ اور بھی آ کر مل گئے تھے تاکہ صحابہ کے زمانے میں شیعوں کے اعتقاد کے مطابق مؤمنین کی تعداد سات تک ہو سکے۔ لیکن سات کے عدد سے زیادہ اس وقت مؤمنین کی تعداد نہیں تھی۔ مراد یہ کہ سات صحابہ ہی ایمان کے دائرے میں محفوظ رہ سکے تھے اور باقی نعوذ باللہ مرتد ہو گئے تھے (سبحانک هذا بہتان عظیم)۔“

اس بارے میں شیعوں کی جو روایات شاہد عدل ہیں ان میں سے حضرت حارث بن مغیرہ سے روایت ہے کہ

”انہوں نے عبد الملک بن اعین کو ابو عبد اللہ علیہ السلام سے سوال کرتے ہوئے سنا ہے: ”رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد لوگ ہلاکت و بربادی کا شکار ہو گئے“^② تو ابو عبد اللہ علیہ السلام نے جواب دیا کہ خدا کی قسم ایسا ہی ہے اے ابن اعین! تمام کے تمام لوگ ہلاکت و بربادی کی وادی میں پڑے تھے۔ ابن اعین کہتا ہے، میں نے کہا کہ اس کے بعد اب مشرق و مغرب میں کون صحیح ایمان پر ثابت قدم بچا تھا؟ تو راوی کا کہنا ہے ابو عبد اللہ علیہ السلام نے جواب دیا: گمراہی و بے راہ روی کے دہانے کھل گئے تھے۔ خدا کی قسم! تین افراد کے علاوہ تمام کے تمام ہلاک ہو گئے تھے۔“^③

① دیکھئے: ”الکافی: ۸/۲۳۵ اور کتاب ”الدرجات الرفیعة“، ص: ۶۱۳۔

② اس سے شیعوں کی مراد ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد لوگوں کو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کے بعد یہ صورت حال درپیش ہوئی تھی۔

③ اردبیلی کا قول ہے کہ ایوسا سان کا نام الحسین بن المنذر ہے اور اس کو ابوسان بھی کہا جاتا ہے۔ اس کے بعد اس نے یہی روایت رجال الکشی سے بھی نقل کی ہے۔

اس پر میں نے شیعہ مذہب سے رجوع کا ارادہ کیا اور تفسیر کے مطالعہ کی غرض سے میں نے اللہ کا یہ قول نہایت تدبر میں و فکر سے پڑھا۔

هُوَ السَّبْقُونَ الْأَوْلُونَ مِنَ الْمُهْجَرِينَ وَالْأَنْصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ
بِإِحْسَانٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي
تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿١٠٠﴾ (التوبة: ١٠٠)

”اور جو مہاجرین و انصار سابق اور مقدم ہیں اور جتنے لوگ اخلاص کے ساتھ ان کے پیرو ہیں، اللہ ان سب سے راضی ہو گیا اور وہ سب اس سے راضی ہو گئے۔ اللہ نے ان کے لئے ایسے باغ تیار کر رکھے ہیں کہ جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ ان میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے یہ بڑی کامیابی ہے۔“

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ مہاجرین اور انصار میں سے سابقین اولین سے راضی ہو گیا ہے۔ ساداتنا ابو بکر، عمر، عثمان، علی، طلحہ، زبیر، سعد بن ابی وقاص، عبد اللہ بن مسعود، سعد بن معاذ رضی اللہ عنہم وغیرہ صحابہ کے حق میں یہ بالکل صریح ہے حالانکہ شیعہ ان کو ہدف مطاعن بناتے ہیں۔

چنانچہ میں نے اپنے آپ سے سوال کیا: کیا ایسا ممکن ہے؟ اور کیا یہ بات قرین قیاس ہے؟ اور کیا کوئی عقل مند یہ باور کر سکتا ہے کہ صحابہ کرام نے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر ظلم روا رکھتے ہوئے غاصبانہ طور پر ان سے زبردستی خلافت چھین لی ہو؟ حالانکہ وہ صحابہ ہیں جن کے بارے میں قرآن کہہ رہا ہے کہ اللہ کریم ان سے راضی ہو گیا اور اس نے ان کے لئے جنت نعیم بطور مہمانی تیار کر رکھی ہے۔ اگر نعوذ باللہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر ظلم کیا ہوتا یا ان سے زبردستی خلافت غصب کی ہوتی تو اللہ تعالیٰ ان سے رضا مندی کا اعلان کیوں کرتا؟

چنانچہ صحابہ کرام میں سے ابو بکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم وہ حضرات ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے اس حال میں رخصت ہوئے کہ آپ ان سب سے راضی تھے اور ان کی مدح و ثنا

میں آیات قرآنیہ کا نزول ہوا ہے۔ پھر کیسے یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ وہی لوگ جن کی مدح سرائی قرآن نے کی ہے، رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد کفر کی گندگی میں جا گریں۔ حتیٰ کہ شیعہ نے ان پر بہتان باندھا ہے کہ انہوں نے قرآن کریم میں تحریف کی ہے اور معاملہ دین کو تبدیل کر ڈالا ہے۔ احکام شرعیہ میں ترمیم کی ہے۔ اس اقدام کی وجہ سے شیعوں نے اپنے آپ کو مجرمین کے کٹہرے میں لے جا کر کھڑا کر لیا ہے۔ ہمارا شیعہ گروہ سے سوال ہے: کیا اللہ تعالیٰ کے علم میں یہ بات تھی کہ اس کے رسول ﷺ کی موت کے بعد صحابہ کرام مرتد ہو جائیں گے یا نہیں؟ اگر جواب ہاں میں ہے اور یقیناً ہاں میں ہے تو ہم کہیں گے کہ یہی اعتقاد تمام مسلمانوں کا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم ماضی حال مستقبل پر محیط ہے۔ اس صورت میں ان آیات کے بارے میں کیا رائے قائم کی جائے گی جن میں اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کی تعریف کی ہے؟ کیونکہ شیعوں کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد سارے کے سارے صحابہ یا تو منافق ہو گئے یا مرتد ہو گئے تھے؟ کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اپنے رسول ﷺ کی مدح و ثناء کر کے اور اصحاب رسول سے رضامندی کا اظہار کر کے (نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ) اپنے رسول ﷺ کو دھوکہ دینا چاہا ہے۔ اور کیا ان اصحاب ثلاثہ کی رسول اللہ ﷺ سے رشتہ داری محض تماشہ تھی۔ اور رسول اللہ ﷺ کا ان صحابہ کرام پر اعتماد محض دکھلاوا تھا کہ آپ ﷺ کی وفات کے بعد یہ لوگ مرتد ہو گئے۔ (سبحانک هذا بہتان عظیم)

اس قسم کی بیہودہ سوچ دین کے ساتھ مذاق ہے۔ اللہ تعالیٰ کے بارے میں ہرگز زیب نہیں دیتی بلکہ یہ سوچ صریح اور کھلا کفر ہے۔

فرض کریں اگر حقیقت یہی ہے جو شیعوں کا عقیدہ ہے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی حقیقی صفات کا قرآن کریم میں تذکرہ کر کے اپنے نبی ﷺ کو اس بارے میں آگاہ کیوں نہ کیا؟ رسول اللہ ﷺ کی موت کے بعد عنقریب وہ اپنی دینی حالت سے منہ موڑ

کرارتد کی راہ اختیار کر لیں گے اس چیز سے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو ان کی زندگی ہی میں آگاہ کیوں نہیں کیا۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ بالکل دروغ گوئی اور اتہام بازی ہے۔ یہ لوگ اپنے اس موقف کی وجہ سے ملت اسلامیہ کا جنازہ نکالنے پر تلے ہوئے ہیں اور دین و مذہب کے نام پر اسلام کا قلع قمع کر دینا چاہتے ہیں۔

آخر میں ہم اس حتمی نتیجے پر پہنچے ہیں کہ چونکہ فریق مخالف کے پاس کوئی جواب نہیں ہے اور حق بات یہ ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ صحابہ کرام سے راضی ہو گیا اور ان کو اپنے قرآن عظیم اور اپنے نبی کریم کی زبانی دنیا ہی میں جنت کی بشارت سے بھی نوازا دیا۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے رسول ﷺ کے نقش قدم اور اپنے نبی کی سنت پر گامزن رہے اور ان کی زندگی کا ایک ایک لمحہ اتباع سنت کی جیتی جاگتی تصویر تھا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنْزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا﴾

(الفتح: ۱۸)

”بلاشبہ اللہ تعالیٰ مومنوں سے خوش ہو گیا جبکہ وہ درخت تلے تجھ سے بیعت کر رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کے دلوں کی باتیں جانتا ہے اور اس نے ان پر اطمینان نازل فرمایا اور انہیں قریب کی فتح عنایت فرمائی۔“

ہمارا سوال یہ ہے: کیا اللہ تعالیٰ سے بھی زیادہ کوئی ذات باخبر ہو سکتی ہے؟ کیا اللہ تعالیٰ سے زیادہ کوئی اور ان کے دلوں کے بھیدوں سے مطلع ہو سکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے ان سے رضامندی اور خوشنودی کا اپنی کتاب عزیز میں اظہار فرما دیا ہے اور ان پر اطمینان کے نزول کو بھی اس میں بیان فرما دیا ہے۔ لہذا کسی کو بھی پس و پیش کی اجازت نہیں اور نہ کسی قسم کے شک کی کوئی گنجائش باقی ہے۔^①

① تفصیل کے لیے دیکھئے: الفصل لابن حزم الأندلسی جلد ۴، صفحہ : ۲۲۵.

عقیدہ متعہ کیا ہے؟

جہاں تک متعہ کا تعلق ہے۔ ہمارے نزدیک ایک شیعی فرد ہونے کی وجہ سے متعہ کے جواز کی آزادی موجود ہے۔ لیکن شروع ہی سے میرے گوشہ دل میں کسک پائی جاتی تھی اور میں کسی صورت میں متعہ کو قبول کرنے کے لئے آمادہ نہیں ہو پاتا تھا۔ اگرچہ ابھی تک میں اس کے جواز اور عدم جواز کے دلائل سے ناواقف تھا اور میری آنکھوں کے سامنے اس کی عدم جواز کا بیان تک نہیں گزرا تھا۔ لیکن فطرتاً یہ نازیبا حرکت میرے نزدیک مردود تھی اور میں جب اس موضوع پر مناظرہ ہوتے سنتا، تو مجھے مباحثے میں شرکت سے شرم محسوس ہوتی تھی۔ کیونکہ اس کے جواز کے قائلین سے میرا صرف ایک ہی سوال ہوتا تھا: کیا تم اپنی بہن کیساتھ متعہ کے لئے راضی ہو؟ تو مقابل کا شرم و حیا سے فطری جواب نہیں میں ہوتا تھا۔ حتیٰ کہ بعض لوگ اس کا جواب دیتے ہوئے آگ بگولہ ہو جاتے تھے مگر اس کے بغیر ان کے پاس کوئی چارہ کار نہیں ہوتا تھا۔

جہاں تک متعہ کی اباحت کا مسئلہ ہے؛ اسلام نے اس کو وقتی طور پر ازراہ ضرورت جائز قرار دیا تھا ۱ بعد ازیں رسول اللہ ﷺ نے اس کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے حرام قرار دے دیا۔ مستند روایات اس کی حرمت میں وارد ہوئی ہیں اور عجیب بات ہے کہ شیعہ میں یہ روایتیں پائی جاتی ہیں جن میں عقیدہ متعہ کی حرمت اور اس کی قباحت کا تذکرہ موجود ہے۔ اس کے باوجود ہماری قوم ان روایات کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہے۔ جن میں سے چند ایک یہ ہیں:

- ۱- عبد اللہ بن سنان سے مروی ہے میں نے ابو عبد اللہ علیہ السلام سے متعہ کے بارے میں دریافت کیا تو آپ علیہ السلام نے جواب دیا: ”اپنے نفس کو گندگی سے آلودہ کرنے کی کوشش مت کرو۔“
- ۲- علی بن یقطین سے مروی ہے میں نے ابوالحسن علیہ السلام سے متعہ کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے جواب دیا: تمہیں اس بحث سے کیا سروکار ہے جب کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو اس سے بے نیاز فرمایا ہے۔“

۱ فتح خمیر کے موقعہ پر نبی کریم ﷺ نے اس کو کافر عورتوں کے ساتھ ۳ دن کے لئے حلال کیا تھا۔

۳۔ ہشام بن حکم حضرت ابو عبد اللہ علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ہمارے

یہاں نکاح متعہ، بازاری افراد کیا کرتے ہیں۔^①

۴۔ طوسی نے امیر المومنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

جنگلی گدھے اور نکاح متعہ کو حرام قرار دیا ہے۔^②

ان روایات کی رو سے متعہ میں کسی قسم کا جواز تلاش کرنا ممکن نہیں ہے۔ مگر شیعہ ذاکرین

اس موقع پر اپنا آخری حربہ استعمال کرتے ہوئے اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہہ سکتے کہ ہم ان روایات کو تقیہ پر محمول کریں گے کیونکہ یہ عوام کے مذہب کے موافق ہیں۔

شیعہ گروہ ان مذکورہ روایات کو ان کے صحیح اور مستند ہونے کے باوجود ماننے سے

انکار کرتے ہیں کیونکہ یہ اہل سنت والجماعت کے اعتقاد کے موافق ہیں۔



① دیکھئے: النوادر لأحمد بن عيسى القمي، ص: ۸۷.

② دیکھئے: الاستبصار جلد ۳، صفحہ ۱۴۲.

شیعہ مذہب تضاد فکری پر مشتمل ہے

عاشوراء کی رات (شام غریباں) کو ابو عبد اللہ ﷺ کی مصیبت کی یاد اور ان کے غم میں شرکت کی غرض سے نوحہ و ماتم کرنا، گریباں چاک کرنا، خون و خرابہ کرنا، سینہ کو بلی کرنا اور گالوں پر تماچے لگانا یہ چیزیں بچپن سے ہمیں وراثت میں ملی تھی۔ لیکن کسے تو فینق تھی کہ ٹھنڈے دل سے سینے پر ہاتھ رکھ کر ایک لمحہ کے لئے غور و فکر کرے: کہیں ہم ڈھونگ تو نہیں رچا رہے ہیں۔ کیا اس میں قرآن و سنت سے کوئی مستند حجت موجود ہے اور جو ہم کر رہے ہیں کیا نصوص شرعیہ اس کے کرنے کی اجازت دیتی ہیں؟

خاندان میں کوئی شخص دور دور تک غور و فکر کرتا ہوا دکھائی نہ دیتا تھا۔ سال گزرتے گئے اور عمر رفتار سے اپنا سفر کرتی رہی۔ میں اسی خواب خرگوش میں مست زندگی کے قیمتی لمحات ضائع کرتا رہا۔ لیکن یکا یک میری زندگی کی کایا پلٹ گئی اور مجھے میرے ضمیر نے ملامت کی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مجھ میں اچانک تبدیلی آنا شروع ہو گئی اور دیکھتے دیکھتے میری زندگی کی گاڑی سیدھی راہ پر گامزن ہوتی چلی گئی یہاں تک کہ اہل سنت والجماعت والے دین حنیف میں شامل ہو کر میں نے سنت کی اتباع کو اپنا شیوہ زندگی بنا لیا۔

میں نے بے راہ روی کی زندگی گزاری لیکن ایسی زندگی گزارنا میرے وہم و خیال میں نہ تھا۔ کبھی تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ میں اوہام و خرافات کے اندھیرے میں رہ کر اپنی زندگی کے ایام گزاروں گا۔

ایک دفعہ شیعہ عالم تبریزی سے جب حسینی شعائر یا فرائض کے متعلق پوچھا گیا کہ ان کی مشروعیت کیا ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ ائمہ کرام کے دور میں شیعہ حضرات عقیدہ تقیہ

پر عمل پیرا ہو کر زندگی گزارنے کے عادی تھے۔ ان کے زمانے میں شعائرِ حسینہ یا فرائضِ حسینہ کے ناممکن ہونے کی وجہ سے اس کا وجود تک نہ تھا۔ لیکن اس کی عدم موجودگی کو عدم مشروعیت کی دلیل قرار نہیں دیا جاسکتا۔ کیونکہ شیعہ حضرات کو اگر شعائر کے اظہار کے امکانات میسر ہوتے تو وہ ضرور ان شعائر پر عمل درآمد کرتے۔^①

شیعہ علماء کے مستحسن اور مستحب قرار دینے پر کتاب و سنت سے کوئی نص صریح موجود نہیں ہے اور نہ ہی ہمارے اسلاف کرام کا یہ شعائر رہا ہے کہ وہ ان ایام میں کسی قسم کے رسم و رواج کی پابندی کریں۔

جو شخص بھی ائمہ آل بیت علیہم السلام اور قدیم علماء شیعہ کے اقوال و آثار کا مطالعہ کرے گا۔ اس پر یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جائے گی کہ وہ اس قسم کے شعائر اور رسم و رواج کے خلاف تھے۔ چنانچہ ابن بابویہ قمی رقم طراز ہیں کہ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے الفاظ بے نظیر ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ نوحہ و ماتم جاہلیت کے شعائر میں سے ایک شعار ہے۔ یعنی یہ جاہلانہ عمل ہے جس کا اسلامی تہذیب و ثقافت سے کوئی واسطہ نہیں۔^② نوری طبرسی نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے یہ روایت نقل کی ہے: تین چیزوں کا شمار جاہلی اعمال میں ہوتا ہے اور قیامت قائم ہونے تک لوگ ان میں مبتلا رہیں گے۔ ستاروں سے بارش ہونے یا نہ ہونے کی امید کرنا، حسب و نسب پر فخر کرنا اور مردوں پر نوحہ ماتم کرنا۔“^③

محمد باقر مجلسی نے امیر المؤمنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا انتقال ہو گیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا کہ میں ان کی تجہیز و تکفین کروں اور غسل دلا کر خوشبوؤں میں معطر کر کے انہیں تیار کروں۔ جب ان کو

① ملاحظہ ہو: امام خوئی کی کتاب ”صراط النجاة“ ص ۵۶۲ دوسری جلد کا ضمیمہ

② دیکھئے: من لا یحضرہ الفقیہہ : ۳۷۶/۴۔

③ دیکھئے: مستدرک الوسائل لطبرسی ۱/۱۴۳۔

غسل وغیرہ دلا کر تیار کر دیا گیا تو ارشاد فرمایا: اے علی رضی اللہ عنہ ان کو اپنے بازوؤں پر اٹھا کر لے چلو۔ میں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اٹھا لیا اور ان کو بقیع کے پاس لا کر نماز ادا کرنے کی غرض سے اپنے بازوؤں سے اتار کر رکھ دیا۔ ان کی نماز جنازہ ادا کی گئی۔ نبی کریم ﷺ نے ان کو قبر میں اتارتے ہوئے دیکھا تو آپ ﷺ رونے لگے۔ آپ ﷺ کا رونا تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بھی رونا شروع کر دیا اور ایک کہرام مچ گیا۔ عورتوں اور مردوں کے رونے کی آوازیں بلند ہونا شروع ہو گئیں۔ نبی کریم ﷺ نے لوگوں کو شدت کے ساتھ رونے سے منع کیا اور فرمایا کہ آنکھیں اشکبار ہیں اور دل غمگین ہے۔ ہم ایسی بات منہ سے نہیں نکال سکتے جس سے رب کریم ناراض ہو جائے۔ ہم تمہاری موت سے شکستہ حال ہو چکے ہیں اور مارے غم کے نڈھال ہیں ❶

یہاں نوحہ و ماتم کی تردید میں نبی کریم ﷺ کے دو ٹوک موقف اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے اہم ترین فیصلہ کو ملاحظہ فرمائیں۔ اس موقع پر نوحہ کی حرمت کی تاکید کا بخوبی اندازہ لگائیں کہ آخر اس نوحہ کنائی اور گریہ زاری کو مستحب کس بنیاد پر کہا جاسکتا ہے۔

شیعوں کے معتبر عالم طوسی اور ابن حمزہ نے نوحہ و ماتم کی تحریم کی صراحت کی ہے۔ حتیٰ کہ امام طوسی نے تو اس کی تحریم پر اپنے زمانے کے شیعوں کے اجماع کا دعویٰ کیا ہے اور بڑے جزم کے ساتھ اس کی حرمت کو ثابت کیا ہے۔ ❷

شیعہ کی کتابوں میں صریح نصوص موجود ہیں کہ چہرے پر تھپڑ مارنا اور سینہ کو بئی کرنا بدعت ہے جس کی انجام دہی نہ تو اللہ تعالیٰ کو پسند ہے اور نہ ہی اس سے رسول اللہ ﷺ کی خوشنودی میسر ہوتی ہے اور نہ ہی ائمہ کرام میں سے کسی نے اس عمل پر اپنی رضامندی کا اظہار کیا ہے۔

❶ دیکھئے: بحار الانوار، ۸۲/۱۰۰-۱۰۱

❷ دیکھئے: الذکریٰ للشہید الاول، ص: ۷۲.

چنانچہ امام باقر علیہ السلام کا فرمان ہے کہ بدترین بے صبری یہ ہے کہ انسان چیخ چیخ کر اور صف ماتم بچھا کر اور اپنے آپ کو علی الاعلان کوس کوس کر غم کا اظہار کرے۔ گالوں پر تھاپے مارتے ہوئے سینہ کو بٹی کرے اور اپنی پیشانی کے بال نوچے۔ لہذا جس شخص نے محفل عزاء منعقد کر کے نوحہ خوانی اور ماتم بازی کا اہتمام کیا اس نے بے صبری کا مظاہرہ کیا اور اس نے راہ راست سے ہٹ کر کوئی دوسرا طریقہ اختیار کر لیا ہے۔^①

تاریخ میں یہ روایت موجود ہے کہ امام حسین علیہ السلام نے اپنی بہن زینب علیہا السلام کو مخاطب کر کے فرمایا: اے میری پیاری بہن، اللہ کا تقویٰ اختیار کرنا، مصیبت پر صبر سے کام لینا اور کان کھول کر سن لے کہ اہل زمین میں سے ہر شخص کو مرنا ہے۔ اللہ کے علاوہ اہل آسمان کو بھی دوام نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے جس نے اس مخلوق کو محض اپنی قدرت سے پیدا کیا ہے۔ اس مخلوق کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ اللہ کی ذات منفرد اور یگانہ ہے۔ میرے والد بزرگوار ہم سے بہتر ہیں۔ میری ماں مجھ سے بہتر ہیں۔ میرے بھائی حسن علیہ السلام مجھ سے بہتر ہیں اور مسلمانوں کے ہر فرد کے لئے رسول اللہ ﷺ کی ذات اسوہ اور نمونہ ہے۔

اس قسم کے کلمات پند و نصائح کے ذریعہ حضرت حسین علیہ السلام نے اپنی بہن کی ڈھارس بندھوائی اور پھر اپنی بہن کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا کہ اے میری پیاری بہن! میں نے قسم کھالی ہے، لہذا میری قسم کا پاس دلچاظ رکھتے ہوئے اسے پورا کرنا۔ میری قسم یہ ہے کہ اگر میں قتل کر دیا جاؤں تو تم میرے مرنے پر گریباں چاک نہ کرنا۔ نہ اپنے چہرے کو ناخنوں سے نوچنا اور نہ کوس کوس کر مجھے بد عادی بنا۔^②

محمد بن مکی عالمی جن کو شہید اول کے نام سے پکارا جاتا ہے سے امام طوسی نے یہ قول نقل

① رواہ الكليني في الكافي (٢٢٢/٣-٢٢٣) اسی طرح اس کو فیض الکاشانی نے اپنی کتاب ”الوافی“

میں ٨٧/١٣ المحرر العالمی نے اپنی کتاب ”وسائل الشیعة“ میں ٩١٥/٢ پر نقل کیا ہے۔

② دیکھئے: الملهوف لابن طاووس، ص: ٥٠ اور منتهی الآمال لعباس القمی: ٤٨١/١.

کیا ہے کہ چہرے پر تماچے مارنا، گالوں کو نوچنا اور بالوں کو اکھاڑنا حرام ہے۔ یہ قول کتاب مبسوط میں موجود ہے جس میں مزید یہ بھی ہے کہ یہ محل قضاء و قدر پر اللہ ناراضی کا اظہار کرنا ہے۔ یعنی بندے کا اللہ کی قضاء و قدر پر جزع و فزع کرنا اللہ کی ناراضی مول لینے کے مترادف ہے۔^①

جہاں تک محرم میں کالا لباس زیب تن کرنے کا مسئلہ ہے تو اس میں امیر المؤمنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا یہ قول ہی کافی ہے: ”لوگو! کالا لباس مت پہنا کرو کیونکہ فرعون کا کالا لباس تھا۔“^② جب ان تمام روایات کو میں نے پڑھا اور اس تلخ حقیقت سے موازنہ کیا جس پر میں پروان چڑھا تھا اور اپنے اس موقف پر ناقدانہ نگاہ دوڑائی جس کو میں اہل بیت علیہم السلام کے ساتھ اپنی محبت کا پر تو گردانتا تھا تو میں حیرت و استعجاب کے عالم میں انگشت بدنداں رہ گیا۔ مجھے اس بات کا علم نہیں تھا کہ عزاء داری اور نوحہ و ماتم کے سلسلہ میں جو کچھ میں کر رہا ہوں یہ خود فرامین رسول اور اقوال اہل بیت علیہم السلام کی کھلم کھلا خلاف ورزی ہے۔



① ملاحظہ ہو: الذکری ص (۷۲)۔

② دیکھئے: من لایحضرہ الفقیہ: ۱/۱۶۳، و رسائل الشیعہ: ۳/۲۷۸۔

جادوگر کامیاب نہیں ہو سکتا

بحرین کے قضیبہ^① نامی علاقہ کا ایک شخص مریضوں کے روحانی علاج و معالجہ کے سلسلہ میں مشہور تھا۔ وہ قرآن و سنت اور ادعیہ ماثورہ کی روشنی میں لوگوں کی پوشیدہ بیماریوں کے علاج و معالجہ کا دعویٰ دار تھا۔

جب میں نے اہل سنت والجماعت کا عقیدہ قبول کیا تو میرے اہل خانہ، دوست احباب اور علاوہ میرے قریبی رشتہ داروں نے انتھک کوشش کی کہ میں مرتد ہو جاؤں۔ لیکن وہ مجھے مرتد کرنے میں ناکام ہو گئے۔ چنانچہ انہوں نے مایوس ہو کر میرے خلاف پروپیگنڈے شروع کر دیے اور ہر طرح کے ہتھکنڈے بردئے کار لانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔

مجھے بہکانے اور مجھے میرے پختہ عزم سے روک کر مذہب شیعہ کی طرف قائل کرنے کے لئے ایک ایسے شخص کو ذمہ داری سونپی گئی جس کو شیعوں کے نزدیک علم و معرفت اور صلاح و تقویٰ کا حامل گردانا جاتا تھا۔ چنانچہ اس شخص نے میرے قریب ہونا شروع کر دیا اور ہر فریب دار طریقہ سے مجھے اپنا تعارف کرایا کہ میں اس کا مطیع و فرمانبردار بن جاؤں۔ اور آنکھ بند کر کے اس کی باتوں کے دام میں پھنس جاؤں۔ اس نے سب سے پہلے مجھے یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ وہ میرے والد رحمہ اللہ کا لنگوٹیا یا رہے تاکہ میری توجہ اور ہمدردی اپنی طرف مبذول کر کے مجھے آسانی سے اپنے چنگل میں پھانس لے۔

① القضیبہ: بحرین میں ایک مشہور علاقہ کا نام القضیبہ ہے اور اس کا اہل وقوع منامہ ہے جو میری جائے پیدائش اور میرا آبائی وطن ہے۔ قدیم زمانہ میں منامہ سے متصل علاقہ کا مصیف خاص طور سے اہل محرق کا پکنک اسپارٹ بھی تھا۔ کیونکہ وہاں کی آب و ہوا بڑی پر لطف ہے۔ بعض کبار لوگوں نے مجھے اس طرح بتلایا ہے۔ خاص طور سے میرے دادا اس مقام کی بڑی تعریف کیا کرتے تھے۔

اس نے بعض چیزوں کی نشاندہی کی اور اپنے بعض قواعد و ضوابط کی طرف اشارہ کیا۔ ان میں سے ایک بات یہ بھی تھی کہ اس نے میرے سامنے اچانک قرآن کریم کھولا اور بعض غیر معروف کلمات بدبدائے۔ مجھے پتہ نہیں کہ اس نے کن کلمات کا ورد کیا۔ پھر مجھ سے کہا اس آیت کی تلاوت کرو۔ میں نے اس آیت کی تلاوت کی۔ اس کے خیال میں یہ ایک ایسی آیت تھی کہ جس کے ذریعہ وہ مجھے اس اقدام کے بارے میں وارننگ دینا چاہتا تھا جو میں نے سنی بن کر انجام دیا ہے۔

اس نے مجھ سے کہا کہ اس آیت کو آیت رحمت سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اگر تم نے اس پر اپنی زندگی کو ڈھالنے کی کوشش کی تو یہ تمہارے لئے خیر و برکت کی نوید ثابت ہوگی۔ جس رات تم اس آیت کو کئی مرتبہ اپنے کانوں سے سنو گے تو یہ اس بات کی دلیل ہوگی کہ خیر و برکت تمہاری قدم بوسی کے لئے تیار ہے۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا جو نبی میں اپنی کار پر سوار ہوا اور ریڈیو کھولا اسی آیت کی تلاوت ہو رہی ہے جس کو میں نے اس شخص کے منہ سے سنا تھا۔

میں نے گاڑی کے اندر سے آواز لگا کر اسے کہا کہ تم نے ٹھیک ہی کہا تھا۔ میری آواز سن کر وہ شخص مسکرایا اور کہنے لگا: یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ تم سے خوش ہے اور تمہاری زندگی میں کامیابی کے آثار نمایاں ہیں لیکن اس کی شرط یہ ہے کہ تم اس آیت کو حرز جاں بنا لو۔

جب میں گھر پہنچا تو میں نے ٹیلی ویژن کھولا۔ اس پر بھی اسی آیت کی تلاوت جاری ہے جس کی اس آدمی نے مجھے تلقین کی تھی۔

میرے ذہن میں وہی خیال آیا جو اس شخص نے مجھ سے کہا تھا۔ لہذا جلدی سے میں نے مصحف کھولا اور چابک دستی سے میں نے اس کی ورق گردانی کی تو وہی آیت میرے سامنے آگئی جو اس شخص نے پڑھی تھی۔ میں اس آیت کو اچانک دیکھ کر حیران رہ گیا کہ آخر ماجرا کیا ہے؟ میری نیند اڑ گئی اور میں رات کو اس قصہ کی وجہ سے سو نہیں سکا۔ اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ

میں خوف و ہراس کا شکار ہو گیا تھا یا اس بات کی تعجب خیزی تھی کہ اس شخص نے یہ کیا کرتب کیا ہے؟ بلکہ اس وجہ سے کہ آخر یہ ماجرا کیا ہے اور کیسا کرتب ہے جس کی اثر پذیری کی وجہ سے یہ بات مکرر رونما ہو رہی ہے۔ میرے ذہن و دماغ پر یہ افکار و خیالات چھا گئے اور انہیں افکار و خیالات میں اُلجھ کر میں نے رات گزار دی کہ اس شخص کے قول کے مطابق کیوں کر رونما ہوا؟ اور میرے ساتھ یہ حادثہ کیوں پیش آیا؟ اس کی کیا وجہ ہے اور اس کے پیچھے کیا کیا راز پنہاں ہیں؟ یہ کس کا کرتب اور کس کی کرشمہ سازی ہے؟ میں اس کے دام میں کیوں پھنس گیا وغیرہ۔

چند دنوں بعد اچانک میری ملاقات ایک دوست سے ہو گئی جو میرے علاقہ ہی کا رہنے والا تھا۔ اس نے مجھ سے بر ملا کہا کہ میں نے لوگوں سے سنا ہے اس شخص نے لوگوں میں یہ افواہ اڑا رکھی ہے کہ ابو خلیفہ قضیبی عنقریب مذہب اہل سنت و الجماعت سے مرتد ہو کر شیعوں کے مذہب میں شامل ہو جائیں گے۔ دوبارہ شیعوں کے رسم و رواج اور ان کے شعائر و واجبات کی پابندی کرنا شروع کر دیں گے اور اپنے سابقہ رنگ میں رنگ جائیں گے۔ اس شخص کا کہنا تھا کہ مجھے اس کی اس بات پر ہنسی آ گئی اور میں نے کہا کہ کیا یہ شخص جادو گر ہے یا علم غیب جانتا ہے جیسا تو ایسی بات کہہ رہا ہے۔

اس کے بعد میں غور و خوض کرنے لگا..... بہت زیادہ غور و خوض کے بعد یہی سمجھ میں آیا کہ ایسا کیوں نہیں ہو سکتا بلکہ عین ممکن ہے کہ یہ شخص جادو گر ہو۔

چنانچہ میں نے اپنے دوست کی کہی ہوئی اس بات میں، جو اس نے اس ڈھونگی کے بارے میں کہی اور اس بات میں جو ڈھونگ نے مجھ سے اس آیت کے بارے میں کہی تھی موازنہ کرنا شروع کر دیا کہ اس کی کیا وجہ ہے؟ اس نے کہا تھا کہ تم آیت کریمہ کورات میں بار بار سنو گے۔

میں نے اپنے والد کے دوست سے دریافت کیا۔ کیونکہ وہ بھی میرے ہی علاقہ کے رہنے والے تھے۔ انہوں نے مجھے صاف صاف یہ کہا کہ یہ شخص نیک نہیں بلکہ ڈھونگی ہے۔ اس

نے جنات اپنے قبضہ میں کر رکھے ہیں جن سے یہ شعبہ بازی کرواتا ہے۔

چنانچہ دن گزرتے گئے اور وہ شخص مجھے قائل کرنے کے چکر میں لگا رہا۔ وہ مجھے یہ باور کراتا رہا کہ وہ میرا خیر خواہ ہے۔ وہ مجھے نصیحت کرتا رہا کہ تمام تر خیر مذہب آل بیت علیہم السلام کی اتباع میں ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آل بیت علیہم السلام کو ان کی دروغ گوئی اور تہمت طرازی سے بری الذمہ قرار دیا ہے اور صحابہ کرام کو ان کی لاف و گزاف سے محفوظ و مامون رکھا ہے۔

لہذا میں نے سوچا کہ اس کا امتحان لیکر اس کے علمی و ثقافتی پہلو سے آشنائی حاصل کی جائے تاکہ پتہ چلے کہ یہ کتنے پانی میں ہے۔ اس سلسلہ میں کئی مرتبہ مختلف مجلسوں میں توحید و شرک کے موضوع میرا اس شخص سے مباحثہ ہوا اور میں نے اس کے اندرون خانہ کو ٹولنے کی کوشش کی۔ چنانچہ میں نے اس کو ان سوالات کے جوابات دینے میں عاجز محسوس کیا اور جو حقائق اس کی ذات کے بارے میں سامنے آئے تھے میں نے دلائل ساطعہ براہین قاطعہ کے سامنے اس کو بغلیں جھانکنے پر مجبور کر دیا۔ اس کے سامنے اس موضوع پر جو باتیں کی گئیں اس کے جواب سے اس کو لاعلم اور لاتعلق پایا۔

چنانچہ ایک مجلس کہ جس میں ایک بہت بڑی تعداد شریک تھی اور ہمارے علاقہ کے سنی حضرات بھی اس مجلس میں خاطر خواہ تعداد میں شریک تھے۔ ہم نے اس شخص کے سامنے شرک سے متعلق بعض سوالات رکھے۔ میں نے عوام کے سامنے اس شخص کے ساتھ اس سے اپنی پہلی مینٹنگ کا بھی تذکرہ کیا اور میں نے اس مینٹنگ میں اس کے موقف کو بھی بیان کیا۔ اس کے بعد ہوا یہ کہ اس نے میرے ایک سوال کا بھی جواب نہیں دیا۔ بلکہ وہ میرے سوالات کے جوابات سے پورے طور پر بے بس نظر آنے لگا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس نے مجلس سے راہ فرار اختیار کرنے میں ہی عافیت سمجھی اور موقع پاتے ہی وہاں سے فرار ہو گیا۔ جس کی وجہ سے اس کی حقیقت کھل کر سامنے آ گئی۔ اس کے معاملہ کا رسوا کن پہلو عیاں ہو گیا اور لوگ اس کے

ڈھونگ سے بخوبی واقف ہو گئے۔

اس وقت مجھ کو اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان یاد آنے لگا کہ

﴿وَلَا يُفْلِحُ السَّاحِرُ حَيْثُ أَتَى﴾ (طہ: ۶۹)

”جادوگر کہیں سے آئے کامیابی سے ہمکنار نہیں ہو سکتا۔“

اللہ تعالیٰ کا ایک اور فرمان ہے:

﴿إِنَّ كَيْدَ الشَّيْطَانِ كَانَ ضَعِيفًا﴾ (النساء: ۷۶)

”بلاشبہ شیطان کا فریب کمزور ہے۔“

لیکن میرے مد مقابل نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ حتی المقدور علاقہ کے لوگوں کو مجھ سے متنفر کرنے کی کوشش کی تاکہ میری دعوتی تاثیر ختم ہو جائے۔ اس نے لوگوں کو کہا کہ یہ ہم لوگوں سے مخلص نہیں ہے۔

مگر اس کی یہ کوششیں کارگر نہ ہو سکیں بلکہ خود اس کے لئے وبال جان بن گئیں اور لوگ اس کی ڈینگوں کو پہنچ گئے جس کی وجہ سے اس کی حقیقت کھل سامنے آ گئی اور لوگوں کو پتہ چل گیا کہ یہ ڈھونگ رچا رہا ہے۔ اس دن سے اس نے گھر سے نکلنا چھوڑ دیا اور باہر بہت کم دکھائی دینے لگا۔ اس کے بعد وہ پورے علاقہ میں جادوگر کے نام سے پکارا جانے لگا۔ لہذا سربراہ اگر کوئی شخص اس کو مل جاتا تو اس سے بہانے کرنا شروع کر دیتا اور یہ دعویٰ کرنے لگتا کہ اس نے یہ عمل خیر کی نیت سے اپنایا ہے تاکہ لوگوں کی اس عمل کے ذریعہ خدمت کر سکے اور لوگوں کے درد کا مداوا بن سکے۔

ہمیں تعجب ہے کیا ان لوگوں نے آیت کریمہ کا مطالعہ نہیں کیا۔ ان کو آیات کریمہ اور احادیث صریحہ کا ذرہ برابر علم نہیں جس میں جادو اور جادوگروں کی خوب خوب خبر ملی گئی ہے۔ اور جو جادو اور جادوگروں کے کفر کی صراحت میں واضح ہیں۔

لہذا اس شخص کو اس بات کا کیونکر حق پہنچتا ہے کہ واضح دلائل کو چھوڑ کر لوگوں پر رعب

جمانے کے لیے جادوگری اور شعبدہ بازی کا سہارا لے۔

ہمارے نزدیک ایسی بے شمار مستند روایات موجود ہیں: جن میں جادو کی بیچ کنی کی گئی ہے۔ پہلی روایت یہ ہے: ”ہلاک و برباد کر دینے والی سات چیزوں سے بچو! صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: وہ سات چیزیں کیا ہے؟ نبی کریم ﷺ نے جواباً جن سات چیزوں کا ذکر فرمایا اس میں شرک اور جادو سرفہرست تھیں۔“^①

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ اپنے دادا امیر المومنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت فرماتے ہیں: جس شخص نے علم سحر سیکھا [چاہے وہ تھوڑا ہو یا زیادہ] اس نے کفر کیا۔^②

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا ہے:

”جو شخص کسی کا ہن یا نجومی کے پاس جائے اور اس سے فریاد کرے اور وہ نجومی جو کہے وہ اس کی تصدیق بھی کرے تو اس نے شریعت محمدی ﷺ کا انکار کیا۔“^③



① وسائل الشیعہ (۳۳۰/۱۵)، وبحار الانوار (۱۱۳/۷۸)۔

② وسائل الشیعہ (۱۴۸/۱۷)، وبحار الانوار (۲۱۰/۶۷)۔

③ مستدرک الوسائل (۱۰۰/۱۳)۔

تعصب کی بنا پر قتل

جب تعصب اور تنگ نظری انتہا کو پہنچ جاتی ہے تو لوگوں کے دلوں سے رحم و کرم اور اخلاق کا جنازہ نکل جاتا ہے۔ پھر زندگی کے میدان میں ایسے ایسے حادثات رونما ہوتے ہیں جن پر اگر ایک طرف ہنسی آتی ہے تو دوسری طرف رونا بھی آتا ہے۔ اسی طرح کے واقعات میں سے دو واقعات ایسے ہیں جن کا ذاتی طور پر، میں نے مشاہدہ کیا ہے۔ ان میں سے ایک واقعہ تو میرے ساتھ پیش آیا اور دوسرا واقعہ ایک ایسے چھوٹے سے معصوم بچے کے ساتھ پیش آیا جس کو ہمارے ان تعصبات کی کوئی سمجھ بوجھ نہ تھی۔

قصہ یہ ہے کہ میں عصر کی نماز پڑھ کر مسجد سے نکل رہا تھا۔ مجھے ایک عمر رسیدہ شیعہ عورت جس کو ام ابراہیم کے نام سے پکارا جاتا تھا، وہ مجھے اور میرے اہل خانہ کو اچھی طرح جانتی تھی غالباً وہ مارکننگ کر کے آرہی تھی کیونکہ اس کے ہاتھ میں کچھ شاپر تھے جن میں گھریلو ضروریات کا سامان تھا۔ میں نے اس کو سلام کیا۔ علیک سلیک کے بعد اس نے مجھ سے میرے، میری نانی، میری والدہ اور میری بہنوں کا حال پوچھا۔ اس کے بعد ازراہ ہمدردی میں نے اس کے ہاتھ سے شاپر پکڑے تاکہ اس کا بوجھ ہلکا ہو جائے اس کا گھر مسجد کے قریب ہی تھا۔ جب ہم اس کے گھر کے پاس پہنچے تو اس نے مجھ سے پوچھا: تم کہاں سے آرہے ہو۔ میں نے مسجد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ میں اس مسجد سے آ رہا ہوں۔ اس بڑھیا نے حیرت زدہ ہو کر کہا: مسجد سے؟ اور مارے غصہ کے آگ بگولہ ہو گئی اور یہ کہتے ہوئے تھوک دیا: اللہ تعالیٰ تمہارا امنہ کالا کرے مجھے پتہ چلا ہے کہ تم نے شیعیت چھوڑ کر سنیت اختیار کر لی ہے۔ لیکن مجھے یقین نہیں تھا کہ تم ایسا موقف اختیار کرنے کی جرات کر سکتے ہو۔

جہاں تک عمر بن علی نامی بچے کا قصہ ہے اس کے ایک چچا کی زبانی اس قصہ کو آپ ملاحظہ فرمائیں۔ اس بچے کے چچا کا کہنا ہے کہ عمر کی دادی عورتوں میں بڑی بوڑھی اور قضیبہ شہر کی رہنے والی تھی۔ اس علاقہ کی شیعہ عورتوں سے اس کے اتنے گہرے راہ ورسم تھے کہ تمام عورتیں اس کے ساتھ مل کر مجلس عزائمنا کرتی تھیں۔ ایک دن کا واقعہ ہے کہ اس علاقہ کی عورتوں نے مل کر مجلس عزائمنا منعقد کی۔ اتفاق سے اس دن اس بوڑھیا کے ساتھ اس کا پوتا بھی اس مجلس میں شریک تھا جس کا نام عمر تھا۔ عمرنھا منا، معصوم سا، بھولا بھالا بچہ تھا۔ وہ اتنا چھوٹا تھا کہ اسے ٹھیک سے اپنا نام تک لینا نہیں آتا تھا۔

جہاں مجلس عزائمنا منعقد ہوئی تھی، عمر اس عمارت کے صحن میں بچوں کے ساتھ کھیل کود میں مشغول تھا۔ کھیل ہی کھیل میں وہ زمین پر گر پڑا اور اس نے رونا شروع کر دیا۔ وہاں موجود ہمارے علاقہ کی عورتوں میں سے ایک عورت نے بچے کو اٹھایا۔ اس کو بہلانا اور چپ کرانا چاہا تاکہ رونا دھونا ختم ہو اور ماحول پرسکون ہو جائے۔ اس عورت نے اس بچے سے پوچھا کہ بھئی تمہارا کیا نام ہے؟ بچے نے بتلاتی ہوئی زبان سے جواب دیا ”عمل“ اس کی مراد یہ تھی کہ اس کا نام عمر ہے۔ اس عورت کو اس کی زبان سمجھ میں نہیں آئی تو اس نے دوبارہ پوچھا کہ بیٹا تمہارا نام کیا ہے۔ اس بچے نے وہی جواب دہرایا جو پہلے دیا تھا۔ اس وقت اس کی دادی آگئی۔ اس نے جواب دیا کہ اس کا نام عمر ہے۔ اس نام کا سننا تھا کہ عورت نے سخت قسم کے رد عمل کا اظہار کیا اور اس معصوم بچے کو دھکا دے کر کہا: دور ہو جاؤ میری نظروں سے..... تم پر اور نعوذ باللہ عمر پر اور جس نے تمہارا نام رکھا اس پر اور اس کے بعد جو بھی اپنے بچے کو اس نام سے موسوم کرے اس پر اللہ کی لعنت ہو۔

اس کے بعد جب اس بچے کی دادی مجلس عزائمنا سے واپس آئی تو اس نے اس قسم کی مجلسوں میں جانے سے توجہ کر لی اور پھر کبھی اس قسم کی مجالس عزائمنا میں شرکت نہیں کی۔

اس عورت کی اس بد زبانی سے آل بیت ﷺ پر کیسی لعن و ملامت ہوتی ہے۔ اس نے اپنی

اس حرکت سے یہ بھی محسوس نہیں کیا کہ اس نے کتنی بھونڈی غلطی کی ہے جس کا اس کو احساس تک نہیں۔ اس کم بخت کو کیا پتہ کہ عمر کا نام کتنا مبارک اور کتنا پیارا نام ہے۔ امام طبرسی نے اپنی مشہور کتاب ”اعلام الوری“ ۱/۲۱۳ میں لکھا ہے کہ: امام حسن رضی اللہ عنہ کے بیٹوں میں سے ایک بیٹے کا نام عمر تھا۔ امام زین العابدین علیہ السلام نے اپنے ایک بیٹے کا نام عمر رکھا تھا۔ جیسا کہ شیخ عباس قمی نے اپنی کتاب ”فتنی الآمال“ میں ۲/۵۹ پر لکھا ہے۔ اربلی نے اپنی کتاب ”کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ“ میں ۳/۳۱ پر اس بات کا ذکر کیا ہے کہ امام موسیٰ کاظم کے ایک صاحبزادے تھے ان کا نام بھی عمر تھا۔ یہ تعصب نہیں تو اور کیا ہے کہ عمر کا نام سن کر منہ سے نازیبا الفاظ نکالے جائیں۔ یہ کیسا اندھا تعصب ہے جو ان کو اوندھے منہ جہنم رسید کر دینا چاہتا ہے جو اہل بیت علیہم السلام پر اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر لعن و طعن کرتا ہے اس کا حشر کیا ہوگا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کو اللہ اور اس کے رسول کے فرمان کا پاس و لحاظ نہیں اس نے شریعت محمدیہ اور تعلیمات اسلامیہ کو پس پشت ڈال دیا ہے اور ہوائے نفس کا شکار ہو کر اسی کا اسیر اور غلام بن گیا ہے۔



امام منتظر کا مَعْمَا

اس میں کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے اور نہ ہی یہ اہل سنت والجماعت کے نزدیک محل نزاع ہے کہ آخری زمانے میں امام مہدی رحمۃ اللہ علیہ کا خروج ہوگا۔ یہ بات حتمی اور یقینی ہے، امام مہدی رحمۃ اللہ علیہ کا ظہور ہوگا اور وہ آل بیت رضی اللہ عنہم سے ہوں گے۔ ان کی خصوصیت یہ ہے کہ ان کا تعلق بنی فاطمہ رضی اللہ عنہا سے ہوگا۔

ایک شیعہ ہونے کے ناطے میں صاحب الزمان نامی شخص کا دل دادہ تھا۔ بچپن سے باور کر دیا گیا تھا کہ منتظر کے بہت سے القاب ہیں۔ وہ حجتہ اللہ ہیں۔ وہ القائم کے لقب سے بھی یاد کئے جاتے ہیں اور وہ صاحب الزمان کے لقب سے بھی ملقب ہیں اور ان کو ابو صالح کہہ کر بھی پکارا جاتا ہے اور وہ صاحب الامر بھی کہے جاتے ہیں۔ وہ صاحب العصر کے لقب سے بھی بہرہ ور ہیں..... لیکن یہ بات میرے وہم و گمان بھی نہ تھی کہ وہ شخصیت جس کا میں دلدادہ ہوں اور جس سے میری بڑی امیدیں اور آرزوئیں وابستہ تھیں اور جو میری تمناؤں اور مرادوں کا مرجع تھی وہ محض ایک خیالی شخصیت ہے اور بس۔

امام غائب سے میری اندھی محبت نے مجھے کبھی اس زاویہ سے سوچنے کا موقعہ نہیں دیا تھا۔ لیکن محض بحث و تحقیق اور طلب و جستجو کی وجہ سے میں اس حقیقت سے آشنا ہو سکا کہ ان القاب و آداب سے جس شخصیت کو موسوم کیا جا رہا ہے وہ محض ایک خیالی شخص ہے۔ صاحب الزمان کے لقب نے مجھے ہلا کر رکھ دیا:

ان اہم مسائل میں سے جس نے میرے افکار و خیالات کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا، ایک مسئلہ صاحب الزمان کا ہے جس کو علامہ نوری طبرسی نے اپنی کتاب النجم الثاقب میں احوال الامام

الحجۃ الغائب کے عنوان کے تحت سے لکھا ہے۔

علامہ نوری طبرسی تعارف سے بے نیاز ہیں۔ ان کی تعارف میں یہی بات کافی ہے کہ شیخ عباس قتی، شیخ آغا برزک طهرانی، شیخ محمد حسین آل کاشف الغطاء اور سید عبدالحسین شرف الدین الموسوی اور ان جیسے جدید شیعہ علماء نے ان کے سامنے زانوئے تلمذتہ کیا تھا۔

علامہ نوری طبرسی نے صاحب الزمان کو ”خسر و مجوس“ کے لقب سے بھی موسوم کیا ہے یہ امام صاحب کاستنالیساواں لقب ہے۔^①

یہ ایک بہت بڑا المیہ ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ ہمارے امام کو خسر و مجوس کی صفت سے متصف کیا جائے؟ صاحب الزمان کا مجوس سے کیا تعلق ہے؟

شیعہ کے صاحب الزمان آخری زمانے میں نمودار ہوں گے۔ تاکہ آل بیت علیہم السلام کے دشمنوں سے انتقام لے سکیں۔ خصوصاً حضرت ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما سے جم کر بدلہ لیں۔ حالانکہ یہ عمر رضی اللہ عنہ ہی ہیں جن کی خلافت میں ایران فتح ہوا۔ ان کے عہد میں ایران میں اسلام پوری آب و تاب کے ساتھ شاہانہ انداز میں داخل ہوا جس کی وجہ سے تاریخ میں پہلی مرتبہ وہاں اذان کی آواز بلند ہوئی اور باجماعت نماز کا اجراء ہوا۔

علامہ مجلسی نے نوشجان بن بود مردان سے روایت کیا ہے کہ: جب ایرانی گھڑ سوار فوجوں کو قادیسیہ سے بھاگنے پر مجبور کر دیا گیا اور شاہ ایران یزدگرد بن شہریار کو رستم کے حالات اور عربوں کے اس پر حاوی ہونے کا پتہ چلا اور اس کو یقین ہو گیا کہ رستم اور بہت سارے شاہ سوار سارے کے سارے ہلاک ہو گئے ہیں۔ کیونکہ ایک خبر دینے والا آیا اور اس نے قادیسیہ کی جنگ اور اس جنگ میں ۵۰۰۰۰/مقتولین کے بارے میں یزدگرد بن شہریار کو خبر دی تو یزدگرد دوڑ دوڑا دوڑا اپنے اہل خانہ کے پاس آیا اور ایوان کے دروازے پر کھڑا ہو کر حسرت بھرے انداز میں یہ کلمات کہے: السلام علیک ایہا الایوان۔ ایوان سلطنت فی الحال میں تجھے چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ مگر میری اولاد میں سے ایک شخص دوبارہ آئے گا۔ طوسی کا کہنا ہے کہ اس کے خروج کا زمانہ ابھی دور ہے۔

① النعم الثاقب (۱/۱۸۵)۔

سلیمان الدیلیبی بیان کرتا ہے: میں نے ابو عبد اللہ جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا: اس کا کیا مطلب ہے ”میں یا میری اولاد میں سے کوئی فرد واپس آئے گا۔“ تو ابو عبد اللہ نے جواب دیا: اس سے مراد تمہارے وہ امام ہیں جو قائم بامر اللہ کے لقب سے معروف ہوں گے اور میرے چھٹے بیٹے ہوں گے۔ گویا وہ یزدگرد کے خون سے ہوں گے اور ان کو اس کی اولاد ہونے کا شرف حاصل ہوگا اور وہ دن انتقام کا دن ہوگا۔^①

یہ ہیں شیعہ کے صاحب الزمان بن یزدگرد جو اپنے شاہسوار آباء و اجداد کی ہزیمت کا ان اہل اسلام سے بدلہ لیں گے جنہوں نے فارس فتح کیا تھا۔ کیونکہ روایت کی الفاظ سے یہی بات سمجھ آتی ہے اور خسرو مجوس کے لقب سے بظاہر یہی سمجھ آتا ہے۔

اللہ اکبر! میں ان حقائق سے کس قدر دور تھا؟ مگر رکیے ذرا! میرے نزدیک مجھے نظر بصیرت عطا کرنے اور میرے دل میں شیعہ مذہب سے نفرت پیدا کرنے میں اثر انداز ہونے کے اعتبار سے اس سے بھی بڑی ایک بات ہے۔

محمد بن ابراہیم النعمانی کی ”کتاب الغیبہ“، ص: ۲۳۴ میں امام ابو عبد اللہ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کر کے لکھا گیا ہے کہ: جب قائم بامر اللہ کا خروج ہوگا تو ان کے اور قریش عرب کے درمیان تلواریں نکل آئیں گی اور تلوار کے علاوہ ان کے پاس کوئی حل نہ ہوگا۔ عرب اور قریش کے بارے میں یہ سب کچھ کینہ اور بغض کی بنا پر کیا گیا ہے، تو اس کے لیے سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر امام منتظر رو کیا رکھیں گے؟

حتیٰ کہ روایات سے یہ بھی صراحت ہوتی ہے کہ قائم بامر اللہ عرب قبائل میں سے ستر قبیلوں کا خون و خرابہ کریں گے۔^②

اس مختصر سے تجزیہ کے بعد ہماری آپ سے گزارش ہے کہ اس حقیقت کا جس کو میں نے

① بحار الانوار (۱۶۳/۵۱-۱۶۴)۔

② بحار الانوار: ۳۳۳/۵۲، هامش (۱)

ابھی بیان کیا اور ان حقائق کا جن کو میں پہلے بیان کر چکا ہوں، خسرو مجوس کے القاب سے ذرا تقابلی موازنہ تو کریں اور اس بات کو ذہن میں رکھیں کہ خسرو مجوس کے دادا نے مسلمانوں کو دھمکی دی ہے جنہوں نے اس کے باپ دادا کو فارس سے نکالا تھا اور ان کو تاخت و تاراج کیا تھا۔ اور یہ باور کیجئے کہ صاحب الزمان کی آمد قریب ہے جو مسلمانوں سے اپنے دادا کا انتقام لیں گے۔ شیعہ مذہب کے یہ وہ حقائق ہیں جو عقل و دانش سے بہرہ ور انسان کے سر پر بجلی گرانے کے مترادف ہیں۔



تصور امانت میں تاریخ کی فتح

اگر کوئی شخص شیعوں کی تاریخ کا غائرانہ مطالعہ کرے اور ان کے تاریخی اثاثہ کی چھان بین کرے تو اس کو اس بات کا بخوبی پتہ چل جائے گا کہ مسئلہ امامت جس کے پیچھے آج کل شیعہ حضرات ہاتھ دھو کر پڑے ہوئے ہیں اور اس پر جینے مرنے کے لئے تیار ہیں، یہ وہی مسئلہ ہے جو ان کے نزدیک موالات و معادات کی بنیاد ہے۔ گویا کہ دشمنی و دوستی کو پرکھنے کی کسوٹی شیعوں کے نزدیک مسئلہ امامت ہی ہے۔ لیکن ہم یہاں پر اس حقیقت کا بھی انکشاف کر دیں کہ مسئلہ امامت شیعوں کے نزدیک غیر واضح اور غیر مسلمہ حقیقت ہے جس کے خدوخال خود شیعوں کے نزدیک ناقص ہیں۔ اس کی حقیقت امام حسن عسکری کی وفات تک پردہ میں رہی۔ اس کے بعد شیعہ گروہ افراتفری کا شکار ہو کر بہت سے فرقوں میں منقسم ہو گئے۔ ان متعدد فرقوں میں سے ایک اہم فرقہ، اثنا عشریہ کا ہے اور دوسرا فرقہ اسماعیلیہ بھی ہے۔ یہی وہ فرقہ ہے جس نے اپنے عقائد کی ندرت کی وجہ سے بڑی شہرت حاصل کی ہے۔

اگر تاریخ کا مشاہدہ کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ جب امویوں اور عباسیوں کے خلاف انقلاب برپا کرنے اور لوگوں کو خلافت کا حقدار باور کرانے کا معاملہ گرم تھا۔ اس وقت ان فرقوں کا ظہور ہوا۔ بالفاظ دیگر یہی وہ فکر ہے جو اس وقت کا مرکزی مسئلہ تھی جو لوگوں کے درمیان وقت کی پکار کے طور پر گردش کر رہی تھی۔ اگر تاریخ کی ورق گردانی کی جائے تو پتہ چلتا ہے کہ یہی وہ محور تھا جس کے گرد شیعوں کے تمام فرقہ چمکی کے پاٹ کی طرح اس زمانے میں گردش کر رہے تھے۔ اس سلسلہ میں ائمہ عشریہ کے اسماء کی فہرست گنوانے اور ان کے ناموں کے وضاحت کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ اس دور میں ائمہ اثنا عشریہ کے ناموں کی اس صفحہ ہستی

پر کوئی حد بندی نہیں تھی۔

لہذا عمومی طور پر شیعہ حضرات اس دور میں ائمہ اہل بیت کے درمیان کسی فرق کے روادار نہ تھے اور نہ ان کے ذہن میں اس بارے میں کوئی فرق تھا جس کی بنیاد پر وہ ایک کو دوسرے سے ممیز کر سکیں۔ اسی لئے اس وقت کوئی امام اگر کوئی تحریک چلاتا تھا یا کسی قسم کا انقلاب برپا کرنے کی مہم چھیڑتا تھا تو وہ بھی اس کی تحریک کی موافقت میں اس میں شامل ہو جاتے تھے۔ جیسا کہ زید بن علی رضی اللہ عنہ نفس زکیہ اور ان کے علاوہ دوسرے ائمہ کی تحریکوں میں معاملہ درپیش ہوا۔

اگر ہم شہادت حسین رضی اللہ عنہ کے بعد کے دور کا خاص طور پر باریک بینی سے تاریخی مطالعہ کریں تو ہمیں اس بات کا اشارہ ملتا ہے کہ علی بن حسین زین العابدین رضی اللہ عنہ جو اثناعشریہ کے نزدیک چوتھے خلیفہ ہیں، نے شیعہ سیاست کے میدان سے کنارہ کشی اختیار کر لی تھی اور ائمہ اہل بیت علیہم السلام کے لئے شیعوں کی قیادت کرنے کی غرض سے میدان سیاست خالی کر دیا تھا۔ ایسا اقدام انہوں نے روزمرہ کی مشکلات اور انقلابات سے تنگ آ کر کیا تھا اور ائمہ اہل بیت کو ان کی قیادت سونپ دی تھی۔

اس کے بعد وہ زہد و ورع اور عبادت و ریاضت میں ایسے مشغول ہوئے کہ عابدوں اور زاہدوں کے امام کہلانے لگے۔ مفید اور اربابی رقم طراز ہیں: ”علی بن الحسین زین العابدین رضی اللہ عنہ ان کے چوبیس گھنٹوں میں ہزار رکعت نماز ادا کرتے تھے۔“^①

اس متقی اور پرہیزگار امام سے جو چیزیں منقول ہیں ان میں پند و نصائح، مواعظ و عبر، دعاء و مناجات اور وہ بعض احکام شرعیہ ہیں جو بطور فتویٰ علماء اور دعا کے مابین رائج ہیں۔ شیعوں کی تاریخ میں امامت کی نشاندہی کے سلسلہ میں یہی وہ خلا ہے جس نے علماء شیعہ اثناعشریہ کو امامت کے اثبات کی طرف متوجہ کیا۔ چنانچہ انہوں نے اس امام زاہد کے معجزات اور

① الارشاد، ص: ۲۵۶ اور کشف الغمہ: ۲/۲۹۳۔

ان کی مدح و ثناء میں چند قصے کہانیاں گھڑ کر ان کی امامت کی نشاندہی کی کوشش شروع کر دی اور اپنے تئیں اس تاریخی نقص کو پر کرنے کی بھرپور تگ و دو کی۔ اگر حقیقت میں اس امام کی سیرت کا تاریخی جائزہ لیا جائے تو ہمیں اس وقت کے شیعہ امام کے بارے میں حالات کچھ اور ہی نظر آتے ہیں۔ جس سے پتہ یہ چلتا ہے کہ امام مذکور کو اس زمانے کے شیعہ احترام و اجلال کی نگاہ سے دیکھتے تھے، ان کا اعزاز و اکرام کرتے تھے اور ان کے علم و فضل اور ان کی قدر و منزلت کا اعتراف بھی کرتے تھے۔ ان کو اس مرتبہ تک رسائی ان کے سیاسی فرد ہونے یا امام وقت کے منصب پر فائز ہونے کی وجہ سے نہیں ہوئی تھی بلکہ ان کا زہد و ورع اور تقویٰ و پرہیزگاری اس کا سبب تھا۔^①

زید بن علی رضی اللہ عنہ جب کوفہ تشریف لائے تو ان کے ساتھ جو لوگ تھے وہ والی قضیہ کے رونما ہونے کی وجہ سے حیرت و استعجاب میں پڑ گئے۔ یہ قضیہ ان لوگوں کی طرف سے اٹھایا گیا تھا جو امام مذکور کے والد محترم سیدنا علی بن حسین زین العابدین رضی اللہ عنہما کی امامت کا دم بھرتے تھے۔ لہذا اس مسئلہ پر ایک مناظرہ ہوا جس پر صاحب کتاب الکافی رقمطراز ہیں:

”امام زید بن علی رضی اللہ عنہ نے ان کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: اے ابو جعفر میں اپنے والد حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ دسترخوان پر بیٹھا کرتا تھا اور میرے بابا مجھ کو بڑا نکڑا توڑ کر لقمہ بنا کر کھلایا کرتے تھے اور ازراہ شفقت میرے لئے پھونک پھونک کر گرم لقموں کو ٹھنڈا کیا کرتے تھے۔ ان کو دنیا میں

① یہاں اس بات کی طرف اشارہ کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ انسان بڑی آسانی کے ساتھ، اس شخص کے لئے جس سے وہ محبت کرتا ہے قصے کہانیاں گھڑ لیتا ہے۔ مثال کے طور پر فرقہ اسماعیلیہ کو ہی لے لیجئے انہوں نے امام اسماعیل بن جعفر صادق کی امامت کو ثابت کرنے کے لئے قصے کہانیوں کا طومار لگا دیا ہے۔ اسی طرح فرقہ رفاعیہ نے اپنے امام رفاعی کے بارے میں قصے کہانیاں گھڑ گھڑ کر ان کے معجزات اور کرامات کا انبار لگا دیا ہے۔ اسی طرح فرقہ تجانیہ والوں نے بھی کیا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ قصہ کہانیاں گھڑ لیتا تو بڑا ہی آسان کام ہے مگر حقیقت بیانی بڑی مشکل بات ہے۔

میرا اتنا خیال تھا۔ مگر انہیں جہنم کی آگ میں مجھ پر رحم یا ترس نہیں آتا تھا؟ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے تم کو دین کے بارے میں خبریں بہم پہنچائیں اور مجھے ان خبروں سے نا آشنا رکھا؟ مؤمن الطاق نے ان کو یہ کہہ کر جواب دیا کہ میں قربان جاؤں انہوں نے جہنم کی آگ سے آپ پر رحم کھا کر اس بات کی آپ کو خبر نہیں دی۔ گویا کہ انہوں نے ازراہ شفقت آپ کے لئے ایسا کیا کیونکہ ان کو خدشہ تھا کہ کہیں آپ ان کی بات کو قبول نہ کریں اور حکم عدولی کی وجہ سے جہنم کے مستحق قرار پا جائیں۔ اس لئے اس حقیقت سے صرف مجھ کو آگاہ کرنے میں انہوں نے اکتفاء کیا۔ اگر میں نے ان کے حکم پر عمل درآ مد کیا تو گویا کہ میں نجات سے ہمکنار ہو گیا اور اگر اس کو قبول کرنے میں کامیابی سے کام لیا یا امام صاحب کے فرمان کی خلاف ورزی کی تو ہمارے امام محترم کو اس کی پرواہ نہیں ہے کہ میں جہنم رسید ہوں انہوں نے آپ سے اس حقیقت کو چھپایا ہے جس طرح یعقوب علیہ السلام نے یوسف علیہ السلام کے خواب کا کتمان کیا تھا۔^①

تصور کیجئے کہ امام صاحب کے صاحبزادے اپنے والد کی امامت کی خبر نہیں رکھتے اور نہ ان کو اپنے زمانے میں اپنے والد بزرگوار کے منصب امامت پر فائز ہونے کی خبر مل سکی اور نہ ہی یہ اہم خبر ان کے گوش گزار ہو سکی مگر مؤمن الطاق کہ جسے اہل کوفہ کی ایک جماعت ایسے مخلص رازداں کی شکل میں وجود پذیر ہوئی جنہوں نے حضرت زید بن علی رضی اللہ عنہ کے والد محترم زین العابدین رضی اللہ عنہ کے انتقال کے بعد ان کے بیٹے کی امامت کی دعوے داری شروع کی۔

یہ شیعوں کی تاریخ کا ایک المناک پہلو ہے جس سے چشم پوشی نہیں کی جاسکتی۔ اس پر بس نہیں بلکہ یہاں پر چند دوسرے پہلو اور بھی ہیں جو صراحت کے ساتھ امامت کی نشاندہی کی نفی کرتے ہیں اور اس بات کی یقین دہانی فراہم کرتے ہیں کہ شیعوں کے نزدیک امامت کا

① کتاب الکافی : ۱۷۴/۱۔

تصور محض ایک مفروضہ ہے اس کے علاوہ اس کی کوئی حیثیت نہیں۔

فرقہ اثنا عشریہ سے منسلک شیعوں کے بارے میں اس بات کا تصور محال ہے کہ وہ اپنے بارہ اماموں کے اسماء والقباب کی مع ولدیت نشاندہی کر سکیں اور یہ بتا سکیں کہ وہ کس کی ذریت میں سے ہیں۔

چنانچہ کلینی نے اپنی کتاب الکافی میں یہ روایت نقل کی ہے کہ: ایک شخص نے ابو عبد اللہ علیہ السلام سے دریافت کیا: میری صبح وشام اس حال میں ہوتی ہے کہ میں کسی ایسے امام کو پاسکوں جس کی امامت مسلم ہو اور میں اس کی امامت کو تسلیم کر کے اس کے ہاتھ پر بیعت کر سکوں تو آپ ہی بتائیے کہ ایسی حالت میں میں کیا کروں؟ جبکہ صبح وشام میں مجھے کوئی ایسا امام نہ مل پائے جس کو میں امام سمجھ کر اس سے بیعت امامت کر سکوں؟ امام ابو عبد اللہ رحمہ اللہ نے اس شخص کو جواب دیا کہ تم جس کو پسند کرتے ہو اس سے محبت کا سلوک روا رکھو اور جسے تم ناپسند سمجھتے ہو اس سے دور رہو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنے دین کو غلبہ عطاء فرمائے۔^①

امام صدوق نے امام صادق علیہ السلام سے روایت نقل کی ہے کہ تمہارا کیا حال ہوگا جب تم کو ایک طویل مدت تک امام کی قیادت سے محرومی کا شکار رہنا پڑے گا اور معاملہ ایسا پیچیدہ ہو جائے گا کہ تم کو اپنے امام کے نام تک کا پتہ نہ ہوگا تم اس حال میں کیا کرو گے۔ لوگوں نے امام صادق سے سوال کیا کہ ایسے حال میں ہمارا کیا فریضہ بنتا ہے۔ آپ ہی فرمائیں۔ امام صاحب نے جواب دیا کہ پہلے امام کی بیعت پر جسے رہو یہاں تک معاملہ تمہارے سامنے واضح ہو کر آ جائے۔^②

امام کلینی، امام صدوق، اور امام مفید نے عیسیٰ بن عبد اللہ علوی عمری کے واسطے سے ابو عبد اللہ جعفر بن محمد رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: میں نے ابو عبد اللہ علیہ السلام سے عرض کیا: میں قربان جاؤں، ہم پر اگر کوئی ایسا موقع آ جائے، اللہ تعالیٰ ہمیں وہ دن نہ دکھائے

① الکافی: ۱/۳۴۲۔

② اکمال الدین، ص: ۲۴۸-۲۵۰-۲۵۱۔

کہ کوئی تصریح شدہ امام موجود نہ رہے تو ہم کس کو امام بنائیں گے یا کس کے ہاتھ پر ہم امامت کی بیعت کریں؟ راوی کہتا ہے کہ ابو عبد اللہ نے حضرت موسیٰ کی طرف اشارہ کیا۔ میں نے کہا کہ اگر موسیٰ بھی نہ رہیں تو ہم کس کو امام بنائیں گے۔ فرمایا کہ ان کے فرزند رشید کو ان کا جانشین سمجھا جائے گا۔ میں نے کہا کہ اگر بالاتفاق وہ بھی نہ رہیں اور وہ اپنے بڑے بھائی اور چھوٹے لڑکے کو اپنے پیچھے چھوڑ جائیں تو ہم کس کو امامت کے منصب پر فائز کریں گے۔ اس کے جواب میں ابو عبد اللہ نے فرمایا کہ ان کے صاحبزادے کو ان کا خلف رشید سمجھا جائے گا اور اسے امامت کے منصب پر فائز کیا جائے گا۔ اس کے بعد امامت کا یہ سلسلہ یونہی قائم رہے گا۔ میں نے عرض کیا: اگر ہمیں امام کا پتہ نہ چل پائے اور نہ ہی ہم امام کا سراغ لگا پائیں تو ہم کیا کریں؟ اس کے جواب میں ابو عبد اللہ نے ارشاد فرمایا کہ ایسے موقع سے تم یہ کلمات ورد زبان کر لیا کرو ”اللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَتَوَلّٰی مِنْ بَقِیِّ مَنْ حَجَجْتَ مِنْ وَکْدِ الْاِمَامِ الْمَاضِیِّ۔ فَاِنَّ ذٰلِكَ یُجْزِئُکَ“..... ”اے اللہ میں اس شخص کے ہاتھ میں بطور مولا ہاتھ دیتا ہوں جو پہلے امام کی اولاد میں سے باحیات ہو اور تیری باقی ماندہ حجت کو تسلیم کرتا ہوں۔ تمہارے لئے یہ کہنا بیعت امام کے طور پر کافی ہو جائے گا۔“

یہاں زرارہ بن اعین، یعقوب بن شعیب اور عبدالاعلیٰ سے مروی کچھ دیگر روایات ہیں کہ انہوں نے امام صادق علیہ السلام سے پوچھا: اگر امام وقت کو کوئی ناگہانی حالت پیش آجائے تو لوگ کیا کریں گے؟ انہوں نے جواب دیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کو پیش نظر رکھیں گے:

﴿وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنْفِرُوا كَآفَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّیْنِ وَ لِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ﴾ (التوبة: ۱۲۲)

”ان میں سے کچھ لوگ ایسا کیوں نہیں کرتے کہ ان کی ہر بڑی جماعت میں سے ایک چھوٹی جماعت جایا کرے تاکہ وہ دین کی سمجھ بوجھ حاصل کرے اور یہ لوگ

اپنی قوم کے پاس جب واپس آئیں تو ڈرائیں تاکہ وہ ڈر جائیں۔“

راوی کہتے ہیں کہ میں نے امام صاحب سے پوچھا: اس موقع پر ان پر کیا حکم لگایا جائے گا؟ انہوں نے جواب دیا کہ وہ اس وقت معذور سمجھے جائیں گے۔ میں نے سوال کیا: ان انتظار کرنے والوں کا کیا ہوگا جو ان فقیہوں کے انتظار میں نگاہیں فرس راہ کئے بیٹھے ہوں گے۔ امام صاحب نے جواب دیا کہ اللہ تمہارا بھلا کرے کیا تم کو پتہ نہیں کہ محمد ﷺ اور عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان ۵۱۱ سال کا جو وقفہ تھا اس وقفے کے مابین کتنے ایسے لوگ ہیں جو محمد ﷺ کی بعثت کا انتظار کرتے کرتے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت پر عمل پیرا ہو کر ختم ہو گئے۔ ان کو اللہ تعالیٰ اجر دے گا۔ میں نے پوچھا ہم دین حاصل کرنے گھر سے نکلیں اور راستے میں اگر بعض ساتھی مر گئے تو ان کا کیا حکم ہے۔ امام صاحب نے جواب دیا:

﴿وَمَنْ يَخْرُجْ مِنْ بَيْتِهِ مَهْجَرًا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ يُدْرِكُهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ أَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا﴾ (النساء: ۱۰۰)

”جو اپنے گھر سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف نکل کھڑا ہوا، پھر اسے موت نے آپکڑا تو یقیناً اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمہ ثابت ہو گیا اور اللہ تعالیٰ تو نہایت ہی بخشہنار، رحم کرنے والا ہے۔“

راوی کہتا ہے کہ میں نے کہا: ہم مدینہ منورہ پہنچیں اور صاحب معاملہ کے دروازے پر پردہ کھنچا ہوا دیکھیں اور دروازہ بند پائیں تو کیا کریں؟ فرمایا: اس میں کسی قسم کا غمخوش نہ ہوگا اور جب تم مدینہ میں داخل ہو گے اور لوگوں سے کہو گے کہ میں کس کو اپنا وصی بناؤں؟ لوگ برملا کہیں گے: فلاں کو اپنا وصی بناؤ۔ ❶

تاریخ میں ایسی بہت سی روایات موجود ہیں جن سے اس بات کا بخوبی علم ہوتا ہے کہ ائمہ علیہم السلام کو خود اپنی امامت کا پتہ ہوتا ہے اور نہ ہی اس بات کا علم ہوتا ہے کہ ان کے بعد کون امام

❶ تفسیر العیاشی: ۱۱۷/۲-۱۱۸- الامامة والتبصرة من الحيرة، ص: ۲۲۶ اور اکمال الدین، ص: ۷۵۔

بننے والا ہے۔ لیکن جب ان کی وفات کا وقت قریب آجاتا ہے اس وقت ان کو امامت کا پتہ چل جاتا ہے۔ جب ائمہ کا یہ حال ہے تو شیعیان فرقہ امامیہ اور ہاشمیا کا کیا شمار؟ کیونکہ بارہا یہ بات مشاہدہ میں آچکی ہے کہ شیعہ امامیہ کو اپنے ہر امام کی وفات کے بعد حیرانی و پریشانی کا شکار ہونا پڑا۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اپنے ہر امام سے ہمیشہ یہی درخواست کی کہ وہ اپنے جانشین کو وقت موعود سے پہلے تعین کر دیں اور وضاحت کے ساتھ اس کے نام کا اعلان کر دیں تاکہ ان کی وفات کے بعد امام جدید کی تعیین میں مشکلات درپیش نہ ہوں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ امام صاحب تو اس دنیا سے چلے جائیں اور ان کے متبعین کو امام کا پتہ تک نہ ہو۔

ابو جعفر محمد صفار، جو امام حسن عسکری علیہ السلام کے واسطیگان میں سے ہیں، نے اپنی کتاب: بصائر الدرجات باب فی الائمة انہم یعلمون الی من یوصون قبل موتہم مما یعلمہم اللہ کے عنوان سے موسوم باب میں درج کیا ہے۔^①

ابو عبد اللہ علیہ السلام نے فرمایا کہ اسماعیل بن ابراہیم کے ایک چھوٹے صاحبزادے تھے۔ جن سے وہ بڑی محبت کرتے تھے۔ شیخ اسماعیل کی امیدیں انہیں سے وابستہ تھیں لیکن اللہ تعالیٰ کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ اسماعیل علیہ السلام نے فرمایا کہ فلاں شخص امامت کا حق دار ہے۔ چنانچہ جب شیخ اسماعیل علیہ السلام وفات پا گئے اور ان کے وصی کی امامت کا وقت آیا تو انہوں نے اپنے بیٹے سے فرمایا کہ اے میرے بیٹے! جب مجھے موت آجائے تو ایسا کرنا ویسا کرنا اور میری وصیت پر عمل کرنا۔ اس سے پتہ یہ چلا کہ امام کو اس وقت تک موت نہیں آتی جب تک کہ اللہ تعالیٰ ان کو اس بات سے مطلع نہ کر دے کہ ان کے بعد کون وصی ہوگا۔

بصائر الدرجات میں ہی باب فی الامام علیہ السلام انہ یعرف من یكون بعدہ قبل الموت کے عنوان سے ایک باب ہے۔ یہاں میں اس حقیقت کی طرف بھی اشارہ کرنا چاہوں کہ یہ اس عقیدہ امامیہ کا طبعی نتیجہ ہے جو ایک معمر بن گیا ہے۔ جو نہ حل ہوا ہے

① نفس المصدر، ص: ۴۳۵۔

اور نہ حل ہوگا۔ عقیدہ نصیہ کا مطلب یہ ہے کہ خود ان کے امام کو پتہ تک نہیں ہوتا کہ ان کے بعد کون امامت کی باگ ڈور سنبھالے گا۔ البتہ موت سے تھوڑی دیر پہلے اسے وحی کے ذریعے پتہ چل جاتا ہے۔ لیکن یہ ایک تضاد ہے جس کے بھنور میں پھنس کر عام شیعہ بھٹک رہے ہیں اور دونوں قسم کے اعتقاد نے ان کو منحصر میں ڈال رکھا ہے۔ جب عام شیعہ کا یہ حال ہے تو رواۃ اور ائمہ کے اصحاب و معتقدین کا کیا حال ہوگا۔

زرارہ بن اعین کا شمار امام باقر اور امام صادق علیہ السلام کے اصحاب میں ہوتا ہے۔ جب اس کا انتقال ہوا تو اس کو بھی پتہ نہ چل سکا کہ امام جعفر صادق علیہ السلام کے بعد کون امامت کے منصب پر فائز ہوگا۔

لہذا زرارہ نے اپنے بیٹے عبید اللہ کو کوفہ سے مدینہ روانہ کیا تاکہ وہ نئے امام کا پتہ لگا کر آئیں۔ لیکن ان کو منزل مقصود تک پہنچنے سے ہی پہلے موت نے آلیا۔ چنانچہ انہوں نے قرآن کریم کو اپنے سینہ پر رکھ کر یہ کہا

((اللہم اشہد انی اتم بمن اثبت امامتہ هذا المصحف))

”اللہ میں اس کو امام سمجھتا ہوں جس کو یہ مصحف امامت کے منصب پر فائز کرے

گا۔“

اگر ائمہ کرام کے اصحاب میں سے کسی کو یہ بات معلوم ہوتی کہ امام جعفر صادق علیہ السلام کے بعد موسیٰ کاظم امامت کے منصب پر فائز ہوں گے تو ان کو معلومات حاصل کرنے کی ضرورت درپیش نہ آتی اور نہ ہی ان کو کسی قسم کا شک اور تذبذب رہتا۔ لیکن ان کا شک و شبہ اور حصول معلومات کی تنگ و دو، اس بات کی غمازی کرتی ہے کہ ان کو بھی امامت کی نامزدگی کا پتہ نہیں تھا۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اپنے بیٹے عبید اللہ کو کوفہ سے مدینہ روانہ کیا تھا۔

الصقار اور الکلبینی کے علاوہ المفید اور الکشی نے بھی اس بات کا تذکرہ کیا ہے کہ:

مشہور و معروف ائمہ کرام میں سے، ہشام بن سالم الجوالیقی اور محمد بن نعمان الاحول شروع شروع میں ہی حضرت عبد اللہ الفطح کی ان کے والد جعفر صادق علیہ السلام کے بعد امامت کے حق میں تھے۔ ان کی دلیل ابو عبد اللہ رحمہ اللہ کا یہ قول تھا کہ امامت کے استحقاق کا فیصلہ بڑے بیٹے کے حق میں ہوگا اگر وہ معذور یا اپانچ نہ ہو۔ امام باقر اور امام صادق علیہما السلام کے اصحاب میں سے عمار الساباطی کا اس بات پر اصرار ہے کہ امامت کا اگر کسی کو حق پہنچتا ہے تو وہ عبد اللہ الفطح ہی ہے آخری دم تک ان کا یہی فیصلہ رہا اور وہ اپنی اسی رائے پر ہمیشہ قائم رہے۔^①

ہشام بن سالم الجوالیقی سے مروی ہے کہ وہ ایک مرتبہ عبد اللہ الفطح رحمہ اللہ کے پاس اپنے بعض شیعہ دوستوں کے ہمراہ آئے اور ان سے بعض فقہی مسائل کے بارے میں دریافت کیا: عبد اللہ الفطح صحیح طور پر تشفی بخش جواب نہ دے سکے، جس نے لوگوں کو ان کی امامت بارے شکوک و شبہات میں ڈال دیا۔ چنانچہ وہ لوگ ان کے پاس سے حیران و سرگرداں نکلنے پر مجبور ہو گئے۔ کوفہ کی گلیوں میں سستانے کی غرض سے روتے ہوئے آ کر بیٹھ گئے۔ حیرانی و پریشانی کا یہ عالم تھا کہ ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا: کس کے پاس جائیں؟ مرجعہ کے پاس جائیں یا زید یہ کے پاس جائیں؟ یا معتزلہ کے پاس جائیں یا خوارج کے پاس جائیں۔ ہم لوگ اسی پس و پیش میں تھے کہ میں نے ایک بوڑھے شخص کو آتے ہوئے دیکھا۔ میں اس کو نہیں جانتا تھا لیکن وہ اپنے ہاتھ سے میری طرف اشارہ کر رہا تھا۔ اس نے آتے ہی مجھے بلایا اور کہا: اللہ تمہارا بھلا کرے، آؤ میرے پاس آ جاؤ۔ جب دیکھا تو وہ ابو الحسن موسیٰ رحمہ اللہ تھے۔ انہوں نے مجھ سے کہا کہ تم مجھے امام مانو۔ کیونکہ امامت مرجعہ کی ہے نہ قدریہ کی۔ اور نہ ہی زید یہ کو امامت کا حق پہنچتا ہے۔ بلکہ میرے حق میں امامت ثابت ہے۔ لہذا تم اسے تسلیم کرو۔ میں نے کہا: میں آپ پر قربان جاؤں کیا آپ کے والد اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ ابو الحسن موسیٰ کاظم رحمہ اللہ نے جواب

① دیکھیے: الکافی: ۱/۳۵۱-۳۵۲۔ الارشاد، ص: ۲۹۱۔ بصائر الدرجات، ص: ۲۵۰، ۲۵۱ اور رجال الکشی ترجمہ ہشام بن سالم۔

دیا: ہاں وہ فوت ہو گئے ہیں۔ میں نے ان سے دریافت کیا: ان کے بعد کون ہماری امامت کا استحقاق رکھتا ہے۔ انہوں نے فرمایا اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس کی راہنمائی کے لئے تمہارے راستے کھول دے اور مدد فرمائے۔ میں نے کہا: میں قربان جاؤں آپ پر، کیا آپ ہی وہ امام نہیں ہیں جس کی ہم کو ضرورت ہے۔ انہوں نے کہا نہیں، میں اس بات کی صراحت نہیں کر سکتا۔ میرے دل میں یہ خیال کہ کہیں ایسا تو نہیں، مسئلہ پیش کرنے میں مجھ سے چوک ہو گئی ہو۔ پھر میں نے ابوالحسن موسیٰ جراحہ سے کہا کیا: آپ بھی کسی امام کے متبع ہیں۔ انہوں نے جواب دیا: نہیں۔ راوی کا کہنا ہے کہ اس کی وجہ سے میرے دل میں ان کی عظمت شان اور بیعت خاندان کا ایسا تصور گھر کر گیا جس کی اثر پذیری کا اندازہ اللہ ہی کے علم میں ہے۔^①

اس روایت میں ہشام کا کہنا ہے کہ ابتداء میں لوگ عبداللہ الفطح کی امامت پر راضی ہو گئے تھے۔ گویا فرقہ امامیہ کے سربرآوردہ لوگوں (اقطاب) کو تحریری طور پر اس بات کا پتہ تک نہ تھا کہ امام کاظم جمع کے سامنے امامت کا اعلان کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ بہر حال حضرت عبداللہ الفطح اپنے والد کی وفات کے ستر دن بعد وفات پا گئے۔ انہوں نے اپنا ایسا جانشین نہ چھوڑا جس سے ان کی اولاد میں امامت جاری رہتی۔ جس کی وجہ سے فرقہ امامیہ کی صفوں میں ایک نئے فتنہ نے سر اٹھایا۔ اس وقت ایک فرقہ نے امامت کے مسئلہ سے دستبرداری کا اعلان کر دیا اور ایک دوسرا فرقہ پیدا ہو گیا جس نے موسیٰ بن جعفر کی امامت کو تسلیم کر لیا اور فرقہ موسوی کہلانے لگا۔ ایک تیسری قسم وہ تھی جس میں عبداللہ بن بکیر اور عمار بن موسیٰ الساباطی تھے۔ جنہوں نے موسیٰ بن جعفر کے بعد ان کے بھائی کی امامت کا فکر پیش کیا۔ ان کو فرقہ فطحیہ کے نام سے موسوم کیا جانے لگا۔ یہی وہ لوگ تھے جنہیں امام صادق اور ان کے بعد ائمہ کرام کے اصحاب ہونے کا شرف حاصل تھا۔

قارئین کرام یہ تصور نہ کریں کہ معاملہ ٹھنڈا پڑ گیا، نہیں ایسا نہیں ہے۔ بلکہ ابو عبد اللہ علیہ السلام

① دیکھئے: الکافی: ۱/۳۵۱۔ اور الارشاد، ص: ۲۹۱ اور بصائر الدرجات، ص: ۲۵۰-۲۵۱ اور

منتہی الآمال: ۲/۲۵۸ اور رجال الکشی ترجمہ ہشام بن سالم۔

کی اپنے بیٹے اسماعیل کے لئے وصیت، اس کے نفاذ کا ابتدائی بحران، عبداللہ فطح کی امامت، ابو عبداللہ رحمہ اللہ کی اچانک موت کے بعد موسیٰ کاظم رحمہ اللہ کی امامت کی مشکلات اور ۱۸۳ھ کو بغداد میں ہارون رشید کے زمانہ میں ان کی جیل میں پراسرار موت جیسے پے درپے حالات سے مسئلہ امامت پیچیدہ اور طویل ہوتا گیا حتیٰ کہ موسوی شیعوں کے ہاں یہ قصہ عام ہو گیا کہ موسیٰ کاظم رحمہ اللہ جیل سے فرار ہو گئے ہیں۔

یہ حقیقت بھی ہے کہ امام کاظم کی موت کے اسباب سے ان کے تمام بیٹے، طلباء اور دیگر لوگ بھی ناآشنا رہے۔ ان کی فہرست میں بعض اصحاب اجماع اور رواة ثقات کے اسماء بھی شامل ہیں۔ جناب علی بن ابی حمزہ، علی بن الخطاب، غالب بن عثمان، محمد بن اسحاق بن عمار تغلوسی الصیرفی، اسحاق بن جریر، موسیٰ بن بکر، وہیب بن حفص الجریری، یحییٰ بن الحسین بن زید بن علی بن الحسین، یحییٰ بن القاسم الخداء، عبدالرحمن بن الحجاج، رفاعہ بن موسیٰ، یونس بن یعقوب، جمیل بن دراج اور حماد بن عیسیٰ، احمد بن محمد بن ابی نصر جیسے اصحاب اجماع اور رواة ثقات شامل ہیں۔ ان کے علاوہ آپ کے اصحاب و احباب کی ایک طویل فہرست ہے جن سے آپ کی جیل میں پراسرار موت کا معمہ حل نہ ہو سکا۔^①

شیعہ موسویہ کا حضرت امام کاظم پر امامت کے منحصر ہونے اور ان کے بیٹے علی رضا رحمہ اللہ کی امامت کو نہ ماننے کی وجہ ہی حضرت امام موسیٰ کاظم کے مہدی ہونے کا اثبات فراہم کرتی اور موت سے قبل ان کے ظہور کو حتمی قرار دیتی ہے۔ چنانچہ امام طوسی نے اپنی کتاب الغیبة میں ان روایات میں سے بعض روایات کا تذکرہ بھی کیا ہے۔^②

اس کے بعد کا تاریخی پس منظر یہ ہے کہ علی رضا رحمہ اللہ کی اپنے والد کی موت کے بارے میں معرفت و عدم معرفت نے شکوک و شبہات کا بازار گرم کر دیا..... اور یہ قیاس آرائیاں گردش

① دیکھئے: الغیبة للطوسی، ص: ۴۷، اور الکافی: ۱/۳۴ اور عیون الاخبار الرضا، ص: ۳۹۔

② نفس المصدر، ص: ۳۹۔۴۰۔

کرنے لگیں کہ انہیں اپنے والد کی موت کی خبر کیسے پہنچی۔ اور کب ان کو پتہ چلا کہ ان کے والد فوت ہو چکے ہیں۔ ان کو کیسے معلوم ہوا کہ وہ اپنے والد کے بعد جانشین امام متعین کر دئے گئے ہیں۔ کیا ان کو اپنے والد کی وفات کے بعد فوراً اس بات کا علم ہو گیا تھا کہ ان کے والد فوت ہو چکے ہیں؟ یا ان کو اپنے والد کے فوت ہونے کی اطلاع ایک مدت بعد پہنچی۔ خبر پہنچنے کے بعد کب آپ بطور جانشین منصب خلافت پر فائز ہوئے۔^①

اُس زمانے میں شیعہ نے ایک مفروضہ پھیلا رکھا تھا جو زباں زد خاص و عام تھا کہ امام ہی امام کی تجسیم و تکفین کرتا ہے۔ اس مفروضہ نے اس دور میں امام علی رضا علیہ السلام کے بارے میں لوگوں کو پس و پیش میں ڈال دیا۔ چنانچہ لوگوں نے کہنا شروع کر دیا کہ علی رضا علیہ السلام کے بارے میں کیسے یہ باور کیا جاسکتا ہے کہ انہوں نے اپنے والد کو غسل میت دیا ہے جبکہ ان کے بابا کا انتقال بغداد میں ہوا ہے اور علی رضا علیہ السلام مدینہ منورہ میں تھے۔^②

ہم یہاں اس بات کی بھی وضاحت کر دیں کہ عام طور پر گروہ شیعہ امامت کی پیشین گوئی میں صرف علی بن موسیٰ رضا علیہ السلام کے بارے ہی میں غموض کا شکار نہیں ہے بلکہ امام کاظم کی اولاد اور ان کی محبوب ترین بیوی ام احمد کے سلسلہ میں بھی بڑی ہی پیچیدگیاں موجود ہیں جس کے بارے میں تاریخ کے اوراق شاہد عدل ہیں۔^③

انہیں تاریخی روایات میں سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ جب مدینہ میں امام کاظم علیہ السلام کی وفات کی خبر پائی گئی تو لوگ ام احمد کے دروازے پر جمع ہو گئے۔ احمد بن امام کاظم علیہ السلام کے ہاتھ پر بیعت خلافت کی اور انہوں نے بھی لوگوں کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر اپنی امامت کی بیعت لی۔ حالانکہ ابھی علی رضا کی امامت کے جواز و عموم جواز کی بحث جاری تھی۔^④

① ملاحظہ ہو: الکافی: ۳۸۱/۱۔ ② ملاحظہ ہو: نفس المصدر: ۳۸۵/۱۔

③ ایضاً۔ ۳۸۱/۱۔ ۳۸۲۔ ④ حیات الامام موسیٰ بن جعفر، لیاقہ شریف القرشی، ص: ۴۱۰۔

۴۱۱۔ تحفة العالم، جعفر آل بحر العلوم کی کتاب سے مقتبس: ۸۷/۲۔

ابھی فرقہ امامیہ سے منسلک لوگ اڈھیڑ بن میں مبتلا تھے کہ ۲۰۳ھ کو خراسان میں امام رضا کا انتقال ہو گیا۔ ان کے ایک بیٹے تھے جن کا نام محمد جواد تھا۔ ان کی عمر سات سال کی تھی جس کی وجہ سے فرقہ امامیہ کی صفوں میں دوبارہ اختلاف کی آگ بھڑک اٹھی اور امام کا مسئلہ ایک چیخ کی شکل اختیار کر گیا۔ کیا اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی قیادت کے لئے ایک کم سن بچے کو امامت کے منصب پر فائز کر سکتا ہے۔ جو اپنے معاملات میں بھی خوب تصرف کے قابل نہیں۔ علاوہ ازیں جو خود شرعاً غیر مکلف ہو اور نہ اس کو اپنے والد کی تعلیم و تربیت سے بہرہ ور ہونے کا موقع مل پایا ہو جس کو اس کے والد چار سال کا چھوڑ کر چلے گئے ہوں کیا وہ امام بن سکتا ہے؟^۱

اس قسم کے مختلف اسباب کی بنیاد پر شیعہ امامیہ مختلف فرقوں میں منقسم ہو گئے۔ جن میں سے بعض فرقے یہ ہیں۔

۱..... ان میں سے ایک فرقہ وہ ہے جس نے موسیٰ کاظمؑ کی امامت پر اکتفا کیا مگر چند اسباب و وجوہات کی بنا پر علی بن موسیٰ الرضا پر یقین کرتے ہوئے ان کی طرف رجوع کر لیا اور محمد الجواد کی امامت کو رد کر دیا۔

۲..... ایک دوسرا فرقہ وہ ہے جس نے امام رضا کے بھائی احمد بن موسیٰ کی امامت کو قبول کرنے کا رجحان ظاہر کیا۔ یہ فرقہ زید یہ کے ہم رائے تھے اور کوفہ میں ابوسرایا کے ساتھ مظاہرہ کے لئے سڑکوں پر نکل آئے تھے۔ ان کو اپنے بھائی امام رضا کی محبت حاصل تھی اور وہ اپنے بھائی کا خیال بھی رکھتے تھے۔ احمد موسیٰ علم و فضل، ورع و تقویٰ، زہد و معرفت، عبادت و ریاضت میں بھی بلندی و کمال کے حامل تھے۔ اس فرقہ کا خیال ہے کہ امام علی رضانے ان کی امامت کی وصیت کر کے نشاندہی کر دی تھی۔^۲

۳..... شیعوں کا ایک فرقہ وہ ہے جو امام محمد بن القاسم بن عمر بن علی بن الحسین بن علی بن ابی

۱ المقالات للاشعری القمی، ص: ۹۶-۹۸ اور فرق الشیعہ للنوبختی، ص: ۸۸۔
۲ الفصول المختارة، ص: ۲۵۶ اور المفید کی الارشاد

طالب رضی اللہ عنہم کے ارد گرد جمع ہو گیا۔ آپ کوفہ میں فروکش تھے اور عبادت و ریاضت، زہد و معرفت، ورع و تقویٰ، علم و فضل اور فقہ و حدیث میں درایت رکھتے تھے۔ انہوں نے معتصم باللہ کے خلاف ۲۱۸ھ کو طالقان میں علم بغاوت بلند کیا تھا۔^①

.....^② ایک فرقہ وہ تھا جس نے محمد الجواد کی امامت کو سراہا لیکن انہیں مشکل یہ درپیش ہوئی کہ وہ امام جواد کے بیٹے علی ہادی کی صغریٰ کی وجہ سے دوبارہ بحر ان کا شکار ہو گئے۔ کیونکہ جواد کا عقوان شباب میں انتقال ہو گیا تھا اور ان کے دونوں بیٹے علی اور موسیٰ کم سن تھے۔ بڑے بیٹے کی عمر سات سال سے زیادہ نہ تھی۔ امام ہادی بھی اپنے والد امام جواد کی وفات کے وقت چھوٹے ہی تھے۔ وجہ یہ ہے کہ ان کے والد نے عبد اللہ بن مسور کو اپنے تمام مال متاع پر حابج مقرر کر کے یہ وصیت کی تھی کہ ہادی جب بڑے ہو جائیں تو یہ سامان ان کے حوالے کر دینا۔ یہی وہ بھنور ہے جس کی گرداب میں شیعہ لوگ پھنس کر مختلف مشکلات کا شکار ہو گئے۔ اگر امام ہادی صغریٰ کی وجہ سے مالی تصرفات کے اہل نہیں تھے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان کی صغریٰ کے دوران امام کون تھا۔ اگر کوئی نہیں تھا تو ایک کم سن بچہ کے نام امامت کیوں کر نامزد کی جاسکتی ہے۔ اور وہ کس بنیاد پر امامت کے فرائض انجام دینے کا اہل ہو سکتا ہے۔ یہ وہ سوالات ہیں جو امام علی رضا رضی اللہ عنہ کی وفات کے وقت بروئے کار لائے گئے۔ اس سے علی و موسیٰ دونوں بھائیوں کی امامت کے بارے میں پیچیدگی درپیش ہوئی تھی۔

امام کلینی اور مفید حیرت و استعجاب کا مظاہرہ کرتے ہیں کہ شیعوں کی بعض بڑی بڑی شخصیات کو بھی اس امام جدید کی پہچان نہ تھی۔ لہذا انہوں نے امام محمد بن فرج کے یہاں اجتماع کیا۔ اس کے بعد ایک اجنبی شخص نمودار ہوا اور اس نے امام جواد کے بارے میں اس پوشیدہ راز کا انکشاف کر کے بتلایا کہ انہوں نے خفیہ طور پر اپنے بیٹے علی ہادی کی امامت کی نشاندہی کر دی تھی۔ تب کہیں جا کر اس راز کا اظہار ہو پایا۔^③

① مقاتل الطالین، ص ۵۷۹ اور تاریخ الطبری: ۷/۲۲۳۔

② الکافی: ۱/۳۲۶-۳۲۷۔ اور الارشاد، ص: ۳۲۸۔

اس حیرت استعجاب اور ابہام و غموض نے امام جواد کے ماننے والے شیعہ کو کئی فرقوں میں تقسیم کر دیا۔

- ۱۔ ان میں سے ایک گروہ امام ہادی کی امامت کا قائل ہو کر الگ ہو گیا۔
- ۲۔ دوسرا گروہ وہ تھا جو ان کے بھائی موسیٰ مبرقع کی امامت کا قائل ہو کر انہیں کا ہو کر رہ گیا۔ ❶

لیکن امام ہادی نے امامت میں اپنے بیٹے محمد کے لیے جانشینی کا انتخاب کر کے لوگوں کو حیرت استعجاب میں ڈال دیا۔ لیکن محمد ان کی زندگی ہی میں فوت ہو گیا تو انہوں نے اپنے دوسرے بیٹے امام حسن عسکری کی امامت کی وصیت کر دی اور اپنے بیٹے کو بلا کر کہا کہ میرے عزیز بیٹے اللہ کا شکر ادا کرو جس نے تمہیں موقع عنایت فرما کر امامت سے نوازا دیا ہے۔ ❷

کلینی اور مفید طوسی نے ابو ہاشم داؤد بن القاسم جعفری کے واسطے سے یہ روایت نقل کی ہے کہ میں ابوالحسن عسکری کے پاس ان کے صاحبزادے ابو جعفر کی وفات کے وقت موجود تھا۔ انہوں نے اس کی طرف اشارہ کیا اور اس کا حال و احوال بیان کیا تو میں اپنے دل ہی دل میں کچھ سوچنے لگا۔ ابوالحسن میری طرف متوجہ ہوئے کر کہنے لگے: ہاں اے ابو ہاشم! میں تم سے یہ کہہ رہا ہوں کہ ابو جعفر پر اللہ کا ہاتھ ہے اور اس کا قائم مقام ابو محمد کو بنایا گیا ہے۔ بالکل یہی مسئلہ اسماعیل کے بارے میں درپیش ہوا۔ جبکہ ابو عبد اللہ ان کی امامت کی نشاندہی کر کے انہیں امامت کے منصب پر فائز کر چکے تھے۔ بالکل یہی اشکال جو تمہارے دل میں گردش کر رہا ہے یہاں میں یہ بات کہہ سکتا ہوں کہ میرا بیٹا ابو محمد میرے بعد میرا جانشین ہے۔ اس کے پاس وہ سب کچھ ہے جس کی تم کو ضرورت درپیش ہوگی۔ ❸

❶ ملاحظہ ہو: فرق الشیعہ، ص: ۹۱۔

❷ ملاحظہ ہو: الکافی، ص: ۱/۳۲۶-۳۲۷۔ بصائر الدرجات للصفار، ص: ۷۳ اور الارشاد المفید، ص: ۳۳۷، اور الغیبة للطوسی، ص: ۱۲۲۔

❸ ملاحظہ ہو: الکافی، ص: ۱/۳۲۸ اور الغیبة، ص: ۵۰-۱۳۰ اور الارشاد، ص: ۳۳۷ اور بحار الانوار للمجلسی، ص: ۲۴۱/۵۰۔

یہی الجھن فرقہ اسماعیلیہ کے ساتھ بھی پیش آئی۔ کیونکہ جعفر صادق اپنے بیٹے اسماعیل کی وفات کا ذکر کر چکے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اسماعیل رضی اللہ عنہ نے انہیں امام ماننے سے انکار کر دیا۔ جس طرح ہادی کے دادا کے قتل پر ایک فرقہ نے ان کے صاحبزادے امام محمد کی وفات کی تصدیق سے انکار کر دیا تھا اور مسلسل ان کے روپوش ہو جانے کے عقیدہ پر اصرار کرتے رہے حتیٰ کہ انہوں نے یہاں تک دعویٰ کر ڈالا کہ امام ہادی کا اپنے بیٹے کی وفات کا اعلان کرنا تقیہ ہے اور حقیقت پر پردہ ڈالنے کے مترادف ہے۔

۲۶۰ھ کو مقام سامراء میں امام حسن عسکری علیہ السلام نے بحران اور ہجرتی کیفیت پیدا کر دی کیونکہ وہ جانشین مقرر کیے بغیر فوت ہو گئے تھے۔ جب کہ امام کا انعقاد یہ تھا کہ امامت تسلسل سے جاری رہتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فرقہ امامیہ سے منسلک لوگ ۱۴ فرقوں میں تقسیم ہو گئے جس کا قیام نے اپنی کتاب المقالات والفرق میں تذکرہ کیا ہے۔ اور نوبختی نے اس کو اپنی کتاب فرق الشیعہ میں بیان کیا ہے۔ ابن زینب العثماني نے اپنی کتاب ”الغیۃ“ میں بھی اس کا انکشاف کیا ہے۔ الصدوق نے اپنی کتاب ”اکمال الدین“ میں جس کے بارے میں اظہار خیال کیا ہے۔ المفید نے اپنی کتاب ”الارشاد“ میں جس کی وضاحت کی ہے۔ الطوسی نے اپنی کتاب ”الغیۃ“ میں جسے بیان کیا ہے۔ امامت کی الجھن بارے یہ ایک ہلکی سی جھلک تھی ورنہ یہ ایک نہ ختم ہونے والی داستان ہے۔



ایک افسانے کی تصدیق

ہمیں بچپن میں ایک قصہ لوریاں دے دے کر سنایا گیا ہے جو ہمارے ذہن و دماغ میں جاگزیں ہو گیا ہے۔ جس پر میں نے سادہ لوحی کی وجہ سے اس پر مہر تصدیق بھی ثبت کر دی تھی۔ انہوں نے مجھے بچپن ہی سے ایک قصہ پڑھا رکھا تھا جس کی میں نے سوچنے سمجھنے اور عقل کی کسوٹی پر پرکھنے کے بغیر ہی تصدیق کر دی کیونکہ میں اسی قدر کر سکتا تھا۔ قصے کا خلاصہ یہ ہے کہ امام عسکری نے بشر بن سلیمان النحاس کو بلا بھیجا۔ جب وہ آ گیا تو انہوں نے بشر بن نحاس سے کہا: میں تم کو ایک ایسا راز بتانے جا رہا ہوں جس کی کسی کو کانوں کان خبر تک نہ پہنچی ہوگی چنانچہ انہوں نے ان کو رومی زبان میں ایک خط لکھ کر دیا جس پر اپنی مہر بھی ثبت فرمادی۔ ان کو دو سو بیس دینار بھی دیئے اور ان سے کہا کہ یہ رقم لے کر بغداد چلے جاؤ۔ وہاں تم کو غاس کے بازار میں پہنچنا ہے۔ جہاں غلاموں اور لونڈیوں کی خرید و فروخت ہوتی ہے۔ جب تم وہاں پہنچو گے تو تم کو ایک شخص ملے گا جس کا نام عمرو بن یزید النحاس ہوگا۔ اس کے پاس بہت سی لونڈیاں ہوں گی۔ ان میں سے ایک لونڈی ایسی ایسی ہوگی۔ انہوں نے اس لونڈی کے اوصاف بیان کر کے بشر بن نحاس کو آگاہ کر دیا اور یہ بھی بتلادیا کہ وہ لوگوں سے بات نہیں کرتی ہوگی۔ بلکہ آدمیوں سے دور دور رہتی ہوگی اگر اس پر تمہاری نظر پڑ جائے تو اس کو میرا یہ خط دکھا دینا۔

چنانچہ بشر بغداد پہنچا اور اسے امام کی نصیحت کے مطابق اسی صورتحال سے سابقہ پڑا۔ لہذا اس نے امام کی وصیت کے مطابق اس لونڈی کے ہاتھ میں امام عسکری کا خط دے دیا۔ اس لونڈی نے جب اس خط کو پڑھا تو بے ساختہ رونا شروع کر دیا اور عمرو بن یزید سے کہا کہ: اس خط والے کے ہاتھ مجھے فروخت کر دو۔ پھر بشر نے جب اسے خرید لیا تو اس سے اس کے

رونے کا سبب دریافت کیا۔ لونڈی نے جواب دیا کہ اس کا نام ملیکہ بنت یشوعا بن قیصر ہے۔ یعنی وہ شاہ روم کی بیٹی ہے اور اس کی ماں کا شجرہ نسب حضرت مسیح علیہ السلام کے وصی شمعون بن حمون بن صفا سے جا کر مل جاتا ہے۔

پھر اس باندی نے اپنے دادا قیصر شاہ روم کے بارے میں عجیب و غریب قصہ بیان کیا کہ: قیصر نے اپنے بھتیجے کے ساتھ اس کی شادی کرنے کا ارادہ کیا تھا مگر اس باندی نے خواب میں نبی کریم ﷺ کی زیارت کی۔ آپ ﷺ حضرت مسیح علیہ السلام کی خدمت میں وصی کے لئے اس باندی کا پیغام نکاح لیکر حاضر ہوئے ہیں۔ اس نے خواب میں حضرت فاطمہ الزہرا اور مریم بنت عمران علیہما السلام کو جنت کی ہزار حوروں کی معیت میں دیکھا۔ اس نے امام عسکری کی بھی خواب میں زیارت کی اور انہوں نے اس کو خوشخبری دی کہ اس کے دادا فلاں فلاں تاریخ کو مسلمانوں سے جنگ کرنے کے لئے لشکر روانہ کریں گے۔ اس لئے تجھ کو چاہئے کہ تو اس لشکر میں بطور خدم و حشم شامل ہو جا۔ اگرچہ وہ بادل ناخواستہ ہی کیوں نہ ہو۔ اس کے بعد وہ جنگ میں قید ہو گئی حتیٰ کہ باندی کے طور پر بازار میں لاکر بیچی گئی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

یہ صاحبِ زمان کی ماں کا قصہ ہے جو اپنے طرزِ بیان میں فلمی قصوں سے کچھ کم نہیں۔ یہ قصہ عقیدہ اسلامیہ سے ذرہ برابر تعلق نہیں رکھتا۔ عقیدہ مسلم کی بنیاد قرآن و سنت ہے اور قرآن تو اس لئے اترا ہے کہ مسلمانوں کی عقلوں کو اس قسم کی خرافات اور اس طرح کے گھڑے ہوئے قصوں کی آلودگی سے پاک و صاف کر دے۔ ان کی عقل و دانش کو علم و معرفت کے نور سے مزین کر دے۔

جہاں تک نرگس نامی اس لونڈی کے امید سے ہونے کا تعلق ہے کہ وہ کس طرح صاحبِ الزمان کے سلسلہ میں امید سے ہوں گی۔ اس بارے میں آپ اس روایت کا مطالعہ کریں جس کو عباس قتی نے مستہیٰ الآمال میں اور ان کے علاوہ دوسرے مذہبی علماء نے روایت کیا ہے۔

چنانچہ ایک روایت میں ہے: ہم اوصیاء لوگوں کا حمل پیٹ میں نہیں بلکہ پہلو میں ٹھہرتا ہے۔ ہم رحم مادر سے نہیں پیدا ہوتے بلکہ داہنی ران سے ہماری ولادت ہوتی ہے۔ ہماری مائیں ہم کو اس وصف کے ساتھ جنا کرتی ہیں۔ کیونکہ ہم اللہ کے نور سے حاصل ہیں۔ ہمارے پاس نجاست اور آلودگی پھٹک نہیں سکتی۔

ہمارا شیعوں سے سوال ہے کہ: انبیاء ﷺ کی ولادت تو رحم مادر سے ہوتی تھی۔ تمہارے اوصیاء اس بنیاد پر اس فطرتی قانون سے کیسے مبرا ہو سکتے ہیں؟ آخر یہ کون سا اسلام ہے جو اس طرح کی بکو اس کرنے کی اجازت فراہم کرتا ہے۔ تم کو اس طرح کی ڈیگیں مارنے کی شہ دیتا ہے اور تمہارے اس جھوٹ پر رضامندی کا اظہار کرتا ہے۔

جہاں تک صاحب الزمان کی ولادت کا معاملہ ہے تو اس سلسلہ میں روایات اس طرح وارد ہوئی ہیں کہ جب ان کی ولادت ہوئی تو پہلے ایک چمک دار روشنی نمودار ہوئی جس نے افق کو نور سے بھر دیا اور آسمان تک روشنی ہی روشنی ہو گئی۔ میں نے سفید سفید چڑیوں کو آسمان سے اترتے دیکھا جو امام صاحب کے سر اور چہرے کو اپنے بازوؤں سے پونچھتی تھیں آپ کے جسم کو صاف کرتی تھیں اور اڑ جاتی تھیں۔ اس ماجرے کو دیکھ کر ابو محمد الحسن علیہ السلام زور سے چیخ پڑے اور اپنی پھوپھی کو پکار کر کہنے لگے: پھوپھی جان یہ پرند مجھے پکڑ کر دے دیجئے۔ چنانچہ ان کی پھوپھی نے اسے پکڑ کر مجھے بھجوا دیا۔ تو دیکھتا کیا ہوں کہ وہ مختون ہے اور اس کی نال کٹی ہوئی ہے۔ غسل دیا ہوا صاف و شفاف ہے اور اس کے داہنے بازو پر لکھا ہوا ہے: "جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ هُوقًا" ❶

اور وہ شریعت جس کے بموجب صاحب الزمان حکومت کریں گے کیا وہ شریعت اسلامیہ کے علاوہ کوئی اور شریعت ہوگی؟ ابن بابویہ قمی اپنی کتاب "الاعتقادات" میں لکھتا ہے کہ:

"جب مہدی کا ظہور ہوگا تو وہ سب سے پہلے شریعت اسلامیہ کا الفا کریں گے۔"

میراث وغیرہ کے احکامات کا لعدم قرار دیدیئے جائیں گے۔ چنانچہ حضرت صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عالم ارواح میں لوگوں کی جسم سازی سے دو ہزار سال پہلے روجوں کو ایک دوسرے سے آشنا کروادیا تھا۔ لہذا جب ہمارے امام قائم کا دور آئے گا تو وہی بھائی وارث قرار پائے گا جن کے درمیان عالم ارواح میں مواخات ہوئی تھی۔ اور حقیقی بھائی جو کہ ایک ماں اور باپ کی اولاد ہوں گے ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوں گے۔^①

صاحب الزمان ایسے نوجوانوں کو قتل کر دیں گے جن کی عمر ۲۰ سال ہو جائے اور وہ دین کی سمجھ بوجھ سے عاری ہوں گے۔ اور ان کو تفتقہ فی الدین حاصل نہ ہوگا۔^②

اور صاحب الزمان آل داؤد کی شریعت کے مطابق حکومت کریں گے۔ ان کو محمد اور آل محمد کی شریعت سے کوئی سروکار نہ ہوگا۔ شیعوں کی روایات میں یہ بھی صراحت وارد ہوئی ہے کہ جب آل محمد برسر اقتدار آئیں گے تو وہ حضرت داؤد اور سلیمان علیہما السلام کی شریعت کے مطابق حکومت کریں گے۔ ان کے لئے دلیل و حجت پیش کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔^③ ایک دوسری روایت میں ان الفاظ کے ساتھ بھی صراحت ملتی ہے کہ آل محمد میں سے جب کوئی برسر اقتدار آئے گا تو وہ آل داؤد علیہ السلام کی شریعت کی بنیاد پر حکومت کرے گا اور اسے کسی دلیل و حجت کی ضرورت نہ ہوگی۔^④

ان تمام افکار منحرفہ اور عقائد باطلہ کا لب لباب، یہ ہے کہ گروہ شیعہ امام مہدی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں لوگوں کو یہ باور کرانا چاہتا ہے کہ وہ قرآن و سنت کی تحکیم کو کا لعدم قرار دے

① الاعتقادات ص: ۸۳۔

② اعلام الوری للطبرسی، ص: ۴۳۱۔ بحار الانوار: ۱۰۲/۵۲۔

③ اصول الکافی: ۱/۳۹۷۔

④ الارشاد للمفید، ص: ۴۱۳، و اعلام الوری للطبرسی، ص: ۴۳۳۔

کراس کی جگہ دوسری الہامی کتاب کی تحکیم کا اجراء کریں گے۔ جس کی طرف شیعہ عالم النعمانی کی ابولصیر سے روایت شدہ یہ تصریح دلالت کرتی ہے۔ چنانچہ نعمانی لکھتا ہے کہ: ابو جعفر علیہ السلام نے فرمایا: القائم بامر اللہ نبی شریعت، نبی کتاب، نئے اصول اور نئے قوانین لے کر برسر اقتدار آئیں گے۔^① گویا میں صاحب الزمان کو رکن یمانی اور مقام ابراہیم کے درمیان بیعت کرتا ہوا دیکھ رہا ہوں۔^②

حتیٰ کہ امام مہدی کے تصرفات اور دست برد سے مقدسات اسلامیہ بھی نہیں بچ پائیں گے۔ جیسا کہ روایات سے پتہ چلتا ہے کہ صاحب الزمان جب آئیں گے تو مسجد حرام کے توسیع شدہ حصہ کو ڈھادیں گے اور اس کے اساسی حصہ کو باقی رکھیں گے۔ اسی طرح وہ مسجد نبوی کو اساسی حصہ پر استوار کریں گے اور اس کا توسیع شدہ حصہ گرا دیں گے۔ وہ بیت اللہ کو اپنی بنیادوں پر استوار کرنے کے لئے اس کی تعمیر نو کریں گے۔^③



① الغیبة للنعمانی، ص: ۱۵۴، وبحار الانوار: ۳۵۴/۵۲۔

② الغیبة للنعمانی، ص: ۲۸۲، وبحار الانوار: ۱۳۵/۵۲۔

③ الغیبة للطوسی، ص: ۲۸۲، وبحار الانوار: ۳۳۸/۵۲۔

یاد رہے کہ شیعہ عقائد کے مطابق بیت اللہ کو اصل و اساس پر استوار کرنے کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ خانہ کعبہ، مکہ مکرمہ ہی میں ہوگا بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ بیت اللہ کی جہت ہی تبدیل کر دیں گے اور حجر اسود کو اکھاڑ کر کر بلا میں لا چسپاں کریں گے (معاذ اللہ)

صاحب الزمان غایب کیوں؟

صاحب الزماں کی شخصیت کے وجود کا اعتقاد رکھنے والے اس قسم کے سوالات کا جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ چند اسباب و علل ہیں جو صاحب الزماں کے ظہور میں مانع ہیں جیسے ہی ان اسباب و علل کا ازالہ ہوگا صاحب الزماں ظہور پذیر ہو جائیں گے۔

امام مہدی کے ظہور میں مانع علل و اسباب کا تذکرہ کرتے ہوئے وہ کہتے ہیں کہ صاحب الزماں کے اور ان کے وقت ظہور کے درمیان کوئی مانع نہیں ہے۔ البتہ ان کو خوف اس بات کا ہے کہ انہیں قتل نہ کر دیا جائے۔ اسی وجہ سے وہ پردہ پوش ہیں۔ کیونکہ اگر اس کے علاوہ کوئی اور علت ہوتی تو ان کے لئے پردہ پوش ہونے کا کوئی جواز نہ ہوتا۔ پردہ پوشی کی حالت میں صعوبتیں اور مشقتیں برداشت کر رہے ہیں کیونکہ انبیاء اور ائمہ علیہم السلام اللہ کی خاطر مشقتیں برداشت کرتے ہیں جس سے ان کی قدر و منزلت میں اضافہ ہوتا ہے۔

حالانکہ صاحب الزماں کے آباء و اجداد کی سیرت و سوانح تمام لوگوں کے سامنے ظاہر اور عیاں ہیں۔ وہ لوگوں کے درمیان اپنے مشن پر بحسن و خوبی گامزن تھے اور لوگوں کے ساتھ انہوں نے گھل مل کر زندگیاں گزاری تھیں۔ اور انہیں کسی شخص سے اس قسم کا خطرہ لاحق نہیں ہوا تو صاحب الزماں کے ساتھ ایسا معاملہ کیوں ہے۔

جو لوگ صاحب الزماں کے وجود کا اعتقاد رکھتے ہیں ان سے بہت سی روایات وارد ہوئی ہیں۔ جن میں انہوں نے ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکی دور کے ابتدائی مرحلہ میں اس خوف سے کہ کہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل نہ کر دیا جائے روپوش رہا کرتے تھے۔ اسی پر قیاس کرتے ہوئے انہوں نے صاحب الزماں کے روپوش ہونے کا جواز فراہم کیا ہے۔

ایک روایت کو مجلسی نے البحار: ۱۸ / ۱۷۶ پر حضرت ابو عبد اللہ علیہ السلام سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ مکہ مکرمہ میں خوف و ہراس کے عالم میں پانچ سال تک روپوش رہے خوف کا عالم یہ تھا کہ آپ ﷺ باہر نہیں نکلتے تھے۔ سیدنا علی اور بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہما آپ ﷺ کے ساتھ تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو حکم دیا کہ دعوت و تبلیغ کا فریضہ علی الاعلان انجام دینا شروع کر دیں۔ اس طرح آپ منظر عام پر آئے اور آپ ﷺ کی دعوت کا غلغلہ بلند ہوا۔

مجلسی نے اپنی کتاب البحار میں ۱۸ / ۱۷۷ پر حضرت ابو عبد اللہ علیہ السلام سے یہ روایت نقل کی ہے کہ: وحی کے نزول کے بعد رسول اللہ ﷺ نے مکہ مکرمہ میں ۱۳ سال کا عرصہ گزارا تھا۔ ان سالوں میں سے تین سال آپ ﷺ نے مارے خوف و ہراس کے روپوش ہو کر گزارے تھے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا حکم آ گیا کہ تم کو جس بات کا حکم دیا جا رہا اسے تم علی الاعلان بیان کرو۔ اس وقت دعوت و تبلیغ کا معاملہ کھل کر سامنے آیا۔

اس کے علاوہ اور بھی بہت سی شیعہ روایات ہیں جو ایک ہی معنی اور مفہوم سے عبارت ہیں۔ ہم نے اختصار کے مد نظر انہیں نظر انداز کر دیا ہے۔

ہمارا شیعوں سے کہنا یہ ہے کہ: اس طرح کا قیاس جو تم نے نبی کریم ﷺ اور صاحب الزمان کے درمیان روا رکھا ہے؛ قیاس مع الفارق کہلاتا ہے۔ اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ جس کی بہت سی وجوہات ہیں۔ یہاں پر بغرض استفادہ ان میں سے چند کا مختصر تذکرہ کیا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہدایت کی توفیق عطا فرمائے [آمین]۔

1..... رسول اللہ ﷺ لوگوں کی نگاہوں سے مکمل طور پر روپوش نہیں ہوئے تھے بلکہ آپ ﷺ نے دعوت و تبلیغ کو مصلحتاً پوشیدہ طور پر انجام دینا شروع کر دیا تھا۔

2..... اس محدود مدت میں آپ ﷺ کے ساتھ چند اشخاص اور بھی موجود تھے جن میں آپ کی بیوی حضرت خدیجہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما بھی شامل تھے۔ لیکن جن کو شیعہ مہدی

غائب کے نام سے موسوم کرتے ہیں ذرا ہمیں بتلایا جائے کہ ان کی مصاحبت میں کون ہے۔ اگر وہ روپوش ہیں تو ان کی مراقت میں کوئی نہ کوئی ہونا چاہئے۔ کیونکہ ہمارے نبی ﷺ کی مصاحبت میں تو لوگ موجود تھے، لہذا معلوم ہوا کہ تمہارا قیاس ہی بنیادی طور پر غلط ہے۔

3..... تمہارا کہنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ روپوش ہو گئے تھے لیکن ہم کہتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ ایک محدود مدت تک سری طور پر دعوت کا کام کرتے رہے۔ اس کے بعد آپ ﷺ ظاہر ہو کر سامنے آ گئے۔ آپ ﷺ نے جس مدت میں سری طور پر دعوت کا اسلوب اپنایا تو اس میں بھی حکمت الہی پنہاں تھی۔ وہ یہ کہ اس مدت میں آپ ﷺ نے اپنے جانثاروں کی ایک ٹیم تیار کر لی جو تبلیغ و دعوت کے میدان میں آپ ﷺ کے مدد و معاون تھے۔ لیکن جہاں تک شیعوں کے امام مہدی کا تعلق ہے تو وہ روپوش ہیں اور ان کو کوئی پوچھنے والا نہیں ہے۔ نہ کوئی ان کا معاون ہے اور نہ کوئی ان کا متبع و مصاحب ہے۔ اگرچہ شیعہ امامیہ اپنے آپ کو ان کا متبع اور پیروکار کہلاتے ہیں لیکن اس سلسلہ میں یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ شیعہ امامیہ ان کی پیروی کا اس وقت سے دم بھرتے چلے آئے ہیں جس وقت سے وہ روپوش ہوئے ہیں۔ اس وقت ان کی تعداد کروڑوں میں ہے۔ کیا اتنی بڑی تعداد ان کے تعاون اور ان کی مدد کے لئے کافی نہیں؟ اس کے باوجود امام مہدی روپوش کیوں ہیں؟ نکل کر منظر عام پر کیوں نہیں آتے؟ حالات کا تقاضا یہ ہے وہ نکل کر آئیں اور امن و امان قائم کریں۔ اتنی بڑی خلق خدا کے ساتھ منظم طور پر اپنے مشن کا اجراء کریں اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے جانوں کے نذرانے پیش کریں۔ اس لئے یہ بات یقین اور پورے اعتماد کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ شیعوں کے نزدیک امام مہدی کی شخصیت محض خیالی ہے حقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

مجھے یاد پڑتا ہے کہ میں نے ایک بار ٹیلی ویژن پر امام مہدی کے وجود، ان کی اصل حقیقت اور ان کے روپوش ہو جانے کے بارے میں ایک پروگرام دیکھا تھا جس میں ان حقائق کے بارے میں مباحثہ دکھایا گیا تھا۔ اس میں دو فریق تھے ایک تو امام مہدی کے وجود کا قائل تھا اور دوسرے فریق کا کہنا تھا کہ امام مہدی کا وجود ہی نہیں ہے۔ مزے کی بات تو یہ ہے کہ دونوں فریق شیعہ برادری سے تعلق رکھنے والے تھے۔

جو فریق امام مہدی کے وجود کا قائل نہیں تھا اس نے زیر بحث مسئلہ پر اظہار خیال کرتے ہوئے یہ دلیل پیش کی کہ امام مہدی کے وجود کے بارے میں جو روایات اور آثار وارد ہوئے ہیں اور ان کے روپوش ہونے کے بارے میں جن اسباب و علل کا سہارا لیا گیا ہے، اگر بالفرض ان کو تسلیم کر لیا جائے تو ان کا لب لباب یہی نکلتا ہے کہ امام مہدی اس لئے روپوش ہو گئے ہیں کہ ان کو خوف تھا کہ عباسیوں کے ہاتھوں ان کا قتل نہ ہو جائے گا۔ لیکن حیرت اور استعجاب کی بات یہ ہے کہ ہم لوگ میڈیا کے دور میں قدم رنجاں ہو چکے ہیں۔ اس کے باوجود امام مہدی ٹیلی ویژن کے اسکرین پر نظر کیوں نہیں آتے یا کم از کم تصویر اور آواز کے ساتھ ویڈیو کیسٹ ہی بنا کر ان لوگوں کے حوالے کر دیتے جو وقفے وقفے کے بعد اس بات کا دعویٰ کرتے رہتے ہیں کہ انہوں نے امام مہدی کو دیکھا ہے یا ان سے جا کر ملے ہیں۔ تاکہ پورے عالم کے لئے امام مہدی کے وجود کا ثبوت فراہم ہو جاتا۔ یا کم از کم لوگوں کو اس بات کا یقین ہو جاتا کہ امام مہدی موجود ہیں۔ اور ان کے سامنے یہ بات واضح ہو کر عیاں ہو جاتی کہ ان کی شخصیت محض وہم و خیال نہیں ہے اور نہ ہی کوئی قصہ و کہانی ہے۔ تاکہ شیعوں کی روایات اور ان کے نصوص کی توثیق و تائید ہو جاتی اور اس کے ثبوت کا جواز فراہم ہو جاتا۔ بہت سی سیاسی خلاف ورزیاں کرنے والی شخصیات کا حال ہے کہ وہ ملک چھوڑ کر فرار اختیار کر لیتے ہیں اور ملک سے باہر بیٹھ کر میڈیا کے ذریعہ حکام وقت سے ٹکڑے لیتے رہتے ہیں۔ تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد اپنی ویڈیو کیسٹ جاری کر دیا کرتے ہیں جس سے ان کی لیڈر شپ قائم و دائم رہتی ہے تو یہ امام صاحب بھی ایسا کر لیں۔ مگر ہوں تو کریں۔

محمد حسین فضل اللہ سے برتاؤ

جو شخص شیعوں کی حقیقت سے واقف اور ان کے تاریخی پس منظر سے باخبر ہوگا اسے اس بات کا بھی بخوبی اندازہ ہوگا کہ ان کے اندر ایک لمبے جمود اور تعطل کے بعد بیداری و آگہی نے اگڑائی لینا شروع کی ہے۔

مذہب شیعہ میں غلو پر نقد کرنے والی جرات مند شخصیتوں کے نام ابھر کر سامنے آئے ہیں جنہوں نے اپنے مذہب کی ان روایات کی چھان بین اور تحقیق و تدقیق کا کام شروع کر دیا ہے، مجالس عزاء و ماتم کے وقت مقررین کو جن کی ضرورت درپیش ہوتی ہے۔ متعصب قسم کے شیعوں یا ان کے مشائخ کی طرف سے بغیر کسی تحقیق و تمحیص کے جن میں روزانہ اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے۔ دراصل داعظین وہ لوگ ہیں جو روایات کو گھڑ گھڑ کر ائمہ کرام اور آل بیت رضی اللہ عنہم کی طرف منسوب کرنے کے عادی ہیں۔

ابھی زیادہ عرصہ نہیں گزرا کہ اس میدان میں آیت اللہ العظمیٰ ابوالفضل البرقی، احمد کسروی، علامہ خوینی، ڈاکٹر موسیٰ الموسوی، محمد الیاسری اور احمد الکاتب کے نام شہ سرخیوں میں لئے جاتے تھے اور آج ان کی جگہ آیت اللہ العظمیٰ محمد حسین فضل اللہ نے لے لی ہے۔

سید فضل اللہ نے اس بات کا بخوبی ادراک کر لیا ہے کہ عقائد اور تاریخ کے بارے میں پیش کئے گئے بعض وہ مقالات جن کی ثقاہت کے حوالے سے ماضی میں انداز اختیار کیا کرتے تھے اور جن کی تاویلات میں اپنا وقت صرف کیا کرتے تھے اور جس کی دعوت و تبلیغ میں کوشاں

① حسین فضل اللہ شیعوں کے نزدیک مرجع کی حیثیت رکھنے والے لبنانی عالم ہیں۔ جن کے پوری دنیا میں بہت سے مقلدین ہیں جو ان کی اتباع اور پیروی کے قائل ہیں۔

رہا کرتے تھے آج ان کے نزدیک اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے کیونکہ ان کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ اس شخصیت کی طرف سے حقیقت کی نقاب کشائی ہے جس کو شیعوں کے نزدیک جدید داعی اور ممتاز رہنما ہونے کا شرف حاصل ہے۔

چنانچہ سید فضل اللہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں شیعہ کی طرف سے کی گئی دروغ گوئی کے متعلق بحث و تحقیق کے بعد اس نتیجے پر پہنچے کہ یہ سب سراسر تہمت طرازی ہے۔ جن روایات کے مطابق حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو زد و کوب کیا گیا اور ان کے حمل کو ساقط کروادیا گیا۔ سید صاحب اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ یہ سب سراسر تہمت طرازی ہے۔ نیز سید فضل اللہ کا یہ انکشاف ہے کہ اس قسم کے بیانات کا حقیقت سے کوئی سروکار نہیں ہے بلکہ اس کی حیثیت افواہ بازی سے زیادہ اور کچھ بھی نہیں۔

اس حق گوئی کی وجہ سے سید فضل اللہ کو مد مقابل کی طرف سے ایذا رسانی کی کوششیں کی گئیں لیکن انہوں نے ان کی طرف سے دی گئی ایذا و تکلیف کو برداشت بھی کیا۔ بلکہ ان کی گمراہی اور کجروی کے ثبوت کے لئے فتاویٰ بھی نکالے گئے۔ اس سے بھی ایک قدم آگے ان کی تکلیف کا فتویٰ دے کر انہیں کفار کے زمرے میں شامل کر دیا گیا۔

سید فضل اللہ حضرت فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا پر ظلم و زیادتی کے قصہ کا تذکرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ: ذرا تم اس بارے میں فہم و ادراک سے کام لے کر سوچو کہ اگر کوئی شخص تمہارے پاس آئے اور تمہاری بیوی کی آبروریزی کرے اور اس کو مارنے کی کوشش کرے تو کیا تم اپنے گھر میں حجرے کے اندر بیٹھے تماشہ دیکھتے رہو گے اور لاجور و لاقوة الا باللہ کہتے ہوئے چپ ہو جاؤ گے؟ یا تم بھی اس شخص پر حملہ آور ہو جاؤ گے جو تمہاری بیوی کو مارنے یا اس پر حملہ کرنے کی غرض سے تمہارے گھر میں گھس آیا ہے؟

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے شوہر علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہیں جن کی دلیری کا پوری دنیا پر رسکہ بیٹھا ہوا تھا ایسا جو ان مرد شخص لوگوں کو فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا پر اس وحشیانہ طور با آسانی حملہ کے لئے

چھوڑ دے گا اور خود گھر میں دم دبا کر نعوذ باللہ بیٹھ رہے گا اور لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم کہنے پر اکتفا کرے گا؟ کیا تم میں سے کوئی شخص ایسی صورتحال میں یہ رویہ اپنانا گوارا کرے گا؟ ہم سمجھتے ہیں کہ دنیا میں کوئی ایسا شخص نہ ہوگا جو ایسی صورتحال میں یہ بزدلانہ موقف اختیار کرے۔^①

سید فضل اللہ فرماتے ہیں کہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کیوں دروازہ کھولنے لگیں..... ذرا ٹھنڈے دماغ سے غور و فکر کرو کہ اگر تم گھر میں موجود ہو اور تمہاری بیوی بھی تمہارے ساتھ ہو اور کوئی شخص آ کر دروازہ کھٹکھٹائے، خاص طور سے اگر تم کو پتہ ہو کہ تمہاری گرفتاری کے لئے آرہے ہیں تو کیا تم اس موقع سے اپنی بیوی سے کہو گے کہ تم نکل کر دیکھو معاملہ کیا ہے؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ نعوذ باللہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بزدل تھے اور ان کے پاس غیرت و حمیت کا فقدان تھا اور وہ اسلامی غیرت و حمیت سے عاری تھے؟ شیعوں کا کہنا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ان کو وصیت کی ہے کہ علی رضی اللہ عنہ اپنی خلافت میں کوئی معرکہ سر نہیں کریں اور نہ اپنی بیوی کی طرف سے کسی قسم کی مدافعت کریں گے۔^②

کتاب و سنت کے نصوص میں تدبر و تفکر کے بعد اعتقادی میدان میں جو جرات مندانہ وضاحتیں سید حسین فضل اللہ سے وارد ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اسلام کی صحت کے لئے امامت یا بندوں کے اعمال کی قبولیت شرط نہیں ہے۔ یہ تو ایک شخصی یا انفرادی نظریہ ہے جو بعض مسلمانوں کے ذہن و دماغ پر چھایا ہوا ہے۔ مسلمانوں کی غالب اکثریت اس نظریہ کی اثر پذیری کی قائل نہیں ہے۔ اور جہاں تک امامت کا معاملہ ہے تو وہ ایک اجتہادی مسئلہ ہے جس میں توثیق اور تضعیف دونوں کا امکان ہے۔

جن مسائل میں سید فضل اللہ درستی پر نظر آتے ہیں وہ علم غیب کا مسئلہ ہے۔ عقیدہ غیب کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

② انظر: المصدر السابق نفسه۔

① الحوزة العلمية تدین الانحراف، ص: ۲۷-۲۸۔

﴿قُلْ لَا أَقُولُ لَكُمْ عِنْدِي خَزَائِنُ اللَّهِ وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَا أَقُولُ لَكُمْ إِنِّي مَلَكٌ إِن اتَّبَعُوا إِلَّا مَا يُوْحَىٰ إِلَيَّ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ أَفَلَا تَتَفَكَّرُونَ﴾ (الانعام: ۵۰)

”اے نبی ﷺ آپ فرمادیجئے کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ یہ کہتا ہوں کہ میں علم غیب کا حامل ہوں اور نہ یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔ میں اس چیز کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف وحی کی جاتی ہے۔ اور اے نبی ﷺ آپ فرمادیجئے: کیا اندھا اور بینا برابر ہو سکتے ہیں؟ کیا تم غور و فکر نہیں کرتے۔“

آیت مذکورہ کی تفسیر میں سید فضل اللہ رقم طراز ہیں کہ یہ آیت واضح طور پر اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ علم غیب کے حامل نہیں تھے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کو اپنے نبی سے یہ کام لینا تھا۔ کہ اللہ کے نبی ﷺ لوگوں کے درمیان کھڑے ہو کر انسانوں کے دلوں میں پوشیدہ راز بیان کر کے ایک دوسرے کو غیب سے آگاہ کریں۔ اور لوگوں کو مستقبل میں پیش آنے والے حادثات اور آئندہ رونما ہونے والے واقعات کے سلسلہ میں پیشین گوئی کریں۔ مگر جیسا کہ بہت سے لوگ اس کو رسول اللہ ﷺ کی امتیازی شان تصور کرتے ہیں انہوں نے اپنے اس تصور کی وجہ سے نبی کریم ﷺ کی شخصیت کو نجومی یا کاہن کے مرتبہ پر لا کر کھڑا کر دیا ہے۔^① بڑے افسوس کے ساتھ ہمیں کہنا پڑ رہا ہے کہ لوگوں نے اس علمی پیشکش کو دھیان سے سنا تک نہیں اور نہ ہی اس میں تدبر و تفکر کی کوشش کی۔ اس بحث و تحقیق کے بعد سید فضل اللہ جس نتیجہ پر پہنچے اس کو انہوں نے بڑی سنجیدگی و متانت کے ساتھ پیش کیا ہے۔ میانہ روی کے ساتھ شیعوں کی فاش غلطیوں کا جواب دیا ہے۔ آپ پر شیعہ نے گمراہی اور کجروی کے الزامات لگا کر خوب بدنام کرنے کی کوشش کی۔

① تفسیر من وحی القرآن (الانعام: ۵۰)۔

توبہ کا دروازہ ہر وقت کھلا ہے

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿وَأَنِّي لَغَفَّارٌ لِّمَن تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدَىٰ﴾ (طہ: ۸۲)
 ”بلاشبہ میں انہیں بخش دینے والا ہوں جو توبہ کریں، ایمان لائیں، نیک عمل کریں
 اور راہ راست پر بھی رہیں۔“

جس صورت حال سے آپ کو آگاہ کیا گیا ہے اس کے علاوہ اور بھی بہت سے حقائق ہیں جنہیں ایک ایک کر کے ذکر کرنے کا یہ مقام نہیں ہے۔ بلکہ اجمالاً، میں جن حقائق کو آپ کے سامنے رکھ سکتا تھا، رکھ دیا ہے۔ جس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ہم پر ضروری ہے: ہم حق کی اتباع کریں۔ میں اس نتیجے پر اپنے نفس کے ساتھ کئی سال تک مجاہدہ اور کشمکش میں مبتلا ہونے کے بعد پہنچا ہوں۔

اس وقت میرا حال یہ ہے کہ میں کسی صورت میں بھی اپنے نفس کو اس بات پر قانع نہیں کر سکتا کہ میں اپنے آپ کو اثنا عشری شیعہ کہوں۔ کیونکہ میں اس وقت اس پوزیشن پر کھڑا ہوں کہ مجھے گوارا نہیں ہے اور میرا ضمیر یہ کہنے کے لئے تیار نہیں ہے کہ میں اثنا عشریہ ایمان کا حامل قرار پاؤں۔ کیونکہ اثنا عشری کسی اور وادی میں ہیں اور میں ایمان کے سایہ میں اہل سنت والجماعت کے ساتھ کسی اور وادی میں ہوں۔

میں نے اسلام کو اس لیے قبول کیا ہے کہ اسلام میں کالے اور گورے کی کوئی تفریق نہیں ہے۔ اس کے اعتقادات کو ہر شخص اپنا کردارِ اسلام کے گھنے سائے میں پناہ لے سکتا ہے۔ لہذا ہمارے لئے صرف دو ہی راستے ہیں یا تو ہم حق کو قبول کر لیں یا باطل کے کارواں میں

شامل ہو جائیں۔

میں نے تھوڑی دیر کے لئے توقف کیا۔ پھر میرے ذہن میں یہ بات چمکیاں لینے لگی کہ اگر میں اپنے اس عقیدہ سے کنارہ کش ہو کر، جس پر میری نشوونما ہوئی ہے اسلامی عقیدہ کو اختیار کر لوں، جس کی تائید میں دلائل و شواہد کی بھرمار ہے اور جس کو فطرت سلیمہ بھی قبول کرتی ہے تو میرا کیا بگڑ جائے گا؟

آخر کار میں نے اہل سنت والجماعت کے اعتقاد کو پورے انشراح صدر کے ساتھ قبول کر لیا اور اس سودے میں ذرہ برابر بھی خسارہ نہیں اٹھایا بلکہ میں نفع مند ہو کر کامیاب ہو گیا۔ میں پورے اعتماد کے ساتھ یہ بات کہتا ہوں کہ میں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے موالات اور قلبی تعلق پیدا کر لیا ہے اور آل بیت کا دامن بھی ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ کیونکہ مجھے اس بات کا یقین ہو گیا تھا کہ صحابہ کرام اور آل بیت رضی اللہ عنہم کی حیثیت لازم و ملزوم ہے۔ گویا یہ لوگ ایک چنے کے دود دیول ہیں۔

اس فیصلہ میں، میں ہی منفرد نہ تھا بلکہ اس زمانے میں اور اس سے قبل کے، کتنے ہی لوگ ایسے گزرے ہیں جنہوں نے اس جادہ حق کو پوری قناعت کے ساتھ اختیار کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کی خوشنودی کی امید میں اللہ تعالیٰ کے اس قول ﴿وَإِنِّي لَغَفَّارٌ لِّمَن تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا﴾ ”بلاشبہ میں انہیں بخش دینے والا ہوں جو توبہ کریں اور ایمان لائیں اور نیک عمل کریں۔“ کو شعار بناتے ہوئے یہ چیز ان کے ذہن و دماغ میں رچ بس گئی تھی انہوں نے اسی کلیہ کو اپنی زندگی کے لیے نصب العین بنا لیا اور اسی کو بطور مشعل راہ اختیار کرتے ہوئے حق کی راہ پر گامزن ہو گئے تھے یقیناً ان کی دین و دنیا دونوں سنور گئے۔



صلاح کاظمی کا موت سے خوف

صلاح کاظمی کے گھر والوں کو اس کی گرانی طبع نے حیرت و استعجاب میں ڈال دیا تھا۔ جس کی وجہ سے اس کی نوک زبان پر ہر وقت موت کا تذکرہ رہنے لگا تھا۔ انہوں نے اس بات سے سمجھ لیا کہ موت اس کے سر پر منڈلا رہی ہے اور وہ موت سے خائف ہے۔

اس کی روزمرہ کی زندگی پر یہ اثر پڑا کہ اس کی آنکھوں سے نیند عنقا ہو گئی اور مارے خوف کے اس نے کھانا پینا چھوڑ دیا۔ ڈاکٹروں کو دکھلایا گیا لیکن ان کی حالت کاراز، اس کی سمجھ سے باہر تھا۔ وہ اس کے علاج و معالجہ سے عاجز آ گئے اور مشائخ نے اس کے روحانی علاج سے اپنی بے بسی کا اظہار شروع کر دیا۔ آخر کار روحانی معالج اس نتیجے پر پہنچے کہ جنات اس کو ایذا رسانی کے درپے ہیں اور یہ آسب کا شکار ہو گیا ہے۔ چنانچہ جن مشائخ کو وہ علاج و معالجہ کا ماہر تصور کرتے تھے ان کی تلاش میں انہوں نے بڑا ہی روپیہ پیسہ خرچ کیا اور اس میں انہوں نے بڑا ہی خسارہ اٹھایا مگر اس کے باوجود انہیں کوئی فائدہ محسوس ہوتا ہوا دکھائی نہیں دیا۔ شیخ صلاح کا کہنا ہے کہ ان معالجین کا طریقہ بڑا ہی عجیب و غریب اور غیر طبعی تھا کبھی تو گھونٹھوں کے ذریعہ علاج کرتے تھے تو کبھی طلاسم و نقش و نگار اور شعبدہ بازی کے ذریعہ علاج و معالجہ کرتے تھے۔ میں نے ان کے علاج و معالجہ میں قرآن کریم کا کوئی کردار نہیں دیکھا اور نہ انہوں نے قرآن کریم کو اپنے علاج و معالجہ کے لئے استعمال کیا بس ان کا دار و مدار شعبدہ بازی اور طلاسم شیطانیہ پر تھا۔ اس کے علاوہ ان کے پاس اور کوئی چیز نہ تھی۔

اس کے بعد شیعہ برادری میں سے ہی ایک مخلص شخص نے یہ رائے دی کہ میں اہل سنت و الجماعت کے مشائخ میں سے کسی ماہر معالج کے پاس قرآن کریم کے ذریعہ علاج کروانے کی

غرض سے جاؤں۔ کیونکہ شیعوں کے نزدیک یہ اعتقاد عام تھا کہ شیطان کو شیطان ہی نکال باہر کر سکتا ہے۔

چنانچہ شیخ صلاح اپنے گھر سے قریب واقع مسجد امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تشریف لے گئے وہاں امام مسجد نے ان کو قرآن کریم کی آیات پڑھ دم کیا۔ شیخ صلاح نے جب آیات قرآنیہ کو سنا تو انہیں اطمینان و سکون محسوس ہوا۔

اس کے بعد جب شیخ، قرآن کریم کی تلاوت کر کے دم کر چکے تو وہ پرسکون نظر آنے لگے۔ اس کے بعد نہ تو انہوں نے کوئی واویلا کیا اور نہ زبان ہلانے کی کوشش کی۔ وہ سجدہ میں ہی پڑے رہے اور وہاں سے نکلنے کی ذرہ برابر بھی کوشش نہیں کی۔ کیونکہ مسجد کی فضا میں انہیں راحت و سکون محسوس ہو رہا تھا اور اس کا روحانی ماحول ان کو اس آچکا تھا۔ چنانچہ جب اذان کا وقت ہو گیا اور مؤذن اذان دے چکا تو نمازی آنا شروع ہو گئے۔ بھائی صلاح نے نمازیوں کی آمد کا مشاہدہ کیا اور ان کو پورے ذوق و شوق سے مسجد کے اندر آتے ہوئے دیکھا کہ ایک سیل رواں ہے جو کشاں کشاں مسجد کی طرف رواں دواں ہے یہاں تک کہ اقامت ہو گئی۔ پھر کیا تھا بھائی صلاح کے اندر بھی ایمانی داعیہ زور مارنے لگا اور وہ بھی لوگوں کے ساتھ مسجد میں داخل ہو گئے اور ان کے ہمراہ باجماعت نماز ادا کی۔ دوسرے دن نماز کے وقت انہوں نے پھر مسجد میں حاضری دی جس کی وجہ سے امام صاحب کو تعجب ہوا کہ صلاح صاحب کیسے مسجد میں دکھائی دے رہے ہیں۔ چنانچہ امام صاحب سے رہا نہیں گیا اور انہوں نے صلاح کاظمی صاحب سے ان کی خیریت دریافت کر ہی لی۔ صلاح صاحب نے جواب دیا الحمد للہ میرا حال پہلے سے اب بہت اچھا ہے۔

بھائی صلاح نے اپنی آنکھوں سے قرآن کریم کے ساتھ جب اہل سنت والجماعت کے رغبت و ذوق کا قریب سے مشاہدہ کیا اور اس کے ساتھ اللہ کی حرمت کی تعظیم کا اپنے دیدہ بینا سے نظارہ کر لیا۔ نماز باجماعت، ان کے اوقات کے ساتھ ادا کرنے کے اہتمام کو محسن

و خوبی دیکھ لیا اور اس بات کو بخوبی جان لیا کہ ان کے منبروں پر خطبے، اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور اس کی حمد و ثناء سے عبارت ہوتے ہیں برخلاف شیعوں کے خطبوں کے، جو کہ اہل بیت کی تعظیم و مدح سرائی سے عبارت ہوتے ہیں اور کتاب اللہ کی جگہ ائمہ کرام کے کلام سے مزین ہوتے ہیں۔

بھائی صلاح نے مجھے بتلایا کہ انہوں نے مسجد میں اپنی بساط کے مطابق قرآن کریم کی تلاوت کی غرض سے بیٹھنا شروع کر دیا ہے اور ان کا قلب و دماغ کتاب اللہ کی تلاوت اور اس میں تدبر اور تفکر کا عادی بن گیا ہے۔ انہوں نے اس حقیقت کا بھی انکشاف کیا کہ دراصل اس ایمانی پہلو کو ان کے اندر راسخ کرنے کا سہرا امام مسجد کے سر جاتا ہے جس کی کیفیت سے بھائی صلاح نے لوگوں کو آگاہ بھی کیا۔

اس کے بعد بھائی صلاح برابر مسجد آنے جانے کے عادی بن گئے اور انہوں نے مسجد کی حاضری کو اپنا مشغلہ بنا لیا۔ حتیٰ کہ ان کے جاننے پہچاننے والے شیعہ حضرات کو اس بات کی خبر لگ گئی۔ لہذا انہوں نے جب انہیں پابندی کے ساتھ مسجد آتے جاتے دیکھا تو ان کو مسجد آنے جانے سے روکنے کی کوشش کی اور آپ کے دل کو مسجد کی طرف سے دور کرنے کی مہم چلائی۔ لیکن بھائی صلاح کو مسجد کی روحانی فضا کے سہانے جھونکوں نے اپنا گرویدہ بنا لیا تھا۔ اس لئے آپ نے ان کی باتیں سنی ان سنی کر دیں۔ ان کا اپنے مخالفین سے یہی جواب ہوا کرتا تھا کہ مجھے اس سلسلہ میں انشراح صدر ہو چکا ہے۔ لہذا میں اہل سنت والجماعت کے ساتھ ہی نماز ادا کرنا پسند کرتا ہوں۔ خصوصاً امام کی جہری نمازوں میں قرآن سننا مجھے بے حد مرغوب ہے۔ اس کے بعد شیعوں کے بعض مجاور نما مشائخ کو بلوا بھیجا تا کہ ان کو عقیدہ اہل سنت والجماعت سے مرتد ہونے کے لئے مجبور کیا جاسکے اور ان کے خیال میں یہ جس غلطی پر گامزن ہیں، اس سے روگردانی کے لئے انہیں آمادہ کیا جاسکے۔ حتیٰ کہ بعض مسائل کی شرح کرتے وقت ان کی مجاوروں سے جھڑپ بھی ہو گئی۔ مگر بجائے سلجھنے کے معاملہ پیچیدہ ہوتا چلا گیا۔ اب

کیا تھا بھائی صلاح نے مجاوروں کے سامنے شیعوں میں تحریف قرآن کا مسئلہ چھیڑ دیا۔ قرآن کریم اور علوم قرآن کے ساتھ شیعوں کے عدم اہتمام کا سوال اٹھا دیا ❶ خود شیعوں کے مصادر و مراجع سے بھائی صلاح نے یہ بات ثابت کر دی کہ شیعہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تحریف قرآن کا مورد الزام ٹھہراتے ہیں ❷ بالآخر ان کرایہ کے مجاوروں سے جواب دیتے نہیں بنا اور ان کے

❶ علی خامنئی نے اس بات کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ قرآن سے پہلو تہی اور اس سے کنارہ کشی جو کہ ہماری مذہبی درسگاہوں میں عام ہو چکی ہے اور ہمارے قرآن سے غیر مانوس ہونے نے موجودہ زمانے سے لے کر آنے والے زمانے تک بڑی مشکلات کی شجر کاری کر دی ہے۔ قرآن کریم سے دوری نے ہمارے افکار و خیالات کو محدود کر کے رکھ دیا ہے جس کی وجہ سے ہمارے اندر تنگ نظری اور مردہ دلی پیدا ہو چکی ہے۔

ایک دوسری جگہ علی خامنئی اپنا اظہار خیال کرتے ہیں: بڑے انسوس کی بات ہے کہ ہم تعلیم کے ابتدائی مرحلے سے لیکر اجتہاد کی ڈگری کے حصول تک، قرآن کی طرف رجوع کئے بغیر اپنی دینی تعلیم جاری رکھ سکتے ہیں۔ تدریس کے اس معتد بہ وقفہ میں ہم ایک مرتبہ بھی قرآن کھول کر نہیں دیکھتے۔ آخر قرآن کریم سے اتنی دوری کیوں ہے؟ کیونکہ ہمارا نصاب تعلیم تعلیمات قرآنیہ سے عاری ہے جس کو تعلیمات قرآنیہ سے کوئی سروکار نہیں۔

اسی مجتہد کا کہنا ہے کہ اگر کوئی شخص حوزہ علمیہ میں بلند مقام کا خواہاں ہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ تفسیر قرآن سے پہلو تہی اختیار کرے تاکہ اس کو جاہل نہ کہا جائے یا اس کا علم جہل کے پردہ خفا میں نہ چلا جائے۔ کیونکہ ان کے نزدیک تفسیر قرآن کے عالم کو جس کے درس تفسیر سے خلق خدا کو فیض پہنچے جاہل گردانا جاتا ہے اور علمی اعتبار سے ان کے نزدیک اس شخص کا کوئی وزن نہیں ہوتا۔ لہذا شیعہ مذکورہ تعلیمات کی روشنی میں فن تفسیر کے تعلیم و تعلم سے پہلو تہی میں مجبور ہیں۔ کیا یہ کسی اندوہناک المیہ سے کم ہے۔ الحوزة العلمیہ فی فکر الامام الخامنئی، ص: ۱۰۰-۱۰۱۔

❷ محمد باقر مجلسی نے اپنی کتاب مرآة العقول میں (۵۲۵/۱۲) پر اس کا ذکر کرنے کے بعد کہا ہے کہ (ان القرآن جاء به جبرائیل الی محمد ﷺ سبعة عشر الف آية) یہ قرآن کریم ﷺ کے پاس حضرت جبرئیل ﷺ جس کو لے کر آئے تھے۔ سترہ ہزار آیات پر مشتمل تھا۔ اس کے بعد اس خبر کی انہوں نے توثیق کی ہے اور بعض نسخوں میں انہوں نے ہارون بن سالم کی بجائے اس روایت کو ہشام بن ہارون کی طرف منسوب کر کے روایت کیا ہے اور اس کے بعد اس پر تعلق چڑھاتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ بات کسی پر ڈھکی چھپی نہیں ہے کہ یہ روایت اور اس کے علاوہ بہت سی صحیح اور صریح روایات قرآن کے ناقص ہونے اور اس میں رد و بدل کے بارے میں موجود ہیں۔ یہی نہیں بلکہ اس سے بھی اہم تصریحات موجود ہیں۔ مزید تفصیلات کے لئے الشیعہ و تحریف القرآن (محمد السیف، یا آراء حول القرآن لآیة اللہ الفانی الاصفہانی کا مطالعہ کریں۔ ان دونوں کتابوں میں اس مسئلہ کے بارے میں کافی وضاحتیں بحث موجود ہے۔ اس سے ان شاء اللہ ﷻ دور ہو جائے گی۔

اس سوال کا جواب دینے میں ان کو جان کے لالے پڑ گئے۔ اب ان کے پاس راہ فرار اختیار کرنے کے علاوہ اور کوئی صورت نہ تھی۔ یا ان سوالوں کا ڈھیٹ بن کر بغیر کسی دلیل و حجت کے انکار کرنے کے علاوہ ان کے پاس کوئی اور چارہ کار نہ تھا۔

بھائی صلاح کاظمی کے اہل خانہ آپ کے عقیدہ اہل سنت والجماعت قبول کرنے کی خبر سن کر ہکا بکا رہ گئے۔ آپ کے خاندان والے آپ کے اس اقدام پر بڑے چیس بجیس ہوئے۔ آپ کے ساتھیوں اور دوستوں پر آپ کی یہ حرکت بڑی ناگوار گزری۔ حتیٰ کہ تمام کے تمام لوگ آپ سے خفا اور ناراض ہو گئے۔ لیکن بھائی صلاح کاظمی نے اللہ تعالیٰ کی رضا کو لوگوں کی رضا پر ترجیح دینے کو بہتر اور افضل سمجھا۔ جس کی روشنی میں بھائی صلاح کاظمی ہدایت و استقامت کی دولت سے سرشار اور خوش و خرم زندگی گزار رہے ہیں ﴿ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ﴾ ”یہ محض اللہ کا فضل و کرم ہے اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اسے عطا فرماتا ہے۔“

آج ابو عبد الرحمن صلاح کا شمار اہل علم میں ہوتا ہے۔ آپ حقیقت میں علوم و معرفت کے خوشہ چینیوں میں سے ایک جید عالم ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل و کرم سے آپ کو علم و معرفت کی دولت سے مالا مال کر دے اور آپ کو سر بلندی عطا فرمائے اور عز و شرف کے بلند مرتبہ پر فائز فرمائے۔



اور کا یا پلٹ گئی

بحرین کے دار السلطنت، منامہ منتقل ہونے سے پہلے کی بات ہے کہ ”جد حفص“ کے علاقہ میں ایک شخص فروٹ اور سبزی وغیرہ فروخت کرنے کا کام کرتا تھا۔ یہ مذہباً شیعہ تھا، لیکن اہل سنت والجماعت کے تین اشخاص سے اس کی راہ و رسم تھی۔

ایک دفعہ شیعہ سبزی فروش اور اس کے سنی دوستوں کے درمیان شیعہ کی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت طرازی کے بارے میں بحث چھڑ گئی۔ اس سبزی فروش کا اس مسئلہ میں صفائی پیش کرنا مشکل ہو گیا اور اس کو برملا اعتراف کرنا پڑا۔ واقعی سچ ہے کہ والفضل ما شہدت بہ الاعداء۔ چنانچہ اس سبزی فروش نے دو ٹوک الفاظ میں اس بات کی صراحت کی کہ: ہم شیعہ لوگ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے بغض و کینہ رکھتے ہیں اور ان سے کراہت و نفرت کا مظاہرہ کرتے اور ان کو برا بھلا کہتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ ان پر لعن ملامت بھی کرتے ہیں اور ہمارے عقیدہ کے اعتبار سے وہ ناصیبہ ہیں۔ ❶ ہم شیعوں کو اس بات کا پختہ یقین ہے کہ نعوذ باللہ وہ جہنمی ہیں۔ اس کے دوستوں میں سے ایک نے کہا: کیا تمہارے کان اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے آشنا نہیں ہیں۔

﴿النَّبِيُّ أَوْلَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنفُسِهِمْ وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ﴾ (الاحزاب: ۶)

”نبی مومنوں پر خود ان سے زیادہ حق رکھنے والے ہیں اور پیغمبر کی بیویاں مومنوں کی مائیں ہیں۔“

دوست نے اس آیت کی تفسیر اور شرح کر کے اس کے سامنے حقیقت کو واضح کیا تو وہ سبزی

❶ ابن رجب البرسی اپنی کتاب ”مشارق انوار الیقین“ ص: ۸۶ پر رقمطراز ہے: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے چالیس دینار فحش کاری کے ذریعہ جمع کئے تھے۔ العیاذ باللہ

فروش اس آیت کے معانی و مفہیم سن کر حیرت زدہ رہ گیا۔ اپنے دوست سے سوال کر بیٹھا: کیا یہ آیت قرآن کریم میں موجود ہے۔ میں تو پہلی مرتبہ اس آیت کو سن رہا ہوں۔ اس کے دوستوں نے قرآن کریم کی ورق گردانی کر کے اس آیت کو نکالا اور اسے اس آیت سے مطلع کرایا۔ اس وقت ان کے سبزی فروش شیعہ دوست نے اس بات کا اعتراف کیا کہ اب اسے پورے طور پر اس بات کا یقین ہو گیا ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور تمام ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میری مائیں ہیں۔

اس نے کہا کہ ہم کلام الہی کو کسی صورت میں بھی کلام انسانی پر اعتماد کرتے ہوئے جھٹلا نہیں سکتے۔ اس کے سامنے مزید اطمینان کے لیے یہ آیات بھی پیش کی گئیں:

﴿يَأْتِيهَا النَّبِيُّ قُلًّا لَّا رُؤَا جًا إِنَّ كُنْتُمْ تَرِدُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزَيَّنْتَهَا فَمَتَعَالَيْنَ أُمَّتُكُمْ وَأَسْرَحَكُمْ سَرَّاحًا جَبِيلًا ۝ وَإِنْ كُنْتُمْ تَرِدُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالذَّارَةَ الْآخِرَةَ فَإِنَّ اللَّهَ أَعَدَّ لِلْمُحْسِنِينَ مِنْكُمْ أَجْرًا عَظِيمًا ۝﴾ (الاحزاب: ۲۸، ۲۹)

”اے نبی ﷺ آپ اپنی بیویوں سے فرمادیتے تھے کہ اگر تم دنیا کی زندگی اور زینت چاہتی ہو تو آؤ تمہیں کچھ دے دلا کر اچھائی کے ساتھ رخصت کر دوں۔ اور اگر تمہاری مراد اللہ تعالیٰ، اس کا رسول اور آخرت کا گھر ہے تو یقین کرو تم میں سے نیک کام کرنے والیوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے بہت بڑا اجر چھوڑ رکھا ہے۔“

اس بات پر اہل سنت والجماعت اور شیعہ کا اتفاق ہے کہ نبی کریم ﷺ اس دنیا سے رخصت ہوئے تو آپ ﷺ کے نکاح میں ۹ بیویاں موجود تھیں۔ ان میں سے کسی کو بھی آپ ﷺ نے طلاق نہیں دی تھی۔ مذکورہ دونوں آیات میں نبی کریم ﷺ کو حکم دیا جا رہا ہے کہ اگر آپ ﷺ کی بیویاں دنیاوی زینت و زینت اور اس کی چمک دمک کی خواہاں ہیں تو آپ ﷺ ان کو بے چوں و چرا طلاق دے دیں۔ اور اگر وہ اللہ، اس کے رسول اور دار آخرت کو دنیا کی آسائشوں پر ترجیح دیتی ہیں تو آپ ﷺ ان کو اپنی زوجیت میں باقی رکھیں۔ کیا

کوئی کافر یا منافق دار آخرت کو دنیا کی زیب و زینت پر ترجیح دے گا۔ یہ عقلمندوں سے جواب طلبی ہے۔ اب ان کی صوابدید پر ہے وہ جو مناسب سمجھیں، جواب دیں۔

یہاں ایک سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ اگر ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے دل میں نعوذ باللہ نفاق چھپائے ہوئے تھیں تو اللہ تعالیٰ جو کہ عالم الغیب ہے کیا اس سے بھی یہ بات مخفی رہ گئی کہ عائشہ رضی اللہ عنہا دل میں نفاق رکھتی ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے دل میں پوشیدہ راز پر مطلع نہیں ہو پایا۔ ان تمام لوگوں کے دلوں میں پوشیدہ راز، اس عالم غیب کے احاطہ علم میں نہ آسکے۔ اگر ایسا نہیں تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو اس راز سے مطلع کیوں نہیں فرمایا۔ جبکہ نبی کریم ﷺ اس دنیا سے اس حال میں رخصت ہوئے کہ آپ ﷺ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے راضی تھے اور وہ آپ ﷺ کی زوجہ محترمہ تھیں۔ آپ رضی اللہ عنہا ام المؤمنین کی حیثیت سے حکم صادر فرمایا کرتی تھیں۔

شیعہ کا عقیدہ ہے کہ نبی کریم ﷺ صغیرہ و کبیرہ گناہوں سے معصوم و مبرا ہیں۔ تو کیا شیعہ لوگ ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے نبی کریم ﷺ کی شادی کو آپ ﷺ کی بھول چوک گردانتے ہیں۔

سبزی فروش شیعہ کا کہنا ہے کہ اس وقت میں نے اپنے گریبان میں اپنے نفس سے پوچھا: میں کس بنیاد پر ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو گالی دینے کی جرات کر سکتا ہوں وہ تو میری ماں ہیں اور ہر مؤمن کی ماں ہیں۔ کیا کوئی شخص اپنی ماں کو گالی دینے کی جرات کر سکتا ہے۔

لہذا شخص مذکور تلاش حق کی جستجو میں بعض شیعہ علماء کے پاس گیا اور ان سے اس آیت کے بارے میں دریافت کیا جس میں ازواج مطہرات کو امہات المؤمنین کے پاکیزہ خطاب سے نوازا گیا ہے۔ تو ان کے علماء میں سے بعض نے جواب دینے میں پس و پیش سے کام لے کر بات کو ٹال دیا اور بعض نے اس بات کا اعتراف کیا کہ نبی کریم ﷺ کی ازواج مطہرات کو امہات المؤمنین کے بلند و بالا مرتبہ پر فائز کیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے

امہات المؤمن کے تزکیہ میں آیات نازل ہوئی ہیں۔

چنانچہ جب حج کا موسم آیا تو اس سبزی فروش نے بھی حج کرنے کی غرض سے رخت سفر باندھا اور وہاں اللہ تعالیٰ نے قبولِ حق کے لئے اس کے دل کو کھول دیا۔ پھر کیا تھا۔ حج سے واپسی پر وہ سنی المسلمک بن کر لوٹا۔ اس کی واپسی پر اس کے سنی المسلمک ہونے کی خبر پورے بحرین میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی اور پورے ملک میں اس کی عظیم الشان شہرت ہوئی۔ یہاں تک کہ سڑکوں پر اس کے چرچے ہونے لگے اور یہ بات زباں زد خاص و عام ہو گئی کہ فلاں شخص حج کرنے گیا تو شیعہ تھا اور حج سے واپس آیا تو سنی بن کر آیا۔

(والحمد لله على ذلك)



خاتمہ کتاب

میں اپنے اہل خانہ اور ہمسایہ کو جن سے میں محبت کرتا ہوں اور مجھ سے وہ محبت کرتے ہیں اور ان کو جو آل بیت علیہم السلام سے محبت کرتے اور ان کی اتباع کی عقیدت رکھتے ہیں اور ان کو جو تلاشِ حق اور نورِ ہدایت میں سرگرداں رہتے ہیں، میں ان تمام کو اس صدائے فطرت پر غور و فکر کی دعوت دیتا ہوں۔

﴿فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا ۖ فِطْرَتَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ۚ لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ ۗ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ۝﴾

(الروم: ۳۰)

”لہذا آپ یکسو ہو کر اپنا منہ دین کی طرف متوجہ کر دیں۔ اللہ تعالیٰ کی وہ فطرت جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے اللہ تعالیٰ کے بنائے کو بدلنا نہیں۔ یہی سیدھا دین ہے لیکن اکثر لوگ نہیں سمجھتے۔“

اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل دیکر امتیازی شان سے نوازا ہے۔ اور اس کو عقل ہی کی وجہ سے تمام مخلوقات پر برتری حاصل ہے۔ لہذا انسان کو چاہئے کہ اس نعمتِ الہی کی قدر کرے جس سے اس کو اللہ تعالیٰ نے بہرہ ور کیا ہے۔ قرآن کریم میں بارہا اس کے سامنے سے یہ آیت گزرتی رہتی ہے اور وہ ان جملوں کی بارہا تلاوت کرتا ہے۔ کبھی اللہ تعالیٰ نے بندوں کو اپنی کتاب عزیز میں ﴿أَفَلَا تَعْقِلُونَ﴾ کہہ کر مخاطب کیا ہے کیا تم سمجھ بوجھ نہیں رکھتے اور کبھی ﴿أَفَلَا تَتَفَكَّرُونَ﴾ جیسے جملہ سے بندے کو باور کرایا ہے کہ: کیا تم غور و فکر نہیں کرتے؟ اور کبھی اس نے اپنے بندوں کو ﴿أَفَلَا تُبْصِرُونَ﴾ کہہ کر سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ: کیا تم

عقل و خرد سے کام نہیں لیتے ہو؟ اس قسم کے تمام جملوں کا لب لباب یہ ہے کہ انسان کو تدبر و تفکر کے لئے آمادہ کیا جائے اور عقل انسانی کو اندھی تقلید سے آزاد کر کے اسلام کی وسعت کے سایہ تلے پناہ گزین ہونے کی ترغیب دی جائے۔

یہی وجہ ہے کہ ایک عقلمند شخص خواہش پرستی کے اندھیروں اور اندھی تقلید کی تاریکیوں میں ہاتھ پاؤں مارنے سے محفوظ رہتا ہے۔ کیونکہ خواہش پرستی اور اندھی تقلید شرک کا پیش خیمہ ہے۔ ایک ہوشمند شخص احتیاط سے کام لیتے ہوئے ہوائے نفس اور تقلید شخصی سے دامن بچانے کی حتی المقدور کوشش کرتا ہے تاکہ اس کا شمار ان لوگوں میں نہ ہو جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرما دیا ہے:

﴿ فَإِنْ لَّمْ يَسْتَجِيبُوا لَكَ فَاعْلَمْ أَنَّهُ لَا يُغْنِي عَنْكَ الْغَنَىٰ وَالْغَنَىٰ وَاللَّهُ يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ۝ ﴾ (القصص: ۵۰)

”اگر یہ لوگ آپ کی بات ماننے کے لئے تیار نہ ہوں تو آپ یقین کر لیں کہ یہ صرف اپنی خواہش کی پیروی کر رہے ہیں۔ اس سے بڑھ کر بہکاوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ انسان اپنی خواہش ہی کا ہو کر رہ جائے۔ کان کھول کر سن لو کہ اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔“

میں یہ کہنا چاہوں گا کہ رسول اللہ ﷺ کے آل بیت سے میری محبت صرف اور صرف ان کی رسول اللہ ﷺ سے قرابت داری و رشتہ داری اور ایمان باللہ کی وجہ سے ہے۔ کیونکہ ان کو اس مقام پر نبی کریم ﷺ سے قرابت و رشتہ داری نے ہی فائز کیا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مرتبہ بھی صحبت اول کی وجہ سے ہے۔ اول الذکر آل بیت رسول اور آخر الذکر اصحاب رسول ﷺ ہیں۔ اور جو لوگ بھی ان سے محبت کرتے ہیں وہ نبی کریم ﷺ سے محبت کی وجہ سے ان سے محبت کرتے ہیں۔

اس لئے اس حقیقت کا ادراک ہو جانے کے بعد ضروری ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے آل بیت اور صحابہ رسول ﷺ سے تعلق کا اظہار کریں۔ ”لَقَدْ رِيحَتْ الصَّحَابَةُ وَلَمْ أَخْسِرِ آلَ الْبَيْتِ میں نے جہاں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اپنانے کی سعادت حاصل کی ہے وہیں آل بیت رسول ﷺ کا دامن کا ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔“

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ - وَصَلَّى اللَّهُ وَسَلَّمْ
عَلَى نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِينَ إِلَى يَوْمِ الدِّينِ -



مقام اہل بیت رضی اللہ عنہم امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی نظر میں

جمع و ترتیب

ابو خلیفہ علی بن محمد القصبی رحمہ اللہ

تقدیم

فضیلۃ الشیخ سلیمان بن صالح الخراشی حفظہ اللہ

ترجمہ

فضل الرحمن رحمانی الندوی

فاضل جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ

المدرس بالجمعیہ الخیریہ لتحفیظ القرآن الکریم بمحافظة۔ جدہ

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے بارے میں شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا موقف

✽ شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ سیدنا حسین بن علی رضی اللہ عنہما مظلوم ہیں۔ ان کو ظلماً قتل کیا گیا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ مرتبہ شہادت پر فائز ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ کے قاتل ظالم اور جابر تھے۔

(دیکھئے: مقتل حسینؑ و حکم قاتلہ، ص ۷۷)

✽ اور فرماتے ہیں کہ: جس کسی نے بھی سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو قتل کیا تھا، یا آپ رضی اللہ عنہ کے قتل کی سازش میں حصہ لیا، اس سلسلہ میں باغیوں اور ظالموں کی مدد کی یا اس مجرمانہ اقدام پر اپنی رضامندی کا اظہار کیا تھا، اس پر اللہ تعالیٰ کی، اس کے فرشتوں اور تمام مخلوقات کی لعنت ہو۔ اللہ تعالیٰ کل قیامت کے دن اس سے کسی قسم کا فدیہ یا عذر قبول نہیں فرمائے

گا۔ (مجموع الفتاویٰ: ۴/ ۴۸۷- ۴۸۸)



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تقدیم

الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَحْدَهُ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ لَا نَبِيَّ بَعْدَهُ
وَعَلٰی آلِهِ وَصَحْبِهِ وَسَلَّمَ . . . اَمَّا بَعْدُ:

اللہ تعالیٰ اس رسالہ کے مرتب فضیلۃ الشیخ علی بن محمد القضیبی حفظہ اللہ اور ہم تمام لوگوں کو راہ حق پر ثابت قدمی عطا فرمائے۔ ہم نے اس رسالہ کو امیر المؤمنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور اہل بیت کے سلسلہ میں شیخ الاسلام کے موقف کی وضاحت کا بہترین ترجمان پایا ہے۔ بلاشبہ اس سلسلہ میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا نقطہ نظر، محبت، احترام، تعظیم و تکریم، رضامندی اور سعادت مندی سے عبارت ہے۔ شیخ رحمہ اللہ بغیر کسی افراط و تفریط کے اہل بیت کو اس مرتبہ پر فائز کرنے کے قائل ہیں جس پر اللہ تعالیٰ نے ان کو فائز کیا ہے۔ کیونکہ افراط و تفریط فرقہ ناصبیہ کا شیوہ ہے۔ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اہل بیت سے متعلق غلو اور مبالغہ آرائی کو پسند کرتے ہیں اور نہ اس کا حکم دیتے ہیں۔ جیسا کہ شیعہ کی عادت ہے اور ان بدعتی لوگوں کا رویہ ہے جو شیعوں کی اتباع اور پیروی کرتے ہیں۔ شیخ علی حفظہ اللہ نے اس سلسلے میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی مشہور کتاب ”عقیدہ واسطیہ“ سے کچھ اقتباسات نقل کیے ہیں۔ اسی طرح انہوں نے میری کتاب ”شیخ الاسلام ابن تیمیہ لم یکن ناصبياً“ سے کچھ باتیں نقل کی ہیں۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے محترم بھائی شیخ علی بن محمد قضیبی حفظہ اللہ کو مسلمانوں کی مایہ ناز شخصیتوں میں سے ایک اہم شخصیت کی طرف سے اس دفاعی اقدام کا اجر اور صلہ عطا

فرمائے اور ان کے اس کتابچہ کو شیعہ نوجوانوں کے لیے بصیرت کا باعث بنائے تاکہ وہ ان لوگوں کی تقلید چھوڑ دیں جو ان کو صراطِ مستقیم سے دور کرنے کے لیے کوشاں ہیں۔ بلاشبہ ہدایت تو اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔

سلیمان بن صالح الخراشی

الریاض۔ مملکت سعودی عرب

۱۴۲۳/۷/۵ھ



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مقدمہ

الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَحْدَهُ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ لَا نَبِيَّ بَعْدَهُ
وَعَلٰی اٰلِهِ وَصَحْبِهِ وَسَلَّمَ . . . اَمَّا بَعْدُ:

اس دور کے عظیم فتنوں میں سے ایک فتنہ یہ بھی ہے کہ حق اور اہل حق کو شکوک و شبہات میں الجھانے کی غرض سے باطل نے بلاوجہ شور مچا رکھا ہے۔ باطل کے علم کے برداروں کا خیال ہے کہ وہ اپنی ناتواں پھونکوں سے اللہ کے نورانی چراغ کو بجھا دیں گے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ اپنے نور کو پایہ تکمیل تک پہنچا کر رہے گا اگرچہ مشرکین کو کتنا ہی ناپسند ہو۔

امت کے اسلاف نے اس دین کو مبالغہ آمیزی اور غلو سے پاک رکھنے کا فریضہ انجام دیا۔ وہ لوگ بے لوث، مخلص اور عدل و انصاف کے پیکر تھے۔ ان کا کام لوگوں کو وعظ کرنا اور سیدھے راستے کی رہنمائی کرنا تھا۔ انہوں نے اپنے فریضہ کو بحسن و خوبی انجام دیا اور تجدید دین کا فریضہ انجام دے کر اس دنیا سے رخصت ہوئے۔ ان اسلاف اور داعیان دین میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا نام سرفہرست ہے۔ آپ دعوت و اصلاح کے میدان میں منفرد مقام کے حامل اور تجدید دین کے سلسلہ میں امامت کے منصب پر فائز ہیں۔ ان باتوں کی گواہی اپنے، پرانے، دوست اور دشمن دونوں ہی دیتے ہیں۔ آپ کے علوم و فنون، فہم و ادراک، لطائف و ارشادات سے کتابیں اور رسالے بھرے پڑے ہیں۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ عقیدے کے اعتبار سے سلف صالحین کی طرح راہ اعتدال اور صراط مستقیم پر گامزن تھے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ہر موقع پر سلف صالحین کے موقف کا دفاع کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اہل بیت کی مدح سرائی اور ان کی توصیف میں آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے قلم

کو ہر موقع پر رواں رکھا ہے۔ اہل بیت علیہم السلام کے علم و معرفت کا کھلم کھلا اعلان کیا ہے۔ اہل بیت کی عزت اور دفاع کے سلسلہ میں آپ رحمۃ اللہ علیہ کے متعدد مقالات اور مضامین بھی موجود ہیں۔

ہم نے اپنے اس کتابچہ میں اس بات کی کوشش کی ہے کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے بعض اقوال و اقتباسات کو جمع کر دیا جائے تاکہ ان لوگوں کے سامنے جو گمراہ ٹولے کے چنگل میں پھنسے ہوئے ہیں، حقیقت آشکارا ہو جائے۔ یہ میری ادنیٰ سی کاوش ہے اور میں نے اس کتابچہ میں شیخ الاسلام کے بعض اقتباسات کو اس لیے اکٹھا کیا ہے تاکہ ہمارے بھائیوں کو اس بات کا پتہ چل جائے کہ وہ کون لوگ ہیں جو انہیں صراط مستقیم سے دور رکھنے کے درپے ہیں۔ ان کی دروغ گوئی کا بھانڈا پھوٹ جائے اور حقیقت نکھر کر سامنے آجائے تاکہ ہم حق کو قبول کر کے اپنی آخرت سنوار لیں۔

اگرچہ جھوٹ اور من گھڑت روایات کے رد میں مسئلہ کی اہمیت تفصیلی بحث کا تقاضا کرتی ہے، لیکن پھر بھی سابق شیعہ ہونے کی حیثیت سے اور فی الحال اہل سنت کے ایک فرد ہونے کی حیثیت سے یہ میری ادنیٰ اور مختصر سی کاوش ہے۔ اس پر اللہ کی حمد اور اس کا شکر بجالاتے ہیں۔ ہم جس دور میں شیعہ تھے تو ہم یہ سمجھتے تھے کہ اہل سنت اپنے سینوں میں اہل بیت سے بغض اور عداوت پوشیدہ رکھتے ہیں۔ لیکن اہل سنت کا مذہب قبول کرنے کے بعد مجھے یہ بات سمجھ میں آگئی کہ اہل سنت تو وہ لوگ ہیں جو اہل بیت کی انتہائی زیادہ تعظیم و تکریم کرتے ہیں۔ ان کے علوم و فنون اور حکمت و معرفت سے مستفید ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اور آپ کو بھلائی کی توفیق عطا فرمائے۔

الفقیر الی اللہ

ابو خلیفہ علی بن محمد القضیبی



فرقہ ناصبیہ کی مذمت میں شیخ الاسلام رحمہ اللہ کا موقف

شیخ الاسلام کے بارے میں جو لوگ دروغ گوئی سے کام لیتے ہیں ان میں سرفہرست فرقہ نواصب کا نام آتا ہے۔ ان کی اتہام بازی کی تردید میں شیخ الاسلام رحمہ اللہ کی یہ صراحت ہی کافی ہے کہ آپ رحمہ اللہ فرقہ نواصب کے تمام گروہوں کی شدید مذمت کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ آپ فرقہ خوارج و نواصب دونوں کے بارے میں بڑا سخت موقف رکھتے ہیں کہ انہوں نے امیر المومنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے بغض کو اپنا دین بنا لیا ہے۔ وہ لوگ آپ کی تکفیر کرتے ہیں یا آپ کو فاسق قرار دیتے ہیں یا کم از کم آپ رضی اللہ عنہ کو گالیاں دیتے ہیں۔ العیاذ باللہ۔

شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ”منہاج السنۃ النبویۃ“ میں ان لوگوں کی کھل کر خبر لی ہے۔ اگر شیخ الاسلام خدا نخواستہ فرقہ نواصب سے تعلق رکھنے والے ہوتے تو آپ ناصبیوں کی مدح سرائی کرتے یا کم از کم ان کے موقف کا دفاع کرتے یا کچھ نہیں تو ان کی طرف سے تاویل کر کے ان کے لیے عذر کا بہانہ ہی تلاش کرتے۔ مگر اس سلسلہ میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے دو ٹوک رویہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ آپ رحمہ اللہ ان لوگوں کے لیے ذرہ برابر نرم گوشہ نہیں رکھتے تھے۔ تو یہ بات کس بنیاد پر کہی جاسکتی ہے کہ شیخ الاسلام (نعوذ باللہ) ناصبی تھے۔

اسی سلسلہ میں شیخ الاسلام رحمہ اللہ کا یہ قول بھی نقل کیا جاتا ہے کہ: ”اہل سنت تمام مومنین سے دوستی کا معاملہ رکھتے ہیں اور جب کوئی فیصلہ صادر کرتے ہیں تو عدل و انصاف کا دامن ہاتھ

سے نہیں چھوڑتے۔ وہ علم و حکمت کی روشنی میں فیصلہ کرتے ہیں۔ گمراہوں اور ہوائے نفس کے اسیر لوگوں کا اہل سنت والجماعت سے دور دور تک کا تعلق نہیں۔ وہ روانفص و نواصب میں سے ہر ایک کے طور طریقے سے برات کا کھلم کھلا اعلان کرتے ہیں۔ سابقین اولین سے محبت اور بھائی چارگی و تقرب کا تعلق رکھتے ہیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی قدر و منزلت اور ان کا احترام کرتے ہیں۔ ان کے فضائل و مناقب کا اعتراف کرتے ہیں اور اہل بیت رسول ﷺ کے مشروع حقوق کو بسر و چشم تسلیم کرتے ہوئے ان کے ساتھ انس و محبت کی روش اختیار کرتے ہیں..... ❶



❶ ملاحظہ ہو: منهاج السنۃ: ۷۱/۲۔ اس سلسلہ میں شیخ سلیمان خراشی رحمہ اللہ کی کتاب ”شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ لم یکن ناصبیا، ص: ۶۹ کا مطالعہ کریں۔

امیر المومنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے مناقب و فضائل میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے اقوال

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اپنی کتابوں میں متعدد مقامات پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے مناقب و فضائل بیان فرمائے ہیں جس سے اہل بیت رسول ﷺ اور خصوصاً صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ان کے تعلق اور قلبی لگاؤ کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ آپ ہر جگہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو ان کے مقام پر فائز کر کے چوتھا خلیفہ راشد تصور کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ آپ رحمہ اللہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو حضرات ابو بکر، عمر، عثمان، رضی اللہ عنہم کے بعد کے رتبے میں شمار کرتے ہیں، جیسا کہ اہل سنت کا اعتقادی منہج ہے۔ یہی نہیں بلکہ آپ رحمہ اللہ نے صراحت کے ساتھ خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے بارے میں اپنے اعتقاد کی وضاحت فرمادی ہے۔ جو شخص شیخ الاسلام رحمہ اللہ کی کتابوں کا مطالعہ کرے گا اسے آپ کا عقیدہ، آپ رحمہ اللہ کی کتابوں میں وضاحت کے ساتھ نظر آ جائے گا۔ ہمیں تعجب ہے کہ اس کے باوجود اہل بدعت اور آپ رحمہ اللہ کی ذات سے بغض رکھنے والوں کی نظریں اس حقیقت سے کیوں بھٹک گئیں ہیں؟ یا وہ اس سلسلہ میں جان بوجھ کر اغماض سے کام کیوں لیتے ہیں؟۔

ہم نے اس باب میں آپ رحمہ اللہ کے اقوال و آراء میں سے بعض منتخب اقوال کو جمع کرنے کی سعی کی ہے تاکہ ہر منصف مزاج شخص ان کو پڑھے اور انہیں انصاف کی کسوٹی پر پرکھے۔ ہر طالب حق اس کا مطالعہ کرے اور بغیر کسی جانبداری کے اس پر صحیح حکم لگائے۔ ہماری اس سلسلہ میں استدعاء ہے کہ ہم میں سے کسی شخص کے سینے میں شیخ الاسلام رحمہ اللہ کے بارے میں اہل بدعت اور خرافات کے ظالمانہ اتہامات کو پڑھ کر ان کی طرف سے شیطانی

دوسرے پیدا ہونا نہ چاہیے کیونکہ اگر کسی شخص نے ایسا کیا تو وہ شیخ الاسلام رحمہ اللہ کے بارے میں بلا وجہ بدظنی کے لیے عند اللہ جواب دہ ہوگا۔

ہم نے اپنے اس کتابچے میں شیخ الاسلام رحمہ اللہ کی معروف و مشہور کتاب منہاج السنۃ سے اقتباسات نقل کئے ہیں۔ کیونکہ آپ رحمہ اللہ پر طعنہ زنی کرنے والوں اور آپ کو مورد الزام ٹھہرانے والوں کے نزدیک یہی کتاب بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔ آپ رحمہ اللہ کے مخالفین کا کہنا ہے کہ یہی وہ کتاب ہے جس میں ایسی عبارات پائی جاتی ہیں جن سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شان میں گستاخی کا اظہار ہوتا ہے یا جو امیر المومنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے آپ رحمہ اللہ کے انحراف کا ثبوت فراہم کرتی ہیں۔ اس لیے میں نے ارادہ کیا ہے کہ میں ایسے لوگوں کو واضح کر کے بتلا دوں کہ یہ عبارت کا تصور نہیں ہے بلکہ یہ تو ان کی کج فہمی کا تصور ہے۔ انہوں نے شیخ الاسلام رحمہ اللہ کی عبارات کی نزاکت کو سمجھا ہی نہیں۔ بلکہ ان کے دماغ میں آپ رحمہ اللہ کی عبارات شناسی کی سکت ہی نہیں ہے کیونکہ یہ لوگ شیخ الاسلام رحمہ اللہ کی عبارتوں کو کالی عینک لگا کر دیکھنے کے قائل ہیں اور دین میں بغض و عداوت روار کھنے کے عادی ہیں۔ جو لوگ اس طرح کی طبیعت کے حامل ہوتے ہیں انہیں کبھی کامیابی و کامرانی نصیب نہیں ہوتی۔

ہم ان موضوعات کی شروعات شیخ الاسلام رحمہ اللہ کے عقائد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں اجمالی طور پر روشنی ڈالتے ہوئے عقیدہ واسطیہ سے آپ رحمہ اللہ کے اقتباسات نقل کریں گے۔ عقیدہ واسطیہ گویا کہ آپ رحمہ اللہ کے عقائد کی ترجمان ہے۔ آپ رحمہ اللہ نے اس کو بڑی محنت اور عرق ریزی کے ساتھ اپنے ہاتھ سے لکھا اور اپنی زندگی میں اہل بدعت و خرافات سے اسی کتاب کے ذریعہ نبرد آزمانی کرتے رہے ہیں۔

شیخ الاسلام رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ: ”اہل سنت کے نزدیک اصولی قاعدہ اور اساسی چیز یہ ہے کہ ان کے دل اور ان کی زبانیں اصحاب رسول اللہ ﷺ کے بارے میں غیر جانبدار رہیں۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کا وصف بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے:

﴿وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا
الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِلَّذِينَ آمَنُوا
رَبَّنَا إِنَّكَ رَعُوفٌ رَحِيمٌ﴾ (الحشر: ۱۰)

”اور ان کے لیے جو ان کے بعد آئیں وہ یہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہمیں بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں اور ایمان والوں کی طرف سے ہمارے دلوں میں کینہ پیدا نہ فرما۔ اے ہمارے رب! بیشک تو شفقت و مہربانی کرنے والا ہے۔“

اور اسی میں نبی کریم ﷺ کی اطاعت اور خوشنودی کا راز پنہاں ہے۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے کہ: ”میرے صحابہ کو گالی نہ دو۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر تم میں سے کوئی شخص احد پہاڑ کے برابر بھی سونا صدقہ کر دے تب بھی میرے کسی صحابی کے ایک مد برابر اور نہ ہی اس کے آدھے مد برابر ہو سکتا ہے۔“ (صحیح مسلم، حدیث: ۶۴۸۷)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فضائل و مناقب اور ان مراتب سے متعلق جو کتاب و سنت اور اجماع امت میں وارد ہے، سلفی جماعت حقہ کے لوگ اہل السنہ والجماعۃ انھیں من و عن قبول کرتے ہیں۔ اسی طرح یہ اہل السنہ والجماعۃ کے خیر و برکت والے لوگ ان اصحاب رسول اللہ ﷺ کو دوسروں سے زیادہ فضیلت دیتے ہیں کہ جنہوں نے صلح حدیبیہ سے پہلے پہلے اپنے اموال اللہ کی راہ میں خرچ کیے تھے اور وہ اللہ کی راہ میں ٹھہرتے بھی رہے تھے۔ یہ دوسرے اصحاب، اہل ایمان اس صلح و فتح کے بعد اللہ کی راہ میں لڑنے والے اور اموال فی سبیل اللہ خرچ کرنے والے تھے۔ جیسے کہ اللہ عزوجل کا فرمان گرامی ہے:

﴿لَا يَسْتَوِي مِنْكُمْ مَنْ أَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ أُولَئِكَ أَعْظَمُ
دَرَجَةً مِنَ الَّذِينَ أَنْفَقُوا مِنْ بَعْدُ وَقَاتَلُوا ۗ وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَىٰ ۗ

وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿۱۰﴾ (الحديد: ۱۰)

”جن لوگوں نے (اے میرے نبی کے صحابہ!) تم میں سے فتح (صلح حدیبیہ) ہونے سے پہلے اللہ کی راہ میں اپنا مال خرچ کیا اور اس کی راہ میں لڑے، ان کا درجہ ان لوگوں سے بڑا ہے جنہوں نے فتح ہونے کے بعد خرچ کیا اور لڑے۔ اور اللہ تعالیٰ نے تو سب کو اچھا بدلہ (جنت) دیئے کا وعدہ کر لیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ تمہارے عملوں سے خبردار ہے۔“

اسی طرح یہ اہل السنہ والجماعۃ کے لوگ مہاجرین صحابہ کو انصار صحابہ رضی اللہ عنہم پر مقدم جانتے اور مانتے ہیں۔

صحابہ کرام کے بارے میں اہل سنت کا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل بدر کے لیے صراحت فرمادی ہے کہ جن کی تعداد تقریباً ۳۱۳ تھی۔

((اَعْمَلُوا مَا شِئْتُمْ فَقَدْ عَفَرْتُ لَكُمْ))

”اب تمہارے جو جی میں آئے وہ کرو۔ میں نے تم لوگوں کو بخشش کا پروانہ عطا کر دیا ہے۔“

اور جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کی تصریح فرمادی ہے کہ جہنم میں وہ شخص قطعاً داخل نہیں ہو سکتا جس نے صلح حدیبیہ کے وقت ایک درخت کے نیچے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ بلکہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو گیا اور انہوں نے اللہ تعالیٰ سے رضامندی کا اظہار فرمادیا تھا۔ اس زمرے میں شمار ہونے والے صحابہ کرام کی تعداد ۱۴۰ سے زیادہ ہے۔ اہل سنت ان لوگوں کے جنتی ہونے کی شہادت دیتے ہیں جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی بشارت دی ہے۔ اسی کے ساتھ ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ اور ان کے علاوہ دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے جنتی ہونے کا اقرار کرتے ہیں۔

اور اس اثر کی تصدیق کرتے ہیں جو امیر المؤمنین سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور ان کے

علاوہ دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے تو اتر کے ساتھ منقول ہے کہ نبی کریم ﷺ کے بعد امت میں مرتبہ کے اعتبار سے سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کا درجہ ہے۔ اس کے بعد جناب عمر رضی اللہ عنہ کا اور تیسرے نمبر پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور چوتھے نمبر پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مرتبہ ہے۔ جیسا کہ آثار صحابہ رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے۔ اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بیعت میں مقدم ہونے پر اتفاق ہے۔ الا یہ کہ اہل سنت کے بعض افراد نے حضرت ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے مراتب پر اتفاق رائے کرنے کے بعد حضرت عثمان اور علی رضی اللہ عنہما کے مراتب میں اختلاف کیا ہے۔ اس سلسلہ میں بعض لوگوں نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے مقدم ہونے پر اتفاق کر کے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو چوتھے مرتبہ پر فائز کیا ہے اور بعض لوگوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو جناب عثمان رضی اللہ عنہ پر مقدم قرار دیا ہے۔ دوسرے لوگوں نے ان کی موافقت کی ہے۔ لیکن اہل سنت والجماعۃ اجماع کا دو ٹوک فیصلہ کہ جو سب سے مستحسن ہے یہ ہے کہ وہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر مقدم قرار دیتے ہیں۔ اگرچہ یہ مسئلہ کوئی بنیادی مسئلہ نہیں ہے جس کی بنیاد پر اہل سنت کے نزدیک فریق مخالف کو گمراہ قرار دیا جائے۔ لیکن خلافت راشدہ کا مسئلہ بنیادی مسئلہ ہے بایں طور اہل سنت رسول اللہ ﷺ کے بعد بالترتیب ابو بکر، عمر، عثمان، اور علی رضی اللہ عنہم کو خلیفہ قرار دیتے ہیں۔ اگر کوئی شخص ان چاروں میں سے کسی ایک کی خلافت کا انکار کر کے اس پر لعن طعن کرے تو ایسا شخص اہل سنت کے نزدیک گدھوں سے بھی بدتر گمراہ آدمی ہے۔^①

جن جگہوں پر اپنی کتاب میں شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی قدر و منزلت کو سراہا ہے اور آپ رضی اللہ عنہ کی طرف سے مدافعتیہ انداز اختیار کیا ہے تو ان کا ذکر کچھ اس طرح ہے۔
..... امیر المومنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی قدر و منزلت کا اعتراف کرنا چاہئے اور ان سے محبت رکھنی چاہئے کیونکہ اللہ کے نزدیک ان کی شان و عظمت معروف و مشہور ہے۔ الحمد للہ ہم میں

① ملاحظہ ہو: العقیدۃ الواسطیہ، ص: ۵۰-۵۳۔ المکتب الاسلامی سے مطبوع (ط: ۴) عام

۶۵/۸ (۲۰۱۴-۲۰۱۵) منہاج السنۃ: ۶۵/۸

سے ہر ایک اس بات کا معترف ہے اور نص قطعی سے اس کا ثبوت ہے جس کی بنیاد پر ہمیں اس بات کا علم یقینی ہے کہ آپ ﷺ کی شان بہت بلند ہے۔ آپ ﷺ کا مقام بڑا اعلیٰ و ارفع ہے اس کا ثبوت ایسے مستند طریقہ سے موجود ہے جس پر جھوٹا اثر انداز نہیں ہو سکتا اور اس پر دروغ گوئی کا شائبہ تک نہیں کیا جاسکتا۔

۲..... اور شیخ الاسلام رحمہ اللہ کے اقوال میں سے ایک یہ بھی ہے کہ:

جہاں تک سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور ان کے علاوہ دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ہر مومن کا موالات و محبت کا معاملہ ہے تو اس کا ثبوت نبی کریم ﷺ کی زندگی میں بھی تھا اور آپ ﷺ کی وفات اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد بھی ہے۔ چنانچہ آج بھی سیدنا علی رضی اللہ عنہ ہر مومن کے دل میں جگہ رکھتے ہیں۔ اگرچہ آپ ﷺ اس وقت لوگوں کے والی نہیں ہیں اور نہ ہی آپ کو ان کے اوپر کوئی تسلط حاصل ہے۔ مگر پھر بھی مومنین کا آپ رضی اللہ عنہ سے موالات اور محبت کا معاملہ اتم ہے۔ اسی طرح تمام مومنین ایک دوسرے کے دوست اور ہمدرد ہیں۔ یہ تعلق اور ہمدردی دائمی ہے۔ موت و زندگی دونوں حالت میں یہ موالات باقی رہتی ہے اور رہے گی۔ ①

۳..... اسی طرح شیخ الاسلام رحمہ اللہ کا قول ہے کہ:

جہاں تک امیر المومنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا تعلق ہے تو اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ: آپ رضی اللہ عنہ ان لوگوں میں تھے جو اللہ سے سچی محبت کرنے والے تھے اور اللہ آپ رضی اللہ عنہ سے محبت کرتا ہے۔ ②

۴..... یعنی شیخ الاسلام کے اقوال میں سے ایک قول یہ بھی ہے کہ:

بلاشبہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی محبت ہر مومن پر واجب ہے۔ جیسے کہ ہر مومن پر اپنے مومن بھائی

① منہاج السنة: (۳۲۰/۷)۔

② ایضاً نفس المصدر (۲۱۸/۷)۔

سے ہمدردی اور تعلق رکھنا واجب ہے۔^①

۵..... اسی طرح شیخ الاسلام رحمہ اللہ کے اقوال میں سے ایک قول یہ بھی ہے کہ:

اہل سنت کے تمام گروہوں کی کتابیں اور رسائل امیر المؤمنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے مناقب و فضائل اور آپ رضی اللہ عنہ کے محاسن و محامد سے لبریز ہیں۔ اور ان لوگوں کی مذمت پر یہ کتب و رسائل مشتمل ہیں جو جناب علی رضی اللہ عنہ پر ظلم روا رکھتے ہیں اور جو لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو برا بھلا کہتے ہیں۔ اہل سنت ان سے ناراضگی کا اظہار کرتے ہیں اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماننے والے فریقین کے مابین جو گالی گلوچ اور لعن طعن ہوئی اور جو جنگ و جدال کے واقعات رونما ہوئے اس سے اہل سنت ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہیں۔ اور اہل سنت ان لوگوں سے بغض و کراہیت کا اظہار کرتے ہیں جو آپ رضی اللہ عنہ سے جنگ و جدال یا گالی گلوچ یا برا بھلا کہنے پر آمادہ ہوئے۔

بلکہ اہل سنت و الجماعۃ اس بات پر متفق ہیں کہ امیر المؤمنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ قدر و منزلت کے اعتبار سے اوج کمال پر فائز ہیں اور امامت و خلافت کا پورا پورا حق رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ، اس کے رسول ﷺ اور مؤمنین کے نزدیک سیدنا علی امیر معاویہ، ان کے والد اور ان کے بھائی سے زیادہ بلند مرتبہ والے تھے۔ رضی اللہ عنہم جمعاً یعنی یزید بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما سے بھی زیادہ افضل کہ جو اپنے بھائی جناب معاویہ رضی اللہ عنہ سے افضل تھے۔ حضرت علیؑ ان تمام لوگوں سے افضل ہیں جو فتح مکہ والے سال میں مشرف باسلام ہوئے نیز فتح مکہ والے سال میں ایمان لانے والوں میں بہت سے لوگ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے افضل ہیں۔ اسی طرح بیعت رضوان والے ان مذکورہ لوگوں سے افضل ہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ان جمہور سے افضل ہیں۔ جنہوں نے بیعت رضوان میں

① المصدر السابق نفسه: (۲۷/۷)۔

حصہ لیا۔ بلکہ اصحاب ثلاثہ کے علاوہ سیدنا علی تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے افضل ہیں بلکہ جمہور اہل سنت تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تمام اہل بدر اور تمام بیعت رضوان والوں اور مہاجرین و انصار میں سے سابقین اولین سے افضل و اشرف سمجھتے ہیں۔^①

..... ۶ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شجاعت کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں: اس بات میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ جناب علی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان بہادری اور دلیری میں اپنی مثال آپ تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ کی مجاہدانہ دلیری اور بہادری کی وجہ سے اسلام کو تقویت پہنچی اور آپ رضی اللہ عنہ کا شمار اکابر مہاجرین اور انصار میں ہوتا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ ان لوگوں میں سرفہرست ہیں جو اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان لائے، اللہ کے راستے میں جانوں کا نذرانہ پیش کیا اور اپنی تلوار سے کفار و مشرکین سے برسر پیکار ہوئے۔^②

..... ۷ اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے اقوال میں سے یہ بھی ہے کہ:

جہاں تک سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا دنیاوی مال و متاع سے بے رغبتی اور زہد کا معاملہ ہے تو اس میں کوئی شک نہیں کہ جناب علی رضی اللہ عنہ اس معاملہ میں بھی سب سے آگے تھے۔ حتیٰ کہ زہد کے میدان میں آپ کو ساداتنا ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما پر بھی سبقت حاصل تھی۔^③

..... ۸ شیخ الاسلام رحمہ اللہ کے اقوال میں سے ایک قول یہ بھی ہے:

ہمیں یقین ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ زہد و روح تقویٰ میں اس درجہ پر فائز تھے کہ آپ رضی اللہ عنہ کی ذات سے اس بات کا تصور محال ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ عمداً جھوٹ بولیں۔ اسی طرح حضرات ابو بکر اور عمر و عثمان رضی اللہ عنہم کے بارے میں بھی اس بات کا تصور محال ہے کہ آپ حضرات عمداً جھوٹ بول سکتے ہیں۔^④

② منہاج السنۃ : (۷۶/۸)۔

① دیکھیے: منہاج السنۃ : (۳۹۶/۴)۔

④ منہاج السنۃ : ۸۸/۷۔

③ نفس المصدر ایضاً : (۴۸۹/۷)۔

۹..... شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ رائے ہے کہ: اہل سنت، امیر المؤمنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے قتال کرنے والوں کی بجائے ان لوگوں سے زیادہ محبت رکھتے ہیں جنہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جنگ نہیں کی اور ان کے خلاف صف آراء نہیں ہوئے۔ اہل سنت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مدافعت میں فرقہ نواصب اور خوارج کی دروغ گوئیوں اور اتہامات کا بھرپور جواب دیتے ہیں۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اہل سنت ان لوگوں سے محبت اور تعلق میں تفاوت برتتے ہیں جنہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے لڑائی کی اور جن لوگوں نے آپ رضی اللہ عنہ سے جنگ وجدال سے گریز کیا۔ ان کو محبت اور تعلق میں افضل سمجھتے ہیں جیسے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص، اسامہ بن زید، محمد بن مسلمہ، اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم یہ اور ان جیسے ان تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اہل سنت والجماعت ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے میدان کارزار میں مقابلہ کے لیے اترے افضلیت میں متفاوت سمجھتے ہیں۔ مذکورہ صحابہ کرام شیخ الاسلام اور اہل سنت والجماعت کے نزدیک ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے افضل ہیں جنہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف جنگ وجدال میں حصہ لیا۔

۱۰..... حضرت علی رضی اللہ عنہ سے محبت وموالات رکھنا اور ان سے جنگ وجدال کرنے سے گریز کرنا اہل سنت کے نزدیک اس بات سے افضل ہے کہ ان سے بغض وعداوت رکھی جائے یا ان سے قتال کیا جائے۔ بلکہ اہل سنت کے نزدیک سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ محبت اور موالات رکھنا واجب ہے۔ اہل سنت ہی وہ لوگ ہیں جو حقیقت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے دفاع کرنے والے ہیں۔ ❶

اسی طرح شیخ الاسلام ان صحابہ کرام کو جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے ایسے صحابہ کرام پر فوقیت دیتے ہیں جو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے (رضی اللہ عنہم)۔ اس سلسلہ میں آپ فرماتے ہیں کہ:

..... ”بلاشبہ یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ جو لوگ امیر المؤمنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے جیسے کہ حضرت عمار اور سہل بن حنیف اور ان جیسے دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تو وہ ان صحابہ کرام سے افضل و اشرف ہیں جو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکر میں تھے۔“^①

یہ ان عبارتوں میں سے چند اقتباسات کا مجموعہ تھا جو شیخ الاسلام ابن تیمیہ رضی اللہ عنہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مناقب و فضائل کے بارے میں منقول ہیں۔ یہ شیخ الاسلام کے قوی ترین موقف کی چند جھلکیاں تھیں جو آپ کی طرف سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے بغض و عناد رکھنے والوں کے رد میں وارد ہوئی ہیں۔

کیا اس حقیقت کی وضاحت کے بعد بھی کسی شخص کے لیے یہ گنجائش باقی رہ جاتی ہے کہ وہ حضرت شیخ الاسلام کے بارے میں یہ رائے قائم کرے کہ آپ رضی اللہ عنہم نعوذ باللہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے باغی ہیں؟ آیا آپ رضی اللہ عنہ نے اپنی کتابوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان میں گستاخی کی ہے؟ جیسا کہ ان ظالم دشمنان دین کی رائے ہے۔

سبحانک ہذا بہتان عظیم۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں یہ بات تو ادنیٰ مسلمان کہنے کے لیے تیار نہیں ہوگا چہ جائیکہ اس تہمت کو شیخ الاسلام رضی اللہ عنہ کے سر تھوپا جائے۔ شیخ الاسلام کی ذات تو وہ ذات ہے جن کی زندگی کے سنہرے ایام عقیدہ سلف کے دفاع میں گزرے تھے۔ اسی سلسلہ کی ایک کڑی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی تفصیل کے اثبات اور ان کو چوتھا خلیفہ راشد ماننے اور اس اعتقاد کی دلیل فراہم کرنے کی ہے۔ یقیناً مخالفین یا محاربین کے مقابلہ میں آپ رضی اللہ عنہم حق پر تھے۔ لیکن ان مبتدعین کے نزدیک شیخ الاسلام ابن تیمیہ رضی اللہ عنہ کا گناہ یہ ہے کہ آپ رضی اللہ عنہم حضرت علی رضی اللہ عنہم کے بارے میں غلو اور مبالغہ آرائی کے قائل نہیں ہیں۔ یہ لوگ آپ سے یہ چاہتے ہیں کہ آپ رضی اللہ عنہم حضرت علی رضی اللہ عنہم کو ان کی اس قدر ومنزلت سے بالاتر قرار دیں جس کو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے مقدر کر رکھا ہے۔

① دیکھئے: مجموعۃ الرسائل والمسائل لابن تیمیہ: (ص ۶۱)۔

قاتلین سیدنا حسین بن علی رضی اللہ عنہما کے متعلق شیخ الاسلام رحمہ اللہ کا موقف

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

کتاب الجنائز میں آدمی کے کسی کے لیے دعایا بددعا کرنے کے مسئلہ کے سلسلہ میں تفصیل گزر چکی ہے کہ مسلمانوں کی نماز جنازہ ادا کی جائے گی چاہے وہ فاسق و فاجر شخص کی میت ہی کیوں نہ ہو۔ اگرچہ فاجر شخص ملعون ہے، اس پر لعنت اور پھٹکار ہے چاہے وہ فاسق کی شخصیت باعث لعنت ہو یا اس کے طور و طریقے باعث لعنت ہوں۔ دونوں صورتوں میں وہ ملعون ہے۔ لیکن اس سلسلہ میں معتدل موقف وہ ہے جو ہم نے پہلے نمبر پر بیان کیا ہے۔ اسی وجہ سے جس وقت تاتاریوں نے دمشق میں فتنہ و فساد برپا کیا اس موقع پر میرے پاس مغولی فوج کا سپہ سالار جنرل بولائی آیا۔ میرے اور اس کے درمیان بحث و مباحثہ ہوا۔ اس نے مجھ سے کچھ سوالات کئے۔ انہیں سوالات میں سے ایک سوال یہ بھی تھا کہ تم لوگ یزید کے بارے میں کیا اعتقاد رکھتے ہو؟ ہم نے اس کو جواب دیا کہ ہم نہ تو انہیں برا بھلا کہتے ہیں اور نہ ہی ہم ان سے محبت کا دعویٰ کرتے ہیں۔ کیونکہ نہ تو وہ کوئی نیک و صالح شخص تھا کہ ہم اس کی بنیاد پر اس سے محبت کریں اور نہ ہی ہم مسلمانوں میں سے کسی شخص کو برا بھلا کہتے ہیں اور اس پر لعنت ملامت کرتے ہیں۔

تو جنرل بولائی نے برجستہ کہا: ”کیا آپ لوگ اس پر لعن طعن نہیں کرتے؟ کیا یزید ظالم نہیں تھا؟ کیا اس نے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو قتل نہیں کیا؟“

① ملاحظہ ہو: (شیخ سلیمان بن صالح الخراشی کی کتاب (ابن تیمیہ لم یکن ناصبیاً): [ص ۷۴-۸۷]۔

شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ میں نے اس کو جواب دیا: اگر کہیں حجاج بن یوسف اور ان جیسے لوگوں کا تذکرہ ہوتا ہے تو ہم وہی انداز اپناتے ہیں جیسا کہ قرآن کریم نے اپنایا ہے۔ اس سلسلہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿أَلَا لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الظَّالِمِينَ﴾ (ہود: ۱۸) خبردار ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے۔ ہم لوگوں کا شیوہ یہ نہیں ہے کہ ہم کسی شخص کو خاص طور سے گالی دیں۔ اگر یزید کو بعض علماء نے برا بھلا کہا ہے تو اس سلسلہ میں ہم یہی کہیں گے کہ یہ ایسا مسئلہ ہے جس میں اجتہاد کی گنجائش ہے۔ لیکن احتیاط کا تقاضہ یہی ہے کہ ہم اس سلسلہ میں سکوت اختیار کریں اور گالی گلوچ یا لعن طعن سے گریز کریں۔ جہاں تک ان لوگوں کا سوال ہے جنہوں نے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو قتل کیا، یا آپ رضی اللہ عنہ کے قاتلوں کی مدد کی ہے یا اس سلسلہ میں اپنی رضامندی کا اظہار کیا تو ایسے شخص پر اللہ کی، اس کے ملائکہ کی اور پوری کائنات کی لعنت ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سے اس سلسلہ میں کسی قسم کا فدیہ قبول نہیں فرمائے گا۔

اس نے پوچھا: آپ اہل بیت سے محبت کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

تو شیخ الاسلام ابن تیمیہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ”ہمارے اعتقاد کی رو سے ان سے محبت کرنا واجب اور باعث اجر و ثواب ہے۔ کیونکہ صحیح مسلم میں حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے خم نامی چشمہ پر جو کہ مکہ اور مدینہ کے (مقام جھم کے قریب) درمیان واقع ہے ہم لوگوں کو وعظ ارشاد فرمایا۔ اس میں یہ بھی فرمایا کہ اے لوگو! میں تم لوگوں کے درمیان دو عظیم چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں! ان میں سے ایک تو کتاب اللہ ہے۔ پھر کتاب اللہ کے بارے میں تو صغیری کلمات فرمائے اور اس کی اہمیت و عظمت پر خصوصی زور دیا۔ اس کے بعد فرمایا کہ میں تم لوگوں میں اپنے خاندان کو چھوڑے جا رہا ہوں۔ میں تم کو اپنے اہل بیت کے بارے میں اللہ کا واسطہ دیتا ہوں اور اس کلمہ کو بطور تاکید دیا تین مرتبہ دہرایا۔

پھر شیخ الاسلام رضی اللہ عنہ نے جزل بولائی سے مخاطب ہو کر فرمایا: ”اہل بیت کی اہمیت اس بات

سے بھی واضح ہو جاتی ہے کہ ہم لوگ روزانہ اپنی نمازوں میں ان کلمات کا ورد کرتے ہیں۔

((اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ))

”اے اللہ محمد ﷺ اور ان کی آل و اولاد پر رحمت کاملہ نازل فرما۔ اس طرح جس طرح تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی آل و اولاد پر نازل فرمائی۔

بلاشبہ تیری ذات صفت حمد سے متصف ہے۔ تو ہی بزرگی و شرف والا ہے۔“

تو جزل بولائی نے کہا: ”آپ کا ان لوگوں کے بارے میں کیا نظریہ ہے جو رسول اللہ ﷺ کے اہل بیت سے بغض و عداوت رکھتے ہیں؟ شیخ الاسلام رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے جواب دیا: جو شخص اہل بیت سے بغض رکھے اس پر اللہ کی، اس کے ملائکہ کی اور تمام مخلوق کی لعنت و پھٹکار ہو۔ اللہ تعالیٰ اس سے اس سلسلہ میں کسی قسم کا فدیہ قبول نہیں کرے گا۔

پھر میں نے مغولی وزیر سے پوچھا: یہ تاریخی یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ تو اس نے جواب دیا کہ تاریخیوں کا کہنا ہے کہ اہل دمشق نواصب ہیں۔

تو شیخ الاسلام رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں نے بلند آواز سے کہا: وہ شخص جھوٹ بولتا ہے۔ جس نے یہ بہتان طرازی کی ہے اس پر اللہ کی لعنت ہو۔ ہم اللہ کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ اہل دمشق میں سے کوئی شخص فرقہ نواصب سے تعلق رکھنے والا نہیں ہے۔ اگر اہل دمشق میں سے کوئی شخص خدا نخواستہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر گستاخی کرنے کی جرات کرے تو دمشق کے سارے لوگ اس کے خلاف کھڑے ہو جائیں گے۔ مگر ہاں قدیم زمانہ میں جب بنو امیہ کے ہاتھ میں دمشق کی زمام حکومت تھی اس وقت بنو امیہ کے بعض افراد سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے بغض و عداوت رکھتے تھے اور ان کو برا بھلا کہتے تھے۔ لیکن آج ان لوگوں میں سے کسی کا نام و نشان تک باقی نہیں ہے۔ اس وقت یہ بات کہنا سراسر دروغ گوئی اور اتہام بازی ہے۔^①

① مجموع الفتاویٰ: (۴/۴۸۷-۴۸۸)، شیخ سلیمان الحارثی رحمہ اللہ کی کتاب (شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ لم یکن ناصبیاً، ص ۷۲، ۷۳۔

اہل سنت کے نزدیک

اہل بیت رضی اللہ عنہم کی قدر و منزلت کا بیان

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ اپنی معرکہ الآراء کتاب ”العقیدۃ الواسطیہ“ میں اہل سنت والجماعت کے عقیدے کی وضاحت کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ: اہل سنت اہل بیت رضی اللہ عنہم سے محبت کرتے اور ان سے دوستی کا تعلق رکھتے ہیں۔ ان کے بارے میں اللہ کے رسول ﷺ کی اس وصیت کا پاس و لحاظ رکھتے ہیں جو تم نامی چشمہ پر آپ ﷺ نے لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمائی تھی۔ جس میں یہ کلمات اس مسئلہ کے لیے سند کی حیثیت رکھتے ہیں۔ فرمایا: اذْكَرْكُمْ اللهُ فِيْ اَهْلِ بَيْتِيْ اے لوگو! میں تم کو اپنے اہل بیت کے بارے میں اللہ کا واسطہ دیتا ہوں۔^①

اور وہ حدیث بھی بطور دلیل پیش کی جاسکتی ہے جس میں آپ ﷺ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے ان کی شکایت کے جواب میں فرمایا تھا: ”قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! بنو ہاشم کا اس وقت تک ایمان مکمل نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ تم سے اللہ کی خاطر اور میری قربت و رشتہ داری کا لحاظ کرتے ہوئے محبت نہ کرنے لگیں۔“^②

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ: ”اللہ تعالیٰ نے بنی اسماعیل کو برگزیدگی عطا فرمائی ہے بایں طور کہ بنی اسماعیل میں سے اللہ تعالیٰ نے بنو کنانہ کو منتخب فرمایا اور بنو کنانہ سے قریش کا انتخاب فرمایا اور قریش میں سے اللہ تعالیٰ نے قبیلہ بنو ہاشم کو چنا اور بنو ہاشم میں سے میرا

① رواہ مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل علي بن ابي طالب رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، ح: ۶۲۲۵۔

② رواہ الامام احمد وغيره۔

انتخاب فرمایا۔^①

فضیلۃ الشیخ صالح بن فوزان رحمۃ اللہ علیہ شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کے اس کلام کی شرح کرتے ہوئے یوں فرماتے ہیں:

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ یہاں اس جگہ اہل سنت کے نزدیک اہل بیت رضی اللہ عنہم کی قدر و منزلت کی صراحت کرتے ہوئے یہ کہنا چاہتے ہیں کہ یہی وہ لوگ ہیں جو اہل بیت سے محبت استوار رکھتے ہیں۔ اور اہل بیت سے مراد وہ لوگ ہیں جن پر صدقہ حرام قرار دیا گیا ہے۔ اور اہل بیت میں آل جعفر، آل عقیل، آل عباس، بنو حارث بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہم اور نبی کریم ﷺ کی ازواج مطہرات اور آپ ﷺ کی بیٹیوں کا شمار ہوتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ ط ﴾

(الاحزاب: ۳۳)

”اے نبی کی گھر والیو! اللہ تعالیٰ تم سے ہر قسم کی گندگی کو دور کر کے تم کو پاک

صاف بنانا چاہتا ہے۔“

اس لیے اہل سنت والجماعت اہل بیت سے محبت اور ہمدردی رکھتے ہیں۔ ان کی عزت کرتے ہیں اور ان کا اعزاز و اکرام کرتے ہیں۔ کیونکہ ان کا احترام دراصل نبی اکرم ﷺ کا احترام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کی زبانی امت مسلمہ کو اسی کا حکم دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُلْ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَى ط ﴾ (الشوریٰ: ۳۳)

”اے نبی ﷺ آپ فرمادیتے ہیں کہ میں تم سے اجرت یا بدلہ نہیں چاہتا مگر محبت اور رشتہ داری کا تو پاس و لحاظ رکھو۔“

سنت نبویہ میں بھی اس بات کی بار بار وضاحت آئی ہے۔ شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے اس

① رواہ احمد و مسلم، کتاب الفضائل باب فضل نسب النبی ﷺ / ح: ۵۹۳۸.

موقع پر مزید فرمایا کہ: اہل البیت رضی اللہ عنہم اس مولاۃ اور ہمدردی کے اس وقت مستحق قرار پائیں گے جب وہ سنت نبویہ کے پیروکار ہوں اور ملت اسلامیہ پر پورے طور پر گامزن ہوں۔ جیسا کہ اہل بیت کے اسلاف کرام، حضرت عباس رضی اللہ عنہ، ان کی اولاد، سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور ان کی اولاد کا شیوہ تھا۔ اگر ان میں سے کوئی شخص سنت کی مخالفت کرتا ہو اور اسے دین اسلام یا صراط مستقیم کی کوکوی پرواہ نہ ہو تو ایسے شخص سے محبت کرنا جائز نہیں چاہے وہ اہل بیت سے نسبت ہی کیوں نہ رکھتا ہو۔

اور شیخ الاسلام رحمہ اللہ کا یہ قول: وَيَتَوَلَّوْنَهُمْ اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ اہل سنت والجماعت اہل بیت رضی اللہ عنہم سے محبت رکھتے ہیں۔ اس کا مصدر ولایہ ہے۔ اور عربی زبان میں ولایہ سے مراد مولاۃ اور ہمدردی ہوتی ہے۔ اسی طرح شیخ الاسلام کا یہ کہنا: وَيَحْفَظُونَ فِيهِمْ وَصِيَّةَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ تو اس سے مراد یہ ہے کہ اہل سنت اللہ کے رسول ﷺ کی وصیت پر عمل پیرا ہوتے ہیں اور عملاً اس کو انجام دے کر اتباع رسول ﷺ کا ثبوت مہیا کرتے ہیں۔ اس کے بعد شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے فرمایا ہے: يَوْمَ غَدِيرِ خُمٍ تو یہاں پر غدیر خم سے مراد تالاب یا چشمہ ہے۔ اور خُم یا تو کسی شخص کا نام ہے جس کی طرف اس تالاب کو منسوب کیا گیا ہے۔ یا پھر اس سے مراد: ایک قسم کی تیل ہے جس کو جل یعنی کنبھی کہا جاتا ہے۔ اس کے تالاب میں موجود ہونے کی وجہ سے اس تالاب کو اسی کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے۔ یہ تالاب (مقام جھم کے قریب) مدینہ کے راستہ میں پڑتا تھا۔ نبی کریم ﷺ کا حجۃ الوداع سے واپسی پر اس تالاب یا چشمہ کے پاس سے گزر رہا تو آپ ﷺ نے اس مقام پر خطبہ دیا تھا۔ یہاں پر شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے جن کلمات کا ذکر کیا ہے وہ کلمات اسی خطبہ سے ماخوذ ہیں۔ آپ ﷺ نے اس موقع پر فرمایا تھا: اَذْكُرْكُمْ اللَّهُ فِي أَهْلِ بَيْتِي مراد یہ ہے کہ آپ ﷺ امت مسلمہ کو مخاطب کر کے فرما رہے ہیں: ”میں تم کو اس بات کی یاد دہانی کروانا چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے میرے اہل بیت رضی اللہ عنہم کے چند حقوق رکھے ہیں جس کی تم لوگوں کو تاکید فرمائی ہے۔ وہ یہ ہیں کہ اللہ کے واسطے میرے اہلیت کا پاس و لحاظ رکھنا اور ان کا اعزاز و اکرام کرتے رہنا۔ اس میں کوتاہی نہ برتنا اور ان کے حق میں سستی و کاہلی سے کام نہ لینا۔“

نبی کریم ﷺ نے اپنے چچا جناب عباس رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب ابن ہاشم بن عبدمناف کو مخاطب کر کے اس موقع پر فرمایا تھا، جس وقت آپ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے شکایت یہ بات کہی تھی کہ: آپ رضی اللہ عنہ کو اس بات سے دلی تکلیف ہے کہ بعض قریش آپ رضی اللہ عنہ سے ترش روئی اور بے توجہی سے پیش آتے ہیں اور حسن سلوک کی بجائے بدسلوکی کرتے ہیں۔ تو نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ..... قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے! ایسے لوگ اس وقت تک کامل مومن نہیں ہو سکتے جب تک وہ تم سے اللہ کی خاطر اور میری قرابت اور رشتہ داری کی وجہ سے محبت نہ کرنے لگیں۔ حدیث مذکور سے یہ بھی پتہ چلا کہ اہل بیت سے محبت کی دو جوہات ہیں:

۱..... اہل بیت سے محبت باعث تقرب الہی ہے کیونکہ اہل بیت اللہ کے اولیاء ہیں۔

۲..... اہل بیت رضی اللہ عنہم کی آپ ﷺ سے قرابت کا تقاضہ یہی ہے کہ ہم ان سے محبت و ہمدردی کریں۔ اسی میں نبی کریم ﷺ کی رضا اور خوشنودی ہے۔ اسی میں نبی کریم کی عزت و تکریم کا پہلو ہے۔ نبی کریم ﷺ نے بنو ہاشم کی قدر و منزلت بیان کرتے ہوئے اور ان سے اپنی قرابت کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ: ”اللہ تعالیٰ نے بنو اسماعیل کو منتخب فرمایا بنو اسماعیل سے مراد اولاد ابراہیم علیہ السلام ہے اور بنو اسماعیل میں سے اللہ تعالیٰ نے بنو کنانہ کو برگزیدگی عطا فرمائی۔ کنانہ ایک قبیلہ ہے جن کے جد امجد کنانہ بن خزیمہ ہیں۔ پھر بنو کنانہ سے قریش کا انتخاب فرمایا اور قریش مضر بن کنانہ کی اولاد ہیں۔ اسی طرح قریش سے بنو ہاشم کو چنا گیا اور بنو ہاشم عبدمناف کی اولاد ہیں۔ اس کے بعد نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں: بنو ہاشم سے اللہ تعالیٰ نے میرا انتخاب فرمایا۔ چنانچہ آپ ﷺ کا شجرہ نسب یوں ہے محمد بن عبد اللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف بن قصی بن کلاب بن مرثد بن کعب بن لؤی بن غالب بن فہر بن مالک بن نصر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان۔ اس حدیث سے یہ بات بھی مترشح ہوتی ہے کہ یہ حدیث عربوں کی فضیلت پر بھی دلالت کرتی ہے۔ اور اس بات کی غمازی کرتی ہے کہ عربوں میں قریش کو فوقیت اور برتری حاصل ہے۔ بنو ہاشم قریش کا افضل ترین قبیلہ ہے اور نبی کریم ﷺ بنو ہاشم میں افضل ترین شخص

ہیں۔ یہی نہیں بلکہ آپ ﷺ تمام مخلوقات میں افضل و اشرف ہیں۔ حسب و نسب کے اعتبار سے آپ ﷺ عزت و شرف کی انتہا کو پہنچے ہوئے ہیں۔ اس حدیث میں نبی کریم ﷺ کی قرابت کی وجہ سے بنو ہاشم کی افضلیت و برتری کا بھی اظہار ہوتا ہے۔

خاتمۃ الکتاب

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے کلام کے اس مختصر تجزیہ کے بعد یہ حقیقت کھل کر سامنے آ جاتی ہے کہ اہل بیت رضی اللہ عنہم کے بارے میں آپ رحمہ اللہ کا موقف واضح اور دو ٹوک ہے۔ اس کتابچہ میں ہم نے شیخ الاسلام رحمہ اللہ کے کلام کے جو اقتباسات پیش کئے ہیں وہ آپ رحمہ اللہ پر لگائی گئی تہمت کو رد کرنے کے لیے کافی ہیں۔ اس سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ نواصب اور خوارج نے آپ رحمہ اللہ پر جو الزامات عائد کئے ہیں وہ سراسر غلط ہیں۔ ان کی حیثیت دروغ گوئی اور بہتان تراشی کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔ ان کا مطمح نظر یہ ہے کہ علماء امت کی عزت و ناموس کو داغدار کیا جائے اور ان کے اقوال و آراء میں شکوک و شبہات پیدا کر کے اس کی قدر و قیمت کو مٹی میں ملا دیا جائے۔ ان کی کوششوں اور سعی پیہم پر پانی پھیر کر شریعت اسلامیہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دی جائے۔ اس کی جگہ گمراہ اور اہل بدعت و خرافات کے اقوال و آراء کو رواج دے دیا جائے۔ یہی ایک وجہ ہے کہ جس کی بنیاد پر نواصب و خوارج نے یہ طریقہ اپنا رکھا ہے۔ فریق مخالف کو اگر یہ بات ماننے میں تردد ہے تو ہماری ان سے گزارش ہے کہ اپنے دعوے کے لیے دلیل پیش کریں۔

وَصَلَّى اللّٰهُ وَسَلَّم عَلٰى نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَعَلَىٰ آلِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِينَ

جَمَعَهَا الْفَقِيرُ إِلَى اللّٰهِ

ابو خلیفہ علی بن محمد القاضی

سابق شیعہ

مقام اہل بیت رضی اللہ عنہم امام محمد بن عبد الوہاب رحمہ اللہ کی نظر میں

تصنیف

خالد بن احمد الزهرانی حفظہ اللہ

أردو ترجمہ

فضل الرحمن رحمانی ندوی مدنی

فاضل جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ

والمدرس بالجمعية الخيرية لتحفيظ القرآن الكريم بمحافظة جدة

المملكة العربية السعودية

”امام محمد بن عبد الوہاب رحمہ اللہ کی دعوت“

آپ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”الحمد للہ میں کسی صوفی یا کسی فقیہ یا کسی علم کلام کے ماہر یا اُن آئمہ میں سے کسی امام کی طرف دعوت نہیں دیتا کہ جنہیں میں بڑی عظمت والے جانتا، مانتا ہوں، جیسے کہ امام ابن قیم ہیں، یا امام ذہبی یا امام ابن کثیر یا دیگر علماء عظام و آئمہ کبار رحمہم جمیعاً..... بلکہ میں تو ایک اللہ وحدہ لا شریک لہ کی طرف (اس کے قرآن کی طرف) اور اس کے محبوب ترین نبی محمد رسول اللہ ﷺ کی سنت کی طرف دعوت دیتا ہوں۔ یعنی دونوں مصادر شریعت کی طرف کہ جن کے بارے میں نبی مکرم ﷺ نے اپنی اُمت کے تمام پہلے اور آخر والے سب لوگوں کو انہیں عملی طور پر مضبوطی سے تھامے رکھنے کی نصیحت فرمائی ہے۔ میں اسی بات کی سب سے بڑی آرزو رکھتا ہوں کہ: حق بات (قرآن و سنت سے) جب بھی میرے پاس آجائے، میں اُسے ہرگز رد نہ کروں۔ بلکہ میں تو اللہ عز و جل، اس کے فرشتوں اور اُس کی تمام مخلوق کو اس وعدہ پر گواہ بناتا ہوں کہ: اگر تمہاری طرف سے (اے مخاطب مکتوب!) کوئی بھی بات حق والی ہمارے پاس پہنچ گئی، میں اسے سر آنکھوں پر فوراً قبول کر لوں گا۔ یہ بھی وعدہ کرتا ہوں کہ: قرآن و سنت والی ہر بات کے مقابلے میں ہمارے آئمہ کے اقوال میں سے کسی کے جی قول کو میں دیوار سے دے ماروں گا۔ (چاہے وہ ظاہر میں کتنا ہی شاندار کیوں نہ ہو۔) سوائے محمد رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے۔ اس لیے کہ بلاشبہ آپ ﷺ کے حق کے سوا کچھ نہیں فرماتے تھے۔“ ❶



❶ دیکھئے: الرسائل الشخصية للشيخ محمد بن عبد الوہاب رحمہ اللہ، مکتوب ۳۷، جلد ۱، ص ۲۰۲.

مقدمہ

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ مُحَمَّدًا ﷺ بِالْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى
الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ الخ .

تمام طرح کی حمد و ثنائے جمیل اُس اللہ وحدہ لا شریک لہ کے لیے ہے کہ: جس نے اپنے پیغمبر محمد رسول اللہ ﷺ کو حق دے کر بھیجا تا کہ وہ اس حق (شریعتِ مطہرہ والے دینِ حنیف) کو دنیا جہان کے تمام ادیان پر غالب کر دے چاہے (توحیدِ خالص و سنتِ مطہرہ والے) حق کا غلبہ مشرکوں (اور دنیا جہان کے کافروں) کو کتنا ہی ناپسند کیوں نہ ہو۔ اس کے لیے اللہ عز و جل نے نہایت واضح حق والی کتاب (قرآن حکیم) کے ذریعے آپ ﷺ کی تائید و حمایت فرمائی اور بہت بڑے فضل و کرم والے آپ ﷺ کے ساتھیوں (صحابہ کرام) اور آپ کے اُن طبیبین و طاہرین آلِ اطہار رضی اللہ عنہم کے ذریعے مدد فرمائی کہ باطنی نجاستوں سے جن کو اللہ کریم نے پاک کر کے انہیں ظاہری و باطنی پاکیزگی عطا فرمادی تھی۔

میں اُس ربِ کبریاءِ جل و علاء کی حمد و ثناء کرتا ہوں کہ جس کی عظیم تر سلطنت و مملکت اور بادشاہی کے لیے جیسی حمد و ثناء اور تعریف اس کی شان کے لائق ہو، ہونی چاہیے۔ بعد حمد و ثناء کے میں اللہ رب العرش الکریم کے محبوب و مصطفیٰ نبی رحمت محمد رسول اللہ ﷺ پر درود و سلام بھیجتا ہوں جو سر پائے ہدایت ہیں اور پھر آپ ﷺ کے مکمل ہدایت یافتہ آلِ بیت و ازواجِ مطہرات (امہات المؤمنین) پر اور آپ ﷺ کے تمام بابرکت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر۔ یعنی اللہ عز و جل کی رحمتیں اور برکتیں نازل ہوں ہر اُس صاحبِ ایمان پر کہ جنہوں نے اپنے ان اسلاف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فہم دین و قرآن و سنت میں مکمل اتباع کی اور ان کے نقوش

قدم پر چلے، تا قیامت آنے والے تمام سلفی جماعت حقہ کے سب اہل السنہ والجماعۃ پر۔
 میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ: ایک اللہ عزوجل کے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے،
 یعنی ایسی گواہی کہ جس کے ذریعے میں اُس دن نجات و کامیابی کا طلبگار ہوں جس دن نہ ہی تو
 کوئی مال فائدہ دے گا اور نہ ہی اولاد و خویش قبیلہ، سوائے اس کے کہ آدمی قلب سلیم (اور اللہ
 عزوجل پر یقین کامل کے ساتھ ایمان) لے کر آئے گا تو۔ اور میں اس بات کی بھی گواہی (دل و جان
 سے) دیتا ہوں کہ: محمد بن عبد اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول، اُس کے خلیل و حبیب اور اُس
 کے منتخب شدہ پیغمبر تھے۔ (آپ ﷺ کی رسالت و نبوت قیامت تک کے تمام زمانوں اور دنیا کے تمام
 خطوں کے لیے ہے۔) اس شہادت کے ذریعے میں اللہ تبارک و تعالیٰ سے قیامت والے دن
 آپ ﷺ کی شفاعت کا طلبگار ہوں۔ اما بعد!

”اس کتابچہ کی تحریر کا سبب“

یہ بات معلوم شدہ ہے کہ: جب ایسے اصلاح کار سرداران قوم کے بارے میں لکھا جاتا
 ہے کہ جن کی شہرت ایک طرف تو خاص حلقوں میں آفاق کو چھو رہی ہو اور دوسری طرف ان
 کے معاملہ سے بعض عامۃ الناس واقف نہ ہوں اور بعض لاعلمی و جہالت کا شکار ہوں تو پھر اس
 ضمن میں یہ بات معلوم ہونی چاہیے کہ ان میں سے ایک نہایت واضح شخصیت جناب امام محمد
 بن عبدالوہاب القسیمی رحمہ اللہ کی بھی ہے۔ آپ رحمہ اللہ کے بارے میں بہت کچھ لکھا گیا۔ (اپوں
 نے بھی لکھا اور بیگانوں، حاسدوں نے بھی۔) بلکہ یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ آپ رحمہ اللہ کے متعلق لکھی گئی
 کتابوں کی تعداد سینکڑوں تک پہنچتی ہے۔ چنانچہ ان لکھنے والوں میں سے بعض مصنفوں نے
 آپ رحمہ اللہ کی دعوت اور آپ کے منہج کے بیان میں حق سچ کو بیان کیا، جبکہ بعض مصنفین نے
 آپ رحمہ اللہ پر تہمت بازی سے کام لیتے ہوئے آپ رحمہ اللہ پر جھوٹ باندھا اور آپ کے ساتھ
 نہایت برا معاملہ کیا۔ ایسے لوگوں کے برے احوال میں سے کم از کم یہ بات ضرور ہے کہ: اس
 طرح کے حاسدین آپ رحمہ اللہ کے حالات زندگی سے لاعلم ہوتے ہیں اور اپنی کتابوں،

رسالوں میں وہی کچھ نقل کر دیتے ہیں کہ: بڑی بڑی علمی، بحثوں اور بہت سارے فقہی مسائل میں آپ ﷺ پر جو کذب بیانی کی گئی ہوتی ہے۔ انہی مسائل و مواقف میں سے ایک ”اہل بیت رضی اللہ عنہم کے بارے میں آپ (محمد بن عبدالوہاب) ﷺ کا موقف“ ہے۔

اس اہم ترین موضوع کے پیش نظر میں نے ایک کتابچہ تحریر کرنے کا ارادہ کرتے ہوئے اللہ عزوجل سے استخارہ کیا کہ جس میں ”رسول اللہ ﷺ کے آل بیت رضی اللہ عنہم کے بارے میں اس مصلح امت، امام محمد بن عبدالوہاب ﷺ کا موقف“ وضاحت سے بیان کروں۔ اس میں آپ ﷺ کی کتابوں اور خصوصی رسائل سے آپ کے موثق اقوال تحریر کیے جائیں تاکہ لوگوں کو معلوم ہو سکے کہ امام موصوف ﷺ کی اس موضوع پر کس قدر توجہ اور نظر تھی۔ اور اس بات میں بھی کوئی شک نہیں کہ آدمی کی کتابیں اور اس کی تصنیفات اُس کے اعتقاد و عقیدہ کے بارے میں بہترین گواہ ہوتی ہیں۔ چنانچہ امام موصوف کا معاملہ بھی نبی مکرم ﷺ کے آل بیت رضی اللہ عنہم کے متعلق آپ کی تالیفات میں واضح طور پر بیان ہوا ہے۔

البتہ میں نے خود اختصار والے فائدہ کے پیش نظر اس کتابچہ میں موضوع ہذا سے متعلق اختصار سے کام لیا ہے، اس کو طول نہیں دیا۔ اس لیے کہ اصل میں معاملہ نہایت واضح ہے۔ امام محمد بن عبدالوہاب ﷺ اہل السنہ والجماعۃ سلفی جماعت حقہ کے ان مشائخ و علماء عظام میں شمار ہوتے ہیں کہ جو نبی مکرم ﷺ کے آل بیت رضی اللہ عنہم سے محبت کرتے ہیں اور اس طرح کے علماء کرام و آئمہ اہل السنہ والجماعۃ آل بیت رضی اللہ عنہم کے حقوق اور ان کے مرتبہ و مقام کو خوب پہچانتے ہیں اور ان کی معرفت رکھتے ہیں۔

محترم قارئین کرام! یہاں ایک بات عرض کرتا چلوں کہ: میں نے آل بیت النبی ﷺ کے حقوق سے متعلق امام موصوف ﷺ کی بعض لمبی عبارتوں کو اختصار کے پیش نظر درج کرنے سے گریز کیا ہے، اُن کا صرف حوالہ دے دیا ہے، تاکہ کتاب کی ضخامت سے بچا جاسکے۔ اس ضمن میں آپ ﷺ کی بہت لمبی گفتگو کو خلاصاً بیان کرنے میں ہمارے پیش نظر

تین اہم نقاط تھے:

۱..... نبی مکرم محمد رسول اللہ ﷺ پر درود و سلام لکھتے، پڑھتے وقت آپ کا آل بیت رضی اللہ عنہم کا ذکر بالالتزام کرنا۔ اس کے لیے بطور مثال آپ کی کتابیں بطور حوالہ:

ا: کشف الشبهات، جلد اول ص ۱۸۱۔

ب: کتاب التوحید ص ۱۵۱۔

ج: فضل الاسلام جلد ۱، ص ۲۷۶۔

د: مفید المستفید جلد ۱، ص ۳۲۵۔

ه: خطبات: کتاب اس موضوع سے بھری پڑی ہے۔ صرف مثال کے لیے دیکھئے: جلد ۱، ۵، ۷،

۱۰، ۱۱، ۱۳، ۱۶، ۱۸، ۲۱، ۲۹، ۳۱..... الخ۔

۲..... جہاں کہیں بھی آپ رضی اللہ عنہ نے آل بیت رضی اللہ عنہم کا ذکر کیا ہے وہاں پر آپ نے ان

حضرات گرامی قدر کے لیے: رضی اللہ عنہم یا رضی اللہ عنہم کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں۔ یعنی ان کے

لیے اللہ عز و جل سے اس کی رضا و رحمت کی دعائیں کی ہیں۔ چنانچہ مثال کے طور پر دیکھ

لیجئے:

ا: کتاب التوحید: ص ۲۰، ۲۲، ۳۵، ۵۶، ۶۴، ۷۴، ۸۲، ۸۸، ۹۳، ۹۵، ۱۱۲، ۱۳۹۔

آپ کی تمام کتابیں ان دعائیہ کلمات سے بھری پڑی ہیں۔

۳..... آپ رضی اللہ عنہ نے اپنی کتابوں میں شریعت مطہرہ کے فروعی اور فقہی مسائل میں فقہاء آل

البيت اور ان کے مجتہدین سادات کے مواقف و اختیارات کو مکمل طور پر اپنایا اور اختیار

کیا ہے۔ اس کے لیے آپ:

ا: ”کتاب مختصر الانصاف“ میں: کتاب الزکاة ص ۲۲۷، کتاب الصیام

ص ۲۵۵، باب الاحرام ص ۲۷۹، باب الہدی والأضاحی ص ۳۵۲ دیکھ

لیجئے۔

پ: ”کتاب المناسک قسم الحدیث“ میں: مسألة: ۱۱۳۔ جلد ۳، ص ۴۷، باب حد المسکر والتعزیر قسم الحدیث، مسألة: ۱۷۵۶ جلد ۴، ص ۲۴۲۔

ج: ”رسالة فی الرد علی الرافضة“ مطلب الطلاق الثلاث بلفظ واحد جلد ۱، ص ۴۱۔

اب جو بھائی تفصیل میں جانا چاہے وہ مذکور بالا کتب اور ان کے علاوہ آپ ﷺ کی دیگر کتب کا مطالعہ کر لے۔ آپ ﷺ کی کتب کے مطالعہ کے بعد ہر پڑھنے والا یہ بات محسوس کرے گا کہ امام محمد بن عبدالوہاب ﷺ نے نبی مکرم ﷺ کے اہل و آل بیت علیہم السلام کے بارے میں جتنا ان کی عظمت بیان کرتے ہوئے لکھا ہے اسے مفید و محصور نہیں کیا جاسکتا۔ اس کا اجر اللہ عز و جل آپ ﷺ کو ضرور دے گا۔

میں نے کتابچہ ہذا کی تصنیف و تقدیم کے وقت امام موصوف الشیخ محمد بن عبدالوہاب ﷺ کی ”مجموع مؤلفات الشیخ الإمام، محمد بن عبد الوہاب طبع جامعة الامام محمد بن سعود الإسلامیہ، بالرياض“ پر اعتماد کیا ہے۔ میں اُن تمام اساتذہ و مشائخ کرام حفظہم اللہ کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں کہ جنہوں نے اس کتابچہ کی تیاری میں مفید مشوروں سے بھی نوازا اور اس کی مراجعت بھی کی۔ فَجَزَاهُمْ اللَّهُ خَيْرًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأَسْأَلُ اللَّهَ لِي وَلَهُمُ الْآجِرَ وَالْثَوَابَ .

خالد بن احمد الزہرانی

الدمام۔ المملكة العربية السعودية

۱۴۲۵ھ



محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کون ہیں؟

دنیا امام محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کو مصلح امت کے نام سے جانتی ہے۔ بلاشبہ آپ مصلحین امت میں سے ہیں۔ آپ کی پرورش جزیرۃ العرب کے خالص عربی ماحول میں ہوئی۔ آپ جزیرۃ العرب کے قلب میں پلے بڑھے اور پروان چڑھے۔ یہ اس وقت کی بات ہے جس وقت جزیرہ عرب جاہلیت کے گھناٹوں پ اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا اور عرب کے ماحول کو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ سے کوئی واسطہ نہیں رہ گیا تھا۔ عربوں کا یہ حال تھا کہ ظلم و بربریت، قتل و غارتگری، اور قبیلوں کے مابین لوٹ گھسوٹ کا دور دورہ تھا اور دین و ایمان ایک اجنبی چیز بن کر رہ گیا تھا۔

شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ ۱۱۱۵ھ میں ان ناگفتہ بہ حالات میں پیدا ہوئے جن کا پورے جزیرۃ العرب اور اس کے آس پاس کے علاقوں میں دور دورہ تھا۔ آپ کی پرورش ایک دینی اور علمی گھرانے میں ہوئی۔ شروع سے ہی آپ کو دینی ماحول ملا۔ چنانچہ آپ ابتدا ہی سے تعلیم سے وابستہ ہو گئے۔ رفتہ رفتہ علم کی تشنگی بڑھتی گئی اور اس کی آسودگی کے لئے آپ نے نجد سے مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ، پھر بصرہ کا سفر کیا۔ بصرہ میں وہاں کے جید علماء اور فضلاء سے مستفید ہونے کی غرض سے آپ نے ایک طویل مدت تک قیام فرمایا۔ وہیں سے آپ کی شخصیت میں نکھار آیا اور آپ نے تجربات کے ذریعہ اپنی شخصیت کو مستحکم کر لیا۔ اس ملک کے مختلف رجحانات کے حامل مکاتب فکر نے آپ کو دعوت حق کی امانت اپنے کاندھوں پر اٹھانے پر مجبور کر دیا تو آپ دعوت حق کا شعلہ بن ہو کر پورے جزیرہ عرب کو اس سے منور کرتے ہوئے نظر آنے لگے۔

اس کے بعد آپ نے بصرہ ہی میں دعوت و اصلاح کے کام کا آغاز فرما کر وہاں کی عوام میں رائج شرکیہ رسم و رواج اور حرام قسم کے اعمال و افعال کی بیخ کنی کرتے ہوئے اپنی دعوت و تجدید کی مہم کا آغاز کیا۔ چنانچہ مقامی علماء میں سے شیخ جمعی رحمہ اللہ نے آپ کے اس جرأت مندانہ اقدام کو سراہا اور اس کی تعریف کی۔ ایک روایت کے مطابق آپ نے لوگوں کو توحید خالص سے روشناس کرانے اور عوام و جاہل طبقہ کو علم عقیدہ کے اصول و مبادی سے متعارف کرانے کی غرض سے بصرہ ہی میں اپنی مشہور کتاب ”کتاب التوحید“ تحریر فرمائی۔ ایک دوسری روایت کے مطابق بصرہ سے واپسی پر جزیرۃ العرب کے مشہور شہر ”حرمیلاء“ میں لکھی۔ لیکن اس دور میں دین حنیف کے اصل سرچشمہ سے دوری، اس کی طرف سے بے توجہی و لاپرواہی اور رسم و رواج کی اندھی تقلید کی وجہ سے آپ کو عوام اور خواص کی طرف سے اذیتوں اور آزمائشوں کا بھی سامنا کرنا پڑا حتیٰ کہ آپ کو دوپہر کی چلچلاتی دھوپ میں اکیلے پاپیادہ بصرہ سے نکل جانے کے لئے مجبور کیا گیا۔ چنانچہ آپ نے وہاں سے شام کی طرف کوچ کر جانے کا ارادہ فرمایا تاکہ علم و معرفت کے حصول کے مزید زینے طے کر سکیں۔ لیکن ساز و سامان اور زادراہ چوری ہو جانے کی وجہ سے آپ کو شام کی طرف جانے کا ارادہ ترک کرنا پڑا۔ چنانچہ وہاں سے آپ الاحساء واپس تشریف لے آئے اور وہاں کے علماء کرام کے مہمان بنے۔ پھر شیخ عبداللہ بن محمد بن عبداللطیف الاحسانی شافعی رحمہ اللہ کی ضیافت میں رہے اور وہاں کے کبار علماء سے ملاقات کی۔ اس طرح آپ کا یہ پرخطر اور پر مشقت سفر اختتام پذیر ہوا جس میں آپ کو اپنے والد اور اپنے آبائی وطن سے دوری اور جدائی کی صعوبتیں برداشت کرنی پڑیں۔ بہر حال اس طرح شیخ علیہ الرحمہ اپنے دامن میں علوم و معرفت کا خزانہ سمیٹے ہوئے واپس نجد تشریف لے آئے اور کتب تفسیر و عقیدہ اور حدیث کے پڑھانے میں مشغول ہو گئے۔ جس نے آپ کے ذہن و قلب کے در پیچے کھول دیئے اور آپ کو دین کے صحیح فہم سے روشناس کرانے میں کلیدی کردار ادا کیا۔ اور اصلی مراجع اور دین کے بنیادی سرچشموں سے

حصولِ حق کی جستجو کی چنگاری کو اس نے ہوا دے کر اسے آپ کے سویدِ اقلب میں شمعِ فروزاں بنا دیا۔

اس کے بعد شیخ محترم رحمہ اللہ نے دعوتِ الی اللہ کے فریضہ کی انجام دہی، دینِ خالص کے مٹے ہوئے نقوش کا دوبارہ اجراء اور خالص توحید کے احیاء کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیا۔ لوگوں کو عقیدہ توحید کے سائے میں لانا، شرک کی آلودگی سے ان کی حفاظت کرنا اور انہیں رب العالمین کی توحید سے روشناس کرانا شیخ محترم رحمہ اللہ کا محبوب مشغلہ بن گیا۔ لیکن اس راہ میں بھی آپ کے رقیبوں نے آپ کو چین سے بیٹھنے نہیں دیا۔ آپ کو بڑی اذیتیں اور تکلیفیں دیں۔ لیکن اس کے باوجود آپ کے پائے استقامت میں ذرہ برابر جنبش نہ آئی اور آپ نے عزم و استقلال کا پہاڑ بن کر ان کا مقابلہ کیا۔ آپ نے پورے جوش و خروش کے ساتھ اپنے مشن کو جاری رکھا۔ آپ نے اس راہ میں ان دعاۃ مخلصین کی اتباع اور پیروی کو اپنا نصب العین بنایا جو سید الانبیاء والمرسلین محمد رسول اللہ ﷺ کی سچی اور پکی اتباع کرنے والے تھے۔

اس طرح تعلیم و تعلم، علم و معرفت، دعوت و اصلاح، عبادت و ریاضت، مجاہدہ اور تزکیہ نفس سے لبریز زندگی گزارتے ہوئے آپ نے سن ۱۲۰۶ھ میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ اللہ تعالیٰ آپ پر اپنی رحمتوں کی بارش فرمائے اور آپ کی اور تمام مسلمانوں کی مغفرت فرما کر ان کو اپنی رحمت و اسعہ کے سایہ عاطفت میں لے لے۔ آمین



کھرے اور کھوٹے کو پرکھنے کی کسوٹی

یہ شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہ کی سیرت کے چند تابندہ نقوش تھے جس کو تذکرہ نگاروں اور آپ کی حیات علمیہ کے مؤرخین نے اپنے اپنے انداز سے پیش کیا ہے۔ لیکن ہر مصلح اور داعی کے حاسدین اور ناقدین بھی ضرور ہوا کرتے ہیں جو ان کی دعوت اور اصلاحی کاموں کے لئے رخنہ اندازی کے درپے رہتے ہیں۔ تاریخ دعوت و عزیمت، انبیاء علیہم السلام سے لے کر آج کے مصلحین امت اور داعیان دین تک اس قسم کی مثالوں سے لبریز ہے۔ کیونکہ ہمیشہ داعیان حق کی دعوت اور اصلاح کی خلاف ورزی ان کی قوم کے لوگوں اور ان کے ہم عصروں نے ہی کی اور ان کے لئے طرح طرح کی رخنہ اندازیاں کر کے ان کی سادھ کو کمزور اور ان کی نیک نامی کو داغ دار کرنے کی کوشش کی۔ بعینہ یہی حال ہمارے شیخ موصوف علیہ الرحمۃ کا ہے۔ بلکہ اگر یہ کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا کہ ہمارے شیخ رحمۃ اللہ علیہ اس معاملہ میں مظلوم زمانہ ہیں۔ ان پر ان کے دشمنوں اور حاسدوں نے یکجا ہو کر وار کیے ہیں لیکن ہمارے شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی قوت عزیمت کے سامنے ان کے ترکش سے چلائے گئے تیر نشانہ بہدف نہ ہو سکے بلکہ وہ اپنے ہدف تک پہنچنے سے پہلے ہی ٹوٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے ان کے بارے میں شاعر کا یہ قول حق بجانب ہے:

کناطح صخرة یوما لیوہنھا

فلم یضرھا واوہی قرنہ الوعل

”جیسے کوئی بیل کسی چٹان کو سینگ مار مار کر طبع آزمائی کرے تو اس کے بلاوجہ

جنون سے پتھر کی چٹان کا کیا بگڑے گا بلکہ اس بیل کے سینگ ہی اس کی جنونی

کیفیت کی وجہ سے کمزور اور لاغر ہوتے چلے جائیں گے۔“

اللہ تعالیٰ نے شیخ موصوف کی شان کو سر بلندی عطا فرما کر دوام بخش دیا اور ان کے ذکر کو زندہ جاوید بنا کر زبان زد خاص و عام کر دیا۔ آپ کے حاسدوں اور آپ سے بغض و عداوت رکھنے والوں کا نام و نشان صفحہ ہستی سے مٹ گیا اور گم نامی ان کا مقدر بن گئی۔ یہی وجہ ہے کہ آج امام محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کو دنیا مجدد دین اور مصلح امت کے نام سے جانتی اور یاد کرتی ہے اور تاریخ دعوت و عزیمت میں آپ کا نام سرفہرست لکھا جاتا ہے۔ اس کے برعکس آپ کے مخالفین کا نام و نشان صفحہ ہستی سے مٹ گیا۔ آج کون جانتا ہے: ابن جرحس اور ابن داؤد زبیری یا قبانی یا کنھوری یا نبھانی وغیرہ کو۔ یہ تمام کے تمام لوگ گم نامی کے پردے میں چھپ گئے۔ آج کوئی ان لوگوں کا نام لینے والا نہیں ہے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے شیخ رحمہ اللہ کو رشد و ہدایت کی راہ میں مشعل راہ بنا کر اللہ تعالیٰ نے ان سے اس زمانے میں اپنے دین کی تجدید کا کام لیا اور آپ کے نام کو تاریخ عالم کا حصہ بنا دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا ہے کہ:

﴿كَذَلِكَ يَضْرِبُ اللَّهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ فَأَمَّا الزَّيْدُ فَيَدَّبُّ جُفَاءً وَ
 أَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُتُ فِي الْأَرْضِ ط كَذَلِكَ يَضْرِبُ اللَّهُ
 الْأَمْثَالَ﴾ (الرعد: ۱۷)

”اسی طرح اللہ تعالیٰ حق و باطل کی مثال بیان فرماتا ہے۔ باطل کی مثال جھاگ کی طرح ہے کہ جھاگ تو ناکارہ ہو کر چلا جاتا ہے لیکن جو چیز دائمی نفع والی ہے مراد یہ کہ لوگوں کو نفع دینے والی چیز زمین میں رہتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اسی طرح مثالیں بیان فرماتا ہے۔“

یہاں پر میں اس حقیقت کی وضاحت بھی کر دوں کہ جس نے بھی شیخ رحمہ اللہ کی مخالفت میں قلم اٹھایا یا آپ کی شان میں گستاخی کی یا آپ کے خلاف زبان درازی کی وہ تمام کے تمام ایسے لوگ تھے جنہوں نے اپنی ذاتی مصلحتوں اور دنیوی مناصب اور عہدوں کی لالچ میں آپ پر بہتان طرازی کی ہے۔ انہوں نے اپنی مصلحتوں کی خاطر دروغ گوئی سے کام لیا ہے یا آپ

کی ذات سے امت مسلمہ کو متنفّر کرنے کا پروپیگنڈہ کیا ہے۔ اسی طرح ان کے بعد ان کے تبعین نے ان کی اندھی تھلید کرتے ہوئے بغیر کسی تحقیق اور تنقیح کے ان کے اقوال و آراء اور اقتباسات نقل کرنے پر اکتفا کیا ہے۔ امانت علمیہ کا تقاضہ تو یہ تھا کہ کم از کم شیخ رحمہ اللہ کی کتابوں، آپ کی تحریروں اور آپ کے اقوال و آراء اور آپ کی کتابوں کی طرف رجوع کیا جاتا تا کہ حق کھل کر سامنے آجاتا۔ باطل اور دروغ گوئی کا قلع قمع ہو جاتا اور اس جعلی پروپیگنڈے کا ازالہ ہو جاتا جس کو اس عظیم مصلح کی پیشانی پر تھوپنے کی ناکام کوشش کی گئی ہے۔ کیونکہ دوسروں کے اقوال و آراء اور معتقدات کو پرکھنے اور جانچنے کا یہی حقیقی معیار اور کھری کسوٹی ہے۔ اس لئے میرا آپ رحمہ اللہ کے مخالفین سے یہ کہنا ہے کہ شیخ رحمہ اللہ کی تحریروں اور کتابیں ہمارے لئے حکم عدل ہیں۔ آئیے ہم آپ رحمہ اللہ کی کتابوں کا مطالعہ کریں اگر وہ حق کے مطابق ہیں تو ہم بالاتفاق اسے قبول کر لیں اور اگر وہ حق و صداقت کے مخالف ہیں تو ہم سب مل کر اس کو دیوار پردے مارنے کے لئے تیار ہیں۔

نبی اکرم ﷺ کے اہل بیت کے بارے میں فضیلۃ الشیخ رحمہ اللہ کے اقوال اور آپ کی آراء نقل کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم اس اشکال کا بھی ازالہ کر دیں جو بعض بھائیوں کے گوشہ دماغ میں گردش کر رہا ہوگا۔ وہ یہ کہ (شیخ موصوف رحمہ اللہ) نے اہل بیت کے بارے میں یا ان کے فضائل و مناقب اور ان کی قدر و منزلت کے بارے میں کوئی مستقل تصنیف و تالیف کیوں نہیں چھوڑی ہے؟ تو اس کا جواب دیتے ہوئے ہم یہ کہنا چاہیں گے کہ:

..... ہمارے شیخ رحمہ اللہ کا دور ہی ایسا دور تھا جس میں شرک اور بدعات کا دور دورہ تھا۔ کتاب اللہ و سنت رسول اللہ ﷺ سے دوری کی وجہ سے لوگوں میں سے کوئی غیر اللہ سے دعا کرتا ہوا نظر آتا تھا تو کوئی اولیاء و صالحین سے استغاثہ اور مدد طلب کرتا ہوا دکھائی دیتا تھا۔ کوئی قبروں کی بندگی کرتا ہوا نظر آتا تھا تو کوئی قبوں کی۔ آج کی طرح چونکہ اس زمانے میں اہل بیت سے بغض و عداوت کا بازار گرم نہ تھا، اس لئے آپ نے چونکہ

اپنے زمانے کے لوگوں کو حقیقت توحید کی معرفت سے کوسوں دور پایا تھا اور شرک و مشرکین کی دسیسہ کاریوں سے انہیں نابلد محسوس کیا تھا، اس لئے آپ نے اپنے زمانے کا لحاظ کرتے ہوئے قلم اٹھایا اور اس دور کے فتنے کا منہ توڑ جواب دیا۔

۲..... چونکہ ہمارے شیخ کا تعلق اہل سنت سے ہے اور اہل سنت حقوق اہل بیت کا پاس و لحاظ رکھتے ہیں۔ اپنی کتابوں میں ان کے فضائل و مناقب کا جا بجا تذکرہ کرتے ہیں اور ائمہ اہل بیت کے اقوال کو بطور استدلال پیش کرتے ہیں۔ چنانچہ صحیحین اور اسی طرح سنن و مسانید میں فضائل اہل بیت کے بارے میں خاطر خواہ تذکرہ موجود ہے ایسے ہی فضائل صحابہ رضی اللہ عنہم کے سلسلہ کی کتابوں میں اہل بیت کا بھرپور تذکرہ پایا جاتا ہے۔ یہی وہ کتابیں ہیں جو صحیح عقیدہ بیان کرنے کے سلسلے میں شیخ رحمہ اللہ کا مرجع و ماخذ ہیں۔ کیونکہ انہیں کتابوں سے اخذ کر کے آپ نے صحیح اور مستند انداز میں عقیدہ صحیحہ کی ترویج و اشاعت کی ہے۔

اس توضیح کے بعد ہم مزید تفصیل میں جائے بغیر اپنے موضوع کی طرف آتے ہیں اس سلسلہ میں ہمارا مطمح نظر یہ ہے کہ ہم شیخ موصوف کی اہل بیت سے محبت اور ان کے لئے آپ کے دل میں پائی جانے والی تعظیم و توقیر کا تذکرہ خود شیخ موصوف ہی کے اقوال و اقتباسات سے فراہم کریں۔ اس لئے ہم نے اس سلسلہ میں ہر باب کے لیے مناسب عنوان کا انتخاب کیا ہے تاکہ قارئین کرام کے لئے ہر عنوان کے تحت دیئے گئے دلائل کا فہم و ادراک آسان ہو جائے اور ان کے لئے منتشر افکار کو یکجا اور مرتب کرنا آسان ہو جائے۔



شیخ موصوف رحمہ اللہ کا اپنی اولاد کے ناموں کو اہل بیت رضی اللہ عنہم کے ناموں سے موسوم کرنا

اس بات میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ ہر عقل مند اپنی اولاد کے نام انہیں اشخاص کے ناموں پر رکھتا ہے جن سے وہ محبت کرتا ہے یا جس سے اس کو قلبی تعلق اور لگاؤ ہوتا ہے۔ یہ بھی واضح ہے کہ ہم میں سے کوئی شخص اپنی اولاد کو اپنے دشمنوں اور مخالفین کے ناموں سے موسوم کرنا کسی صورت میں گوارا نہیں کرتا۔

اسی لئے شیخ رحمہ اللہ نے اپنے بڑے بیٹے کا نام علی رکھا تھا۔ اپنی بیٹی کو فاطمہ کے نام سے موسوم کیا تھا۔ اس کے علاوہ آپ نے اپنے دیگر دو بیٹوں کو حسن و حسین کے نام سے موسوم کر کے اہل بیت سے محبت کا ثبوت پیش کیا۔ اس سلسلہ میں دارالافتاء کی طباعت شدہ شیخ رحمہ اللہ کی کتاب۔ الدرر السنیہ ۱۲/۱۹ کے پہلے ایڈیشن کا مطالعہ فرمائیں۔ اسی طرح د/باسم کی ”علماء نجد“ نامی کتاب ۱/۱۵۵ کا مراجعہ کریں۔ مذکورہ سارے اسماء مبارکہ کس قدر بہترین نام ہیں اور کس قدر بہترین ان کے مسکنی بہ ہیں۔^①

① مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم یہاں پر اپنی اولاد کے نام رکھنے کے سلسلہ میں مختصر اہل بیت کے تعامل کا تذکرہ کر کے لوگوں کو روشناس کراتے چلیں۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ۔ نہ اپنے تین بیٹوں کے نام خلفاء راشدین کے ناموں پر رکھے تھے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ، عمر رضی اللہ عنہ، عثمان رضی اللہ عنہ آپ اپنے بیٹوں کے نام اس نام پر کیوں نہ رکھتے۔ کیونکہ اخوت اسلامی کا تقاضہ یہی تھا۔ اس کے علاوہ یہ لوگ آپس میں رشتہ دار بھی تھے اور ایک دوسرے سے بھائی چارگی، دوستی، اخوت و الفت، محبت و مودت کا معاملہ رکھتے تھے۔ جیسا کہ قرآن کریم نے بیان کیا ہے۔ اس لئے بھی کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے سر ہیں۔ اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی رسول اللہ کے سر ہیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیوہ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے شادی کر لی تھی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی بیٹی ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی شادی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کر دی تھی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے نکاح میں نبی کریم ﷺ کی

کیا حقیقت کے اس انکشاف کے بعد بھی کسی شخص کو زریب دیتا ہے کہ وہ شیخ موصوف کی شان میں زبان درازی کرتے ہوئے یہ کہنے کی جرات کرے کہ محمد بن عبدالوہاب رحمۃ اللہ تعوذ باللہ اہل بیت سے بغض رکھتے تھے۔



◀ ▶ دو بیٹیاں یعنی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی دو بہنیں تھیں۔ اس کے بعد جناب حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے کا نام حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نام پر عمر رکھا اور کیوں نہ رکھے؟ کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کے بہنوئی نہیں تھے؟ اگر انہوں نے اپنے بیٹے کو اس نام سے منسوب کیا تو اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں۔ بلکہ یہ تو ان کی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے محبت اور قلبی تعلق کی واضح دلیل ہے۔ یہی چیز تمام صحابہ کرام کی عادتوں میں رچی بسی ہوئی تھی کہ آپس میں تعلق قلبی اور محبت و الفت اور انس و لگاؤ رکھتے تھے۔ گویا کہ دو جان ایک قالب تھے۔ ان کی آپسی اخوت و بھائی چارگی اپنی مثال آپ تھی۔ اسی محبت اور قلبی لگاؤ کا تقاضہ تھا کہ شیخ رحمۃ اللہ نے اپنے بیٹوں کے نام اہل بیت رضی اللہ عنہم کے ناموں سے موسوم کئے تھے۔ مجھے افسوس ہے ان لوگوں کی اندھی عقلوں پر جو شیخ رحمۃ اللہ پر محبت اہل بیت کے بارے میں بہتان بازی سے کام لیتے ہیں۔ ان پر الزام تراشی کرتے ہوئے ان کو اہل بیت سے بغض رکھنے والا اشار کرتے ہیں۔ یہ ان کی خام خیالی ہے ورنہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ جیسا کہ شیخ رحمۃ اللہ کے اقوال افعال اور اعمال سے ظاہر ہے۔

اہل بیت رضی اللہ عنہم وہ لوگ ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے ہر قسم کی گندگی کو دور کر دیا ہے

شیخ رحمہ اللہ کا تزکیہ اہل بیت رضی اللہ عنہم میں وہی عقیدہ ہے جو اہل سنت و الجماعت کا ہے اور اس کی بنیاد اور اساس قرآن و سنت ہے۔ شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب مجموع المؤلفات (کتاب الطہارۃ ۱/ ۵) میں تحریر فرماتے ہیں:

طہارت بول کر کبھی تو نجاست عینیہ سے پاکی مراد لی جاتی ہے اور کبھی اعمال خبیثہ کی آلودگی سے پاکی مقصود ہوتی ہے۔ کبھی اس چیز کا ازالہ مقصود ہوتا ہے جو عبادت الہی کے لئے مانع ہے۔
..... ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَيَسَّابِكَ فَطَهَّرْ﴾ (المدثر: ۴) مراد یہ ہے کہ اپنے کپڑے پاک رکھا کرو طہارت کی پہلی قسم کے بارے میں دلیل یہ آیت ہے۔

۲..... اور طہارت کی دوسری قسم کے بارے میں یہ آیت دلیل ہے:

﴿إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا﴾ (الاحزاب: ۳۳)

”اے نبی کی گھر والیو! اللہ تعالیٰ یہی چاہتا ہے کہ وہ تم سے ہر قسم کی گندگی دور کر دے اور تمہیں پاک صاف کر دے۔“

۳..... اور طہارت کی تیسری قسم کے لئے یہ آیت دلیل ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا﴾ (المائدہ: ۶)

”اور اگر تم حالت جنابت میں ہو تو غسل کرو“

اس باب میں شیخ رحمہ اللہ نے آیت تطہیر سے مراد یہ لیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل بیت کو اعمال خبیثہ کی آلودگی سے پاک و صاف رکھا ہے اور اس معنی کی تاکید آپ کے مذکورہ رسالہ میں لکھے ہوئے خطبہ میں، اس بیان سے ہوتی ہے جس کو آپ نے نبی کریم ﷺ پر درود و سلام بھیجنے کے ذکر کے سیاق میں لکھا ہے۔ اس میں آپ نے اوصاف بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے ((اذھب اللہ عنھم الرجس و طھرھم تطھیراً))..... ”اللہ تعالیٰ نے اہل بیت سے ہر قسم کی گندگی کو دور کر دیا ہے اور انہیں پاک و صاف کر دیا ہے۔“

شیخ رحمہ اللہ اہل بیت کے بارے میں دو ٹوک واضح اور صاف و شفاف عقیدہ رکھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل بیت کو آلودگی سے منزہ فرمادیا تھا اور ان کو اخلاق ذمیمہ سے پاک کر دیا تھا۔ اسی لئے اچھے کام کرنا اہل بیت کا شیوہ تھا اور مذموم افعال سے کنارہ کشی ان کی فطرت تھی۔ تو پتہ یہ چلا کہ ہمارے شیخ رحمہ اللہ اہل بیت کو سرچشمہ مناقب اور منبع فضائل گردانتے تھے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ اہل بیت عزت و شرف کی اوج تریا پر فائز ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کو ہر طرح کی گندگی اور آلودگی سے پاک و صاف بنایا تھا۔ یہ ہے ہمارے شیخ محترم کا اہل بیت کے بارے میں دو ٹوک عقیدہ۔ ہمیں حیرت ہے کہ لوگ کس منہ سے شیخ رحمہ اللہ کو اہل بیت کے بارے میں مورد الزام ٹھہراتے ہیں اور ان کی شان میں تہمت طرازیں کرتے ہیں؟



کتاب اللہ اور اہل بیت رضی اللہ عنہم کے بارے میں گراں قدر وصیت کا بیان

شیخ رحمہ اللہ اپنی مشہور کتاب فضل الاسلام ۱/۲۵۶ باب الوصیۃ بکتاب اللہ عزوجل میں یوں رقمطراز ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اتَّبِعُوا مَا أَنْزَلَ إِلَيْكُم مِّن رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا مِن دُونِهِ أَوْلِيَاءَ قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ﴾ (الاعراف: ۳)

”تم لوگ اس کا اتباع کرو جو تمہارے رب کی طرف سے آئی ہے (مراد یہ ہے کہ تم قرآن و سنت کا اتباع کرو) اور اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر من گھڑت سرپرستوں کی اتباع مت کرو۔ تم لوگ بہت کم ہی نصیحت پکڑتے ہو۔“

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ خطبہ دیتے ہوئے اللہ کی حمد و ثناء بیان کی پھر فرمایا: ”اے لوگو! میں بھی تمہارے جیسا انسان ہوں۔ ہو سکتا ہے میرے رب کا فرشتہ میری رخصتی کا پروانہ لے کر آجائے اور میں اپنے رب کریم کے بلاوے پر لبیک کہہ دوں۔ میں تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑ جا رہا ہوں۔ ایک تو کتاب اللہ ہے جس میں ہدایت اور نور ہے۔ اس لئے کتاب اللہ کو لے لو اور اس پر مضبوطی سے جم جاؤ۔ پھر کتاب اللہ پر عمل کی طرف توجہ مبذول کرائی اور اس پر مضبوطی سے جمے رہنے کی ترغیب دی۔ اس کے بعد فرمایا کہ میں تمہارے درمیان اپنے اہل بیت رضی اللہ عنہم کو چھوڑ کر جا رہا ہوں اور ان کے بارے میں تم کو اللہ کا واسطہ دیتا ہوں کہ ان کا پاس و لحاظ رکھنا۔ اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”کتاب اللہ گویا کہ اللہ کی

مضبوط رہی ہے جس نے اس کو مضبوطی سے پکڑ لیا اور اس کی اتباع اور پیروی کرتے ہوئے اس پر عمل پیرا ہوا تو سیدھے راستے کی طرف رہنمائی پا گیا اور جس نے اس کو پس پشت ڈال دیا اور اس پر عمل کرنا چھوڑ دیا تو گمراہی اور بے راہ روی اس کا مقدر بن گئی۔ [رواہ مسلم]

اسی طرح شیخ رحمہ اللہ کتاب (فضائل القرآن) میں [۱/۲۲] پر (باب من ابتغی الهدی من غیر القرآن) کے ضمن میں تمہید باندھتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے اس قول سے استدلال کرتے ہیں ﴿وَمَنْ يَعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمَنِ نُقَيِّضْ لَهُ شَيْطَانًا فَهُوَ لَهُ قَرِينٌ﴾ (الزخرف: ۳۶) ”اور جو شخص رحمن کی نصیحت سے اندھا بن جائے، ہم اس کے لیے ایک شیطان مقرر کر دیتے ہیں، پھر وہ اس کے ساتھ رہنے والا ہوتا ہے۔“ یہ اور اس کے بعد والی آیت اسی سیاق میں آئی ہے۔ اس کے بعد شیخ رحمہ اللہ نے دوسری آیت سے بھی اس جگہ استدلال فرمایا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ ط﴾ (النحل: ۸۹)

اس کے بعد اپنی بات کو مزید مستحکم کرنے کے لئے مذکورہ حدیث سے استدلال کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: ایک دن نبی کریم ﷺ خم نامی چشمہ پر جو کہ مکہ و مدینہ کے مابین جھہ کے قریب ہے وعظ و ارشاد کی غرض سے تشریف لائے اور حمد و ثناء کے بعد ارشاد فرمایا۔

اے لوگو! میں بھی تمہارے جیسا ہی ایک انسان ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ میرے رب کا فرشتہ میری رخصتی کا پروانہ لے کر آجائے اور میں اپنے رب کے بلاوے پر رب کریم سے ملاقات کی غرض سے لیک کہہ دوں۔ میں تمہارے درمیان دو عظیم چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں۔ ان میں ایک تو کتاب اللہ ہے جس میں نور ہی نور ہے۔ اس لئے کتاب اللہ کو لے لو اور اسے مضبوطی سے پکڑ لو۔ پھر کتاب اللہ پر عمل کی توجہ دلائی اور اس کو مضبوطی سے پکڑے رہنے کی ترغیب دی۔ اس کے بعد فرمایا: میں تمہارے درمیان اپنے اہل بیت رضی اللہ عنہم کو چھوڑ کر جا رہا

ہوں۔ اس لئے میں اپنے اہل بیت کے بارے میں تم کو اللہ کا واسطہ دیتا ہوں۔ اللہ کے واسطے ان کا پاس و لحاظ رکھنا۔^①

شیخ موصوف رحمہ اللہ کے بیان سے یہ بات عیاں ہو کر سامنے آ جاتی ہے کہ شیخ محترم کے نزدیک قرآن کریم اور اہل بیت کے بارے میں اللہ کے رسول ﷺ کی وصیت کا بڑا پاس و لحاظ تھا۔ اسی لئے آپ نے اس کو اپنی کتاب میں شہ سرخیوں میں جگہ دی ہے اور اس کے ضمن میں اہل بیت رضی اللہ عنہم کے بارے میں اللہ کے رسول ﷺ کی وصیت کا تذکرہ کیا ہے۔ یہ چیز شیخ رحمہ اللہ کی اہل بیت کے بارے میں صحیح سوچ اور صحیح فہم کی بھرپور غمازی کرتی ہے۔ اس میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ نبی ﷺ کے اہل بیت کے نقش قدم کی اتباع شرعاً مطلوب ہے، اگر وہ قرآن و سنت کے موافق ہے تو۔ کیونکہ اہل بیت لوگوں میں سب سے زیادہ قرآن و سنت کی اتباع کرنے والے تھے۔



① صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ، حدیث: ۶۲۲۵۔

حقوق اہل بیت رضی اللہ عنہم

اللہ عزوجل نے اہل ایمان، مسلمانوں پر نبی کریم ﷺ کے اہل بیت رضی اللہ عنہم کے حقوق کو واجب کیا ہے۔ اس لیے کسی بھی مسلمان، مومن کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ ان کے کسی بھی حق کو ساقط کرے۔

شیخ رحمہ اللہ اپنی مشہور کتاب الرسائل الشخصیہ (۱/ ۲۸۴) میں تحریر فرماتے ہیں کہ: جہاں تک سبزلباس پہننے کا مسئلہ ہے تو اس کو زیب تن کرنے کا رواج قدیم زمانے میں تھا۔ اہل بیت اور غیر اہل بیت رضی اللہ عنہم کے درمیان فرق روار کھنے لئے یہ رواج اپنایا گیا تھا تاکہ جو شخص ان سے ناواقف ہو وہ بھی اس نشانی کی وجہ سے انہیں جان لے اور نادانی کی وجہ سے ان پر کہیں ظلم نہ کر بیٹھے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے اہل بیت کے لئے بندوں پر چند حقوق کو لازم قرار دیا ہے۔ چنانچہ اس بارے میں کسی مسلمان کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ ان کو ان کے حق سے محروم کرے اور خوش فہمی میں مبتلا ہو کر یہ سمجھ بیٹھے کہ یہی ہمارے عقیدہ توحید کا تقاضہ ہے۔ نہیں ایسا ہرگز نہیں بلکہ یہی چیز تو دین کے اندر غلو کہلاتی ہے۔ ہم نے غلو کے خطرے کو مد نظر رکھتے ہوئے ہی تو اس سلسلہ میں محتاط انداز اختیار کیا ہے۔ ورنہ ہم بھی اہل بیت کی عزت و احترام اور ان کی توقیر و تعظیم کے قائل ہیں۔ لیکن ہم ان کی تعظیم اور تکریم اس کی حدود تک ہی کرتے ہیں۔ ہم ان کو الوہیت کے مقام پر فائز کرنے کی کوشش نہیں کرتے۔ اسی لئے ہم نے ان کے بارے میں غلو کی مخالفت کر کے ان کے بارے میں الوہیت کے دعوے کی جڑ کاٹ دی ہے۔ یہی وہ راز ہے جس کا اظہار شیخ رحمہ اللہ نے اہل بیت کے بارے میں ظلم و زیادتی اور ان کے حق میں انصافی اور حق تلفی جیسے کلمات کے ذریعہ فرمایا ہے۔ اس بات کی وضاحت کر دی

ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل بیت کے لئے چند حقوق مقرر کیے ہیں۔ چنانچہ اسلامی شریعت کی رو سے کسی مسلمان کو زیب نہیں دیتا کہ وہ اہل بیت سے بغض رکھ کر ان کی شان میں گستاخی یا ان کی عزت و ناموس کے بارے میں ہرزہ سرائی کر کے ان کی حق تلفی کا مرتکب ہو۔

جہاں تک شیخ رحمہ اللہ نے ان کے لئے سبز رنگ کے لباس کی ممانعت فرمائی ہے تو اس سے یہ بات ہرگز لازم نہیں آتی کہ شیخ موصوف رحمہ اللہ اہل بیت کے حقوق شرعیہ کے منکر ہیں یا شیخ کو ان کی شان و شوکت اور قدر و منزلت وغیرہ سے کوئی سروکار نہیں۔ ایسا ہرگز نہیں بلکہ شیخ موصوف رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ اہل بیت کو اس دور میں سبز رنگ کے لباس کی ضرورت نہیں ہے۔ کسی شاعر نے اہل بیت رحمہم کے حق میں کیا خوب کہا ہے:

جَعَلُوا لِأَبْنَاءِ الرَّسُولِ عَلَامَةً إِنَّ الْعَلَامَةَ شَأْنٌ مَنْ لَمْ يُشْهَرَ
نُورُ النَّبُوَّةِ فِي كَرِيمٍ وَجُوهِهِمْ يُغْنِي الشَّرِيفَ عَنِ الطَّرَازِ الْأَخْضَرِ

”انہوں نے آل رسول ﷺ کی مخصوص پہچان بنا رکھی ہے۔ حالانکہ پہچان کی ضرورت غیر معروف لوگوں کو پڑتی ہے۔ اہل بیت کو پہچان کی کیا ضرورت ہے؟ ان کی پہچان کے لئے یہی کافی ہے کہ نور نبوت ان کی پیشانی پر چمک رہا ہوتا ہے۔ ان کے لئے ان کی شرافت کا چولا ہی سبز لباس سے افضل ہے۔ چونکہ وہ عزت و شرف کا لبادہ اوڑھے ہوئے ہیں جس نے ان کو سبز لباس سے مستغنی کر دیا ہے۔“



اہل بیت رضی اللہ عنہم کے مناقب و فضائل

شیخ رحمہ اللہ اپنے ”مجموعہ رسائل“ میں ۱/۳۱۲ رسالہ نمبر ۲۸ میں تحریر فرماتے ہیں کہ: ہم میں سے اور آپ میں سے ہر فرد پر یہ بات واجب ہے کہ وہ اپنے علم سے اللہ تعالیٰ کی رضا کا خواہاں ہو اور اس سے اللہ کے رسول ﷺ کی سنت کی اشاعت و ترویج کا کام لے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْتُكُمْ مِنْ كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنْصُرُنَّهُ﴾

(آل عمران: ۸۱)

”اور جب اللہ تعالیٰ نے نبیوں سے عہد لیا کہ جو کچھ تمہیں کتاب و حکمت دوں پھر تمہارے پاس وہ رسول آئے جو تمہارے پاس کی چیز کو سچ بتائے تو تمہارے لئے اس پر ایمان لانا اور اس کی مدد کرنا ضروری ہے۔“

جب اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام سے یہ عہد و پیمان لیا کہ اگر وہ محمد ﷺ کا زمانہ پائیں تو ان کو نبی کریم ﷺ پر ایمان لانا اور ان کی نصرت و حمایت کرنا ہوگی تو ہم کس زور میں آتے ہیں؟ لہذا ہمارے لئے نبی کریم پر ایمان لانا اور آپ ﷺ کی نصرت و حمایت کرنا ضروری امر ہے۔ ان دونوں میں سے ایک کے ہونے اور دوسرے کے نہ ہونے سے کام نہیں چلے گا۔ اس حکم کی بجا آوری کی ذمہ داری سب سے پہلے اہل بیت رضی اللہ عنہم پر عائد ہوتی ہے کیونکہ یہی وہ لوگ ہیں جن میں سے اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو مبعوث فرمایا ہے اور ان کو بلند مقام و مرتبہ پر فائز فرمایا ہے۔ اہل بیت میں بھی ان لوگوں پر اس کی ذمہ داری دوگنی ہو جاتی ہے جو

آپ ﷺ کی آل و اولاد میں سے ہیں۔“

اس رسالہ میں شیخ رحمہ اللہ نے اس بات کی توضیح کرنا چاہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو مبعوث فرمایا ہے اور آپ ﷺ ہی اہل بیت رضی اللہ عنہم کی اساس اور بنیاد ہیں۔ اسی وجہ سے اہل بیت کو پوری کائنات پر فضیلت حاصل ہے۔ اور اس رسالہ سے یہ بات بھی مترشح ہوتی ہے کہ آپ کے زمانے میں بھی فضیلت کے قبیل کا دعوے دار ایک گروہ موجود تھا۔ اسی لئے شیخ محترم نے اپنے اس رسالہ میں بالخصوص اہل بیت کو مخاطب کیا ہے اور اس بات سے اس اشکال کی بھی تردید ہوگئی جو کہ آپ کے مخالفین نے آپ کے سر تھوپی ہے کہ آپ رحمہ اللہ اہل بیت کے وجود کے منکر ہیں۔ آپ رحمہ اللہ کا خیال ہے کہ نبی کریم ﷺ کا نسب منقطع ہو چکا ہے۔

ہر نماز میں رسول اللہ ﷺ اور اہل بیت پر درود بھیجنا واجب ہے:

شیخ رحمہ اللہ کے تحریر کردہ (شروط الصلاة و اركانها و واجباتها ۱ / ۱۱) نامی رسالہ میں خصوصاً اور آپ رحمہ اللہ کے اکثر و بیشتر رسائل میں درود ابراہیمی کے ذکر کے ضمن میں عموماً اس درود کی نشاندہی ملتی ہے۔

((اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ))

”اے اللہ محمد ﷺ اور ان کی آل و اولاد پر رحمت کاملہ نازل فرما۔ ٹھیک اس طرح جس طرح تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آل و اولاد پر نازل فرمائی تھی۔ بلاشبہ تیری ذات صفت حمد سے متصف ہے اور تو ہی بڑائی و بزرگی اور مجد و شرف والا ہے۔“

اس طرح آپ رحمہ اللہ کے ایک کتابچے میں (آداب المشی الی الصلاة) کے عنوان کے تحت درود ابراہیمی کی مشروع کیفیت بیان کرنے کے ضمن میں درود کا صیغہ یوں وارد ہوا

ہے جس کو شیخ رحمہ اللہ نے (باب صفة الصلاة ۱ / ۱۰) سے موسوم کیا ہے اور شیخ رحمہ اللہ نے اس میں درود ابراہیمی کو من و عن یوں نقل فرمایا ہے۔

((اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ، وَبَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ.))

”اے اللہ محمد ﷺ اور ان کی آل و اولاد پر رحمت کاملہ نازل فرمائیں اس طرح جس طرح تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آل و اولاد پر رحمت نازل فرمائی تھی۔ بلاشبہ تیری ذات صفت حمد سے متصف ہے اور تو ہی بڑائی و بزرگی والا ہے۔ اور اے اللہ محمد ﷺ اور ان کی آل و اولاد پر اپنی خیر و برکت کی برکھا برسا دے ٹھیک اس طرح جس طرح تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر برسائی تھی۔ بے شک تیری ذات حمد و ستائش کی مستحق ہے اور تو ہی بڑائی و بزرگی والا ہے۔“

مراد یہ کہ نبی کریم ﷺ پر درود بھیجنے کے لئے بہتر سے بہتر صیغہ استعمال کیا جائے گا۔ اور جیسا کہ ہم جانتے ہیں: درود ابراہیمی دراصل دعاء ہے اور ہم میں سے ہر مسلمان جانتا ہے کہ یہ دعاء نماز کے ارکان میں سے ایک اہم رکن ہے۔ اس کے بغیر ہماری نماز درست نہیں ہوتی۔ شیخ موصوف رحمہ اللہ کا عقیدہ بھی یہی ہے جو اہل سنت کے مذہب کے عین مطابق ہے۔

اہل بیت کا حق دوستی:

نبی مکرم ﷺ کے آل بیت رضی اللہ عنہم کے امت پر ایک ایسا حق ہے کہ اس حق میں ان کے ساتھ کوئی دوسرا شریک نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح وہ دوسروں کی نسبت محبت و موالات کا حق زیادہ رکھتے ہیں کہ جو ان کے علاوہ کوئی دوسرا حق نہیں رکھتا۔

فضیلۃ الشیخ محمد بن عبد الوہاب رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ”امت مسلمہ پر اہل بیت کی طرف سے

بلا شرکت غیرے چند حقوق عائد ہوتے ہیں۔ ان میں سے ایک حق یہ ہے کہ ہم ان سے محبت و بھائی چارگی اور تعلق قلبی کا معاملہ رکھیں۔ ان کا اعزاز و اکرام کریں اور ان سے انس و محبت کی روش اختیار کریں۔ اس کے ساتھ ساتھ اہل بیت سارے قبیلہ قریش میں اتنی عزت و توقیر کا استحقاق رکھتے ہیں کہ قبیلہ قریش کے دیگر لوگوں کو جس کا استحقاق نہیں۔ اسی طرح قبیلہ قریش کے ہم پر جو حقوق عائد ہوتے ہیں دیگر قبائل کو اس کا استحقاق نہیں پہنچتا۔ جیسا کہ عربوں کو سارے عالم پر جو حقوق حاصل ہیں وہ تمام بنی نوع انسانی کے لوگوں کے ایک دوسرے پر عائد حقوق میں اپنی نوعیت میں منفرد ہیں۔ پھر فرمایا کہ قبیلہ بنی ہاشم سے نبی کریم ﷺ کی نسبت ہونے کی وجہ سے قبیلہ قریش کے کسی فرد کی بنو ہاشم کے مقام تک رسائی نہیں ہو سکتی اور قبیلہ قریش سے خلفاء راشدین کے خاندانی تعلق کی وجہ سے عربوں میں سے کوئی فرد اس مقام تک نہیں پہنچ سکتا۔ سابقین اولین کا عربوں میں ہونا اس بات کی ضمانت ہے کہ بنی نوع انسانی میں کوئی ان کا مثل نہیں۔“ (دیکھئے: آپ کی کتاب ”المسائل“ ص ۵۱)

جناب شیخ رحمہ اللہ کا اہل بیت اور آپ ﷺ کے رشتہ داروں و قرابت داروں کے بارے میں مختصر آئیہ عقیدہ تھا۔ خلاصہ یہ کہ شیخ رحمہ اللہ اپنی تحریر میں یہ بیان کرتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ امت مسلمہ پر اہل بیت کے بلا شرکت غیرے چند واجب حقوق ہیں اور اہل بیت ہماری جانب سے زیادہ سے زیادہ محبت و الفت، بھائی چارگی و اخوت اور تعلق قلبی کے مستحق ہیں۔

یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا

ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں؟

سیدنا علی رضی اللہ عنہ چوتھے خلیفہ راشد ہیں:

شیخ محترم رحمہ اللہ اپنی کتاب ”المسائل“ میں الرسالة الاولیٰ (۱۰/۱) کے عنوان

سے تحریر فرماتے ہیں:

”ہمارا ایمان ہے کہ ہمارے نبی محمد ﷺ آخری نبی اور خاتم المرسلین ہیں۔ آپ ﷺ

کی ذات پر نبوت اور رسالت ختم ہوگئی۔ آپ کے بعد اب کوئی نبی یا رسول آنے والا نہیں۔ اور بندے کا ایمان اس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ آپ ﷺ کی رسالت اور نبوت کا اقرار نہ کر لے۔ آپ ﷺ کی امت میں بالا جماع سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ سب سے افضل ہیں۔ اس کے بعد بالترتیب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ پھر حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ پھر حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہیں۔ خلفاء راشدین کے بعد مرتبہ کے لحاظ سے عشرہ مبشرہ رضی اللہ عنہم تمام صحابہ کرام میں افضل و اشرف ہیں۔“

مذکورہ پیرا گراف سے یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ شیخ رحمہ اللہ کے نزدیک سیدنا علی رضی اللہ عنہ چوتھے خلیفہ راشد ہیں۔ ان کو مرتضیٰ کے لقب سے موسوم کیا جاتا ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا امت کے اکابرین فضلاء اور معزز و مکرم لوگوں میں شمار ہوتا ہے۔



یوم عاشورا کو رونما ہونے والے

المناک واقعہ کا بیان

یوم عاشوراء کو امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا جانکاہ حادثہ پیش آیا۔ حقیقت میں یہ اللہ عزوجل کی طرف سے آپ رضی اللہ عنہ کے حق میں تعظیم و تکریم کی خلعت تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے ذریعے آپ رضی اللہ عنہ کی تاج پوشی فرمائی۔ گویا کہ آپ رضی اللہ عنہ کے لئے یہ چیز باعث سعادت بنی جس سے آپ کو نوازا گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے آپ رضی اللہ عنہ کو بلند مقام پر فائز کرنا چاہتا تھا اور آپ رضی اللہ عنہ کو اہل بیت کے شایان شان بلند مرتبہ عطا کرنا چاہتا تھا۔

فضیلۃ الشیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ نے رافضیوں کے رد میں لکھے گئے اپنے رسالہ الرد علی الرافضہ ۱/ ۴۸ میں، شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور ان کے شاگرد رشید علامہ ابن القیم رحمہ اللہ نے امت مسلمہ کو اس موقع پر جو صبر کی تلقین اور اس جانکاہ حادثہ اور قتل کی اس بدترین سازش کے بارے میں نوحہ کرنے کے بارے میں جو صراحت کی ہے، اس سلسلہ میں شیخین کا کلام نقل کرتے ہوئے، تحریر فرمایا ہے کہ: شیخ الاسلام ابن تیمیہ حنبلی حرانی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں سب سے پہلے ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو اپنی توفیق سے بہرہ ور فرمائے۔ اس کے بعد امت مسلمہ کو پتہ ہونا چاہئے کہ یوم عاشوراء کو امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا جو جانکاہ حادثہ پیش آیا درحقیقت یہ اللہ کی طرف سے آپ رضی اللہ عنہ کی تعظیم و تکریم تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے ذریعے آپ رضی اللہ عنہ کی عزت افزائی فرمائی ہے اور یہ حادثہ آپ رضی اللہ عنہ کے لئے سعادت مندی اور نیک بختی کا پیش خیمہ ہے۔ جس سے اللہ تعالیٰ نے آپ رضی اللہ عنہ کو نوازا ہے۔ مراد یہ کہ

یہ شہادت آپ کے لئے رب کریم کے حضور بلندی درجات کا سبب ہے۔ جس سے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اہل بیت کے شایان شان بلند مرتبہ سے نوازا چاہا ہے۔ اسی طرح اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ جس نے آپ ﷺ پر ظلم و زیادتی کی اللہ تعالیٰ نے اس کو رسوائی اور پسپائی کے گڑھے میں دھکیل دیا۔ یہی وجہ ہے کہ نبی کریم ﷺ سے جب سوال کیا گیا کہ اے اللہ کے رسول! لوگوں میں سب سے زیادہ آزمائشوں کا شکار کون لوگ ہوا کرتے ہیں؟ تو آپ ﷺ نے جواب دیا: ”لوگوں میں سب سے زیادہ انبیاء علیہم السلام آزمائشوں کا نشانہ بنتے ہیں۔ اس کے بعد صالحین اور اللہ والے آزمائے جاتے ہیں۔ پھر ان میں سے دین میں افضل سے افضل ترین اپنے مرتبہ کے اعتبار سے آزمائے جاتے ہیں۔ جو شخص دین میں جتنا پختہ اور پکا ہوتا ہے اتنی ہی اس کی آزمائش بھی سخت ہوتی ہے اور جتنی اس کے دین میں کمزوری ہوتی ہے اتنی ہی اس کی آزمائش خفیف اور ہلکی ہوتی ہے۔ بندہ مومن پیہم آزمائشوں اور مصیبتوں کا نشانہ بنا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ زمین پر چلتا ہے اور اس کے ذمہ ایک گناہ بھی نہیں ہوتا۔“^①

چنانچہ جب یوم عاشوراء آئے اور اس دن ایک مومن انسان کو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے جانگاہ حادثہ کا خیال آجائے تو فوراً: اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُونَ پڑھے یہ اس لئے کہ مصیبت کے وقت اللہ تعالیٰ نے اس کے پڑھنے کا حکم دیا ہے تاکہ بندہ اللہ کی طرف سے مقرر کردہ اجر و ثواب کا مستحق قرار پائے۔ کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے

﴿اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۗ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ ﴿۱۵۷﴾

(البقرة: ۱۵۷)

”یہ لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی طرف سے کئی مہربانیاں اور بڑی رحمت ہے اور یہی لوگ ہدایت پانے والے ہیں۔“

اللہ تعالیٰ نے صبر کرنے والوں سے وعدہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ:

① جامع الترمذی، کتاب الزہد، حدیث: ۲۳۹۸۔ حسن صحیح.

﴿إِنَّمَا يُوفَى الصَّابِرُونَ أَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾ (الزمر: ۱۰)

”بلاشبہ صبر کرنے والوں کو بغیر حساب کتاب کے پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔“

اور ابتلاء و آزمائش سے دوچار شخص کے ذہن میں اگر یہ بات موجود رہے کہ یہ ابتلاء اور آزمائش من جانب اللہ ہے تو اس کے غم و اندوہ دور ہو جائیں گے اور مصائب و آلام کا فورہ ہو جائیں گے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا﴾ (الطور: ۴۸)

”تو آپ اپنے رب کے حکم کے انتظار میں صبر سے کام لیں بلاشبہ آپ ہماری

آنکھوں کے سامنے ہیں۔“

عقل مند کے لئے ضروری ہے کہ مصیبت اور ابتلاء کے وقت اس بات کو ضرور یاد رکھے کہ اگر اس نے اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کی رضا کو اپنے دل میں بٹھالیا تو دنیا کے سارے مصائب و آلام اور ساری صعوبتیں اور مشکلیں خود بخود دور ہوتی چلی جائیں گی۔ دنیا کی بلاؤں سے نجات مل جائے گی۔ نیز اللہ تعالیٰ نے اس کے مقدر میں جو مصائب و آلام لکھ دیئے ہیں اس پر اس کو خود بخود صبر آ جائے گا اور اگر اسے کوئی مصیبت بھی آ جائے تو اسے برداشت کرنا اس کے لئے آسان ہو جائے گا۔

ایسا شخص جو ان باتوں کو یاد رکھے گا وہ یوم عاشوراء کو اپنا دن حتی الامکان اللہ کی اطاعت و فرمانبرداری اور نیک اعمال کی انجام دہی میں گزارے گا۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے یوم عاشوراء کے روزے کی ترغیب دی ہے۔ لہذا اس دن کو روزے اور اطاعت کے کاموں میں گزارنا سنت ہے۔ بہر حال جو اپنے اوقات کو مختلف قسم کے نیکی کے کاموں میں گزارے گا ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ کو اس کی کوئی نیکی پسند آ جائے اور اس کو بھی نیکو کاروں کے زمرے میں شامل کر لیا جائے۔

اس کے بعد شیخ رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں: شیعوں نے ایک دوسرے کی مخالفت میں ان

رسوم و رواج کی داغ بیل ڈالی ہے۔ ان کے دو فریقوں میں سے ایک نے اس دن کو یوم عید قرار دے دیا اور اس دن خوشی و شادمانی اور سرور و نشاط کو اپنا شعار بنا لیا۔ یہی وہ لوگ ہیں جو فرقہ نواصب سے تعلق رکھتے ہیں۔ انہوں نے یہ رویہ جگر گوشہ رسول سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اور اہل بیت رضی اللہ عنہم سے بغض و کینہ رکھنے کی وجہ سے اپنایا ہے۔ یہ جاہلوں کا وہ ٹولہ ہے جو فساد اور بدعت پھیلانے کے درپے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اس دن زیب و زینت، میک اپ، خضاب لگانا، نئے کپڑے زیب تن کرنا، سرمہ لگانا، اس دن لنگر تقسیم کرنا، سبیل لگوانا اور شربت تقسیم کروانا اور اس قسم کی مخصوص رسوم کو رواج دیا ہے۔ وہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ ایسا کرنا سنت اور شریعت کی رو سے مطلوب ہے۔ اس سلسلہ میں ہمارا (اہل سنت والجماعت) کا عقیدہ یہ ہے کہ یہ اور اس طرح کے تمام رسم و رواج کا اس دن کرنا کسی صورت میں جائز نہیں۔ کیونکہ اس بارے میں کسی قسم کی نص کا ثبوت نہیں ملتا جس سے اس کی تائید ہوتی ہو۔ چنانچہ شیخ رحمہ اللہ نے یہ کہتے ہوئے اپنے کلام کو ختم کیا ہے کہ:

”ان مذکورہ لوگوں نے اپنی جہالت کی وجہ سے یوم عاشوراء کو خوشی اور تہوار کا بنا لیا ہے اور اس دن وہی افعال کرنا شروع کردئے ہیں جو کہ خوشی اور تہوار کے موقعوں پر کیے جاتے ہیں۔ جب کہ دوسرے گروہ نے یوم عاشوراء کو ماتم کا دن قرار دیا ہے۔ اس دن وہ نوحہ خوانی اور ماتم کرتے ہیں۔ ہمارا کہنا یہ ہے کہ دونوں فرقے سنت سے خارج ہیں اور صریح جرم کے مرتکب ہیں۔“

امام ابن قیم رحمہ اللہ اس مسئلہ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ”یوم عاشوراء کو خصوصاً میک اپ کرنا، سرمہ لگانا، بالوں میں کلر کروانا، اور سینٹ یا خوشبو استعمال کرنا جھوٹے اور مکار لوگوں کا طریقہ ہے۔ اس کے بالمقابل دوسرے گروہ نے اس دن اپنا وطیرہ بنا رکھا ہے کہ وہ اس دن سوگ اور غم مناتے ہیں۔ نوحہ و ماتم کرتے اور سینہ کو بی کرتے اور گریبان چاک کرتے ہیں۔ علامہ رحمہ اللہ ان دونوں گروہوں کے بارے میں وضاحت کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ

دونوں گروہ بدعت کی آلودگی سے ملوث ہیں اور سنت کے صریح مخالف ہیں۔“

اہل بیت کے بارے میں شیخ رحمہ اللہ کا موقف اور منج یہ ہے کہ آپ رحمہ اللہ نے اہل بیت رضی اللہ عنہم صحابین کے جاننا واقعہ کے بارے میں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ سے ماخوذ مستند طریقہ پر اہل علم کا موقف بیان کر کے حق کی طرف رہنمائی کی کامیاب کوشش کی ہے۔ جس سے حق واضح ہو کر سامنے آ گیا اور باطل سرنگوں ہو کر خاک آلود ہونے پر مجبور ہو گیا ہے۔

اس کے بعد میں ہر اس شخص کو، جو حق کا متلاشی ہو اہل بیت کے بارے میں دیئے گئے مذکورہ پیرا گراف کو ملاحظہ کرنے کی دعوت دیتا ہوں۔ یہ پیرا گراف ان ائمہ کرام کا ہے جن پر فرقہ روافض سے تعلق رکھنے والے لوگوں نے دروغ گوئی اور تہمت طرازی کرتے ہوئے بہتان باندھا ہے۔ ان کے بارے میں پروپیگنڈہ کیا ہے کہ یہ لوگ اہل بیت سے بغض رکھتے ہیں۔



سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت پر احادیث

شیخ رحمہ اللہ نے سات ہجری میں فتح خیبر کے بارے میں تذکرہ کرتے ہوئے (کتاب التوحید ۱ / ۲۱) میں تحریر فرمایا ہے:

امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ نے حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے نقل فرمایا ہے کہ خیبر کے دن نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”کل میں ایسے شخص کو علم دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرتا ہے، اللہ اور اس کے رسول بھی اس سے محبت کرتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے اسی کے ہاتھ پر فتح و نصرت مقدر فرمادی ہے۔ چنانچہ لوگوں نے اس پس و پیش میں رات گزاری کہ پتہ نہیں کس کو علم عطا کیا جائے گا؟ جو نبی صبح ہوئی صحابہ کرام فرط شوق میں آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان میں سے ہر ایک کی یہی خواہش تھی کہ علم جہاد اس کو مل جائے۔ نبی کریم ﷺ نے دریافت کرتے ہوئے فرمایا: علی رضی اللہ عنہ کہاں ہیں؟ جواب ملا: علی رضی اللہ عنہ آشوب چشم کی شکایت سے دوچار ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے انہیں بلوا بھیجا۔ آپ رضی اللہ عنہ کو لایا گیا۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ نے ان کی آنکھوں میں اپنا لعاب دہن لگا دیا۔ لعاب دہن لگانا تھا کہ آشوب چشم کا عارضہ رفع ہو گیا۔ اور آپ ایسے ہو گئے جیسے کوئی تکلیف تھی ہی نہیں۔ پھر نبی کریم ﷺ نے آپ کو علم عطا فرمایا کہ: لوگوں کی قیادت کرتے ہوئے جب میدان کارزار میں اتر کر آمنے سامنے کی نوبت آجائے تو سب سے پہلے دشمنوں کو اسلام کی دعوت دینا اور انہیں بتلانا کہ ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کیا حقوق عائد ہوتے ہیں۔ اللہ کی قسم! اگر اللہ تعالیٰ تمہاری وجہ سے ایک شخص کو ہدایت دے دے تو یہ تمہارے لئے سرخ اونٹوں سے کہیں بہتر ہے۔

پھر شیخ رحمہ اللہ نے اس حدیث کے فوائد اور اس سے مستنبط مسائل میں سے ۲۱ ویں مسئلہ کے ضمن میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

اسی طرح شیخ نے ایک اور کتابچہ میں یہ تصریح فرمائی ہے کہ یہ حدیث جس میں علم دینے کا قصہ ہے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے مناقب و فضائل میں صحیح ترین روایت ہے۔
حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت پر مبنی دوسری روایت:

شیخ علیہ الرحمہ اپنی کتاب (مختصر زاد المعاد [۱/ ۲۷۶]) میں غزوہ تبوک کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو غزوہ تبوک کے موقع پر نگران مقرر فرمایا تو جناب علی رضی اللہ عنہ نے کہا: ”آپ مجھے بچوں اور عورتوں کے ساتھ چھوڑ کر جا رہے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم کو یہ بات پسند نہیں کہ میری جائشینی میں تمہارا وہی مرتبہ ہو جو حضرت ہارون علیہ السلام کا موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تھا۔ بس فرق اتنا ہے کہ میرے بعد اور کوئی دوسرا نبی آنے والا نہیں ہے۔

یہاں یہ بات واضح ہو گئی کہ شیخ علیہ الرحمہ کے بارے میں ان کے مخالفین کا یہ خیال کہ آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بغض و عداوت رکھتے تھے، سراسر بے بنیاد ہے اگر ایسا ہوتا تو آپ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے فضائل و مناقب اپنی معرکہ الآراء کتاب ”کتاب التوحید“ اور اس کے علاوہ اپنی دوسری کتابوں میں بیان نہ فرماتے۔

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت میں وارو حدیث

شیخ رحمہ اللہ اپنی کتاب (مختصر زاد المعاد [۱/ ۲۹۶]) میں تحریر فرماتے ہیں کہ جب سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نبی کریم ﷺ کے پاس تشریف لائیں تو آپ ﷺ خوشی کے ساتھ والہانہ انداز میں کھڑے ہو جاتے تھے۔ جب آپ ﷺ اپنی بیٹی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے جاتے تو وہ آپ ﷺ کے اعزاز و اکرام میں مودبانہ انداز میں کھڑی ہو جاتی تھیں۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا تمام عورتوں کی سردار ہیں:

شیخ رحمہ اللہ نے اپنی مشہور زمانہ کتاب (کتاب التوحید ۱/ ۴۷) میں باب نمبر ۱۳ کے تحت تحریر فرمایا ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے قریبی اور دور کے رشتہ داروں سے یہ کہہ دیا تھا: (لا اغنی عنک من اللہ شیئا) مراد یہ کہ کل قیامت کے دن میں تمہارے کچھ بھی کام نہیں آسکتا یہاں تک کہ آپ ﷺ نے سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: اے فاطمہ بنت محمد ﷺ میں اللہ کے روبرو اس کے مقابلہ میں تمہارے کچھ بھی کام نہیں آسکتا۔ چنانچہ سید المرسلین ﷺ نے دنیا کی تمام عورتوں کی سردار حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اس بات کی صراحت کر دی کہ کل قیامت کے دن میں تمہارے کچھ کام نہیں آسکتا۔

دوسری قابل ذکر بات یہ ہے کہ ہم تمام لوگوں کا اس بات پر ایمان ہے کہ نبی کریم ﷺ حق بات بولتے ہیں۔ حق کے علاوہ آپ ﷺ کی زبان مبارک سے اور کچھ نہیں نکلتا۔

اس مذکورہ حدیث سے شیخ علیہ الرحمہ کا سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں عقیدہ واضح ہو کر سامنے آ گیا اور یہاں پر یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ آپ رضی اللہ عنہا اپنے باپ نبی کریم ﷺ کی بڑی ہی چہیتی بیٹی تھیں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا سارے جہان کی عورتوں کی سردار ہیں۔

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اہل بیت میں سے ہیں

جن لوگوں نے سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے آل بیت میں سے نسب والا نہ ہونے کو اپنا رکھا ہے اور ان کی پہچان یہ ہے کہ بلاشبہ ایسے ہی لوگ آل بیت النبی ﷺ کے دشمنوں میں سے ہیں..... تو ان لوگوں کی مذمت میں شیخ رحمہ اللہ نے الرد علی الرافضہ: [۱/ ۲۹] میں اس مسئلہ پر یوں بحث کی ہے کہ:

جہاں تک رافضیوں کی سیدنا حسن رضی اللہ عنہما پر یہ بہتان تراشی ہے کہ جس کا رافضیوں کے

ہاں بڑا چرچہ ہے اور وہ تمام کے تمام اس قول پر متفق بھی ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے اس دعوے کے لئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ لا وارث ہیں۔ ان کا حسب و نسب معدوم ہو چکا ہے۔ ان میں سے بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہمارا یہی موقف اہل ہے۔ اسی وجہ سے انہوں نے امامت کو صرف سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی اولاد میں محصور کر دیا ہے۔ بلکہ ان میں سے بعض شیعوں نے تو امامت کو صرف بارہ اماموں تک ہی محدود کر دیا ہے۔ آل حسن رضی اللہ عنہ میں سے اگر کوئی امامت کے لائق ہے تو وہ اس کی امامت کو بغیر کسی دعوے کے باطل قرار دیتے ہیں۔ اگرچہ قدر و منزلت، علم و عرفان اور شان و شوکت میں وہ کتنے ہی بلند مرتبہ پر ہی کیوں نہ فائز ہو؟ چاہے اس کے اندر امامت کی ساری کی ساری شروط موجود کیوں نہ ہوں اور لوگ اس کے ہاتھ پر بیعت ہی کیوں نہ کر لیں؟ حالانکہ آل حسن رضی اللہ عنہ کے علم و فضل، زہد و تقویٰ، جلالت شان و عظمت خاندان اور شروط امامت کے حق دار ہونے اور لوگوں کی ان سے بیعت پر رضامندی اور ان کے حسب و نسب میں کمال اور ان کے علم و فضل میں اپنی مثال آپ ہونے کے باوجود ان میں سے سارے کے سارے لوگوں کا درجہ اجتہاد پر فائز ہونے کے باوجود اگر ان میں سے کسی نے آل حسن رضی اللہ عنہ ہونے کا دعویٰ کیا تو انہوں نے فوراً اس کی امامت کو باطل قرار دے دیا۔ اللہ تعالیٰ انہیں غارت کرے! یہ کہاں ٹامک ٹوئیاں مارتے پھر رہے ہیں؟

روافض کے اس طرز عمل سے سمجھ میں آتا ہے کہ یہ اہل بیت کے کھلے دشمن ہیں اسی لئے تو حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی اولاد کو اہل بیت سے خارج سمجھ رہے ہیں۔ حالانکہ یہ ان لوگوں کے حسب و نسب کا انکار کر رہے ہیں جن کا حسب و نسب اہل بیت سے ثابت ہے۔ بلکہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا نسب اہل بیت سے بطور تواتر ثابت ہے اور یہ ایک بدیہی حقیقت ہے جس کا کسی صورت میں انکار نہیں کیا جاسکتا۔ کسی بھی عقلمند شخص سے یہ بات ڈھکی چھپی نہیں کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نواسہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اسلامی شریعت کی رو سے کسی کے حسب و نسب کو بگاڑنے کے کام کو جاہلیت کے کاموں میں شمار کیا جاتا ہے۔ حدیث پاک میں بھی اس بات کا

اشارہ ملتا ہے کہ جناب امام مہدی رحمۃ اللہ علیہ امام حسن رضی اللہ عنہ کی ذریت سے ہوں گے۔ جیسا کہ ابوداؤد کی روایت میں اس بات کی صراحت موجود ہے۔

یہ ہے شیخ رضی اللہ علیہ کا ان لوگوں کے بارے میں فیصلہ جو سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو لاوارث گردانتے ہیں اور ان کی اولاد میں امامت کے منکر ہیں۔ اس قول کے کہنے والے وہ لوگ ہیں جو آل حسن رضی اللہ عنہم میں سے ان لوگوں کی امامت کو جھٹلانے کے درپے ہیں جو اپنے علم و فضل، قدر و منزلت، جلالت شان اور شروط امامت سے بہرہ ور تھے۔ اسی کے ساتھ ساتھ لوگوں نے ان کے ہاتھوں پر بیعت کی تھی۔ لوگوں نے ان کے حسب و نسب اور ان کے علم و فضل میں بلند درجہ پر فائز ہونے کی وجہ پر ان کو امام قرار دیا تھا اور یہ لوگ اس کو جھٹلانے کی کوشش میں ہیں۔ یہ محض نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، سیدنا علی و فاطمہ رضی اللہ عنہما کو ایذا رسانی کی سازش ہے۔ کیونکہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی اولاد کو اہل بیت سے خارج قرار دینے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور علی و فاطمہ رضی اللہ عنہما کے حسب و نسب کو ہدف بنانا ہے۔ حسب و نسب میں طعن کرنا جاہلیت کے افعال میں سے ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو

سردار کے خطاب سے نوازنے کا بیان

شیخ رحمۃ اللہ علیہ اپنی معروف کتاب (مختصر السیرة [۱/۳۲۱]) میں سنہ ۳۸ ہجری کے حوادث اور واقعات کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ: اس موقع پر لوگوں نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی بیعت کی اور آپ رضی اللہ عنہ نے تقریباً ۷ ماہ تک خلافت کے فرائض سرانجام دیے۔ پھر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے مقابلہ کے لئے میدان کارزار کا رخ فرمایا جب دونوں لشکر آمنے سامنے ہوئے اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو محسوس ہوا کہ فریقین میں سے کوئی بھی اس وقت تک غلبہ حاصل نہیں کر سکتا جب تک حد سے زیادہ خونریزی نہ ہو تو اس خدشہ کے پیش نظر حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو صلح کی پیشکش کی اور صلح ہو گئی۔ آپ رضی اللہ عنہ

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں خلافت سے دست بردار ہو گئے اور ان سے چند شرطوں کے ساتھ بیعت کر لی۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے آپ رضی اللہ عنہ کی شرطیں پوری کیں۔ بلکہ اس سے بڑھ کر آپ رضی اللہ عنہ کو عطیات سے نوازا۔ اس طرح نبی کریم ﷺ کی وہ پیشین گوئی حق بجانب ثابت ہوئی جو کہ صحیح حدیث میں وارد ہے۔ آپ ﷺ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے کہ: میرا یہ بیٹا قوم کا سردار ہے۔ عنقریب اللہ تعالیٰ اس کے ہاتھوں سے مسلمانوں کے دو عظیم الشان گروہوں کے درمیان صلح و صفائی کا فریضہ سرانجام دلوائے گا۔^① نبی کریم ﷺ کی یہ بشارت صد فیصد درست ثابت ہوئی۔ شیخ رحمہ اللہ نے اسی کے اثبات میں یہ باب قائم کیا ہے۔ بلاشبہ یہ پیشین گوئی اہل بیت میں سے ایک سید کے ہاتھوں شرمندہ تعبیر ہوئی اور وہ نواسہ رسول ﷺ امام حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی ذات ہے۔ چنانچہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کا فریضہ سرانجام دے کر اور اس بشارت نبویہ پر عمل کر کے اپنی سعادت مندی کا ثبوت پیش کیا۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں خلافت سے دست بردار ہو کر خاندانی شرافت کا نمونہ پیش فرمادیا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کی ذات سے مسلمانوں کا ناقص خون رایگاں ہونے سے بچالیا۔

اہل بیت عیوب و نقائص سے منزہ اور مبرا ہیں

شیخ رحمہ اللہ ”الرد علی الرافضہ“ [۱۵/۱] نامی کتابچہ میں رقمطراز ہیں کہ رافضیوں کی دسیسہ کاریوں میں سے یہ بھی ہے کہ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں تبر ابازی کرتے ہیں۔ خاص طور پر خلفاء ثلاثہ کو نحوذبا لللعن طعن اور سب و شتم کا نشانہ بناتے ہیں۔ اس سلسلہ میں انہوں نے اپنی معتبر کتابوں میں یہ واقعہ ہشام احوال کے ساتھیوں میں سے کسی ساتھی سے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ وہ کہتا ہے ”میں ایک دن حضرت ابو عبد اللہ جعفر بن محمد رضی اللہ عنہ کے پاس موجود تھا کہ ایک شیعہ درزی آپ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔

① صحیح البخاری، کتاب الصلح، باب قول النبی ﷺ للحسن بن علی رضی اللہ عنہما..... الخ، حدیث: ۲۷۰۴۔

اس کے ہاتھ میں دو قمیصیں تھیں۔ اس نے آتے ہی یہ بات کہی کہ اے ابن رسول اللہ ﷺ ان دونوں قمیصوں میں سے ایک قمیص تو میں نے یوں تیار کی ہے کہ اس کی سلائی کے وقت سوئی کے ہر ٹانگے پر میں نے لا الہ الا اللہ کا ورد کیا ہے۔ دوسری قمیص کی سلائی کے دوران ہر ٹانگے پر میں نے صاحبین کو (نعوذ باللہ) گالی دی ہے۔ ان دونوں قمیصوں میں جو قمیص آپ کو پسند ہو وہ آپ کی خدمت میں میری طرف سے نذرانہ ہے۔ یہ آپ کی صوابدید پر ہے جسے آپ پسند فرمائیں اسے لے لیں اور جسے آپ رضی اللہ عنہ ناپسند فرمائیں اسے چھوڑ دیں۔ ہشام احوال کے ساتھی کا قول ہے کہ حضرت جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے وہ قمیص پسند ہے جو (نعوذ باللہ) صاحبین کو گالی دیکر تیار کی گئی ہے۔ مجھے وہ قمیص ناپسند ہے جو کلمہ اللہ اکبر کے ذکر کے ساتھ تیار ہوئی ہے۔“

ذرا اس مفتری اور فاسق و فاجر کی دروغ گوئی اور اتہام بازی کی انتہا تو دیکھئے کہ ان کی طرف کس طرح کے گھناؤنے الزامات منسوب کر رہا ہے جس کا تصور بھی اہل بیت سے محال ہے۔ اللہ کی پناہ اہل بیت اس قسم کے عیوب و نقائص کی آلودگی سے بری الذمہ ہیں۔

شیخ حرث اللہ نے یہ باب قائم کر کے اہل بیت کی عصمت کو ان جھوٹوں اور مکاروں کی دسیسہ کاریوں سے بچانے کی بھرپور کوشش کی ہے اور اہل بیت کے دفاع کا فریضہ سرانجام دیا ہے۔ اہل بیت سے یہ کیسے ممکن ہے کہ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ صاحبین کے بارے میں ایسی گستاخی برداشت کر لیں؟ اور آپ کی غیرت و حمیت میں ذرہ برابر جنبش تک نہ آئے۔ جبکہ حضرت امام جعفر اپنے نانا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں صراحتاً ارشاد فرماتے ہیں ”وَلَدَنِي أَبُو بَكْرٍ مَرَّتَيْنِ“ حضرت ابوبکر سے میرا دوہرا رشتہ ہے۔ میرے عزیز کیا تمہیں کچھ پتہ ہے کہ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے ایسا کیوں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مجھے دو مرتبہ جنا ہے۔

وہ اس لئے کہ ان کی والدہ: ام فروہ بنت قاسم بن محمد بن ابوبکر کی بیٹی ہیں اور قاسم کی بیوی عبد الرحمن بن ابی بکر کی بیٹی تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے وہ مشہور قول ارشاد فرمایا ہے جو زباں زد خاص و عام ہے ”وَلَدَنِي أَبُو بَكْرٍ مَرَّتَيْنِ“

سیدنا علی کی امیر معاویہ رضی اللہ عنہما پر فضیلت:

شیخ رحمہ اللہ کا رجحان ہے کہ امیر المؤمنین سیدنا علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ اور آپ کے ساتھی نسبت امیر معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما اور ان کے ساتھیوں کے اقرب الی الصواب تھے۔ شیخ اپنی مشہور کتاب (مختصر السیرة [۱/ ۳۲۱]) میں سن ۳۸ ہجری کے اہم واقعات کے ضمن میں تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کی نسبت اقرب الی الصواب تھے۔ دونوں فریق دائرہ ایمان سے مرتبط تھے دونوں میں سے کسی فریق کو خارج از ایمان قرار نہیں دیا جاسکتا۔ شیخ رحمہ اللہ کا صحابہ رضی اللہ عنہم کے مابین نزاع کے بارے میں عقیدہ صحیحہ یہی ہے۔ حضرت علیؑ اور ان کے ساتھی امیر معاویہؓ اور ان کے ساتھیوں سے افضل ہیں۔ یہ بات شیخ رحمہ اللہ کی کتاب اللہ کی آیات کے فہم وادراک کی گہرائی کی بھرپور غمازی کرتی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب محکم میں ارشاد فرمایا ہے:

﴿وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا ط﴾ (الحجرات: ۹)

”اگر مسلمانوں کی دو جماعتیں آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے مابین صلح کر دیا کرو“

اگر آیت مذکورہ پر غور کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دونوں فریقوں میں سے کسی کو بھی ایمان کے دائرے سے خارج نہیں کیا۔ بلکہ دونوں کو مؤمنین کے لقب سے ہی یاد کیا ہے۔ اسی چیز کو مد نظر رکھتے ہوئے سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کو جو ان سے لڑائی جھگڑے پر اترے ہوئے تھے اپنا بھائی قرار دیا۔ چنانچہ جب ان سے ان کے مخالفین کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے برملا جواب دیا: اِخْوَانُنَا بَعُوْا عَلَيْنَا یہ ہمارے بھائی ہیں مگر ہم سے بغاوت کر بیٹھے ہیں۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے اس فرمان کو دیکھیے کہ اپنے مخالفین کو بھی خارج از ایمان قرار نہیں دے رہے بلکہ اپنا بھائی سمجھ رہے ہیں۔

جناب علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا امیر المؤمنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو

اپنی بیٹی ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا رشتہ دینے کا بیان

شیخ رحمہ اللہ اپنی کتاب (مختصر السیرة ۱/ ۳۰۶) میں ۲۷ھ کے واقعات کے

ضمن میں تحریر فرماتے ہیں کہ اس سال حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ام کلثوم بنت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہا سے شادی کی تاکہ رسول اللہ ﷺ سے رشتہ قرابت داری استوار ہو جائے۔

شیخ رحمہ اللہ نے اس مبارک شادی کا ذکر کیا اور اس بات کی بھی وضاحت کی ہے کہ امیر المومنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ اس اعزاز سے سرشار ہونے کے خواہاں تھے جو کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ وفاطمہ رضی اللہ عنہما اور ان کی اولاد کو نبی کریم ﷺ سے نسبت و قرابت اور اس کی قدر و منزلت کی وجہ سے حاصل تھا۔ لہذا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نسب نبوی کے دائرے میں داخل ہونے کی خواہش میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے عقد فرمایا۔

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: بعض لوگ کس منہ سے یہ بات کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نفرت تھی یا حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور اہل بیت کے مخالف تھے۔ اگر فرض کر لیا جائے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مخالف تھے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنی بیٹی ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے شادی کیوں کرتے؟ کیا یہ بات قابل قبول ہے اور عقل و شعور اس کو قبول کرنے کے لئے تیار ہے؟ کیا کوئی انسان ایسی صورت میں ایسے شخص کو اپنی بیٹی کا رشتہ دینے کے لئے آمادہ ہوگا؟

بلکہ یہ بات تو اس امر کی غماز ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اہل بیت کے مابین محبت و الفت، اخوت و بھائی چارگی، ہمدردی و مہربانی اور اتحاد و اتفاق کا رشتہ استوار تھا۔

اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان کس قدر سچ ہے:

﴿مُحَمَّدًا رَسُولَ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءَ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِمْ مِّنْ أَثَرِ السُّجُودِ ذَلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيلِ كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْئَهُ فَازْرَعَهُ فَاسْتَعْلَطَ فَاسْتَوَىٰ عَلَىٰ سَوْقِهِ يُعْجَبُ الزَّرَّاعَ لِيَغْضِبَ بِهِمُ الْكُفَّارَ وَعَدَّ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا

وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا ﴿۲۹﴾ (الفتح: ۲۹)

”اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں کافروں پر سخت اور آپس میں رحمدل ہیں [اور ان کی صفت یہ ہے] اللہ کے فضل اور اس کی رضا مندی کی جستجو میں رکوع و سجود کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ ان کے سجدوں کے نشان ان کے چہروں پر نمایاں ہیں۔ ان کی یہی مثال توراہ میں ہے اور ان کی مثال انجیل میں مثل اس بھیتی کے ہے کہ جس نے اپنا کھوا، نکالا ہو پھر اسے مضبوط کیا ہو اور پھر وہ موٹا ہو گیا ہو اور اپنے تنے پر سیدھا کھڑا ہو گیا ہو۔ جو کسانوں کے لیے خوشی کا سامان ہوتا کہ کافر اس کو دیکھ دیکھ کر کڑھیں اور اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں اور نیک و صالح اعمال کرنے والوں سے بخشش کا اور اجر عظیم کا وعدہ فرمایا ہے۔“

ناصریوں کی جہالت

شیخ رحمہ اللہ اپنی کتاب ”المسائل“: ۱/۲۵ مسئلہ نمبر ۲۷ کے ضمن میں بعض گمراہ لوگوں کے شیاطین کی دکھائی ہوئی بھول بھلیوں میں پھنس جانے کے بارے میں امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا کلام نقل کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ: جب مشرک ترک، اہل بیت میں سے اولاد عباس رضی اللہ عنہم کے ساتھ بغداد میں جو کچھ ناروا سلوک ہوا اس کی وجہ سے اہل بیت رضی اللہ عنہم کے تعاون کے لئے آمادہ ہو گئے تو اس کی مخالفت میں نواصب کا متعصب گروہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے خلاف کھڑا ہو گیا۔ یہ وہ لوگ تھے جو جاہل محض تھے جنہوں نے فساد و فساد برپا کر دیا۔ اور اہل وعیال پر نان نفقہ میں توسیع اور اس جیسے چھوٹے چھوٹے مسائل کو لے کر فتنہ برپا کر دیا اس کے پیچھے ان کی شرارت نفس، خباثت طبع، جہالت اور اکھڑ پن، جیسی صفات کارفرما تھیں۔ انہوں نے یہ بھی نہیں سوچا کہ اللہ تعالیٰ عدل و انصاف، رحمدلی اور احسان کا حکم دیتا ہے۔

چنانچہ شیخ رحمہ اللہ ہر اس گروہ یا فرقہ کے سامنے سینہ سپر ہو جاتے تھے جو رسول اللہ ﷺ

کے قرابت داروں سے بغض و عداوت یا ان کی شان میں گستاخی یا ان کی حقارت کے درپے ہو۔ اسی لئے جاہل اور بے ایمان ناصبیوں نے شیخ رحمہ اللہ کو ایذا رسانی کی کوشش کی ہے۔ مگر اس کے باوجود کوئی بھی ان کو اہل بیت کے دفاع کے بارے میں ان کے عزم محکم سے باز نہ رکھ سکا یہی وجہ ہے کہ اہل بیت کے دفاع کے معاملہ میں شیخ کا موقف دو ٹوک اور واضح ہے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے حسن خاتمہ چاہتے ہوئے اپنی کتاب کو اس آخری گذارش پر ختم کرتے ہیں اس امید پر کہ جن حقائق کو آپ کے سامنے رکھا ہے ان کا تقاضہ یہ ہے کہ ہم اس عظیم ہستی کے بارے میں، جس نے اپنی زندگی کو دین اسلام کے دفاع اور عقیدہ توحید کی نشر و اشاعت کے لیے وقف کر دیا تھا تا کہ اہل بیت پر الزام تراشی و دروغ گوئی کا دروازہ بند ہو جائے، اعتدال سے کام لیں اور اس پر حکم لگانے سے پہلے اس کی کتب اور تحریروں کو پڑھ لیں۔

یہی منہج و طریق آپ رحمہ اللہ کے بیٹوں، پوتوں، آگے اُن کی اولادوں اور آپ رحمہ اللہ کے

پیروکاروں کا ہے۔

وَصَلَّى اللّٰهُ وَسَلَّم عَلَى نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِينَ .



اسلام کا پیغام ہر شیعہ کے نام!

تالیف
فضیلۃ الشیخ ابو بکر جابر الجزائری حفظہ اللہ
مدرس مسجد نبوی۔ مدینہ منورہ

ترجمہ
فضل الرحمن رحمانی الندوی
فاضل جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ

ہدیہ تبریک

مذہب شیعہ سے تعلق رکھنے والے ہر باضمیر اور صاحب عقل انسان کی خدمت میں کہ جو حق کا متلاشی، بھلائی کا خواستگار ہو اور حصول علم کا خواہاں ہو، یہ کتابچہ بطور ہدیہ پیش کرنے کی جسارت کر رہا ہوں۔

میں پند و نصائح کے اس حسین گلدستے کو ایسے شخص کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں جو مذکورہ صفات سے بہرہ ور ہو۔ لہذا میری ہر ذی شعور انسان سے یہی گزارش ہے کہ وہ اس رسالہ کو تعصب کی عینک اتار کر غور سے پڑھے تاکہ اس کتابچہ میں مذکور پند و نصائح سے مستفید ہو سکے۔ کیونکہ میں نے اس رسالہ کو نصیحت کی غرض سے عوام کی خاطر لکھا ہے یہی میرا دیرینہ خواب تھا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ میرے اس خواب کو شرمندہ تعبیر فرمائے۔ آمین۔

ابوبکر جابر الجزائری

مدرس مسجد نبوی۔ مدینہ منور

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مقدمہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی
اٰلِهِ وَصَحْبِهِ وَبَعْدُ!

میں چاہتا ہوں کہ آپ کو اس حقیقت سے روشناس کراؤں، ایک عرصہ تک جس کا میں
شکار رہا ہوں۔ درحقیقت میں آل بیت شیعوں سے ناواقف تھا۔ مجھے پتہ نہیں تھا کہ شیعوں میں
بھی کچھ لوگ اپنے آپ کو آل بیت کہلاتے ہیں۔ میں سمجھتا تھا کہ مسلمانوں کی یہ ایک جماعت
ہے جو نبی کریم ﷺ کی محبت میں غلو کا شکار ہے۔ مگر اس میں بے جا تاویل کرتے ہوئے وہ
اہل سنت والجماعت سے اختلاف کرتے ہیں اور انھیں فاسق و فاجر قرار دیتے ہیں۔ جو نہایت
دکھ کی بات ہے کہ ایک بھائی خود اپنے کلمہ گو بھائی کو فاسق قرار دے رہا ہے۔ یا اسے ان لوگوں
کے زمرے میں گردان رہا ہے جن کا دین اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ بلکہ اس زمرے میں
داخلہ، دین اسلام سے خروج کا پیش خیمہ ہے۔ مگر میری یہ کیفیت زیادہ دن تک برقرار نہیں
رہی اور بعض دینی بھائیوں نے مجھے یہ مشورہ دیا کہ میں اس فرقہ کے لٹریچر کا مطالعہ کروں تاکہ
اس جماعت کے بارے میں حتمی فیصلہ کر سکوں اتفاق سے اس سلسلہ میں کلینی کی کتاب
”کتاب الکافی“ کا انتخاب عمل میں آیا۔ کیونکہ یہ کتاب شیعوں کے نزدیک مرجع اور سند کا
درجہ رکھتی ہے۔ چنانچہ میں نے اس کتاب کا مطالعہ کیا اور اس کو پڑھ کر علمی حقائق سے آگاہ
ہوا تو میں نے ان دوستوں سے معذرت کی جو شیعوں کے بارے میں، میرے نرم گوشہ پر چیں
بجبین ہو جایا کرتے تھے اور شیعوں کی طرف داری پر میری مذمت کیا کرتے تھے۔ میں اس
خیال سے یہ موقف اختیار کرتا تھا کہ شاید اہل سنت والجماعت نا سمجھی میں اس فرقہ کے ساتھ ظلم

وزیادتی کا شکار ہوں۔ کیونکہ اہل سنت اور شیعہ کے مابین پائی جانے والی مخالفت تو سب کے لیے واضح ہے۔ لیکن تحقیق کے بعد مجھے پتہ چلا کہ شیعہ لوگ واقعی غلطی پر ہیں۔ لہذا میں یہاں پر شیعہ کے نزدیک اہم ترین کتاب جو خود فرقہ شیعہ میں اپنے مذہب کے اثبات میں سند کا درجہ رکھتی ہے اور شیعہ حضرات اس کو اپنے اعتقاد کی اساس گردانتے ہیں، سے چند حقائق کا خلاصہ پیش کروں گا۔ میری فرقہ شیعہ کے ہر فرد سے گزارش ہے کہ وہ ان حقائق کو اخلاص کے ساتھ فکری و مذہبی تعصب کی کالی عینک اتار کر، اس کتاب کا مطالعہ کر کے اس کی روشنی میں اپنے مذہب پر عادلانہ فیصلہ کرے۔ اگر اس کے بعد بھی وہ اس مذہب کے صحیح ہونے کا حکم صادر کرتا ہے تو ہماری اس سے گزارش ہے کہ اپنی کجروی پر قائم رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کی نگاہ بصیرت کو کھول دے اور اس کی روشنی میں وہ اس حکم کے باطل و فاسد اور اس مذہب کی شرانگیزی کا اعتراف کرتے ہوئے اہل سنت و الجماعت کے حق میں فیصلہ صادر کر سکے۔ میں اس موقع پر شیعہ کے ہر فرد سے یہی درخواست کروں گا کہ وہ اپنے نفس کا محاسبہ کر کے اس کو نصیحت کرنے کی کوشش کرے اور نجات کی غرض سے اس مذہب فاسد کو ترک کر دے اور آنکھیں کھول کر اس سے براءت کا اعلان کرے۔ کیونکہ نجات کے لئے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کی اتباع ہی کافی و دشانی ہے۔ جس کی آغوش میں کروڑوں اور اربوں لوگ پناہ گزیں ہیں، تم لوگ کیوں اس چشمہ نور سے فیضیاب ہونے میں پہلو تہی کا شکار ہو۔

میں اہل سنت کے ہر مسلمان کو بھی نصیحت کرتا ہوں کہ حق واضح ہو جانے کے بعد بھی ہٹ دھرمی کا سہارا لیتے ہوئے باطل کا مرید نہ بنا رہے۔ بہتوں نے تعصب، تقلید، خواہش و مفاد کے لیے اپنی غلط فکر سے پیچھے ہٹنے کے لئے تیار نہ ہو تو ایسا شخص اپنے نفس کو دھوکہ دے رہا ہے اور کفر و نفاق، شرور و فتن کے گرداب میں پھنس کر رہ گیا ہے۔ اپنی آل و اولاد، اپنے بھائی بندوں اور اپنی آئندہ نسل کے لئے معاشرے میں بطور فتنہ و فساد اس کا وجود باقی ہے۔ کیونکہ اس صورت میں ایسا شخص سماج میں ناسور کی حیثیت رکھتا ہے۔ وہ اپنی کج فہمی کی وجہ سے لوگوں

کو حق سے روشناس کرانے کے بجائے ضلالت و گمراہی کی اندھی کھائی میں دھکیلنے سے بھی گریز نہیں کرتا۔ وہ لوگوں کو سنت سے روشناس کرانے کے بجائے بدعت کی راہ پر گامزن کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتا۔ صاف و شفاف دین اسلام کی شاہراہ سے کج روی اختیار کر کے وہ اپنے بدنماندہب کی داغ بیل ڈالنا شروع کر دیتا ہے۔

اس وقت میں شیعہ حضرات سے مخاطب ہو کر یہ کہنا چاہتا ہوں کہ یہ آپ کے مذہب شیعہ کے چند حقائق، آپ کے معاشرے اور ماحول کے چند قواعد ہیں جو خود آپ لوگوں کے اپنے ہاتھوں سے گھڑے ہوئے ہیں۔ یا آپ کے اسلاف نے ان کو بنا کر رواج دیا ہے۔ دراصل یہ ان کے رائج کردہ سنگین جرائم کا پتارہ ہے جس کا مکاری اور دغا بازی کی خاطر پرو پگنڈہ کیا گیا ہے۔ شریر انفس لوگوں نے اس کو رسم و رواج کی شکل دے کر آپ کو اور آپ کی قوم کو اسلام سے اسلام کے نام پر دور کرنے اور حق کو حق کے نام پر بدنام کرنے کی گھناؤنی سازش کی ہے۔

یہ سات قسم کے بدیہی حقائق ہیں جس پر آپ کی مذہبی کتاب الکافی مشتمل ہے جو آپ کے مذہب شیعہ میں سند کا درجہ رکھتی ہے اور اس کو مصدر یا مرجع تصور کیا جاتا ہے۔ یہ حقائق آپ کے سامنے ہیں آپ کا کام یہ ہے کہ آپ ان پر غائرانہ نظر ڈالیں۔ انہیں پڑھ کر غور و فکر سے کام لیں اور تدبر و تفکر کریں تاکہ آپ حق کو حق سمجھیں اور باطل سے کنارہ کش ہو جائیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس عمل کے ذریعہ آپ لوگوں کو حق کی بصیرت عطا فرمائے اور اس کو بطور دین و ملت اختیار کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ حق کی امانت کو سینے سے لگا کر اس کی دعوت کی سعادت نصیب فرمائے۔ (اِنَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَا لَا قَادِرٌ سِوَاہٖ)۔

ابوبکر بن جابر الجزائری

مدرس مسجد نبوی۔ مدینہ منورہ

پہلی حقیقت

قرآن کریم سے بے نیازی کا عقیدہ

شیعوں کا دعویٰ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے آل بیت رضی اللہ عنہم اپنے پاس سابقہ کتب الہیہ توراہ اور انجیل وغیرہ کی موجودگی کی وجہ سے قرآن کریم سے مستغنی ہیں!

یہ بات شیعوں کی بنیادی کتاب ”الکافی“ میں جلد ۱، کتاب الحج کے صفحہ ۲۰۷ پر لکھی ہوئی ہے۔ اس سے شیعوں کا عقیدہ عیاں ہو کر سامنے آ جاتا ہے جس کو مؤلف کتاب نے: بَابُ إِنَّ الْأَئِمَّةَ بَيْنَهُمْ عِنْدَهُمْ جَمِيعُ الْكُتُبِ الَّتِي نَزَلَتْ مِنَ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ وَآنَهُمْ يَعْرِفُونَهَا كُلَّهَا عَلَىٰ اخْتِلَافِ أَلْسِنَتِهَا والے عنوان کے تحت بیان کر کے اپنے عقیدہ کی تاکید کر دی ہے اور استدلال کے طور پر دو حدیثوں کو ابو عبد اللہ سے نقل کر کے اس کی توثیق کر دی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ ابو عبد اللہ جعفر صادق رضی اللہ عنہ توراہ و انجیل اور زبور کو سریانی زبان میں پڑھتے تھے۔

شیعہ کا یہ عقیدہ کہ آل بیت اور شیعیان آل بیت کے لئے اس بات کی گنجائش موجود ہے کہ سابقہ کتب سماویہ کا علم و ادراک رکھنے کی وجہ سے وہ قرآن کریم اور اس کی تعلیمات سے مستغنی ہو سکتے ہیں۔ یہ ایک سوچی سمجھی سازش ہے تاکہ اپنے فرقہ کو اسلام اور دین الہی سے الگ کر دیا جائے۔ تعلیمات اسلامیہ سے ان کا دور دور تک تعلق نہ رہے۔ اسلام اور مسلمانوں سے وہ یکسر بیگانے ہو جائیں۔ کیونکہ اس بات میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ کوئی شخص قرآن کریم سے کبھی بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ اگر کوئی شخص قرآن کریم سے بے رغبتی کا دعویٰ کرتا ہے، چاہے اس کی جو بھی نوعیت ہو، تو وہ اپنے اس قول کی وجہ سے ملت اسلام سے خارج قرار دیا جائے گا اور مسلمانوں کی جماعت سے اس کا کوئی تعلق نہیں رہے گا۔

میں ان حضرات سے پوچھتا ہوں: ”کیا مذکورہ عقیدہ قرآن کریم سے بے رغبتی کی دلیل

نہیں ہے؟ قرآن کریم تو وہ کتاب ہے جس میں عقائد کے اعتبار سے، احکام کے اعتبار سے اور آداب کے اعتبار سے امت اسلامیہ کی وحدت کا راز مضمر ہے؟ کیا دوسری تحریف شدہ اور منسوخ کتابوں کی تعلیم و تعلم پر توجہ صرف کرنا اور ان پر عمل پیرا ہونا کتاب اللہ سے بے رغبتی اور بے توجہی کی دلیل نہیں ہے؟ کیا قرآن کی طرف سے بے رغبتی اور بے توجہی دین سے بے توجہی اور ارتکاب کفر کا باعث نہیں؟ سوال یہ ہے کہ کس بنیاد پر ان منسوخ اور تحریف شدہ کتابوں کا پڑھنا جائز ہو سکتا ہے؟ حالانکہ نبی کریم ﷺ نے سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں جب توراہ کا ایک ورق دیکھا تو آپ ﷺ نے جناب عمر رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے فرمایا تھا: ”کیا میں تمہارے پاس اس سے بہتر صاف و شفاف کتاب لے کر نہیں آیا؟“ گویا آپ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو سرزنش فرماتے ہوئے یہ بات کہی کہ جب میں تمہارے پاس اس سے بہتر کتاب لاچکا ہوں تو پھر تمہاری توجہ کسی دوسری کتاب کی طرف مرکوز نہیں ہونی چاہیے۔

آپ ذرا اندازہ کریں کہ نبی کریم ﷺ کو یہ بھی پسند نہیں تھا کہ آپ کی لائی ہوئی کتاب کے بعد کوئی پہلی کتاب کے ایک بھی ورق کی تلاوت کرے۔ تو پھر کوئی بھی عقل مند آدمی یہ سوچ سکتا ہے کہ آل بیت اطہار رضی اللہ عنہم میں سے کوئی بھی صاحب یہ ساری کتب قدیمہ جمع کریں اور ان کو پوری توجہ کے ساتھ پڑھیں اور وہ بھی اس صورت میں کہ ان کتب کی زبانیں بھی ایک دوسری سے مختلف ہوں۔ آخر کیوں؟ اس کی ضرورت ہی کیا تھی؟ پھر سابقہ تحریف شدہ کتب پر ایمان لانے کا عقیدہ اور قرآن سے بے رغبتی کا عقیدہ کہاں کا اسلام ہے۔

ہم پورے دعوے کے ساتھ یہ بات کہہ سکتے ہیں کہ یہ محض آل بیت رسول ﷺ کے خلاف ڈھونگ رچایا گیا ہے۔ ایسا اعتقاد رکھنے والے نہ صرف اہل بیت کے دشمن ہیں بلکہ یہ تو اسلام اور مسلمانوں کو صفحہ ہستی سے مٹا کر رکھ دینا چاہتے ہیں۔ میں فرقہ شیعہ کے ایک ایک فرد سے یہ بات کہنا چاہوں گا کہ تم میں سے ہر ہر فرد کا یہ مسلمہ عقیدہ بالکل غلط ہے۔ آپ کو

نسل در نسل اپنے ذہنوں میں رکھنا چاہئے کہ قرآن کریم سے استغناء کا اعتقاد فاسد اعتقاد ہے۔ کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی وہ کتاب مقدس ہے جس کی حفاظت کے لئے امت مسلمہ کے سینوں کو مخزن بنا دیا گیا ہے۔ وہ مسلمانوں کے سینوں بالکل محفوظ انداز میں منتقل ہوتی چلی آ رہی ہے اور اتنا عرصہ گزر جانے کے بعد بھی وہ ہمارے پاس محفوظ و مامون ہے۔ اس میں نہ ایک کلمہ کمی ہے اور نہ ہی زیادتی۔ بلکہ یہ جیسے نازل ہوئی ویسے ہی آج ہمارے سامنے موجود ہے اور قیامت تک اسی طرح محفوظ و مامون رہے گی۔ اس میں کسی صورت میں تحریف و تبدل کا شائبہ تک نہیں پایا جاتا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس فرمان کے ذریعہ اس کے حفاظت خود اپنے ذمہ لے لی ہے۔

فرمایا:

﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾ (الحجر: ۹)

”ہم ہی نے ذکر کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔“

یہی وہ قرآن ہے جس کو جبریل امین لے کر نازل ہوئے اور نبی کریم ﷺ کو اس کی تعلیم دی۔ نبی کریم ﷺ نے اس کو پڑھا۔ اس کے بعد آپ ﷺ سے ہزاروں صحابہ کرام نے پڑھا۔ ان سے سینہ در سینہ یہ امانت لاکھوں کروڑوں مسلمانوں تک منتقل ہوئی۔ اس کے بعد آج تک نسل در نسل منتقل ہوتی چلی آ رہی ہے۔ ہم نے بھی اس کو سند کے ساتھ اپنے اپنے اساتذہ سے پڑھا ہے۔ آج بھی یہ عرب ہوں یا عجم ہر ایک کے سینہ میں محفوظ ہے۔ کیا مجال ہے کہ جو اس میں ایک حرف ادھر سے ادھر ہو جائے۔

لہذا کسی شخص کا قرآن کریم یا اس کے بعض اجزاء سے بے نیازی کا عقیدہ رکھنا کسی صورت میں جائز نہیں۔ بلکہ یہ تو اسلام سے عین ارتداد ہے اور دین محمدی ﷺ سے روگردانی کی واضح دلیل۔ ایسا عقیدہ رکھنے والے کا اسلام اور مسلمانوں سے کوئی تعلق نہیں۔ اسلام بھی ایسے لوگوں سے براءت کا اعلان کرتا ہے۔

دوسری حقیقت

کسی بھی صحابی کے

جامع قرآن اور حافظ قرآن نہ ہونے کا عقیدہ

اس عقیدہ کو ”کتاب الکافی“ کے مؤلف نے اپنی کتاب جلد اول میں ”کتاب الحجۃ، ص: ۲۶“ پر سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کرتے ہوئے بڑے شہود کے ساتھ یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: میں نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے؛ آپ رضی اللہ عنہ فرما رہے تھے: اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اسے قرآن کریم یاد ہے تو وہ جھوٹا ہے۔ کیونکہ امیر المؤمنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب اور آپ رضی اللہ عنہ کے بعد ائمہ کرام کے علاوہ کسی اور نے قرآن کریم من وعن نہ تو حفظ کیا ہے، نہ یاد کرنے کی کوشش کی ہے اور نہ ہی اسے جمع کرنے کی جگ و دو کی ہے۔

میں شیعہ حضرات سے یہ پوچھتا ہوں: یہ عقیدہ رکھنا کہ مسلمانوں میں کوئی ایسا شخص نہیں پایا جاتا جس نے قرآن کو اپنے پاس جمع کر کے محفوظ کیا ہو یا اسے حفظ کیا ہو تو گویا ائمہ آل بیت کے یا ہیعیان آل بیت کے علاوہ کسی کو یہ سعادت حاصل نہیں ہے۔ ذرا بتلائیے کیا صحابہ پر اس سے بڑھ کر بھی کوئی بہتان باندھا جا سکتا ہے؟ کیا اس سے بڑھ کر بھی کوئی شراکینزی یا بلاخیزی ہو سکتی ہے؟ کیا اس سے بڑھ کر بھی کوئی کجروی اور انتہا پسندی ہو سکتی ہے؟۔

ہم دیکھتے ہیں کہ اس عقیدہ کی زد کہاں کہاں پڑتی ہے۔

اس عقیدہ سے وہ تمام لوگ سراسر جھوٹے قرار پائیں گے جنہوں نے کتاب اللہ کو یاد کر کے اپنے سینوں میں محفوظ کیا یا اسے گتوں کے درمیان ایک مصحف میں جمع کیا۔ مثلاً ساداتنا عثمان بن عفان، ابی بن کعب، زید بن ثابت، عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم اور ان جیسے سینکڑوں

دیگر اصحاب رسول اللہ ﷺ۔ ان حضرات کو متہم بالکذب قرار دینا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شخصیات کو داغدار کرنا عظیم شخصیات کو فسق و فجور کی گندگی سے آلودہ کرنا اور ان کی عدالت کو کالعدم کر کے اسلامی خزانے پر نقب زنی کرنے کے درپے ہونے کے مترادف ہے (نعوذ باللہ من ذلک) رسول اللہ ﷺ کے اہل بیت رضی اللہ عنہم یہ بات کسی صورت میں بھی نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ وہ تو بڑے پاکیزہ اور پاک دامن لوگ تھے۔ اس بات کو کہنے والے دشمنان اسلام اور مسلمانوں کے مخالفین کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ مخالفین اسلام نے یہ پروپیگنڈا اس لئے رچایا ہے تاکہ مسلمانوں کے اندر افتراق و انتشار کی صورت پیدا ہو جائے اور وہ نت نئے فتنوں سے دوچار ہو جائیں۔

کتاب (الکافی) کے مؤلف کے مذکورہ پیرایہ بیان سے یہ بات لازم آتی ہے کہ شیعوں کے نزدیک شیعیان آل بیت کے علاوہ تمام کے تمام مسلمان گمراہی اور بے راہ روی کا شکار ہیں۔ کیونکہ شیعوں کے اس قول کے مطابق یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ سارے کے سارے مسلمان بعض قرآن پر ایمان رکھتے ہیں اور بعض پر نہیں رکھتے۔ ایسے آدمی کے کفر اور اس کی گمراہی میں کوئی شک و شبہ نہیں! کیونکہ شیعوں کے دعوے کے مطابق مسلمان اپنے پاس پورے قرآن کی عدم موجودگی کی وجہ سے اللہ کی شریعت پر پورے طور پر گامزن نہیں ہیں اور جو شخص اللہ کی شریعت کے بعض حصہ کو مانے اور بعض کو نہ مانے تو وہ کافر ہے۔ (تَعَالَى اللَّهُ عَمَّا يُقُولُونَ عُلُوًّا كَبِيرًا) اور ان کے اس دعویٰ سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ: ہو سکتا ہے قرآن کا وہ حصہ جو مسلمانوں کے پاس نہیں ہے وہ عقائد و ایمانیات، شریعت و دین، عبادات و معاملات اور آداب و احکام پر مشتمل ہو۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ دین اسلام ان کے قول کے مطابق نامکمل ہے۔ اس قسم کے عقیدے سے اللہ کی تکذیب لازم آتی ہے اور اللہ کے اس قول کا بطلان ثابت ہوتا ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَفِظُونَ﴾ (الحجر: ۹)

”ہم نے ہی ذکر قرآن کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔“

اللہ کے فرمان کو جھٹلانا باعث کفر ہے۔ کفر ہی کیا، شریعت اسلامیہ کے ساتھ مذاق ہے۔ کیا اہل بیت کو یہ بات زیب دیتی ہے کہ وہ قرآن کریم کو صرف اور صرف اپنے لئے مخصوص کر کے اپنے پاس چھپا کر رکھ لیں اور شیعیان آل بیت کے علاوہ اس کا کسی کو پتہ تک نہ ہو۔ ان میں سے وہ جسے چاہیں یہ قرآن کو سونپ دیں! کیا یہ اللہ کی رحمت کو بطور جاگیر اپنے لئے خاص کرنا اور تعلیمات اسلامیہ پر ڈاکہ ڈالنا نہیں ہے؟ اللہ تعالیٰ نے اس تہمت سے رسول اللہ ﷺ کے آل بیت رضی اللہ عنہم کو منزه و مبرا رکھا ہے۔ اے اللہ ہم جانتے ہیں کہ تیرے رسول ﷺ کے اہل بیت اس تہمت اور بہتان سے پاک ہیں۔ اے اللہ جس نے بھی ان پر یہ تہمت طرازی کی ہے اور ان کو اپنی اس دروغ گوئی کا شکار بنایا ہے، اس پر لعنت بھیج، اسے واصل جہنم کر۔ تاکہ رسوائی و بدنامی اس کا مقدر بن جائے۔

ان کے اس عقیدے سے یہ بات لازم آتی ہے کہ فرقہ شیعہ تنہا اہل حق کہلانے کا مستحق ہے اور وہی راہ حق پر قائم و دائم ہے۔ کیونکہ بلا کسی زیادتی اور نقصان کے انہیں کی دسترس میں کتاب اللہ موجود ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر اللہ کی شریعت پر پورے طور پر کوئی گامزن ہے تو وہ شیعہ لوگ ہیں اور ان کے علاوہ سارے کے سارے مسلمان گمراہی اور کجروی کا شکار ہیں۔ کیونکہ وہ کتاب اللہ کے ایک بہت بڑے حصہ کی تعلیمات سے محروم ہیں اور ان کو پورے طور پر قرآن کی ہدایت اور رہنمائی حاصل نہیں ہے۔

اے فرقہ شیعہ سے تعلق رکھنے والے لوگو! ایک عقل مند شخص جس کو ادنیٰ سا بھی شعور ہو گا وہ اس قسم کی بیہودہ بکواس نہیں کر سکتا۔ چہ جائیکہ وہ لوگ اس قسم کی بے ہنگم بات کریں جو اسلام کی طرف اپنا انتساب کرتے ہیں۔ سنو! نبی کریم ﷺ اس دنیا سے اس وقت تک رخصت نہیں ہوئے جب تک کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کو مکمل نازل فرما کر اس کے کلمات و معانی کی تشریح

حرام و حلال کی توضیح اور اپنی شریعت کا اتمام نہ فرمادیا۔ پھر مسلمانوں نے اسے اپنے سینوں میں حفظ کر کے اور صحیفوں میں رقم کر کے محفوظ نہیں کیا۔ جب تک اس کی تعلیمات عام ہو کر لوگوں کے درمیان رواج نہ پا گئیں اور خواص و عوام میں سے دونوں نے اسے حفظ نہ کر لیا۔ قرآن کریم کو جمع کرنے اور حفظ کرنے کے سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ کے آل بیت رضی اللہ عنہم بھی عام مسلمانوں کی طرح ایک ہی نہج پر برابر کے شریک ہیں۔ ان کو قرآن کریم کے جمع کرنے اور حفظ کرنے کے سلسلہ میں خصوصیت حاصل نہیں ہے۔ یہ دعویٰ کیسے کیا جاسکتا ہے کہ شیعان آل بیت کے علاوہ کسی نے نہ تو قرآن کو جمع کیا ہے اور نہ حفظ کیا ہے؟ ہم کہتے ہیں کہ ایسا دعویٰ کرنے والا جھوٹا اور دروغ گو ہے۔ اس کا یہ دعویٰ باطل اور بے بنیاد ہے۔ ہم ایسے شخص سے اگر یہ کہیں کہ ہمیں ذرا وہ قرآن لاکر دکھلاؤ جو شیعان آل بیت نے اپنے لئے مخصوص کر لیا ہے یا اس میں سے چند سورتیں یا ایک سورت ہی لاکر پیش کرو جس کی بنیاد پر تم یہ چیلنج کرتے پھر رہے ہو! تو اس وقت ان کا کیا موقف ہوگا؟ ہمیں یقین ہے کہ وہ بغلیں جھانکنے پر مجبور ہو جائیں گے اور ان کے پیروں تلے سے زمین نکل جائے گی! سُبْحَانَكَ هَذَا بُهْتَانٌ عَظِيمٌ۔



تیسری حقیقت

انبیاء کے معجزات

آل بیت کے ساتھ مخصوص ہیں

مؤلف کتاب [الکافی] کا یہ اقتباس اس حقیقت کے ثبوت کے لئے کافی ہے۔ اس نے نقل کیا ہے کہ حضرت ابو بصیر نے امام جعفر علیہ السلام سے روایت کیا ہے: ”امیر المؤمنین علیہ السلام ایک دفعہ رات کے اندھیرے میں گھر سے باہر نکلے اور آپ رضی اللہ عنہ فرما رہے تھے: آہستہ گفتگو کرو۔ رات کافی اندھیری ہے! امام نکل کر آ رہے ہیں۔ وہ حضرت آدم علیہ السلام کی قمیص زیب تن کیے ہوئے ہیں۔ اپنی انگلی میں سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی بھی پہنے ہوئے ہیں اور ہاتھ میں عصا موسیٰ پکڑے ہوئے ہیں۔“

صاحب کتاب الکافی نے اپنی کتاب میں (جلد اول، کتاب الحجۃ، ص: ۲۲۷) جناب حمزہ رضی اللہ عنہ سے حضرت ابو عبد اللہ علیہ السلام کے واسطے سے یہ اقتباس نقل کیا ہے کہ وہ فرما رہے تھے: موسیٰ علیہ السلام کی الواح اور ان کا عصا میرے پاس ہے اور ہم انبیاء کے وارث ہیں۔

اے فرقہ شیعہ سے تعلق رکھنے والو! حقیقت میں اس طرح کا عقیدہ رکھنے کی وجہ سے تم لوگ بہت سے ایسے معاملات میں پھنسے ہوئے ہو جو عقیدہ فاسدہ میں اپنی انتہا کو پہنچے ہوئے ہیں۔ اب عقل مندی کا تقاضا یہی ہے کہ تم تو بہ کرو اور فوراً اس عقیدہ کو چھوڑ دو کیونکہ اس عقیدے کے نتائج نہایت خطرناک ہیں جن میں چند ایک یہ ہیں:

..... اس سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی تکذیب لازم آتی ہے۔ کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جب سوال کیا گیا: کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ رضی اللہ عنہ اور آل بیت رضی اللہ عنہم کو کوئی مخصوص چیزوں سے نوازا ہے؟ تو آپ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: نہیں الا یہ کہ جو میری تلوار کی میان میں

ہے۔ پھر آپ ﷺ نے تلوار کی میان سے ایک صحیفہ نکالا۔ اس میں چار چیزیں لکھی ہوئی تھیں ان چار چیزوں کو آئمہ حدیث میں سے امام بخاری اور امام مسلم رحمہما نے اپنی اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے۔

۲..... شیعوں کا مذکورہ عقیدہ صحابی رسول کی ثقاہت و عدالت اور صداقت کی تکذیب کا ذریعہ ہے۔ اس قول کی نسبت کا مطلب یہ ہے کہ: صحابی مذکور نعوذ باللہ جھوٹے ہیں۔ حالانکہ صحابہ کی ذات سے جھوٹ جیسی بری صفت کا صادر ہونا ناممکن ہے۔

۳..... یہ عقیدہ اس قسم کا اعتقاد رکھنے والے شخص کی گھنیا سوچ سمجھ اور کج فہمی کی واضح دلیل ہے۔ ایسا شخص یقیناً کم عقل ہے۔ اس کو اپنی عزت و آبرو تک کی پروا نہیں ہے۔ گویا کہ اپنی ذات تک کا اس کو احترام کرنا نہیں آتا اور نہ ہی اپنی ناموس کا کوئی خیال ہے۔ ہم پوچھتے ہیں: کہاں ہے سیدنا سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی؟ اور کہاں ہے عصا موسیٰ علیہ السلام اور کہاں ہیں الواح موسیٰ علیہ السلام؟ اس بات کا اور ان کے پاس کوئی جواب نہیں ہوگا۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ کسی صورت میں وہ مذکورہ چیزیں فراہم کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ یہ قصہ خود ساختہ ہے اور اس قصے کو دور غائی اور جھوٹی باتوں سے مزین کر کے حقیقت کو مسخ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ لہذا ان کے بس کی بات نہیں ہے کہ وہ ان چیزوں میں سے کسی ایک بھی چیز کا ثبوت فراہم کر سکیں جس کا وہ دعویٰ کر رہے ہیں۔ یہی وہ راز ہے جو اول سے آخر تک اس خود ساختہ قصے کی غلط بیانی کا پردہ چاک کرتا ہے۔

اس سے بھی واضح بات یہ ہے کہ اگر شیعہ لوگ اپنے دعوے میں حق بجانب ہیں تو ان پر کتنے ایسے نازک مواقع آئے کہ بارہا شرور و فتن کے گرداب میں پھنس کر شیعوں کو تاخت و تاراج ہونا پڑا۔ اگر ان کے پاس عصا موسیٰ یا خاتم سلیمان کا وجود تھا تو انہوں نے اپنے دشمنوں کے خلاف ان کو استعمال کیوں نہ کیا؟ تاکہ ان کا دشمن نیست و نابود ہو جاتا اور اس کا نام و نشان تک باقی نہ رہتا۔ آخر ان خطرناک مواقع پر انہوں نے ان معجزاتی ساز و سامان کو

استعمال کر کے اپنا دفاع کیوں نہیں کیا۔

۴..... شیعہ کی اس کتاب کی تالیف کا بنیادی مقصد شیعوں کو ہدایت و رشد کا سرچشمہ اور نور و حکمت کا منبع ثابت کرنا ہے۔ شیعوں کے علاوہ اسلام اور مسلمانوں کو گمراہ اور بے راہ رو قرار دینا ہے۔ ان تمام حرکتوں کا لب لباب یہ ہے کہ کسی بھی طریقے سے شیعہ مذہب کی بقا کی گارنٹی فراہم ہو جائے۔ چاہے اس کے لیے مسلمانوں کو جو بھی قیمت چکانا پڑے تاکہ اس فرقہ کے مجتہدوں، سرداروں اور ان کے حاشیہ برداروں میں سے فاسد نیتوں کے حاملین اور خبیث طبیعت کے انسانوں کو مسلمانوں کے شیرازے کو منتشر کر کے، اسلام کی عمارت کو منہدم کر کے، اس کے کھنڈرات پر راج کرنے کا موقع مل جائے۔ اگر شیعوں کے عقیدے کا بنیادی مقصد اس قسم کے فاسد لائحہ عمل کو وجود میں لانا ہے تو میں آنکھ بند کر کے کہتا ہوں کہ: یہ بڑا ہی فاسد اور شرانگیز عقیدہ ہے۔ یہ لوگ بڑے ہی بدطینت اور خبیث النفس ہیں اور وہ اس عقیدہ کے حامل ہیں اور وہ اس عقیدہ سے رضامندی کا اظہار کرتے ہیں۔ یا جو اس عقیدہ کے حاملین کی کاسہ لیسسی کا شکار ہیں۔



چوتھی حقیقت

اہل بیت رضی اللہ عنہم کا تمام نبوی علوم سے

بہر مند ہونے کا عقیدہ

اس حقیقت کے ثبوت کے لئے صاحب کتاب کا وہ قول ہی کافی ہے جس کو اس نے اپنی کتاب مذکور میں کتاب الحجہ ، ص: ۱۳۸ پر ذکر کیا ہے۔ وہ اس میں تحریر کرتا ہے کہ حضرت ابوبصیر سے روایت ہے: وہ ایک مرتبہ ابو عبد اللہ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے دریافت کیا: شیعہ حضرات کا کہنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے امیر المومنین سیدنا علی علیہ السلام کو علم کے ہزار باب سکھائے ہیں۔ ابو عبد اللہ نے فرمایا: اے ابو محمد! بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو علم کے ہزار باب سکھائے ہیں اور ان میں سے ہر باب ہزار ہزار ابواب پر مشتمل ہے۔ ہمارے پاس ایک صحیفہ ہے جس کو جامعہ کہا جاتا ہے۔ آپ کو کیا معلوم کہ یہ جامعہ کیا ہے؟ یہ ایک ایسا صحیفہ ہے کہ نبی اکرم کی پیمائش کے مطابق اس کی لمبائی ۷۰ ستر ہاتھ ہے اور نبی کریم ﷺ نے اس کو خود اپنی زبان مبارک سے اطاء کروایا ہے۔ جناب علی رضی اللہ عنہ نے اس کو اپنے ہاتھوں سے لکھا ہے۔ اس میں حلال و حرام اور لوگوں کو جن احکامات کی ضرورت پڑتی ہے، اسے ثبت کر دیا گیا ہے۔ حتیٰ کہ دیت اور خون خرابہ میں اگر خراش تک آجائے اس کا بھی اس میں ذکر ہے۔ راوی کہتا ہے: میں نے کہا: خدا کی قسم یہی حقیقی علم ہے۔ فرمایا کہ ہاں! بلاشبہ یہی علم ہے اور دوسرا کوئی علم نہیں ہے۔ ابو عبد اللہ لمحہ بھر کے لیے خاموش رہے پھر گویا ہوئے: ہمارے پاس علم جعفر ہے اور تم کو کیا معلوم کہ علم جعفر کیا ہوتا ہے؟ فرمایا کہ جعفر سے مراد وہ برتن ہے جس میں انبیاء، اولیاء اور علمائے بنی اسرائیل میں جو

لوگ فوت ہو چکے ہیں، ان کے علوم و معارف موجود ہیں۔ میں نے کہا: بلاشبہ علم تو یہی ہے۔ آپ نے فرمایا: ہاں یہی علم ہے! بلاشبہ اسی کو علم کہا جاتا ہے۔ تھوڑی دیر کے لئے سکوت طاری رہا۔ پھر فرمایا: ہمارے پاس مصحف فاطمہ علیہا السلام ہے اور لوگوں کو کیا پتہ مصحف فاطمہ کیا ہے؟ میں نے عرض کیا: یہ مصحف فاطمہ کیا ہے؟ ابو عبد اللہ نے جواب دیا کہ مصحف فاطمہ تمہارے موجودہ قرآن سے تین گنا بڑا ہے۔ اور واللہ! اس میں تمہارے اس قرآن کا ایک حرف تک موجود نہیں ہے۔ میں نے کہا: واللہ! اصلاً یہی علم حقیقی ہے۔ فرمایا کہ میرے پاس ماضی کا علم ہے اور مستقبل میں قیامت تک جو کچھ ہونے والا ہے اس کا بھی علم ہے۔

اس باطل عقیدہ کا حتمی نتیجہ مندرجہ ذیل نکات کی صورت میں نکلتا ہے:

- اس عقیدہ باطلہ کی وجہ سے کتاب اللہ سے بے نیازی لازم آتی ہے جو صریح کفر ہے۔
- عوام الناس کے سوا علوم و معارف کو آل بیت علیہم السلام کی ذات کے ساتھ مخصوص سمجھنا ایسی صریح خیانت ہے جس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے ساتھ منسوب کیا گیا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے ساتھ خیانت منسوب کرنا کفر ہے۔ ایسا اعتقاد رکھنے والا کسی بھی بنیاد پر مسلمان کہلانے کا حق دار نہیں۔ اس عقیدے سے جناب علی رضی اللہ عنہ کی تکذیب لازم آتی ہے اور آپ رضی اللہ عنہ کے اس صریح و مستند قول کا بطلان ثابت ہوتا ہے کہ جس میں آپ رضی اللہ عنہ نے صراحت فرمادی ہے: ”اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آل بیت کے لئے احکام شریعت میں سے کسی چیز کو یا علوم و معرفت میں سے کسی قضیہ یا نکتہ کو انہیں مخصوص طور پر بتلا کر صیغہ راز میں نہیں رکھا۔“

- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جھوٹ بول کر کسی بات کو منسوب کرنا کبیرہ گناہ ہے۔ اللہ کے نزدیک اس حرکت کا شمار قبیح ترین حرکت میں ہوتا ہے۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ”مجھ پر جھوٹ گھڑ کر کسی جھوٹی بات کو تھوپنا تمہارے آپس میں ایک دوسرے پر جھوٹ باندھنے کی طرح نہیں ہے۔ اگر کسی شخص نے مجھ پر عدا جھوٹ باندھا

تو وہ ضرور جہنم رسید ہوگا۔“^①

❁ شیعہ کے اس اعتقاد سے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا پر تہمت طرازی لازم آتی ہے کہ: بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس خاص مصحف تھا جو قرآن کریم کے مقابلہ میں تین گنا بڑا تھا۔ اس میں قرآن کریم میں موجود حرفوں میں سے ایک حرف بھی پایا نہیں جاتا ہے۔ آخر سیدہ

فاطمہ رضی اللہ عنہا نے سب لوگوں سے اس قرآن کو چھپایا کیوں؟

❁ اس قسم کے اعتقاد رکھنے والے لوگوں کو کس بنیاد مسلمان کہا جائے؟ کیا ایسا عقیدہ رکھنے والے مسلمان ہو سکتے ہیں؟ کیا ان کا شمار اہل سنت والجماعت کے زمرے میں ہو سکتا ہے؟ کیا یہ تصور کیا جا سکتا ہے کہ ان کے پاس علوم و معارف کا ایسا خزانہ ہے؟ اہل سنت والجماعت کو جس کی دور دور کی ہوا تک نہیں لگی ہے۔ وہ اس جادۂ ہدایت پر گامزن ہیں مسلمانوں کو جس کا پتہ تک نہیں ہے۔ اس قسم کا تصور رکھنے والوں کا اہل سنت والجماعت سے کوئی ربط تعلق ہرگز نہیں ہو سکتا۔

واضح طور پر میں یہ بات کہنا چاہوں گا کہ اس قسم کی دروغ گوئی اور بے عقل کی باتوں کا اسلام کی طرف انتساب ہرگز درست نہیں ہو سکتا۔ دین اسلام اللہ کا منتخب کردہ دین ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس دین کے علاوہ اور کوئی دین قابل قبول نہیں ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ

مِنَ الْخَاسِرِينَ﴾ (آل عمران: ۸۵)

”جو شخص اسلام کے علاوہ کسی اور دین کا خواہاں ہو اس کا دین قبول نہ کیا جائے

گا۔ وہ آخرت میں نقصان پانے والوں میں ہوگا۔“

شیعہ برادران سے میری درخواست ہے کہ وہ ہمارے ہم رکاب ہو جائیں تاکہ ہم سب کے سب اس بڑی مصیبت اور عظیم مشکل سے نجات پا جائیں جس کی گہری کھائی میں ہم لوگ

① صحیح البخاری، کتاب الحناظر، حدیث: ۱۲۹۱۔

گر چکے ہیں۔ میری دعا ہے: اے اللہ! لوگوں نے آپ کی ذات کے ساتھ جو جھوٹ اور بہتان باندھا ہے اور تیرے رسول ﷺ کی ذات اور آل بیت رسول ﷺ کی ذات کو جن بہتان بازیوں اور دروغ گوئیوں سے آلودہ کرنے کی کوشش کی ہے اور تیرے نیک بندوں کو گمراہ کرنے، تیرے دین کی بنیاد کو بگاڑنے، تیرے نبی کی امت کے شیرازے کو منتشر کرنے اور تیرے رسول محمد ﷺ کے کلمہ کی وحدت کو پارہ پارہ کرنے کے لئے جو بے ہنگم اور باطل اسلوب اپنایا ہے، ہم اس سے براءت کا اعلان کرتے ہیں۔



پانچویں حقیقت

شیعہ کی قربانی کا عقیدہ

مؤلف کتاب [الکافی] نے اس بات کا انکشاف اپنی کتاب جلد اول میں کتاب الحجۃ کے ص: ۲۶۰ پر اس قول سے کیا ہے کہ ابو الحسن الکاظم جو کہ شیعہ اثنا عشریہ کے ائمہ میں ساتویں امام ہیں۔ انہوں نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک مرتبہ شیعوں پر غضب ناک ہو گیا۔ اس حالت میں مجھے اللہ تعالیٰ نے اختیار دیا کہ یا تو تم رہو اور شیعوں کو قربان کر دو یا خود قربان ہو جاؤ اور شیعوں کو بچالو۔ تو میں نے قربانی دے کر شیعوں کو بچالیا۔

یہاں ہمارا شیعوں سے یہ سوال ہے کہ اس موضوع اور خود ساختہ قصے کے کیا مقاصد ہیں؟ جس کی وجہ سے تم نے یہ اعتقاد اپنایا ہے؟ تم کو اس قصہ پر ایمان لانے اور اس کی تصدیق کرنے کے لئے مجبور کیا گیا اور اس حکایت کو من و عن تسلیم کرنے کے لئے ذہنی طور پر تیار کیا گیا کہ موسیٰ کاظم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے متبعین کو بچانے کی غرض سے اپنے آپ کو قربان کر دینے پر رضا مندی کا اظہار کیا تاکہ اللہ تعالیٰ آپ کے متبعین کی مغفرت فرمادے اور انہیں جنت میں بے حساب و کتاب کے داخل فرمادے۔

یہاں میں شیعہ برادری سے مخاطب ہو کر یہ کہہ چاہوں گا کہ ذرا ہوش کے زخن لو! اور سمجھ بوجھ سے کام لو! ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ لوگوں کو اپنی رضا اور خوشنودی کی راہ پر گامزن ہونے کی توفیق عطا فرمائے اور قول و عمل میں صراط مستقیم پر چلائے۔ ذرا اس دروغ گوئی اور بہتان طرازی پر غور و کرو۔ اگر مذکورہ عقیدے کو دروغ گوئی نہ کہا جائے تو اور کیا کہا جائے؟ درحقیقت یہ کھلی ہوئی بہتان تراشی اور اتہام بازی ہے۔ اس کو الزام تراشی کے علاوہ اور کچھ نام نہیں دیا جاسکتا۔ کیونکہ اس میں حق سے اغماض کیا گیا ہے اور حقیقت کو پس

پشت ڈال دیا گیا ہے۔ ذرا مذکورہ پیرا گراف کو غور سے پڑھو تمہیں پتہ چل جائے گا کہ یہ پیرا گراف کتنے خطرناک اعتقادات کا آئینہ دار ہے۔ ان اعتقادات کی حقیقت کا اگر آپ کو پتہ چل جائے تو آپ لوگوں میں سے کوئی شخص یہ گوارا نہ کرے کہ اسے اس کی ذات کی طرف منسوب کیا جائے یا اس کے نام سے منسوب کر کے ان کا حوالہ دیا جائے۔ اس عقیدے کی خرابیاں مندرجہ ذیل ہیں۔

..... مذکورہ اقتباس سے، جس کو شیعوں نے ابوالحسن موسیٰ کاظم رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب کیا ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف جھوٹ کی نسبت لازم آتی ہے۔ کیونکہ شیعوں کا اعتقاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ کاظم رحمۃ اللہ علیہ کو وحی کے ذریعہ بتلایا کہ وہ شیعہ برادران پر غصے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جناب موسیٰ کاظم رحمۃ اللہ علیہ کو اختیار دیا کہ یا تو اپنے نفس کو بچالیں اور پوری شیعہ برادری کو قربانی کی نذر کر دیں یا خود قربانی پیش کر کے اپنی قوم کو بچالیں۔ تو انہوں نے اپنی قربانی پیش کر کے شیعوں کو ہلاکت و بربادی سے بچالیا۔

ہمارا کہنا ہے کہ یہ اللہ کی ذات کے متعلق صریح جھوٹ اور دروغ گوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ

ارشاد فرماتا ہے

﴿وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَوْ كَذَّبَ بِآيَاتِهِ إِنَّهُ لَا

يَفْلِحُ الظَّالِمُونَ﴾ (الانعام: ۲۱)

”اور اس شخص سے بڑھ کر کون ظالم ہو سکتا ہے جو جھوٹ گھڑ کر اللہ کی طرف منسوب

کرے یا اس کی آیتوں کو جھٹلائے۔ بے شک ظالموں کی بھلائی نہیں ہو سکتی۔“

۲..... اس اعتقاد سے حضرت موسیٰ کاظم رحمۃ اللہ علیہ پر تہمت طرازی اور بہتان تراشی لازم آتی

ہے۔ کیونکہ موسیٰ کاظم رحمۃ اللہ علیہ نہ تو نبی تھے اور نہ ہی رسول۔ ان کی جانب اس بات کا

انتساب موسیٰ کاظم رحمۃ اللہ علیہ کی نبوت کی غمازی کرتا ہے۔ جبکہ ہمیں اس بات کا بخوبی علم

ہے کہ مسلمانوں کا اس شخص کے کفر پر اتفاق ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی شخص کی

نبوت کا اعتقاد رکھے۔ کیونکہ وہ اپنے اس قول کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے اس قول کی صریح خلاف ورزی کرنے والا کہلائے گا جس میں اللہ تعالیٰ نے اس بات کا اعلان فرما دیا ہے کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلَكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ

النَّبِيِّينَ﴾ (الاحزاب: ۴۰)

”محمد ﷺ تم مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں۔ البتہ اللہ کے رسول

اور خاتم النبیین ہیں۔“

اس اعتقاد سے شیعوں اور نصرا نیوں کے عقیدہ میں یکسانیت پیدا ہو جاتی ہے۔ جیسے کہ نصاریٰ کا اعتقاد ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے پوری انسانیت کی خاطر اپنی جان کا نذرانہ دیا اور تمام انسانیت کے گناہوں کا کفارہ بن گئے۔ شیعہ لوگ اسی پس منظر میں یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ جناب موسیٰ کاظم علیہ السلام نے شیعوں کی خاطر اپنی جان کا نذرانہ پیش کر کے اپنے رب کریم کے غصہ کا تاوان چکا دیا اور اس کے عذاب کا فدیہ پیش کر دیا۔ پتہ یہ چلا کہ شیعہ اور نصاریٰ دونوں میں عقیدہ کے اعتبار سے مماثلت پائی جاتی ہے۔ گویا دونوں کا عقیدہ ایک ہی ہے اور یہ بات طے شدہ ہے کہ نصاریٰ کتاب اللہ کی رو سے کافر ہیں۔ جیسا کہ قرآن کریم میں اس کی صراحت موجود ہے تو کیا شیعہ لوگ ایمان کے بعد کفر کی آلودگی سے اپنے دامن کو بچانا نہیں چاہتے؟ کیا صریح کفر سے بھی اپنے آپ کو بچانے میں انہیں دریغ ہے؟ کیا ایمان کے بعد کفر کا ارتکاب انہیں زیب دیتا ہے؟ اور کیا اس پر وہ راضی ہیں کہ کفر صریح کا کھلم کھلا ارتکاب کریں؟

قد هیؤوک لامر لو فطنت له

فاربأ بنفسک ان ترعی مع الهمل

”انہوں نے تم کو ایسے کام کے لئے آمادہ کیا ہے اگر تمہیں اس کی حقیقت کا پتہ

چل جائے تو تم ان جیسے بے لگام لوگوں کے ساتھ تعلق رکھنے سے گریز کرو۔“

شیعہ حضرات! میری تمہیں نصیحت ہے کہ اپنے آپ کو ہلاکت و بربادی سے بچاؤ۔ ان شیطانی اور یہودہ حرکتوں، بے اصل کہانیوں اور بے بنیاد باتوں کا عقیدہ رکھنے سے توبہ کرو۔ اس باطل عقیدہ سے براءت کا کھلم کھلا اعلان کر کے اس شیطانی چولے کو اتار کر پھینک دو کیونکہ تمہارے سامنے اس کا نعم البدل جاہِ حق جو مومنوں کا راستہ ہے، موجود ہے۔ اسے اختیار کرو، کامیاب و کامران ہو جاؤ گے۔



چھٹی حقیقت

امام کی معصومیت کا عقیدہ

یہ ایک ایسا فاسد عقیدہ ہے جو ائمہ شیعہ کو معصومیت عن الخطا اور وحی و اطاعت میں رسول اللہ ﷺ کے مرتبہ کا اہل قرار دیتا ہے۔ البتہ عورتوں کا معاملہ وہ آپ ﷺ سے مختلف مانتے ہیں۔ آئمہ شیعہ کو اتنی ازواج رکھنے کی اجازت نہ تھی جتنی نبی کریم ﷺ کے لیے جائز تھیں۔ اس کو صاحب الکافی نے دو روایتوں کے ذریعہ ثابت کیا ہے:

(۱)..... اس کی مذہبی کتاب الکافی کے کتاب الحج کے ص ۲۲۹ پر وارد ہوا ہے۔ مفضل، ابو عبد اللہ علیہ السلام کے پاس تھے۔ انہوں نے ابو عبد اللہ علیہ السلام کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: میں آپ پر قربان جاؤں۔ کیا اللہ تعالیٰ نے کبھی کسی بندے کی اطاعت کو بندوں پر فرض قرار دیا ہے اور اس سے آسمان کی وحی روک دی گئی ہو۔ ابو عبد اللہ نے جواب دیا: نہیں ایسا کبھی نہیں ہوا کیونکہ اللہ تعالیٰ معزز و مکرم ہے۔ اس کی ذات رحیم و کریم سے یہ بات بعید از قیاس ہے کہ وہ کسی بندے کی اطاعت کو اپنے بندوں پر فرض قرار دے اور اس سے آسمان کی خبروں کو صبح و شام آنے سے روک دے۔ یہ روایت اپنے منطوق کے اعتبار سے اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں پر شیعوں کی اطاعت کو فرض قرار دیا ہے۔ جس طرح اپنے رسول ﷺ کی اطاعت کو اللہ تعالیٰ نے بندوں پر فرض کیا ہے۔ بلکہ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ ان کے ائمہ پر وحی بھی آتی ہے اور صبح و شام ان کے ائمہ آسمان کی خبروں سے بھی بذریعہ وحی مطلع ہوتے ہیں۔ گویا انہوں نے یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ شیعوں کے ائمہ اور انبیاء مرتبہ میں برابر اور یکساں ہیں۔ دونوں میں ان کے اعتقاد کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں ہے۔

اس بات کا اعتقاد رکھنا کہ ہمارے نبی محمد ﷺ کے بعد بھی کوئی ایسی ذات ہے جس پر وحی آتی ہے اور وہ بھی نبی ہے، اسلام سے مرتد ہونے کی واضح نشانی ہے اور باجماع امت یہ

صریح کفر ہے۔ لیکن حیرت ہے کہ اس کے باوجود، شیعہ لوگ جن کو اپنے اس باطل عقیدہ پر ناز ہے جس کے اثبات کے لئے وہ جھوٹ پر جھوٹ اور دروغ پر دروغ کرتے ہیں۔ اس قسم کے عقیدہ کی طرف کس بنیاد پر انشراح صدر ہے؟ حالانکہ ان کا اس قسم کا اعتقاد انہیں اسلام سے کوسوں دور لیجا کر کھڑا کر دیتا ہے تاکہ وہ اسلام سے بے بہرہ ہو کر زندگی گزاریں اور اسلام سے ان کا دور کا تعلق تک نہ رہے۔ اگرچہ اپنی سوچ کے مطابق انہوں نے یہ باطل عقیدہ اس لئے گھڑا تھا کہ ایمان اور اسلام کے سایہ میں وہ بھی سعادت مندی کی زندگی سے محظوظ ہوں۔ اہل اسلام و ایمان کے زمرے میں شامل ہو کر کامیاب و کامران ہو سکیں۔ مگر ان کے اس اعتقاد کی نحوست نے انہیں اسلام و ایمان کا چولا اتار کر پھینک دینے پر مجبور کر دیا ہے۔ تعلیمات اسلامیہ اور احکامات دینیہ سے ان کے ربط و ضبط کو جڑ سے کاٹ کر پھینک دیا ہے۔

اے اللہ ان مجرموں کے ہاتھ ناکارہ بنا دے جنہوں نے ان لوگوں کو تیری ذات سے کوسوں دور کر کے تیری ذات سے تعلق کی جڑوں کو کاٹ کر پھینک دیا اور انہیں تیرے صراط مستقیم سے روگردانی پر آمادہ کر کے گمراہی کے دلدل میں ڈھکیل دیا ہے۔

(۲):..... دوسری روایت وہ ہے جس کو صاحب کتاب (الکافی) نے کتاب الحجۃ کے صفحہ ۲۲۹ پر نقل کیا ہے کہ محمد بن سالم سے روایت ہے: میں نے ابو عبد اللہ ع کو کہتے ہوئے سنا ہے: ائمہ رسول اللہ ﷺ کے قائم مقام ہیں اگرچہ وہ انبیاء نہیں ہیں۔ ان کے لئے عورتوں کے بارے میں وہ معاملہ روا نہیں ہے جو نبی کریم ﷺ کے ساتھ مخصوص ہے۔ اس کے ائمہ کا مرتبہ رسول اللہ ﷺ سے کسی صورت میں کم نہیں ہے بلکہ وہ من وعن رسول اللہ ﷺ کے مرتبہ پر فائز ہیں۔“ اگرچہ ظاہری طور پر اس روایت میں تناقض اور نظر آ رہا ہے لیکن حقیقت میں یہ روایت بھی ائمہ کی عصمت اور ان کی اطاعت کے وجود کی غماز ہے۔ اور اس بات کی دلیل ہے کہ ائمہ کے پاس وحی آتی ہے۔ کیونکہ ان کا یہ بات کہنا کہ الائمہ بمنزلۃ الانبیاء او بمنزلۃ رسول اللہ ﷺ الا فی موضوع النساء..... ائمہ مرتبہ کے اعتبار سے رسول

اللہ ﷺ کے قائم مقام ہیں، البتہ عورتوں کے معاملہ کے علاوہ ان میں اور انبیاء و رسول اللہ ﷺ میں فرق نہیں ہے۔“ یہ اس بات کی صراحت ہے کہ شیعوں کے ائمہ معصوم ہیں اور ان کی اطاعت واجب ہے۔ ان کے لئے وہ تمام خصائص اور کمالات ہیں جس سے نبی کریم ﷺ کی ذات بہرہ ور تھی۔ ہم یہاں یہ بات کہہ سکتے ہیں کہ اس تمام کذب بیانی کے پیچھے صرف اور صرف یہ مقصد کارفرما ہے کہ اس طرح کے اعتقادات اور اختلافات کو ہوادیکر فرقہ شیعہ کو ملت اسلامیہ اور اہل سنت والجماعت سے الگ تھلگ کر دیا جائے۔ یہ ثابت کر دیا جائے کہ شیعہ لوگ مسلمانوں کے علوم و فنون کے خزینہ اور حکمت و معرفت کے گنجینہ سے مستغنی ہیں۔ جو قرآن کریم اور سنت نبی کریم ﷺ کی صورت میں مسلمانوں کے پاس موجود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شیعوں نے دعویٰ کیا ہے کہ ان کے پاس مصحف فاطمہ ہے جو قرآن کریم سے بھی فائق ہے اور ان کے پاس جعفر اور جامعہ اور سابق انبیاء و رسول اور ان ائمہ معصومین کی وحی کا مسودہ موجود ہے جو مرتبہ میں نبی کریم ﷺ کے برابر ہیں۔ اس کی وجہ سے وہ کتاب و سنت سے، نعوذ باللہ، بے نیاز ہیں۔ مگر چار عورتوں سے زیادہ نکاح کے جواز میں ان کے پاس کوئی استثنائی شکل نہیں ہے۔ یہ اور اس قسم کے اعتقاد ہیں جو شیعوں کو اہل سنت والجماعت کے زمرے سے اس طرح نکال کر الگ کر دیتے ہیں جیسے کہ آٹے سے بال نکال کر الگ کر دیا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ان شریکوں اور ان خبیث النفس لوگوں کو نیست و نابود کرے! جنہوں نے امت مسلمہ کے جسم سے اس کے عزیز ترین حصہ کو جدا کر کے اسلام کے نام پر فتنہ و فساد پرپا کرنے کی کوشش کی ہے۔ ایک بہت بڑی مخلوق کو رسول اللہ ﷺ کے آل بیت علیہم السلام کی نصرت اور مدد کے نام پر آل رسول ﷺ کے بتلائے ہوئے طریقوں سے کوسوں دور لے جا کر کھڑا کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے ان لوگوں کو محض اپنے فضل و کرم سے ہدایت کی دولت سے مالا کر دے۔ دین کا پکا اور سچا داعی بنا دے۔ اسلام کا صحیح فہم اور دین کی صحیح فکر عطا فرما کر سرخروئی سے نوازے۔ (آمین!)

ساتویں حقیقت

صحابہ کرام کے ارتداد کا عقیدہ

شیعہ کا یہ ایک ایسا عقیدہ ہے جس پر تقریباً ان کے تمام رؤسا کا اجماع ہے، خواہ وہ ان کے بڑے بڑے فقہاء ہوں یا علماء ہوں یا دعاۃ ہوں۔ اس عقیدہ کی توضیح میں ان کی کتابیں بھری پڑی ہیں۔ شیعوں میں سے ہر شخص اسی عقیدہ کا اعلان اور پرچار کرتا دکھائی دیتا ہے۔ ان میں سے اگر کسی نے اس سلسلہ میں سکوت اختیار کیا تو سمجھ لو اس نے تقیہ کر کے اپنے عقیدہ کو چھپایا ہے۔ ورنہ وہ اسی مذکورہ عقیدہ کا قائل ہے۔ اس نے چپ سادھ کر اپنے شیعہ شاعر دینی کا دفاع کیا ہے۔ ہم اس حقیقت کا ثبوت فراہم کرنے کیلئے مندرجہ ذیل نصوص کا ذکر ناگزیر سمجھتے ہیں:

۱: (روضۃ الکافی للکلینی) کے صفحہ ۲۰۲ پر یہ روایت نقل ہے کہ حضرت حنان اپنے والد کے واسطے سے جناب ابو جعفر محمد بن علی الباقر رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں، انہوں نے حضرت مقدار، حضرت سلمان اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہم سے تفسیر صافی میں مذکورہ بالا روایت نقل کی ہے۔ صافی شیعوں کی عظیم الشان اور انتہائی معتبر تفسیر تصور کی جاتی ہے۔ اس میں بہت سی روایات نقل کی گئی ہیں جو شیعوں کے اس اعتقاد کی تائید کرتی ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آل بیت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور معدودے چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مثلاً حضرت سلمان فارسی، عمار بن یاسر اور حضرت بلال رضی اللہ عنہم کے علاوہ تمام کے تمام صحابہ کرام نعوذ باللہ مرتد ہو گئے تھے۔

جہاں تک شیخین کریمین سادات ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کا تعلق ہے تو شیعوں کی کتابوں میں ایسی نصوص پائی جاتی ہیں جو شیخین کی تکفیر کے لئے بطور دلیل موجود ہیں۔ انہیں اقوال میں ایک قول کو کتاب [الکلینی] کے مؤلف نے اپنی کتاب مذکور کے ص ۲۰ پر نقل کیا ہے۔ اس نے

جناب ابو جعفر محمد باقر رضی اللہ عنہ کی طرف روایت کو منسوب کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: ”میں نے امام ابو جعفر رضی اللہ عنہ سے شیخین کے بارے میں سوال کیا۔ انہوں نے جواب دیا: شیخین اس دنیا سے اس حالت میں رخصت ہوئے کہ وہ مرد ہو چکے تھے۔ ان کو توبہ بھی نصیب نہیں ہوئی اور نہ ان کو اس بات کا خیال آیا کہ انہوں نے امیر المؤمنین کے ساتھ کیا سلوک اور برتاؤ روا رکھا تھا۔ ان دونوں پر اللہ کی، ملائکہ کی اور ساری مخلوق کی لعنت ہو۔“ [نعوذ باللہ]

شیعوں کی کتاب الکلینی میں حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کے بارے میں ص ۱۰۷ پر یہ بات لکھی گئی ہے کہ ”کیا تم مجھ سے ابو بکر و عمر کے بارے میں پوچھتے ہو؟ میری عمر کی قسم! وہ دونوں تو منافق ہو گئے تھے۔ نعوذ باللہ من ذلك۔ ان دونوں نے اللہ کے کلام کو رد کر دیا تھا۔ رسول ﷺ سے استہزاء کیا اور ان کا مذاق اڑایا تھا۔ وہ دونوں کافر تھے۔ ان پر اللہ کی اور ملائکہ اور تمام مخلوق کی لعنت ہو۔“

ہم شیعہ برادران سے مخاطب ہو کر کہنا چاہیں گے: کیا کوئی عقل مند اور ذی ہوش انسان اصحاب رسول ﷺ پر کفر و ارتداد کا الزام تھوپ سکتا ہے؟ کیا یہ چیز تصور کی جاسکتی ہے کہ اصحاب رسول ﷺ پر اس قسم کا بہتان باندھا جائے؟ حالانکہ اصحاب رسول ﷺ ہی نبی کریم ﷺ کے وفادار ساتھی اور آپ ﷺ کے دین کے وفا شعار اور برگزیدہ مددگار تھے۔ وہ تو آپ ﷺ کی لائی ہوئی شریعت اسلامیہ کے حاملین تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ان سے رضامندی کا اظہار کیا ہے اور اپنے نبی ﷺ کی زبانی دنیا ہی میں ان کو جنت کی بشارت سے نوازا ہے۔ ان کے ذریعہ اپنے دین کی حفاظت اور حمایت کا کام لیا ہے۔ بلکہ انہیں کے ذریعہ دین اسلام کو بام عروج تک پہنچا کر ان کے نام کو دونوں عالم میں قیامت تک کے لئے زندہ جاوید بنا دیا ہے۔ ہم شیعہ برادران سے یہ بات پوچھنا چاہتے ہیں کہ تم نے اصحاب رسول ﷺ کی ذات کو لعنتی، کافر اور فاسق کہا ہے۔ جبکہ حقیقت میں اصحاب رسول ﷺ پاک و صاف ہیں۔ کیا اس حرکت کے پس پردہ کوئی چال یا کوئی مقصد کافر مانہیں ہے؟ ہم کہتے ہیں: ایسا ضرور ہے اس کا بنیادی اور جوہری مقصد یہ ہے کہ اسلام

کے چراغ کو ہمیشہ ہمیش کے لئے گل کر دیا جائے اور یہودیوں اور مجوسیوں سے برسر پیکار ہونے والے فریق کا نام و نشان مٹا دیا جائے۔ شرک و بت پرستی کے پرستاروں سے نبرد آزمائی کرنے والوں کو نیست و نابود کر دیا جائے۔

شیعوں کے اس عقیدہ کا بنیادی مقصد اس مجوسی دور کا احیا ہے جس کی اسلام اور مسلمانوں نے اینٹ سے اینٹ بجا دی تھی۔ جس کو تاخت و تاراج کر کے اسلامی جھنڈا اٹھایا تھا اور اس کے نام و نشان تک کو یکسر مٹا کر رکھ دیا تھا۔ گویا ہمیشہ ہمیش کے لئے اس کا نام و نشان کا وجود تک ختم ہو گیا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ انہی لوگوں نے اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل کی غرض سے کیا مسلمانوں کے دوسرے خلیفہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو مجوسی غلام سے قتل نہیں کروایا؟

کیا ان مخالفین اسلام نے خلیفہ المسلمین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف علم بغاوت بلند نہیں کیا تھا؟ امیر المؤمنین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ جس بغاوت کی نذر ہو کر شہید ہو گئے۔ دراصل دیار اسلام اور مسلمین میں سب سے پہلے فتنہ کا بیج یہی بغاوت تھی، جس کی بنیاد عبداللہ بن سبا یہودی نے رکھی تھی۔ اس منحوس فتنہ کے رحم سے شیعہ جیسے شیطان نے جنم لیا۔ یہ اسی یہودی کی اولاد ہیں جو ولایت علی رضی اللہ عنہ کی علم برداری کے دعوے دار ہیں۔ اسلام اور مسلمانوں کے سینے پر چڑھ کر ڈنکا بجانے کے درپے ہیں۔ گویا مجوسی اور یہودی کی صورت میں ننگی تلوار بن کر اسلام اور مسلمانوں کے سر پر لٹکر رہنا چاہتے ہیں۔ جو ولایت کی دعوت دے کر اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تکفیر کے درپے ہیں۔ انہوں نے مسلمانوں میں سے ہر اس شخص کی تکفیر اور ہر اس فرد کو اپنی لعن طعن کا نشانہ بنایا ہے جس نے اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی رضامندی کا اظہار کیا۔ یا اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی چاہی ہے۔ انہوں نے امامت کی بدعت کی داغ بیل ڈال کر مسلمانوں کے خلاف سازش کا جال بنا ہے یہی وہ سازش ہے جس کی وجہ سے مسلمانوں کے مابین گھسان کی جنگیں ہوئیں۔ اس سے اسلام کا شیرازہ منتشر ہو گیا اور اسلام کی عمارت کی بنیادیں ہل گئیں۔ یہ مسلمانوں کے ان دشمنوں کی سازش کے نتیجے میں ہوا جو اپنے آپ کو اسلام سے منسوب کرتے ہیں مگر حقیقت میں ایسے لوگ اعداء اسلام سے بھی زیادہ خطرناک ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جو اسلام کی صف میں دراندازی کر کے مسلمانوں کی مخالفت کے درپے ہیں

اور ان کے بالمقابل صف آرائی کر کے اسلام اور مسلمانوں کو صفحہ ہستی سے مٹا دینے کی کوشش میں مصروف ہیں۔ جو ملت اسلامیہ کے مد مقابل دشمنان اسلام کی طرح ڈٹے ہوئے ہیں۔ ہم شیعہ برادران سے کہنا چاہتے ہیں کہ تمہارے مذہب کی بنیاد اور اس کی خشت اول ان تلخ حقائق پر قائم ہے۔ انہی کی خدمت کی غرض سے تم لوگوں کے عقائد وضع کئے گئے ہیں اور بلاشبہ تمہارے مذہب کا اجراء اسی بنیاد پر ہوا ہے۔ گویا دین اسلام کے بالمقابل شیعوں کا بھی ایک مستقل دین ہے۔ جس کے اپنے اصول و مبادی ہیں، جس کی اپنی کتاب خاص ہے، جس کے خصوصی علوم و معارف ہیں۔ میرے کتابچہ میں اس کا تفصیلی بیان گزر چکا ہے اور آپ اس سے مطلع بھی ہو چکے ہوں گے۔ اگر آپ کو شیعوں کے عقائد کے بارے میں کچھ تردید یا شک و شبہ ہے تو ایک بار پھر آپ میرے اس کتابچہ کا مطالعہ کیجئے اور غور و فکر کر کے اس کے خطرناک اثرات کا جائزہ لیجئے۔ اگر شیعوں کے اہداف و مقاصد غلط نہ ہوتے اور ان کے اغراض و عزائم خباثت پرینی نہ ہوتے تو وہ ولایت اور امامت کی بنیاد ڈال کر مسلمانوں میں تفرقہ بازی کی کوشش نہ کرتے۔ نہ ان کے عقیدہ ولایت اور امامت کا کوئی معنی ہوتا بلکہ اس عقیدہ کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ شراغیزی اور تفرقہ بازی کا بیج بویا جائے اور مسلمانوں میں فتنہ و فساد کی آگ بھڑکادی جائے۔

اگر مسلمان کہلانے کا کوئی مستحق ہے تو وہ اہل سنت والجماعت کا گروہ ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کو حقیقت میں مسلمان کہا جاسکتا ہے۔ میں دعویٰ کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اہل سنت والجماعت کے گروہ میں کوئی ایسا شخص نہیں ہے جو رسول اللہ ﷺ کے آل بیت رضی اللہ عنہم سے بغض یا عداوت روا رکھتا ہو۔ آخر شیعہ برادران وصف ولایت و امامت کا دعویٰ کر کے اپنی انفرادی حیثیت ثابت کرنے کے درپے کیوں ہیں؟ اور امارت و ولایت کو اپنا ہدف بنا کر کیوں پیش کرتے ہیں؟ اس کی بنیاد پر مسلمانوں سے بغض و عداوت بلکہ شیخیوں کو کافر اور فاسق کہنے سے بھی گریز نہیں کرتے؟

امامت کا معاملہ کوئی مذاق یا کھیل تماشہ نہیں ہے۔ بلکہ اسلام نے مسلمانوں کو اپنی صوابدید پر ایسا حاکم چننے کا اختیار دیا ہے جو رب کریم کی شریعت اور ہدایت نبوی کے مطابق حکومت کرنے کا اہل ہو۔ لہذا مسلمانوں کو اس بات کا اختیار ہے کہ وہ جسے مناسب سمجھیں چن

کر حکومت کے لئے منتخب کریں۔ اپنی حکومت اور قیادت کے لئے جس کو لائق سمجھیں اسے شور
مئی کے ذریعہ بے دریغ اختیار کریں۔ اس کی قابلیت اور اہلیت کا خیال ضرور رکھیں۔ لیکن شیعہ
برادران کا کہنا ہے کہ ایسا کچھ نہیں ہے۔ بلکہ امامت کے لئے اسی کو منتخب کیا جائے گا جو وصیت
شده ہوگا۔ صراحت کے ساتھ جس کا نام منتخب کیا ہوا ہوگا۔ نیز ان کے امام کا معصوم ہونا بھی
ضروری ہے۔ ان کے عقیدہ کے مطابق اس پر وحی بھی آتی ہے۔ اس قسم کا امام مسلمانوں کو کس
زمانہ میں میسر آئے گا؟ کیا اس خوف سے شیعہ مسلمانوں سے کنارہ کشی اختیار کرنے کے درپے
ہیں کہ اہل سنت والجماعت کہیں ان کی امامت پر قبضہ نہ کر لیں؟ اسی لئے وہ مسلمانوں پر لعن طعن
کرتے اور ان سے بغض و عداوت کا معاملہ کرتے ہیں۔

اے شیعہ برادران! تم اس باطل عقیدہ کی کب تک غلامی کرتے رہو گے؟ تم اپنے جسم
سے آلودگی بھرے چولے کو اتار کر پھینک کیوں نہیں دیتے؟ اور اس کا لے اور باطل مذہب
کے طوق کو اپنے گلے سے اتار کیوں نہیں ڈالتے؟

شیعہ برادران! ہم یہاں یہ بھی صراحت کر دیں؛ تمہیں اس بات کا بخوبی علم ہونا چاہئے
کہ تم اپنی ذات اور اپنے کنبہ کے ذمہ دار ہو۔ لہذا سب سے پہلے تم اپنے نفس اور اپنے خاندان
کو اللہ کے عذاب سے بچانے کی کوشش کرو۔ یہ بات اسی وقت متوقع ہے جب تم صحیح طور پر
دائرہ ایمان میں داخل ہو جاؤ اور عمل صالح کے عادی بن جاؤ۔ یہ کتاب اللہ اور سنت رسول
اللہ ﷺ کی پیروی ہی سے ممکن ہے۔ تم مذہب شیعہ کی اندھیری نگری میں محصور ہو۔ لہذا
تمہیں ایمان صحیح کی معرفت اور اس کی حلاوت اور چاشنی کیوں کر نصیب ہو سکتی ہے؟ تم عمل
صالح کے عادی کیوں کر بن سکتے ہو؟ یہ اسی وقت ممکن ہے جب تم اہل سنت والجماعت کے
دامن عدل و انصاف میں آ کر پناہ گزیں ہو جاؤ؟ اس وقت تم کو کتاب اللہ کی حقیقت کا پورا پورا
اندازہ ہو سکے گا۔ تم کو پتہ چل جائے گا کہ کتاب اللہ باطل تاویلات اور دروغ گوئی کے
امکانات سے پاک و صاف ہے۔ جس کی عزت و ناموس کو گمراہ اور فسادی قسم کے شیعہ
داعیوں نے دروغ گوئیوں اور تہمت طراز یوں سے داغ دار کرنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن
اس کے برعکس سنت نبویہ صحیحہ ہر قسم کی دروغ گوئی اور شیعہ عقائد سے مبرا و منزه ہے۔ یہی وہ

کتاب و سنت ہے جس کے ذریعہ تم ایمان حقیقی اور صحیح و سالم عقائد اسلامیہ کی دولت سے بہرہ ور ہو سکتے ہو۔ اس عمل صالح کے ذریعہ اس میں نکھار پیدا کر سکتے ہو جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے مشروع قرار دیا ہے۔ یہی وہ عمل صالح ہے جو تزکیہ نفس کا فریضہ انجام دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس پر عمل پیرا ہونے والوں کو کامیابی و کامرانی سے ہم کنار کرنے کا وعدہ کیا ہے۔ لہذا شیعہ برادری کے لوگو! تم سے میری درخواست ہے کہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کے کشادہ صحن میں آ کر پناہ لے لو۔ تم قیام کے لئے موزوں جگہ پا جاؤ گے اور تم کو کشادگی بھی ملے گی۔

آخر میں یہاں یہ بھی وضاحت کر دینا مناسب سمجھتا ہوں کہ میں نے تم کو یہ نصیحت کسی لالچ یا ذاتی مفاد کی غرض سے نہیں کی۔ یا تمہارے علاوہ کسی شخص سے دادرسی یا مفاد کی وابستگی کی حرص میں نہیں کی ہے یا تم سے خوف و دہشت کی وجہ سے یا تمہارے علاوہ کسی اور شخص سے ڈر کی وجہ سے نہیں کی ہے۔ لہذا کوئی شخص اس قسم کا خیال اپنے ذہن و دماغ میں نہ لائے۔ اگر میں یہ کہوں کہ اللہ کی قسم! میں نے مذکورہ اسباب میں سے کسی سبب کو مد نظر رکھ کر یہ ناصحانہ انداز اختیار نہیں کیا ہے، تو میری قسم نہیں ٹوٹے گی۔ بلکہ اسلامی اخوت اور بھائی چارگی کی بنیاد پر میں نے ایسا کیا ہے۔ کیونکہ اللہ کے لیے، اس کی کتاب کے لیے، اس کے رسول ﷺ کے لیے ائمہ مسلمین کے لیے اور عام مسلمانوں کے لئے نصیحت واجب ہے۔ اسی حکم نبوی کو مد نظر رکھتے ہوئے میں نے ایسا کیا ہے۔ یہی وہ داعیہ ہے جس نے مجھے آپ کے لئے ناصحانہ اقدام کرنے پر آمادہ کیا اور میں نے یہ کلمات لکھ کر نصیحت کرنے کی سعادت حاصل کی۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ آپ کو انشراح صدر عطا فرمائے اور ان پند و نصائح کو آپ کے لئے باعث ہدایت اور دنیا و آخرت میں باعث سعادت بنائے۔ (آمین!)

وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِينَ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ



عقیدہ تقیہ حقیقت کے آئینے میں

شیعوں کے عقیدہ تقیہ کے بارے میں
فضیلۃ الشیخ عبدالرحمن بن ناصر البراک حفظہ اللہ کا مدلل اور مستند فتویٰ

مترجم
فضل الرحمن رحمانی الندوی (مدنی)
فاضل جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

استفتاء

فضیلۃ الشیخ عبدالرحمن ناصر البراک حفظہ اللہ

السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ امام بعد

ہماری آپ کی خدمت میں مؤدبانہ التماس ہے کہ آپ ہمیں شیعوں کے مشہور عقیدہ تقیہ کی لغوی و اصطلاحی تعریف اور کتاب و سنت کی روشنی میں اس کے شرعی حکم سے آگاہ فرما کر شکر یہ کا موقع عنایت فرمائیں۔ اسی طرح ان رافضیوں کی تردید کے سلسلہ میں ہماری رہنمائی فرمائیں جو اپنے عقیدہ تقیہ کے اثبات میں اللہ تعالیٰ کے اس قول:

﴿إِلَّا أَنْ تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقَاةً﴾ (آل عمران: ۲۸)

اور اللہ تعالیٰ کے قول:

﴿إِلَّا مَنْ أُكْرِهَ وَ قَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ﴾ (النحل: ۱۰۶)

کو بطور استدلال پیش کرتے ہیں۔ اور جیسا کہ فرقہ امامیہ سے تعلق رکھنے والے رافضیوں کا عقیدہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کا تعامل بھی عقیدہ تقیہ کے اثبات کی غمازی کرتا تھا۔ چنانچہ شیعوں کی مشہور زمانہ کتابوں میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

”عقیدہ تقیہ پر عمل نہ کرنے والا تارک صلاۃ کی طرح ہے۔“

جامع الاخبار ص ۱۱۰ اور بحار الانوار ۴۱۲/۷۵

عقیدہ تقیہ کے سلسلہ میں رافضی لوگ اپنے زعم باطل کی تاویل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ: ائمہ کرام نے اپنے دور میں ظلم و استبداد کے پیش نظر عقیدہ تقیہ پر عمل کیا تھا۔ اسی بنیاد پر روافض اہل سنت و الجماعت کے خلاف اپنے تبعین کو ترغیب دیتے ہیں کہ وہ بھی عقیدہ تقیہ پر عمل کریں۔ یہی وجہ ہے کہ روافض بعض ائمہ اہل بیت کی طرف منسوب کرتے ہوئے تقیہ کے

جواز میں یہ روایت پیش کرتے ہیں:

((مَنْ صَلَّى وَرَاءَ سُنِّيِّ تَقِيَّةً فَكَأَنَّمَا صَلَّى وَرَاءَ نَبِيِّ))

”جس شخص نے بطور تقیہ کسی سنی کی اقتداء میں نماز ادا کی گویا کہ اس نے نبی کے پیچھے اس کی اتباع میں نماز ادا کی۔“

اور شیعوں کا اپنی مشہور زمانہ کتاب الکافی میں یہ قول موجود ہے کہ اے ابو عمر! نوے فیصد دین عقیدہ تقیہ میں پنہاں ہے۔ اور جو شخص عقیدہ تقیہ کا قائل نہیں گویا کہ وہ دین و ایمان سے عاری ہے اور تقیہ سے کسی کو مفر نہیں۔ نبیذ اور مسح علی الخفین کے علاوہ ہر چیز میں تقیہ کی آمیزش ہے۔“ اور حضرت ابو جعفر رضی اللہ عنہ کی طرف روایت منسوب کرتے ہوئے شیعہ حضرات کا کہنا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:

”عقیدہ تقیہ میرے اور میرے آباء و اجداد کا دین ہے۔ اور جو شخص عقیدہ تقیہ پر کار بند نہ ہو تو اس کو ایمان سے کوئی سروکار نہیں۔“

شیعہ گروہ کے ملا اپنی کتاب الکافی میں جناب امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کرتے ہوئے آپ رضی اللہ عنہ کا قول نقل کرتے ہیں کہ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:

”میں نے اپنے والد کو کہتے ہوئے سنا ہے، آپ فرما رہے تھے: بخدا میرے نزدیک روئے زمین پر تقیہ سے زیادہ پسندیدہ اور کوئی چیز نہیں۔ میرے پیارے! جو شخص اپنے دل میں عقیدہ تقیہ پر عمل پیرا ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو رفعت اور بلندی سے ہمکنار کرتا ہے۔ اور جو شخص عقیدہ تقیہ سے ناپسندیدگی کا اظہار کرنا ہے اللہ تعالیٰ اس کو ذلت سے دوچار کر دیتا ہے۔ اور اے میرے عزیز! اگر حالات ناسازگار ہوں تو لوگوں کو یہ لائحہ عمل اختیار کرنا چاہئے۔

فضیلۃ الشیخ! میرا آپ سے سوال ہے کہ ہم اس باطل عقیدہ کے حاملین کے بارے میں کس قسم کا رویہ اختیار کریں۔ اور جو لوگ اس قسم کے باطل اعتقادات کے پیروکار ہیں ہم اہل سنت والجماعت کا ان کے بارے میں کیا موقف ہونا چاہئے؟

جواب

الْحَمْدُ لِلَّهِ وَحْدَهُ وَصَلَّى اللَّهُ عَلَى مَنْ لَا نَبِيَّ بَعْدَهُ، أَمَّا بَعْدُ:
میزان صرifi کے اعتبار سے تقیہ، نقیہ کے وزن پر ہے۔ اسی طرح سقاۃ کے وزن پر لفظ تقاۃ آتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے

﴿إِلَّا أَنْ تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقَاةً﴾

اور لغوی اعتبار سے تقیہ کا معنی ہے:

”دشمن یا مخالف کے شر سے بچاؤ کی خاطر بظاہر اس کے قول یا فعل کی موافقت کرنا اور دل میں اس کے لیے بغض و کراہت پوشیدہ رکھنا۔“

اور اصطلاحی اعتبار سے تقیہ کی تعریف یہ ہے:

مومن کا کفار و مشرکین کے شر سے بچنے کی خاطر بظاہر ان سے دوستی اور تعلق خاطر کا اظہار کرنا یا بادل ناخواستہ ان کے دین کے بعض شعائر کی موافقت کا اظہار کرنا، اس حال میں کہ قلب و دماغ ایمان پر پورے طور پر منشرح ہو۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكُفْرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللَّهِ فِي شَيْءٍ إِلَّا أَنْ تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقَاةً وَيُحَذِّرُكُمْ اللَّهُ نَفْسَهُ وَإِلَى اللَّهِ الْمَصِيرُ﴾ (آل عمران: ۲۸)

”مومنوں کو چاہیے کہ ایمان والوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا دوست نہ بنائیں اور جو شخص ایسا کرے گا وہ اللہ تعالیٰ کی کسی طرح کی حمایت میں نہیں۔ مگر یہ کہ اس کے شر سے کسی طرح سے بچاؤ مقصود ہو اور اللہ عز و جل اپنی ذات مقدس سے تم لوگوں کو ڈراتا ہے اور (جان رکھو) اللہ ذوالجلال ہی کے پاس جانا ہے۔“

مراد یہ کہ دارالحرب میں مسلمان کافروں سے ظاہری طور پر دوستی کا مظاہرہ کر سکتے ہیں۔ اور دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿مَنْ كَفَرَ بِاللَّهِ مِنْ بَعْدِ إِيمَانِهِ إِلَّا مَنْ أُكْرِهَ وَ قَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ
وَلَيْكُنْ مِنْ شَرِّحٍ بِالْكَفْرِ صَدَدًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِنَ اللَّهِ وَلَهُمْ عَذَابٌ
عَظِيمٌ﴾ (النحل: ۱۰۶)

”جو شخص ایمان کے بعد اللہ سے کفر کرے، بجز اس کے جس پر جبر کیا جائے اور اس کا دل ایمان پر برقرار ہو۔ مگر جو لوگ کھلے دل سے کفر کریں تو ان پر اللہ کا غضب ہے اور انہی کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔“

اور تفریق کے عمومی معنی میں نفاق کا بھی شمار ہوتا ہے۔ درحقیقت تفریق کا لغوی معنی بھی نفاق ہی ہے۔ یعنی ظاہر ایمان کا لبادہ اوڑھے ہوئے ہو اور باطنی طور اسلام اور مسلمانوں سے بغض اور کینہ اپنے سوياء قلب میں پوشیدہ رکھتا ہو۔ مراد یہ کہ ظاہری اعتبار سے تو اپنائیت کا مظاہرہ کریں اور پیٹھ پیچھے چھری لیے وار کرنے کے لیے تیار کھڑے ہوں۔ دراصل منافقین کا یہی شیوہ تھا۔ کیونکہ انہیں خطرہ تھا کہ اگر انہوں نے اپنے پوشیدہ راز کو فاش کیا تو اللہ کی مقرر کردہ سزاؤں کی زد میں آجائیں گے۔ اس لیے وہ مومنوں کی پکڑ سے بچنے کے لیے یہ حرکت کیا کرتے تھے تاکہ اپنی اس منافقانہ چال کی وجہ سے وہ جانی اور مالی دونوں اعتبار سے محفوظ و مامون ہو جائیں اور اس منافقانہ حرکت کی وجہ سے ان پر کسی طرح کی زد نہ آئے۔ چنانچہ ظاہراً کچھ ہوتا تھا اور باطن میں وہ لوگ اسلام اور مسلمانوں سے بغض و عداوت اور ان سے کینہ و کدورت رکھا کرتے تھے۔

جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِذَا لَقُوا الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا آمَنَّا وَإِذَا خَلَوْا إِلَىٰ شَيْطَانِهِمْ قَالُوا
إِنَّا مَعَكُمْ إِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزَءُونَ﴾ (البقرہ: ۱۴)

”اور وہ لوگ جب ایمان والوں سے ملتے تو کہتے کہ ہم بھی ایمان والے ہیں۔ اور جب اپنے بڑوں کے پاس جاتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ ہم تو (مسلمانوں سے) استہزاء کرتے ہیں۔“

نفاق کے پس پردہ یہ راز پنہاں ہے کہ مسلمانوں کی صفوں میں دراندازی کی جائے۔ ان کی صفوں میں دراڑیں ڈال دی جائیں اور ان کو شکوک و شبہات کا شکار بنا دیا جائے۔ تاکہ وہ اپنے دین و مذہب اور عقائد و عبادات کی طرف سے تردد کا شکار ہو جائیں اور ملت اسلامیہ کو شکوک و شبہات کے گرداب میں پھنس کر افتراق و انتشار کی نذر ہو جائے۔ مسلمانوں کے اندر بدعات و خرافات کی چنگاری کو ہوادے کر ملت اسلامیہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دی جائے اور ان کے دین و مذہب کی اصل ہیئت بگاڑ دی جائے تاکہ وہ صراط مستقیم سے دور سے دور تر ہوتے چلے جائیں۔ نبوی نہج زندگی سے ان کا تعلق ختم ہو جائے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے رسم کردہ نقوش جاوداں سے بیگانے ہو جائیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کا مصداق قرار پائیں۔ فرمایا:

﴿أَفَمَنْ زُيِّنَ لَهُ سُوءُ عَمَلِهِ فَرَآهُ حَسَنًا﴾ (فاطر: ۸)

”تو کیا وہ شخص جس کے لیے اس کے برے اعمال مزین کر دئے گئے ہیں (کیا وہ

انہیں اچھا سمجھتا ہے)۔“

نفاق کی یہی وہ قسم ہے جو رافضیوں کے مذہب کی اساس و بنیاد ہے۔ رافضیوں کا بانی عبداللہ بن سبا یہودی ہے۔ جس نے اسلام کا لبادہ اوڑھ کر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے لیے شیعیت کا ڈھونگ رچایا تھا۔ شیعوں کے ایک گروہ کو یہ عقیدہ باور کرایا تھا کہ جناب علی رضی اللہ عنہ (نعوذ باللہ) الہ ہیں۔ چنانچہ ان لوگوں نے جب امیر المومنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے روبرو اپنے اس عقیدہ کا اظہار کیا تو جناب علی رضی اللہ عنہ نے خندقیں کھودنے کا حکم صادر فرمایا اور آگ جلوا کر ان لوگوں کو اس جلتی ہوئی آگ میں جھونک دینے کا حکم دیا۔

اس بارے میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا قول مشہور ہے:

لَمَّا رَأَيْتُ الْأَمْرَ أَمْرًا مُنْكَرًا

أَجَجْتُ نَارِي وَدَعَوْتُ قَنْبَرًا

”اور جب میں نے کھلم کھلا ایک بڑے جرم کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر لیا تو

میں نے آگ جلوائی اور ان بد معاشوں کو اس کے اندر جھونک دیا۔“

اس وقت سے شیعہ تین ٹکڑوں میں بٹ گئے۔

(۱) غلاة:..... اس سے مراد کٹر قسم کے شیعہ ہیں جو غلو میں انتہا کو پہنچے ہوئے ہیں۔

(۲) سبابة:..... انہیں کو امامیہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ بعد کی اصطلاح میں ان کو

رافضہ کے نام سے پکارا جانے لگا۔ یہی وہ لوگ ہیں جو تبرہ بازی کرتے ہیں۔

(۳) مفضلة:..... ان کو شیعان علی رضی اللہ عنہ کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہ مطلقاً حضرت

علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت کا دم بھرتے ہیں۔ حالانکہ درحقیقت ان کو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی قدر و منزلت

کا پتہ ہی نہیں ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جو بعد میں ”زیدیہ“ کے نام سے معروف ہوئے۔

جہاں تک فرقہ امامیہ میں سے کٹر قسم کے رافضیوں کا تعلق ہے تو انہوں نے عقیدہ تقیہ کو

اپنے دین و مذہب کی بنیاد قرار دے کر اسے اپنے مذہب کا جزو لاینفک بنا لیا ہے۔ چنانچہ اس

فرقہ کے لوگ (حکومت اسلامیہ کے شرعی قوانین کے ڈر سے) اپنے کفریہ عقائد کو دل ہی دل میں

پوشیدہ رکھتے ہیں۔ یا سیدھے سادے اور سادہ لوح انسانوں کو دھوکہ دینے کی غرض سے اس

عقیدہ کو بطور حربہ استعمال کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ عقیدہ تقیہ کی غرض و غایت، جس کا

شیعہ لوگ دم بھرتے ہیں نفاق کا لبادہ اوڑھنا ہے۔ اس کے علاوہ روافض اس عقیدہ کے جواز

میں یہ بات کہتے ہیں کہ اہل بیت میں سے ائمہ کرام اور حضرت علی رضی اللہ عنہ بذات خود اور ان کے

بعد کے ائمہ بھی عقیدہ تقیہ کے قائل تھے۔ ان لوگوں نے خلفاء راشدین اور عامۃ الناس کے

ساتھ اس عقیدہ پر عمل کو رواج دیا۔ اس بات سے تو یہ گمان ہوتا ہے کہ: اہل بیت اور ائمہ کرام

بشمول سیدنا علی رضی اللہ عنہم کا نعوذ باللہ بظاہر عمل کچھ اور تھا اور اپنے دلوں میں یہ لوگ بطور تقیہ کچھ اور پوشیدہ رکھتے تھے۔ اس بات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے علی الاعلان آواز حق بلند کرنے سے گریز کیا اور دعوت حق کو کھول کر بیان کرنے سے پہلو تہی کی۔ ان لوگوں نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے چشم پوشی اختیار کی۔ بلکہ ظاہراً جس چیز پر یہ لوگ عمل پیرا تھے دل ہی دل میں یہ لوگ اس کو باطل سمجھتے تھے۔

یہ امیر المؤمنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شان میں گستاخی ہے اور ان کی ذات پر بہتان طرازی۔ کیونکہ امیر المؤمنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ حق کی آواز کو بلند کرنے کے عادی اور حق گوئی و بیباکی کی جیتی جاگتی تصویر تھے۔ آپ اللہ تعالیٰ کی راہ میں حق بات کہنے سے ذرہ برابر چوکنے والے نہیں تھے۔ اس سلسلہ میں کسی لعنت ملامت کرنے والے کی پرواہ نہیں کرتے تھے اور یہی حال آپ کے دونوں صاحبزادوں ساداتنا حسن و حسین، علی بن الحسین (زین العابدین)، آپ کے صاحبزادے محمد اور ان کے صاحبزادے جعفر صادق رضی اللہ عنہم کا تھا۔ یہ تمام کے تمام لوگ اس جھوٹ اور صریح تہمت سے منزہ و مبرا ہیں۔ یہ لوگ تو ایسے صاف گو انسان تھے کہ جس حق پر یہ لوگ عمل پیرا تھے انہوں نے اسے پردہ خفا میں نہیں رکھا تھا۔ بلکہ حق کو واضح کر کے لوگوں کو اس سے آشنا کروانا اپنا اوڑھنا چھوٹا بنا لیا تھا۔ اور باطل کے سامنے کبھی سرنگوں نہیں ہوئے۔ نہ ہی باطل کے لیے نرم گوشہ کا اظہار کیا جیسا کہ روافض کا خیال ہے۔

بقول روافض، ائمہ اہل بیت نے دعوت حق کی کوئی نصرت و حمایت کی، نہ باطل سے ہزد آزمانی کی کوئی تگ و دو کی اور نہ ہی اپنی زبان کے ذریعے برائی کے ازالہ کی کوشش کی۔ چہ جائیکہ اس کو روکنے کی جدوجہد کرتے۔ یہ اس وجہ سے کہ رافضیوں کے نزدیک بالفعل عقیدہ تقیہ کا تقاضا یہی تھا۔

ائمہ کرام رحمہم اللہ جمیعاً پر اس سے بڑا جھوٹ اور کیا ہو سکتا ہے کہ انہوں نے تقیہ کی نسبت نبی اکرم ﷺ کی طرف کی جس کا تذکرہ اس فتویٰ کے سائل نے اپنے سوال میں کیا ہے۔ تو

اس سلسلہ میں ہم یہی کہیں گے: ”سُبْحَانَكَ هَذَا بُهْتَانٌ عَظِيمٌ“ ہمیں ان کے اس مضحکہ خیز جھوٹ پر افسوس ہوتا ہے۔ ان لوگوں کی زبانی اس طرح کی جھوٹ گوئی کی بکثرت مثالیں پائی جاتی ہیں جس سے ان کی تاریخ بھری پڑی ہے۔ اس پر طرہ یہ کہ یہ لوگ جھوٹ بولتے تو ہیں لیکن اسے اچھی طرح کر بھی نہیں سکتے جو ان کی کم عقلی اور جہالت کی واضح دلیل ہے۔ جس نے ان کو اسلام کے ماتھے پر بدنماداغ بنا دیا ہے۔ رافضی لوگ اتنے جری ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی عظیم الشان شخصیت کی طرف تقیہ کی نسبت کرنے کی جسارت سے بھی باز نہیں آتے۔ سبحان اللہ! نبی کریم ﷺ کی ذات تو وہ ذات ہے جس کو مخاطب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

﴿فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ ۝ إِنَّا كَفَيْنَاكَ الْمُسْتَهْزِئِينَ ۝﴾ (الحجر: ۹۴-۹۵)

”پس آپ اس حکم کو جو آپ کو دیا جا رہا ہے کھول کر سنا دیجئے اور مشرکوں سے منہ پھیر لیجئے۔ آپ سے جو لوگ مسخر اپن کرتے ہیں ان کی سزا کے لیے ہم کافی ہیں۔“

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَغْتَ رِسَالَتَهُ ۗ وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ۝﴾ (المائدہ: ۶۷)

”اے رسول ﷺ جو کچھ بھی آپ کی طرف آپ کے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے آپ اس (امانت کو بحسن و خوبی) امت تک پہنچا دیجئے۔ اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اللہ کی رسالت کا حق ادا نہ کیا اور اللہ تعالیٰ آپ کو لوگوں کے (شر) سے محفوظ رکھے گا۔ اس لیے کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کافر لوگوں کو سیدھی راہ پر نہیں لاتا۔“

اس ذات گرامی کے بارے میں کس بنیاد پر یہ باور کیا جاسکتا ہے کہ وہ عقیدہ تقیہ کی موید

تھی؟ آپ ﷺ کی ذات تو وہ ذات ہے کہ جب مشرکین اور قریش مکہ نے آپ کو دعوت و تبلیغ اور اعلائے کلمتہ اللہ سے روکنے کی خاطر دنیا کے بیش بہا مال و دولت کی پیش کش کی اور آپ ﷺ کو رب کریم کی طرف سے سوئی گئی امانت کو امت تک پہنچانے سے روکنے کے لیے دلکش اور پرکشش پیشکش کی تو اس موقع پر آپ نے جو جملے زبان مبارک سے نکالے وہ سنہرے حروف سے لکھنے کے قابل ہیں۔ آپ ﷺ نے اس موقع پر ارشاد فرمایا تھا:

((وَاللّٰهُ لَوْ وَضَعُوا الشَّمْسَ فِي يَمِينِي وَالْقَمَرَ فِي شِمَالِي عَلَيَّ

أَنْ أَتْرَكَ هَذَا الْأَمْرَ مَا تَرَكْتُهُ)) [رواہ ابن اسحاق وغیرہ]

”قسم ہے باری تعالیٰ کی اگر قریش مکہ اس شرط پر میرے داہنے ہاتھ پر سورج اور

بائیں ہاتھ پر چاند بھی لاکر رکھ دیں کہ میں تبلیغ اور دعوت رسالت کے کام کو چھوڑ

دوں، تب بھی میں اس ربانی فریضہ کو نہیں چھوڑ سکتا۔“

نبی معظم ﷺ کی ذات گرامی تو ایسی با عظمت ذات ہے کہ جس نے حجۃ الوداع کے

موقعہ پر دنیا کے سب سے بڑے مجمع کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا تھا:

((أَنْتُمْ تُسْأَلُونَ عَنِّي ، فَمَا أَنْتُمْ قَائِلُونَ؟ قَالُوا نَشْهَدُ إِنَّكَ بَلَغْتَ

وَأَدَيْتَ وَنَضَحْتَ ، فَقَالَ بِأَصْبَعِهِ السَّبَابَةَ يِرْفَعُهَا إِلَى السَّمَاءِ

وَيَنْكُتُهَا إِلَى النَّاسِ : اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ .))

[متفق علیہ واللفظ لمسلم]

”آپ ﷺ نے امت مسلمہ کو اس بھرے مجمع میں مخاطب کرتے ہوئے ارشاد

فرمایا تھا: عنقریب تم سے میرے بارے میں پوچھا جائے گا تو تم کیا جواب دو

گے؟ پوری امت مسلمہ نے میدان عرفہ میں بیک آواز کہا تھا کہ ہم گواہی دیتے

ہیں: آپ ﷺ نے اللہ کی طرف سے سوئی ہوئی امانت کو ہم تک پہنچا دیا اور

اپنے فریضہ کو ادا کر دیا۔ اس موقعہ پر نبی کریم ﷺ نے اپنی انگشت شہادت کو

آسمان کی طرف بلند کیا اور لوگوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: اے اللہ!
تو امت مسلمہ کی اس شہادت پر گواہ رہنا! پھر اس جملہ کو بطور تاکید آپ ﷺ
نے تین مرتبہ دہرایا۔“

یہاں پر ہم یہ بات کہنے میں حق بجانب ہیں کہ: نبی کریم ﷺ کی طرف تقیہ کی نسبت
کرنا گویا؛ رب کریم کی رسالت کی تبلیغ اور دعوت کہ جس کی امانت آپ ﷺ کے کاندھوں
پر ڈالی گئی تھی کو کا حق امت مسلمہ تک پہنچانے میں آپ ﷺ کی ذات کو مورد الزام ٹھہرانا
اور آپ ﷺ کی ذات کو متہم قرار دینے کی ناکام کوشش کرنا ہے۔ اس الزام کے درپردہ
آپ ﷺ کے مقام و مرتبہ پر طعنہ زنی کرنا ہے مگر نبی کریم ﷺ کی عظمت روز روشن کی
طرح عیاں ہے اور ہر طرح سے مزکی و مصفیٰ ہے۔ اور کیوں نہ ہو؟ مشرکین مکہ نے تقیہ کا
مطالبہ کیا تھا تو فوراً وحی آئی:

﴿وَذُؤَالُو تَدٰهِنُ فَيَذٰهِنُوْنَ﴾ (القلم: ۹)

”وہ تو چاہتے ہیں کہ تم ذرا ڈھیلے پن کا مظاہرہ کرو تو یہ لوگ بھی ڈھیلے پڑ جائیں
گے۔“

آیت مذکورہ سے پتہ چلا کہ مشرکین مکہ اور قریش کی دلی خواہش یہ تھی: آپ ﷺ
دعوت دین سے باز آجائیں تو وہ بھی آپ ﷺ کی مخالفت سے باز آجائیں گے۔ مگر نبی
کریم ﷺ رسالت سماوی کی تبلیغ کو بااواز بلند لوگوں تک پہنچانے سے کہاں باز آنے والے
تھے؟ آپ دعوت توحید کو لوگوں تک پہنچانے میں ذرہ برابر کوتاہی سے کام لینے والے نہ تھے۔
آپ ﷺ کسی قیمت پر شرک و کفر کی مذمت اور عیب جوئی سے پہلو تہی کرنے والے نہ
تھے۔ آپ ﷺ کا مشن تو حق کو باطل سے ممتاز کرنے اور اسے نکھار کر پیش کرنے کا تھا۔ اس
بنیاد پر اہل سنت والجماعت کا متفقہ فیصلہ ہے کہ اگر کوئی شخص یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ نبی کریم ﷺ
نے اپنی زندگی میں تقیہ پر عمل کیا تھا چاہے وہ ایک ہی مسئلہ میں کیوں نہ ہو؟ تو ایسا شخص باجماع

امت دائرہ اسلام سے خارج اور مرتد ہو گیا ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ کی طرف اس عقیدہ کی نسبت سے اس رسالت کا کتمان ثابت ہوتا ہے جس کی تبلیغ کا اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو حکم دے کر مبعوث فرمایا تھا۔

جناب انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ: اگر نبی کریم ﷺ کسی چیز کو چھپانے والے ہوتے تو آپ ﷺ اس آیت کا کتمان فرماتے۔

﴿وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللَّهُ مُبْدِيهِ وَتَخْشَى النَّاسَ﴾ (الاحزاب: ۳۷)

[رواہ البخاری و مسلم]

”اور تم اپنے دل میں وہ چھپا رہے تھے جسے اللہ تعالیٰ ظاہر کرنے والا تھا اور تم کو لوگوں کی طرف سے خدشہ تھا۔“

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے؛ آپ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: جس شخص کا یہ عقیدہ ہو کہ رسول اللہ ﷺ نے کتاب اللہ میں سے کسی چیز کو صیغہ راز میں رکھا ہے تو اس نے اللہ کی ذات پر بہت بڑی بہتان طرازی کی ہے۔ [رواہ مسلم]

ایک دوسری روایت میں امّ المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: اگر نبی کریم ﷺ قرآن کریم میں سے کسی آیت کو چھپاتے تو آپ ﷺ اس آیت کا کتمان کرتے۔

﴿وَإِذْ تَقُولُ لِلَّذِي أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَأَنْعَمْتَ عَلَيْهِ أَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللَّهَ وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللَّهُ مُبْدِيهِ وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللَّهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَهُ﴾ (الاحزاب: ۳۷)

”اور اس وقت کو یاد کرو جس وقت آپ اس شخص (یعنی زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ) سے کہہ رہے تھے کہ جس پر اللہ نے انعام کیا اور آپ نے بھی: (میاں) تم اپنی بیوی کو اپنے پاس رکھو اور اللہ کا خوف کھاؤ۔ آپ اپنے دل میں وہ بات چھپا رہے تھے جسے اللہ ظاہر کرنے والا تھا۔ آپ کو لوگوں کی طرف سے خوف اور خدشہ بھی تھا

حالانکہ اللہ تعالیٰ اس کا زیادہ حق دار ہے کہ آپ اس سے خوف کھائیں۔“

(رواہ مسلم)

جہاں تک نبی کریم ﷺ کا بعض معروف منافقین کی طرف سے چشم پوشی کا معاملہ ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کے ان منافقین کے بارے میں حکم کی بجا آوری کے پیش نظر تھا کہ دنیاوی امور میں ان کے ساتھ عام مسلمانوں جیسا رویہ اختیار کیا جائے۔ اس کے باوجود آپ ﷺ نے حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کو منافقین کے ناموں کی نشاندہی کر دی تھی۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی محترم ﷺ کو منافقین کی علامتیں بیان کر کے ان سے برسر پیکار ہونے کا حکم دیا تھا اور ان کے برے انجام سے بھی مطلع فرمادیا تھا۔ جیسا کہ اس بارے میں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ میں تفصیلی وضاحت موجود ہے۔ جہاں تک بعض شریر انفس منافقین کی خاطر مدارات کا معاملہ ہے تو نبی کریم ﷺ کا ان کے ساتھ اس قسم کا معاملہ آپ ﷺ کے حسن اخلاق اور کریمانہ صفات کی وجہ سے تھا۔ اس سے منافقین کی تالیف قلبی مقصود تھی، اسی وجہ سے نبی کریم ﷺ گا ہے بگا ہے منافقین کو تحفہ تحائف سے بھی نوازتے رہا کرتے تھے۔ مگر اس کی وجہ سے برائی پر خاموش نہیں رہا جاسکتا اور نہ ہی منکر کی موافقت کی نشاندہی ہوتی ہے۔ بلکہ اس سے نبی کریم ﷺ کی دعوتی حکمت عملی کا پہلو اجاگر ہو کر سامنے آتا ہے۔

عقیدہ تقیہ کے سلسلہ میں اس مختصر بیان کے بعد یہ بات واضح ہو کر سامنے آ جاتی ہے کہ روافض جس عقیدہ تقیہ پر عمل پیرا ہونے کا اعتراف کرتے ہیں، اس کو ائمہ اہل بیت کی طرف منسوب کرنے پر ہی اکتفا نہیں کرتے بلکہ اسے نبی کریم ﷺ کی طرف بھی منسوب کرتے ہیں۔ جس کا تفصیلی بیان گذشتہ صفحات میں گذر چکا ہے۔ شیعہ روافض نے عقیدہ تقیہ کے جواز یا اس کی رخصت کا فتویٰ صادر کرنے پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ وہ عقیدہ تقیہ کو اپنے دین کی بنیاد قرار دیتے ہیں۔ اس باطل عقیدہ کو شیعوں کے لیے واجب قرار دیتے ہیں اور اس عقیدہ کے جواز کے لیے انہوں نے ائمہ کرام کی طرف ایسی من گھڑت روایات منسوب کی ہیں جو

سراسر ائمہ کرام کی ذات پر دروغ گوئی اور اتہام ہے۔ اس کے علاوہ اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے جیسا کہ گذشتہ صفحات میں بیان کیا جا چکا ہے۔ اس کے علاوہ اس سلسلہ میں شیعوں کے نزدیک اور بھی بہت سے ایسے من گھڑت اقوال اور بہت سی ایسی موضوع روایات ہیں جن پر غور و فکر سے پتہ چلتا ہے کہ وہ متن اور سند دونوں اعتبار سے ناقابل اعتبار ہیں۔ شیعوں کے علماء میں سے ایک عالم ”بابویہ“ نے اپنی کتاب ”الامتحقادات“ [ص: ۱۱۴] پر اس بات کی صراحت کی ہے کہ ہمارا عقیدہ تہ حقیت کے بارے میں خیال یہ ہے کہ:

”تہ حقیت واجب ہے۔ جس نے اس کو ترک کیا اس کا حکم تارک صلاۃ کی طرح ہے۔“ اس سے پتہ چلتا ہے کہ ہر شیعہ کے لیے ضروری ہے کہ وہ شیعوں کے علاوہ تمام مسلمانوں کے لیے عقیدہ تہ حقیت پر عمل کرے سوائے اپنے شیعہ بھائیوں کے۔ منافقین کا بھی یہی شیوہ تھا۔ جب وہ مسلمانوں کے مابین ہوتے تو ان سے موافقت کا اظہار کرتے اور جب منافقین کے ساتھ بیٹھتے تو ان کا راگ الاپتے جیسا کہ قرآن کریم نے ان کی اس عادت اور خصلت کے بارے میں کہا ہے کہ:

﴿وَإِذَا لَقُوا الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا آمَنُوا وَإِذَا خَلَوْا إِلَىٰ شُيُطِينِهِمْ قَالُوا إِنَّا مَعَكُمْ إِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُونَ﴾ (البقرہ: ۱۴)

”اور جب وہ ایمان والوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم بھی ایمان والے ہیں۔ اور جب اپنے بڑوں کے پاس جاتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تو تمہارے ساتھ ہیں ہم تو ان سے صرف مذاق کرتے ہیں۔“

روافض یہ عقیدہ اس لیے رکھتے ہیں تاکہ مسلم معاشرے میں ان کی عزت و آبرو اور جان و مال محفوظ رہے اور اہل سنت والجماعت کے درمیان منافقانہ انداز میں زندگی گزارنے کا جواز نکل آئے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ مسلم معاشرے میں اپنے اصل کفریہ اعتقاد کا اظہار نہیں کرتے۔ جیسا کہ ائمہ کرام کو الوہیت کے مرتبہ پر فائز کرنا یا ان کے بارے میں غلو کرنا، صحابہ

کرام رضی اللہ عنہم کی تکفیر کرنا، شیخین پر لعن و طعن کرنا اور ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت تراشی کرنا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس تہمت سے بری الذمہ قرار دیا ہے۔ جب مسلمانوں کی شان و شوکت اور ان کا رعب و دبدبہ کمزور پڑ گیا تو انہوں نے مسلم معاشروں میں ہونے والی بعض عملی بدعتوں کو رواج دینا شروع کر دیا۔ مثال کے طور پر نوحہ و ماتم کرنا، عاشوراء کے دن سینہ کو بلی کرنا، تعزیہ اور علم نکالنا۔ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کی یاد میں ماتم اور مجلس عزاء منعقد کرنا، محرم و چہلم کا بطور تہوار منانا اور عزاء داری کرنا وغیرہ وغیرہ۔

اس تفصیلی بیان کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ شیعوں کا عقیدہ ترقیہ دس برائیوں کا مجموعہ ہے اور وہ دس برائیاں یہ ہیں۔

۱..... اس میں مومنوں کو دھوکہ دینے کے لیے کسمان باطل اور اظہار حق میں منافقین سے مشابہت ہے۔

۲..... عقیدہ ترقیہ کو وسیلہ بنا کر اہل سنت و الجماعت کو اپنی اغراض مذمومہ کا شکار بنانا اور ان کو نقصان پہنچانا۔ یا اپنے باطل عقیدہ میں ان کو اپنا ہمنوا بنانا ہے۔ اہل سنت و الجماعت شیعوں کی ان نازیبا حرکتوں کے باوجود ان پر جانی و مالی ظلم سے گریز کرتے ہیں۔ مگر اہل سنت ان کی بدعات و خرافات کا سختی سے انکار کرتے اور ان کو نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ روافض کے بارے میں حقیقت کشائی کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

”جہاں تک رافضیوں کا تعلق ہے تو ان کی سرشت میں داخل ہے کہ وہ جس شخص کے ساتھ رہیں گے اس کے ساتھ اپنے عقیدہ ترقیہ کا استعمال ضرور کریں گے۔ اس کے بغیر ان کو کسی صورت میں چین نصیب نہیں ہوگا۔ یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ روافض اپنے دل میں دین فاسد چھپائے ہوئے ہیں۔ ان کا دل سیاہ ہے جو ان کو جھوٹ، دروغ گوئی، خیانت و بے ایمانی، لوگوں کے ساتھ دھوکہ دہی، فریب گوئی اور مخلوق خدا کے ساتھ بدظنی اور برائی پر آمادہ

کرتا ہے۔ فتنہ و فساد اور شرانگیزی کا کوئی ایسا حربہ باقی نہ بچا ہوگا جسے رافضیوں نے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف استعمال نہ کیا ہو۔ [منہاج السنہ : ۶/۴۲۵] ۳..... ان کے اغراض مذمومہ میں سے یہ بھی ہے کہ دین کے اندر ایک ایسی نئی شریعت کی داغ بیل ڈال دی جائے جس کا شریعت مطہرہ سے کوئی تعلق نہ ہو۔

۴..... ایک اساسی نقطہ یہ ہے کہ ان کی ایجاد کردہ بدعات و خرافات کو زور و شور سے اپنایا جائے۔ بلکہ اس میں غلو کی حدود کو بھی تجاوز کر لیا جائے۔ چنانچہ انہوں نے بغیر سوچے سمجھے اپنے اس مشہور عقیدہ کو واجب قرار دے دیا ہے۔ اس سے بھی بڑھ کر عقیدہ تقیہ کو دین اسلام کی بنیاد قرار دے دیا ہے۔ گویا کہ ان کے نزدیک دین کی اساس اور جڑ عقیدہ تقیہ ہے۔ یعنی تقیہ کے بغیر ان کا دین مکمل نہیں ہے۔

۵..... رافضیوں نے اس بدعت کو ایجاد کر کے منافقین جیسے کہ نصیریؑ، اسماعیلیؑ، اور عبیدی وغیرہ ہیں، کے لیے راستہ کھول دیا ہے۔ مذکورہ تمام فرقے اسلام میں شیعوں کے نام سے چور دروازے سے داخل ہوئے ہیں۔ یہ لوگ نام کے مسلمان ہیں اور دل میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ کفر کے مرتکب ہیں۔ جیسا کہ بعض اہل علم کا فرقہ عبیدیین اور ان جیسے فرقوں کے بارے میں خیال ہے۔ یہ لوگ اظہار تو شیعیت کا کرتے ہیں جب کہ دل میں خالص کفر لیے بیٹھے ہیں۔

۶..... رافضیوں نے اس باطل عقیدہ کی نسبت امیر المؤمنین سیدنا علیؑ اور ائمہ اہل بیت رضی اللہ عنہم کی طرف کر کے دروغ گوئی کا ارتکاب کیا ہے۔

۷..... رافضیوں نے ائمہ اہل بیت رضی اللہ عنہم کی طرف عقیدہ تقیہ کی نسبت کر کے ائمہ اہل بیت رضی اللہ عنہم سے مروی روایات اور ان کی زبان سے نکلے کلمات حق کی صداقت کو شک و شبہ کے باب میں شامل کر دیا ہے۔ اپنی اس حرکت کو تقیہ کہہ کر تاویل کر دی اور اپنے عقیدہ تقیہ کے مطابق اپنے آپ کو حق بجانب قرار دے لیا ہے۔

۸..... رافضیوں نے اپنے عقیدہ تقیہ کی نسبت اہل بیت رضی اللہ عنہم کی طرف کر کے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اہل بیت رضی اللہ عنہم نے دعوتِ حق کو کھلم کھلا بیان کرنے میں پہلو تہی سے کام لیا تھا اور پیغام رسالت کو امت مسلمہ تک پہنچانے میں کاہلی برتی تھی۔

۹..... عقیدہ تقیہ کو رواج دینے کے پس پردہ رافضیوں کا مطمح نظر یہ ہے کہ سیدھی سادھی عوام کو گمراہ کیا جائے تاکہ وہ اپنے ائمہ کرام اور دعوتِ حق کی موافقت میں اہل سنت والجماعت کے بارے میں تذبذب کا شکار ہو جائیں۔ جیسا کہ منافقین کا حال تھا۔ وہ ایسے تذبذب کا شکار ہو کر رہ گئے تھے کہ:

نہ ادھر کے رہے، نہ ادھر کے رہے

نہ خدا ہی ملا، نہ وصال صنم

اس لیے رافضیوں کے ائمہ سیدھی سادھی عوام کی گمراہی کے پورے طور پر ذمہ دار ہیں۔

جیسا کہ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

((مَنْ دَعَا إِلَى ضَلَالَةٍ فَعَلَيْهِ مِثْلُ آثَامِ مَنْ تَبِعَهُ، لَا يَنْقُصُ ذَلِكَ

مِنْ آثَامِهِمْ شَيْئًا)) [رواہ مسلم]

”جس شخص نے گمراہی کی دعوت دی تو وہ اپنے پیروکاروں کے گناہوں کے مثل

گناہوں کا حق دار ہے۔ ان گمراہ لوگوں کے ذاتی گناہوں میں کسی قسم کی کمی نہیں

ہوگی۔“

اور نبی کریم ﷺ نے ہرقل (روم کے بادشاہ کو) مخاطب کر کے لکھا تھا:

((فَإِنْ تَوَلَّيْتَ فَعَلَيْكَ إِثْمُ الْأَرِيْسِيِّنَ)) [رواہ البخاری و مسلم]

”اگر تم اسلام کی دعوت قبول نہیں کرتے تو تم ان دہقانوں کے گناہوں کے بھی

ذمہ دار ہو گے۔“ (مشفق علیہ)

۱۰..... روافض کے اس عقیدہ کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ جو لوگ رافضیوں کو حق کی دعوت دینا

چاہتے ہیں ان کے لیے راستہ مسدود کر دیا جائے تاکہ وہ ان کو حق کی رہنمائی نہ کر پائیں۔ کیونکہ اگر یہ لوگ اپنے باطل اور پوشیدہ عقیدہ کی نقاب کشائی نہیں کرتے تو پھر ان سے کس بنیاد پر مناقشہ اور مباحثہ کیا جاسکتا ہے؟

شریعت میں دی گئی رخصت اور عقیدہ تقیہ میں واضح فرق

.....۱ مسلمانوں کو شریعت کی طرف سے جو آسانی دی جاتی ہے اسے رخصت کہتے ہیں۔ مگر اس موقع پر بھی عزیمت پر عمل کرنا اولوالعزم لوگوں کا کام ہے۔ اس لیے مجبوری کے وقت شریعت نے تقیہ کی اجازت دی ہے۔ مگر روافض کے نزدیک عقیدہ تقیہ پر عمل کرنا واجب ہے، اس کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں۔

.....۲ شریعت نے جس تقیہ کی اجازت دی ہے اس کا اطلاق کفار و مشرکین کے ساتھ خاص ہے۔ جبکہ رافضیوں کے یہاں جس تقیہ کا رواج ہے وہ تقیہ جمہور امت مسلمہ کے ساتھ ہے۔ کیونکہ وہ بطور تقیہ اہل سنت والجماعت کو کافر گردانتے ہیں۔

.....۳ شریعت میں بحالت مجبوری عقیدہ تقیہ کے مباح ہونے کی اجازت دی گئی ہے جب کہ رافضی اسے اہل سنت کے ساتھ ہر وقت اور ہر حال میں مباح قرار دیتے ہیں۔

.....۴ اہل سنت کے نزدیک جو شخص کفار و مشرکین کے زرخے میں پھنس جائے اور اپنے ایمان کو صیغہ راز میں رکھنا چاہتا ہو تو اس کے لیے جائز ہے کہ اپنے ایمان کو چھپالے۔ مگر اس کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کفار کے عقائد اور ان کے مذہب کی موافقت کرتے ہوئے انہیں کے رنگ میں رنگا جائے۔ اس کے برعکس رافضیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ اگر وہ مسلمانوں کے درمیان ہوں تو بطور تقیہ انہیں کے عقیدہ کا اظہار کریں۔

.....۵ اس مسلمان کے لیے جو کفار کی حکومت کے تحت رہ رہا ہو اور اپنے دین کا اظہار نہ کر سکتا ہو اس بات کی اجازت نہیں ہے کہ کفار پر ظلم و زیادتی روا رکھے۔ ان کے ساتھ دھوکہ دہی کرے یا انہیں نقصان پہنچانے کی کوشش کرے۔ اس کے برعکس روافض اہل سنت کو

ہر وقت گزند پہنچانے کے درپے رہتے ہیں چاہے وہ ان کے درمیان ہی کیوں نہ رہے ہوں۔

جہاں تک اہل سنت کا روافض کے ساتھ اپنے تعلقات استوار رکھنے کا معاملہ ہے تو ہم ان کی عقیدہ تقیہ کے ساتھ وابستگی کے باوجود ان کے ساتھ وہی تعامل کریں گے جو اہل سنت منافقین کے ساتھ کرتے ہیں۔ ہم ان کے ظاہر پر حکم لگانے کے مجاز ہیں اور ان کے باطن کا معاملہ اللہ کے حوالہ کرتے ہیں۔ ہم ان کو واجبات شرعیہ ادا کرنے کا حکم دیں گے اور انہوں نے جو ظاہری طور پر منکرات و بدعات اور رسم و رواج گھڑ رکھیں ہیں حسب استطاعت اور بتدریج حکمت اور دانش مندی کے ساتھ معاشرے سے اس کے خاتمے کی کوشش کریں گے۔ منکر کا حتی الامکان آہستہ آہستہ ازالہ کرنے کی کوشش کریں گے اور ان کے حقوق ان تک پہنچانا اپنی ذمہ داری سمجھیں گے ان پر ظلم و زیادتی کرنے سے گریز کریں گے۔ ان تمام چیزوں کے باوجود ہمارے لیے ان کی طرف سے چوکنار ہنا بھی ضروری ہے۔ کیونکہ گذشتہ تصریحات سے یہ بات واضح ہو کر سامنے آگئی ہے کہ روافض اہل سنت سے دشمنی و عداوت پوشیدہ رکھتے ہیں۔ وہ ہر وقت اہل سنت کو گزند یا نقصان پہنچانے کے درپے رہتے ہیں۔ اہل سنت میں سے جو ان سے تعلق رکھتا ہے وہ اس سے تعلق رکھتے ہیں۔ وہ اسی کو اپنے سے تعلق رکھنے والا سمجھتے ہیں جو انہیں ان کے مذہب سے دست بردار ہونے کی دعوت نہ دے۔ جو انہیں اہل سنت کے بارے میں مورد الزام نہ ٹھہرائے۔ اہل سنت روافض سے خرید و فروخت کے معاملہ میں عام لوگوں کی طرح معاملہ رکھنے کے قائل ہیں۔ چنانچہ اہل سنت کے نزدیک روافض سے بغیر کسی دھوکہ دہی اور دروغ گوئی کے خرید و فروخت جائز ہے۔ کیونکہ معاملات میں جھوٹ اور بے ایمانی سراسر ظلم ہے اور کسی صورت میں بھی اس کا جواز نہیں ہے۔ کوئی ان میں سے کسی کو دعوت دین پیش کرنے کی قدرت اور صلاحیت رکھتا ہو تو سمجھو کہ یہ اس کے حق میں بہترین تحفہ ہے جو اسے مناسب موقع سے پیش کیا جائے:

﴿وَاللَّهُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ﴾ (البقرہ: ۲۱۳)

”در اصل اللہ جسے چاہتا ہے راہ ہدایت سے آشنا کر دیتا ہے اور سیدھے راستہ پر گامزن فرمادیتا ہے۔“

عقیدہ تقیہ کے ذکر کی مناسبت سے موزوں ہو گا کہ روافض اور اہل سنت کے مابین ہم آہنگی اور قربت جیسے پرخطر پروپیگنڈوں کی نشاندہی کرتے چلیں۔ اس سلسلہ میں ہمارا کہنا یہ ہے کہ اس قسم کی دعوت روافض کا مسلمانوں کو اپنے مکرو فریب کے جال میں پھانسنے کا پیش خیمہ ہے۔ جس کے ظاہری اثر سے اہل سنت کے بہت سے بڑھے لکھے لوگ متاثر نظر آتے ہیں۔ کیونکہ انہیں روافض کے اصول و مبادی کا پتہ نہیں ہے، وہ ان کے ہتھکنڈوں سے بالکل نا بلد ہیں اور وہ ان کے پرخطر عزائم سے غافل ہیں۔ انہیں پتہ نہیں ہے کہ روافض اور اہل سنت میں قربت اور ہم آہنگی کی وجہ سے اہل سنت کو ان کے بدعات و خرافات کے بدلے اپنے کن کن اصول و مبادی اور اپنے منہج حق سے کن کن شرعی ضابطوں اور اسلامی قواعد و قوانین سے دستبردار ہونا پڑے گا۔ روافض کے گمراہ کن پروپیگنڈا اور ان کی کج روی سے اغماض کر کے خاموش رہنا پڑے گا۔ اس لیے اہل سنت متنبہ ہو جائیں کہ روافض اپنے دین و مذہب کے اصول و ضوابط میں سے کسی ایک ضابطے اور قاعدے سے ذرہ برابر بھی ہٹنے کے لیے کبھی تیار نہیں ہوں گے۔ اگر انہوں نے ایسا کیا بھی تو وہ بطور تقیہ اس کو بروئے کار لائیں گے۔

اہل سنت اور رافضیوں میں قربت اور ہم آہنگی کی دعوت ایک ایسی چال ہے جس پر رافضی حکومت ایران میں اپنا تکیہ کئے بیٹھی ہے تاکہ اس کو خلیجی خطہ میں اپنے اہداف و مقاصد بروئے کار لانے کا موقع مل جائے۔ اپنے اثر و نفوذ کو قائم کرنے کا وسیلہ ہاتھ آ جائے اور اہل سنت کے ممالک میں مذہب رافضی کی اشاعت و ترویج کے لیے انہیں ہموار فضائل جائے۔

رافضی حکومت جو فلسطین کی مدد اور فلسطین میں غاصبانہ یہودی تسلط سے نبرد آزمانی کے دعوے کر رہی ہے اس سے کسی کو ہرگز دھوکہ نہیں کھانا چاہئے۔ یہ صرف پروپیگنڈا ہے جس کو ان

کے سیاست داں بڑھا چڑھا کر اعتماد کے پیرایہ میں بیان کر کے عوام کو دھوکہ دینے کے لیے کرتے نظر آتے ہیں، جو ان کے مکر و فریب سے بالکل نابلد ہیں۔ یہ سارے کے سارے دعوے حزب اللہ کی زبان سے سننے میں آرہے ہیں۔ درحقیقت یہ ایک سوچی سمجھی چال ہے جو اس خطے میں حکومت ایران کے اثر و نفوذ کو زیادہ سے زیادہ مستحکم کرنے کی غرض سے چلی جا رہی ہے۔

اگر رافضیوں کی تاریخ اٹھا کر دیکھی جائے تو ہمیں: ہماری امت کے اسلاف، چاہے وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، ہوں یا تابعین کرام و تبع تابعین ہوں یا ان کے بعد والے اسلاف عظام رحمہم اللہ اجمعین، ان خیر و عظمت والے لوگوں کے ساتھ روافض کے پرخطر عزائم والے عقیدے کے بارے میں ہمیں پتہ چل جائے گا کہ اہل سنت اور ان کے اسلاف کے لیے روافض کا ستم قاتل یہود و نصاریٰ کے زہر سے کچھ کم نہیں۔ یہ لوگ امت مسلمہ کے لیے یہود و نصاریٰ کی طرح انتہائی خطرناک عزائم رکھتے ہیں۔

اس سے بڑھ کر اس بات کی اور کیا دلیل ہو سکتی ہے کہ حکومت ایران کی دسترس میں رہنے والے اہل سنت کے ساتھ وہاں کیا رویہ اپنایا جا رہا ہے؟ کیا اس سے بھی بڑھ کر کوئی زندہ و جاوید مثال ہو سکتی ہے کہ سرزمین عراق پر صلیبی تسلط کے بعد اہل سنت کے ساتھ کیا رویہ اپنایا گیا اور ایرانی و عراقی سنیوں کو وہاں کے رافضیوں نے کس طرح ظلم و ستم کا نشانہ بنایا؟ ان پر طرح طرح کے ستم روا رکھنے کے لیے انہیں تختہ مشق بنایا گیا۔ اہل سنت کو ایران و عراق میں جس ظلم و بربریت کا نشانہ بنایا گیا ہے تاریخ عالم میں اس کی مثال ملنا مشکل ہے۔ کیا رافضیوں کی سنیوں سے دشمنی کی اس سے بڑھ کر اور کوئی مثال ہو سکتی ہے؟

عراق میں آخری دور کے تازہ ترین واقعات نے حکومت ایران کی لالچ بھری پلاننگ کا پردہ فاش کر دیا ہے۔ ایران عراق کے رافضیوں کی مدد میں اتنا سرگرم کیوں ہے؟ اہل سنت کے مقابلہ میں سرزمین عراق پر قابض اجنبی فوجوں سے اسے اتنی ہمدردی کیوں ہے؟ اس ہمدردی کے پس پردہ ایران کے عزائم یہ ہیں کہ سرزمین عراق پر رافضی حکومت قائم ہو جائے۔

اس کے بعد پھر ایران اور عراق دونوں حکومتیں گھل مل جائیں اور عراق سے اہل سنت کا صفایا ہو جائے۔ اس سے پتہ یہ چلا کہ اس خطہ میں رافضی خطرہ عظیم ترین خطرہ ہے جس سے اہل سنت کو چوکنار ہونا چاہئے کیونکہ اہل سنت والجماعت کے خلاف ایران کے پرخطر عزائم کی حقیقت منکشف ہو کر سامنے آچکی ہے۔ اس لیے سینوں کو رافضیوں کے دام میں پھنسنے سے پہلے اپنا انجام کار سوچ لینا چاہئے۔ ان کی چینی چڑی باتوں کے دام میں نہ آنا چاہئے۔ کیونکہ وہ کہتے کچھ ہیں اور کرتے کچھ اور ہیں۔ لہذا ان کی باتوں کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ اس لیے ہمیں ان لوگوں سے ہر وقت بھر پور ہوشیار اور چوکنار ہونا چاہئے۔

((نَسَأَلُ اللّٰهَ اَنْ يَنْصُرَ دِيْنَهُ ، وَاَنْ يَرُدَّ كَيْدَ اَعْدَائِهِ فِيْ نُحُوْرِهِمْ

وَيَكْفِيْنَا شُرُوْرَهُمْ ، اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ .))

وَصَلَّى اللّٰهُ وَسَلَّمْ عَلٰى نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰى اٰلِهِ وَصَحْبِهِ اَجْمَعِيْنَ .



متعد کی حقیقت

تالیف

فضیلۃ الشیخ / عثمان بن محمد النجیس حفظہ اللہ

ترجمہ

فضل الرحمن رحمانی الندوی

فاضل جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ

خطبہ مسنونہ

((إِنَّ الْحَمْدَ لِلَّهِ نَحْمَدُهُ وَنَسْتَعِينُهُ ① ، وَنَسْتَغْفِرُهُ ② ، وَنَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا ③ وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا ④ ، مَنْ يَهْدِهِ اللَّهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ ، وَمَنْ يَضِلَّ فَلَا هَادِيَ لَهُ وَأَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ ، لَا شَرِيكَ لَهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ ، وَرَسُولُهُ ⑤))

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ﴾ ⑥
 ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً ⑦ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ ⑧
 إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا ⑨﴾

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ⑩ يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ ، فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا ⑪﴾
 أَمَا بَعْدُ : فَإِنَّ خَيْرَ الْحَدِيثِ كِتَابُ اللَّهِ وَخَيْرَ الْهُدَى هُدَى مُحَمَّدٍ (صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) وَشَرُّ الْأُمُورِ مُحَدَّثَاتُهَا ، فَإِنَّ كُلَّ مُحَدَّثَةٍ بِدْعَةٌ ⑫ وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ ، أَلْضَلَالَةُ فِي النَّارِ ⑬))

① ② ③ ④ صحیح مسلم، کتاب الجمعہ، باب تخفیف الصلاة والجمعة: ۲۰۰۸،

⑤ ⑥ ⑦ ⑧ ابوداؤد، کتاب النکاح، باب فی خطبۃ النکاح: ۲۱۱۸ (نَحْمَدُهُ کے بغیر) مسند احمد

⑨ ⑩ ⑪ (إن اور نَحْمَدُهُ کے بغیر) جامع الترمذی، کتاب النکاح، باب ماجاء فی خطبۃ النکاح

: ۱۱۰۵ (نَحْمَدُهُ کے بغیر) ابن ماجہ بحوالہ مشکوٰۃ المصابیح: ۳۱۴۹ تصحیح فضیلۃ الشیخ

الالبانی وقال: حدیث صحیح

⑫ جامع الترمذی، حوالہ سابقہ ⑬ آل عمران: ۱۰۲ ⑭ النساء: ۱

⑮ الاحزاب: ۷۰-۷۱ ⑯ فَانْ كُلُّ مُحَدَّثَةٍ بِدْعَةٌ..... کے الفاظ مسند احمد

⑰ ۱۲۷/۴ (جلد نمبر ۵) کے ہیں۔ ⑱ صحیح مسلم: ۲۰۰۵

ترجمہ خطبہ مسنونہ

بلاشبہ سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں۔ ہم اس کی تعریف کرتے ہیں۔ اس سے مدد مانگتے اور اسی سے ہم بخشش طلب کرتے ہیں۔ ہم اپنے نفسوں کے شر اور اپنی بد اعمالیوں سے اللہ کی پناہ میں آتے ہیں۔ جسے اللہ (سیدھی) راہ سمجھا دے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جسے وہ گمراہ کر دے اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں (ہو سکتا۔) میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

”اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے۔ اور تمہیں موت نہ آئے مگر اس حال میں کہ تم مسلمان ہو۔“..... ”اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور (پھر) اس (جان) سے اس کی بیوی کو پیدا کیا۔ پھر ان دونوں سے بہت سارے مرد اور عورتیں پیدا کر کے (زمین پر) پھیلا دیے۔ اور ڈرو اللہ سے کہ جس کے نام پر تم ایک دوسرے سے (حاجت براری کے لیے) سوال کرتے ہو اور ناطہ توڑنے سے (بھی ڈرو) بلاشبہ اللہ تمہارے اوپر نگہبان ہے۔“

”اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور بات سیدھی (سچی) کہنا کرو۔ (ایسا کرو گے تو) اللہ تمہارے اعمال کی اصلاح کر دے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔ اور جس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کی، اس نے بڑی کامیابی حاصل کی۔“

حمد و صلوة کے بعد: یقیناً تمام باتوں سے بہتر اللہ کی کتاب ہے۔ تمام طریقوں سے بہتر طریقہ محمد (رسول اللہ ﷺ) کا ہے۔ اور تمام کاموں سے بدترین کام وہ ہیں جو (دین اسلام میں) اپنی طرف سے وضع کیے جائیں۔ دین میں ہر نیا کام بدعت اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ گمراہی کا انجام جہنم کی آگ ہے۔“

خاندان کی تشکیل ایک فطرتی ضرورت

معزز قارئین کرام! اللہ تبارک تعالیٰ اپنی کتاب عزیز میں ارشاد فرماتا ہے:

﴿وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ
بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ﴾ (الروم: ۲۱)

”اور اللہ کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تمہاری ہی جنس سے بیویاں پیدا
کیں تاکہ تم ان سے آرام پاؤ اور اس نے تمہارے درمیان محبت اور ہمدردی
قائم کر دی۔ یقیناً غور و فکر کرنے والوں کے لئے اس میں بہت سی نشانیاں ہیں۔“

عالم انسانی کی نظر میں خاندان ایک محور کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ ایک ہی آدمی سے شروع
ہوا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ تبارک نے اسی شخص سے اس کی بیوی کو پیدا کیا یوں اللہ تعالیٰ نے ایک

خاندان کی تشکیل فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ
مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي
تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ ط إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا﴾ (النساء: ۱)

”اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو، جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور
اسی سے اس کی بیوی کو پیدا کر کے ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں
پھیلا دیں۔ اس اللہ سے ڈرو جس کے نام پر ایک دوسرے سے مانگتے
ہو اور رشتے ناطے توڑنے سے بچو۔ بے شک اللہ تم پر نگہبان ہے۔“

اس سے معلوم ہوا کہ شادی بیاہ ایک خاندان کی بنیاد فراہم کرتا ہے اور یہی معاشرے کی

بنیادی اکائی بھی ہے۔

فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ مِنَ الْمَاءِ بَشَرًا فَجَعَلَهُ نَسَبًا وَصِهْرًا﴾ (الفرقان: ۵۴)

”یہ اللہ ہی کی ذات ہے جس نے پانی سے انسان کی تخلیق فرمائی ہے۔ پھر اسے

حسب و نسب اور ازدواجی رشتوں والا بنا دیا۔“

اس مختصر سی تمہید کے بعد ہمیں بخوبی پتہ چل گیا کہ کتاب و سنت میں اسلام نے خاندانی

نظام کے قیام پر کتنا زور دیا ہے۔ اب ہم اپنے موضوع کی طرف لوٹ کر آتے ہیں۔ ہمارا

موضوع ہے ”متعہ کی شرعی حیثیت۔“

متعہ و حلالہ کیا ہیں؟

”متعہ نام ہے اس اتفاق کا جو مرد اور عورت کے درمیان اس شرط پر طے پائے کہ مرد

اس عورت سے جس سے وہ معاملہ طے کر رہا ہے ایک متعین مال کے بدلے مخصوص مدت کے

لئے اپنی جنسی شہوت پوری کرے گا۔ اس کے بعد اسے چھوڑ دے گا اور اس عورت سے اس کا

کچھ تعلق نہیں رہے گا۔“

متعہ ایسی بیماری ہے جو سوسائٹی کے اندر ایک ناسور کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس

پر معاشرے کی بنیاد نہیں رکھی جاسکتی۔ الایہ کہ اشتراکی نظام رائج ہو جہاں ہر میدان میں عورت

مرد کے شانہ بشانہ کھڑی ہو۔ مگر اسلام کے اندر اس کو بنیاد بنا کر خاندان و برادری کی اساس نہیں

رکھی جاسکتی۔ نہ ہی اس کے بلبے پر حسب و نسب کی عمارت استوار ہو سکتی ہے اور نہ ہی اس کو کسی

گھر کی خشت اول قرار دیا جاسکتا ہے۔

روئے زمین پر کوئی شخص چاہے کتنا ہی گیا گذرا کیوں نہ ہو؟ وہ کبھی بھی یہ چیز گوارا نہیں

کر سکتا کہ کوئی شخص اس کی بہن یا ماں سے غیر شرعی طریقہ پر تعلق استوار کر کے ان کا جنسی

استحصال کرے۔ ہمیں تعجب ہے کہ فقہائے وقت اور مجتہدین زمانہ نے امت کی بہن بیٹیوں

کے ساتھ کیونکر اس کو حلال قرار دیدیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے اس پوری کائنات کو انسان کی خاطر

وجود بخشا ہے۔ پھر ان لوگوں کو کیا حق پہنچتا ہے کہ صنف نازک کو ہوس پرستوں کے ہاتھوں کھلوانا بنا کر بیچ دیں۔

اس سلسلہ میں نبی کریم ﷺ سے صراحت کے ساتھ منقول ہے کہ آپ ﷺ نے حلالہ کروانے والے اور حلالہ کی خدمت انجام دینے والے پر اللہ کی لعنت کی ہے۔ یہ حرمت کسی اور بنیاد پر نہیں ہے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ حلالہ صرف مرد اور عورت کے لئے جنسی تسکین پوری کرنے کا ذریعہ ہے۔ اس میں مرد اور عورت غریزہ شہوانی کی آگ بجھاتے ہیں۔ اس لئے اس کو شرعاً حرام قرار دیا گیا ہے۔ شیعہ فرقہ کا عقیدہ ہے کہ عبادات میں متعہ کا مرتبہ افضل و اشرف ہے۔ گویا کہ ان کے نزدیک یہ افضل ترین عبادت ہے اور اس کی فضیلت و اہمیت کے ثبوت میں شیعہ گروہ کے لوگ جھوٹی دلیلیں بھی پیش کرتے ہیں جس کا مفصل بیان آ رہا ہے۔

اگر انسان عقل و خرد سے کام لے اور متعہ کے بارے میں غور و فکر کر کے اس کے خدو خال پر نظر دوڑائے تو اس کو پتہ چل جائے گا کہ اس عقیدہ کے اندر کتنے مفسد روپوش ہیں۔ ہم آئندہ اس کا مفصل بیان کریں گے ان شاء اللہ تعالیٰ۔

اور اس بات میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں کہ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ عقیدہ متعہ اہل بیت ﷺ کے لئے باعث عزت و شرف اور ائمہ کرام ﷺ کے لئے اعزاز و اکرام کا ذریعہ ہے تو ایسے لوگ اپنے آپ کو دھوکہ دے رہے ہیں اور اپنے اس اعتقاد کی وجہ سے وہ ائمہ ﷺ نیز اہل بیت رضی اللہ عنہم کی اہانت کے مرتکب ہیں۔ وہ ان کی شان میں گستاخی اور ان پر دروغ گوئی اور تہمت طرازی کی سازش میں مبتلا ہیں۔ کہا جاتا ہے: عقلمند دشمن، بے عقل جاہل دوست سے بہتر ہوتا ہے۔ (ہمیں دوست نما دشمن بھی ملے تو انتہائی بے وقوف اور شیطانی صفات والے۔)

کیا کسی مسلمان عورت کو یہ بات زیب دیتی ہے کہ وہ اپنے اوقات کو شریعت محمدیہ علی صاحبہا التحیۃ والسلام کے نام پر مردوں کی گودیا ان کے پہلو گرم کرنے میں گزارتی پھرے۔

نہیں ایسا ہرگز نہیں بلکہ اسلام تو آیا ہی اس لیے ہے کہ وہ لوگوں کو کفر کی تاریکیوں سے نکال کر اسلام کی نورانی راہوں پر لا کر کھڑا کر دے۔ ذلت کی دلدل سے چھٹکارہ دلا کر اپنے ماننے والوں کو عزت و شرف کی راہ پر گامزن کر دے۔ جبکہ عقیدہ متعہ کا منشاء و مقصد یہ ہے کہ صنف نازک کی عزت و حرمت کو پامال کر کے اسے کسی قابل نہ چھوڑا جائے۔ اس کی حیثیت بے وقعتی کی چادر تلے اپنا دم توڑ دے اور ہر وقت وہ بطور کھلوانے نئے نئے ہاتھوں میں جا کر ان کے بستروں کو گرماتی رہے۔ بلکہ وہ ایسی مجبور و لاچار ہو جائے کہ ہر دن اور ہر لمحہ کسی کی گود میں بیٹھ کر اس کے لئے کھیل کود کا سامان مہیا کرے۔

اسی لئے اگر ہم چشم بینا سے دیکھیں تو ہمیں متعہ فحاشی کے اڈوں اور یورپ کے کلبوں میں بس اتنا فرق نظر آتا ہے کہ یورپ میں فحاشی کے اڈوں کی قانون حمایت کرتا ہے اور وہاں کا نظام اس کی اجازت فراہم کرتا ہے جبکہ شیعوں کا خیال ہے کہ محمد ﷺ کی شریعت، متعہ جیسے فعل کی پشت پناہی کرتی ہے۔

اس میں کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ اس قسم کا نظریہ نبی کریم ﷺ پر اور آپ ﷺ کی شریعت پر بہتان عظیم ہے۔ اس قسم کی دروغ گوئی وہی شخص کر سکتا ہے جس کو دین محمدی ﷺ سے کوئی لگاؤ نہ ہو بلکہ وہ نام کا مسلمان ہو۔

متعہ کی شرعی حیثیت:

ہمیں اس بات کا اعتراف ہے کہ کسی زمانے میں متعہ مباح تھا۔ اس کے بعد اسے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے حرام قرار دے دیا گیا۔ جیسا کہ شراب ایک زمانے میں حلال تھی مگر اس کے بعد شریعت نے اسے حرام قرار دے دیا۔ اب شراب نوشی باجماع امت حرام ہے۔ اسی طرح متعہ باجماع امت حرام ہے۔ اس میں دو رائے نہیں ہیں۔ جو اس کے خلاف ہے وہ اجماع امت کے خلاف ہے۔

لیکن اُن نام نہاد فرقوں میں سے کہ جو اپنی نسبت اسلام کی طرف کرتے ہیں ایک فرقہ

ایسا بھی ہے جو متعہ کی حرمت سے انکار کرتا اور اسے حلال قرار دیتا ہے۔
 اگر تاریخ اٹھا کر دیکھی جائے تو پتہ یہ چلتا ہے کہ اسلام اور شریعت محمدیہ کی طرف نسبت
 کرنے والے تمام کے تمام فرق متعہ کی حرمت کے قائل ہیں۔ یہاں تک کہ شیعہ فرقوں میں
 سے تمام فرق بھی متعہ کی حرمت کے قائل ہیں سوائے اثنا عشریہ کے۔ یہ فرقہ اپنی ڈھٹائی کی وجہ
 سے کسی صورت میں بھی متعہ کی حرمت کو ماننے کے لئے تیار نہیں ہے۔
 اگرچہ باطل فرقوں یعنی اسماعیلیہ، زید یہ اور خوارج وغیرہ کے اختلاف اہل سنت و
 الجماعت کے اجماع کے سامنے کچھ حیثیت نہیں رکھتے اور نہ ہی ان کا اختلاف اجماع امت پر
 اثر انداز ہوتا ہے پھر بھی یہ بات قابل بیان ہے کہ ان تمام باطل فرقوں میں سے صرف اثنا
 عشریہ ہی متعہ کے قائل ہیں باقی تمام فرقے اسے حرام قرار دیتے ہیں۔



متعہ کی حرمت کتاب و سنت اور اجماع سے ثابت ہے

کتاب و سنت اور اجماع سے تو اس کی حرمت کا اثبات ملتا ہی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ عقل سلیم بھی متعہ کی حلت کو ماننے کے لئے تیار نہیں۔ بلکہ انسان اگر سلیم الطبع اور صاحب عقل ہے تو وہ کبھی بھی اس کی حلت کا قائل نہیں ہو سکتا۔

کتاب اللہ سے متعہ کی حرمت کے دلائل کا بیان:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالَّذِينَ هُمْ لِغُرُوبِهِمْ حَافِظُونَ ۝ إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ ۝ فَمَنِ ابْتَغَىٰ وَرَاءَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْعَادُونَ ۝﴾ (المعارج: ۲۹ تا ۳۱)

”اور جو لوگ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ ہاں ان کی بیویوں اور لونڈیوں کے بارے میں جن کے وہ مالک ہیں انہیں کوئی ملامت نہیں۔ اب جو کوئی اس کے علاوہ اور (راستہ) ڈھونڈھے گا تو ایسے لوگ حد سے گذر جانے والے ہوں گے۔“

مذکورہ آیات سے پتہ یہ چلا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے جنسی تسکین کے لئے دو جائز طریقوں کو حلال قرار دیا ہے۔ ایک بیوی اور دوسری ”ملکِ بیمین“ یعنی لونڈی۔ لہذا اہل ایمان کی امتیازی شان یہ ہے کہ وہ جنسی تکمیل و تسکین کے لئے ناجائز ذریعہ اختیار نہیں کرتے۔ اگر کوئی شخص کوئی دوسری راہ اختیار کرتا ہے تو اس کو باغی یا حدود الہیہ کو پامال کرنے والا تصور کیا

جائے گا۔ گویا کہ وہ ہوس پرستی میں حد سے زیادہ تجاوز کر چکا ہے اور اسے اللہ کی حدود تک کا کوئی لحاظ نہیں۔

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے اس قول سے لوگوں کو باور کرا دیا ہے:

﴿فَمَنِ ابْتَغَىٰ وَرَاءَ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْعَادُونَ﴾ (المعارج: ۳۱)
 ”جو کوئی اس کے علاوہ کوئی اور راستہ ڈھونڈھے گا تو اس کا شمار حد سے تجاوز کر جانے والوں میں ہوگا۔“

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَأُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَاءَ ذٰلِكُمْ اِنْ تَبْتَغُوا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرِ مُّسْفِحِيْنَ ط﴾ (النساء: ۲۴)

”اور ان عورتوں کے سوا اور عورتیں تمہارے لئے حلال کی گئیں ہیں کہ اپنے مال کے مہر سے تم ان سے نکاح کر سکتے ہو، برے کام سے بچنے کے لئے نہ کہ شہوت رانی یا شناسائی کرنے کے لئے۔“

اور متعہ سراسر شہوت رانی اور شناسائی ہے اس میں دو آراء نہیں ہیں۔ اسی لیے متعہ کرنے والے کو محسن نہیں کہا جاسکتا۔ کیونکہ متعہ شادی کے قائم مقام نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ یہ نکاح شرعی نہیں ہے۔ لہذا اس طرح عورت سے استمتاع اور تلذذ ناجائز ہے۔ اس کا مفصل بیان ان شاء اللہ تعالیٰ آئندہ صفحات میں آ رہا ہے۔

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَنْ لَّمْ يَسْتِطِعْ مِنْكُمْ طَوْلاً اَنْ يَنْكِحِ الْمُحْصَنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ فَوْنَ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِنْ فَتَيَاتِكُمُ الْمُؤْمِنَاتِ ط﴾ (النساء: ۲۵)

”اور تم میں سے جس کسی کو آزاد مسلمان عورتوں سے نکاح کرنے کی پوری وسعت و طاقت نہ ہو تو وہ مسلمان لونڈیوں سے جن کے تم مالک ہو اپنا نکاح کر لے۔“

جو لوگ لونڈیوں سے نکاح کے عدم جواز کے قائل ہیں کیا ان کی نظروں سے یہ آیت مخفی رہ گئی کہ اللہ تعالیٰ صراحتاً اس آیت میں ان لوگوں کی اس جانب توجہ مبذول کر رہا ہے: ”جو لوگ پاک دامن عورتوں سے نکاح کرنے کی استطاعت نہیں رکھتے ان کو چاہئے کہ وہ لونڈیوں سے نکاح کر لیں۔“ جبکہ لونڈیوں سے نکاح، کرنا نکاح متعہ سے کہیں زیادہ مہنگا اور قیمتی ہے۔

تو پتہ یہ چلا کہ اگر نکاح متعہ بہتر ہوتا، اس میں خیر کا پہلو ہوتا یا اس کی حلت باعث خیر ہوتی تو اللہ تعالیٰ لونڈیوں سے نکاح کی ترغیب دینے کے بجائے نکاح متعہ کی ترغیب دیتا۔ لیکن اللہ تعالیٰ تبارک و تعالیٰ کا نکاح کی وسعت نہ ہونے کی صورت میں لونڈیوں سے نکاح کی طرف توجہ مبذول کرانا اس بات کی دلیل ہے کہ شریعت کے نزدیک نکاح متعہ کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَيْسَتَّعْفِيفُ الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ نِكَاحًا حَتَّىٰ يُغْنِيَهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ﴾ (النور: ۳۳)

”اور ان لوگوں کو پاک دامن رہنا چاہئے جو اپنا نکاح کرنے کی طاقت نہیں رکھتے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ انہیں اپنے فضل سے مالدار بنا دے۔“

یہاں پر اللہ تعالیٰ نے (وَلَيْسَتَّعْفِيفُ الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ نِكَاحًا) نہیں کہا..... مراد یہ کہ اگر متعہ حلال ہوتا تو اللہ تعالیٰ پاکدامنی کے بجائے متعہ کرنے کا حکم دیتا۔ حالانکہ (لَيْسَتَّعْفِيفُ) اور (لَيْسَتَّعْفِيفُ) دونوں میزان صرفی کے اعتبار سے ایک وزن کے کلمات ہیں۔ لیکن دونوں کے معنی میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ پہلے کلمہ سے مراد استمتاع کرنا یا تلذذ حاصل کرنا ہے اور دوسرے کلمہ سے مراد پاک دامنی ہے۔ اس سے مراد صحبت و مباشرت کے بعد کا استمتاع و تلذذ ہے۔

لیکن اس کے باوجود شارع حکیم کا یہ کہنا: وَلَيْسَتَّعْفِيفُ الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ نِكَاحًا حَتَّىٰ يُغْنِيَهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ اور (لَيْسَتَّعْفِيفُ) کی جگہ (لَيْسَتَّعْفِيفُ) کا

صیغہ استعمال نہ کرنا۔ اگرچہ متعہ (نکاح) سے سہل اور آسان ہے۔ اس میں خرچہ بھی بہت کم ہے اس میں متعہ کرنے والے کے لئے مستطیع ہونے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ تھوڑے سے خرچہ میں اسے بروئے کار لایا جاسکتا ہے۔ جیسا کہ شیعوں کی بعض روایات میں اس کی صراحت ہے کہ نکاح متعہ کے لئے مہر ایک مٹھی جو ہے۔ مراد یہ کہ ایک مٹھی جو میں یہ نکاح عمل پذیر ہو سکتا ہے۔ ❶ اس کے باوجود قرآن کریم کا صیغہ [لَيْسَتْ عَفْوَ] استعمال کرنا، متعہ کی حرمت کی دلیل ہے۔ مراد یہ کہ شریعت میں نکاح متعہ کی گنجائش نہیں ہے۔

اسی طرح الاحول احول سے مروی ہے کہ اُس نے جناب امام ابو عبد اللہ جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا: ”نکاح متعہ میں ادنیٰ سے ادنیٰ مہر کیا ہونا چاہئے جس کے ذریعہ نکاح متعہ منعقد ہو جائے؟ تو امام صاحب نے جواب دیا: اس کے لئے مٹھی بھر جو کافی ہیں۔ ❷

از روئے حدیث متعہ کی حرمت

سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: خیبر کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں سے متعہ کی ممانعت کا اعلان فرمادیا تھا۔ ❸

حضرت ربیع بن ثمرہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے موقع پر نکاح متعہ کی ممانعت فرمادی تھی۔ ❹

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: غزوہ اوطاس کے سال آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دن کے لئے ہمیں متعہ کی اجازت مرحمت فرمائی بعد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ممنوع قرار دے دیا۔ ❺

حضرت ربیع بن ثمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لوگو! میں نے تم کو عورتوں سے متعہ کی اجازت دی تھی تو کان کھول کر سن لو! اللہ تعالیٰ نے اب اسے

❶ رواہ الکلبی۔ ۴۵۷/۵۔ ❷ رواہ الکلبی فی الکافی۔ ج۔ ۵۔ ص۔ ۴۵۷۔

❸ صحیح البخاری، کتاب المغازی، حدیث: ۴۲۱۶، صحیح مسلم حدیث: ۳۴۳۵۔

❹ صحیح مسلم، کتاب النکاح حدیث: ۳۴۲۷۔

❺ صحیح مسلم، کتاب النکاح، حدیث: ۳۴۱۸۔

قیامت کے دن تک حرام قرار دے دیا ہے۔ اس لیے جس کے پاس ان متعہ والی عورتوں میں سے کوئی ہو تو اسے چاہیے کہ وہ اسے چھوڑ دے۔ اور جو چیز تم ان کو دے چکے ہو اسے واپس نہ لو۔“^①

نبی کریم ﷺ نے نوجوانوں کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا: نوجوانو! تم میں سے جو شادی کی طاقت رکھتا ہے اسے شادی کر لینی چاہئے اور جو شادی کی استطاعت نہیں رکھتا اسے چاہئے کہ وہ کثرت سے روزے رکھے کیونکہ روزے قوت شہوانی کو قابو میں رکھنے کا مجرب نسخہ ہیں۔^②

جونو جوان شادی کی استطاعت نہیں رکھتا آپ ﷺ نے نکاح متعہ کا حکم نہیں دیا حالانکہ نکاح متعہ آسان ہے جس پر زیادہ خرچہ بھی درکار نہیں ہے۔

جناب امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ: ”ان سے متعہ کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا: متعہ یعنی زنا ہے۔“^③

حُرمت متعہ از روئے اجماع:

نکاح متعہ کی حرمت پر بہت سے علماء کرام نے اجماع نقل کیا ہے۔ چنانچہ امام نووی، امام المازری، امام قرطبی، امام خطابی، امام ابن منذر اور امام شوکانی وغیرہم رحمہم اللہ جمیعاً اس کی حرمت کے قائلین میں صف اول کا مقام رکھتے ہیں۔

مذکور بالا تمام ائمہ نے متعہ کے حرام ہونے پر مسلمانوں کا اجماع نقل کیا ہے۔ لیکن دنیائے اسلام میں سے ایک فرقہ ایسا بھی ہے جو نکاح متعہ کے جواز کا قائل ہے۔ اس کی حلت کو ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے اور کہتا ہے کہ متعہ کا حکم ابھی تک باقی ہے۔ یہ منسوخ ہوا ہے نہ ہی اسے حرام قرار دیا گیا ہے۔ یہ شیعہ فرقہ ”اثنا عشریہ“ ہے۔

شیعہ کے دلائل

شیعوں نے نکاح متعہ کے جواز میں چند ایک دلائل پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ ہم ان

① صحیح مسلم، حدیث: ۳۴۲۲۔

② صحیح البخاری، کتاب النکاح، باب: ۲، حدیث: ۵۰۶۵، وصحیح مسلم، حدیث: ۳۳۹۸۔

③ اخرجہ البیہقی ج ۲۰۷/۷۔ یہ تھے جناب امام ابو عبد اللہ جعفر الصادق بن محمد الباقر بن علی زین العابدین بن حسین بن علی رضی اللہ عنہم۔

کے دلائل پیش کر کے ان کا مسکت جواب بھی دیں گے۔

(۱)..... شیعہ نے نکاحِ متعہ کے جواز میں سورہ نساء کی اس آیت سے استدلال کیا ہے:

﴿فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ فَرِيضَةً ط﴾ (النساء: ۲۴)

”لہذا تم جن عورتوں سے (فائدہ) اٹھانا چاہو انہیں ان کا مقرر کیا ہوا مہر دے دو۔“

شیعہ نے آیت مذکورہ میں لفظ اسْتَمْتَعْتُمْ اور کلمہ ﴿فَاتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ﴾ سے متعہ کی

اباحت پر استدلال کیا ہے اور تائید میں حضرت عبداللہ بن مسعود اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہما کی

قراءت: فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى..... بھی پیش کی ہے کہ یہ کلمات متعہ

کے جواز کی غمازی کرتے ہیں۔ یہ شیعہ کی پہلی دلیل ہے جو ان کے بقول متعہ کا جواز فراہم کرتی ہے۔

ان کی دوسری دلیل اہل بیت رضی اللہ عنہم کی طرف منسوب احادیث ہیں۔ شیعہ فرقہ کے ملاؤں

کا کہنا ہے کہ: اہل بیت رضی اللہ عنہم سے بعض ایسی روایات کا ثبوت موجود ہے جس سے متعہ کا

جواز ثابت ہوتا ہے۔

(۲)..... جناب علی رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے۔ ”اگر عمر بن الخطاب متعہ میں مجھ سے سبقت نہ

کرتے تو ہم میں سے بے وقوف لوگ ہی زنا کا ارتکاب کرتے۔“^①

(۳)..... ایک روایت میں ہے کہ بد بخت لوگ ہی زنا کا ارتکاب کرتے ہیں۔ (یعنی لوگوں

میں سے بہت ہی تھوڑے لوگ۔ کیونکہ متعہ کے ہوتے ہوئے جو ایسا کرے گا وہ بے وقوف ہی ہوگا۔)

(۴)..... امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے: ”جو ہمارے اسلاف کی اتباع نہیں

کرتا اور متعہ کو حلال نہیں سمجھتا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔“^②

(۵)..... امام محمد بن مسلم علیہ السلام سے مروی ہے: مجھے ابو عبد اللہ علیہ السلام نے فرمایا: ”تم دنیا

سے اس وقت تک نہ جانا جب تک کہ سنت (متعہ) کو زندہ نہ کرو۔“^③

① أخرجه صاحب الوسائل۔ وسائل الشیعة ۵/۲۱۔

② أخرجه صاحب الوسائل جزء ۲۱/ص ۸۔

③ أخرجه ایضا صاحب الوسائل ۱۵/۲۱۔

(۶)..... شیعہ کا یہ کہنا بھی ہے کہ متعہ نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے۔ اس کو تو عمر رضی اللہ عنہ نے حرام قرار دیا ہے۔ حالانکہ یہ محض ان کا کذب وافتراء والا خیال ہے۔

(۷)..... اہل سنت کا کہنا ہے کہ آیت متعہ منسوخ ہو چکی ہے اور سورت المعارج اور سورۃ المؤمنون کی آیات ناسخہ ہیں۔

﴿وَالَّذِينَ هُمْ لِغُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ ۚ إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ ۚ فَمَنْ ابْتَغَىٰ وَرَاءَ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْعَادُونَ﴾ (مؤمنون: ۵ تا ۷)

”اور وہ جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں، ہاں ان کی بیویوں اور لونڈیوں کے بارے میں جن کے وہ مالک ہیں انہیں کوئی ملامت نہیں، اب جو کوئی اس کے علاوہ (راہ) ڈھونڈھے گا تو ایسے لوگ حد سے گذر جانے والے ہوں گے۔“

شیعہ کہتے ہیں کہ سورۃ المعارج اور سورۃ المؤمنون کی آیات مکیہ ہیں۔ جب کہ سورۃ نساء کی آیت متعہ مدنیہ ہے۔ لہذا اکی آیت مدنی آیت کو منسوخ نہیں کر سکتی۔ یعنی وہ کہتے ہیں کہ آیت متعہ، آیت نبی سے نزول میں متاخر ہے اور یہ ممکن نہیں ہے کہ ناسخ منسوخ سے مقدم ہو۔

(۸)..... شیعہ کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ حرمت متعہ کے دلائل میں اضطراب پایا جاتا ہے کہ کسی حدیث میں نکاح متعہ یوم خیبر کو حرام قرار دے دیا گیا تھا اور کہیں وارد ہوا ہے کہ نکاح متعہ کو عام اوطاس میں ممنوع قرار دیا گیا۔ کسی حدیث میں آتا ہے کہ متعہ کے عدم جواز کا حکم فتح مکہ میں ہوا اور کہیں یہ بات باور کرائی جاتی ہے کہ نکاح متعہ کی ممانعت حجۃ الوداع میں وارد ہوئی۔ کبھی صلح حدیبیہ کے موقع پر اس کے عدم جواز کے حکم کے نزول کی بات کی جاتی ہے۔ کبھی یہ کہا جاتا ہے کہ اس کی حرمت کا حکم دو مرتبہ نازل ہوا۔ کبھی یہ کہا جاتا ہے کہ اس کی حرمت کا حکم ایک مرتبہ نازل ہوا اور کبھی کہا جاتا ہے کہ اس کی حرمت کا حکم تین مرتبہ نازل ہوا۔

شیعہ کا کہنا ہے کہ متعہ کے جواز یا عدم جواز میں اس طرح کا اضطراب اس بات کی واضح دلیل ہے کہ نبی کریم ﷺ سے کسی مستند اور قوی حدیث سے اس کا ثبوت موجود نہیں ہے۔

(۹)..... علاوہ ازیں شیعہ کا موقف ہے کہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی کریم ﷺ کی زندگی میں آپ ﷺ کے روبرو نکاح متعہ کیا تھا اور آپ ﷺ نے تردید نہیں فرمائی تھی۔ آپ ﷺ کی وفات کے بعد حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ابتداء میں متعہ پر عمل درآمد ہوتا رہا۔ یہاں تک حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں نکاح متعہ کی ممانعت کا حکم صادر فرمایا۔

تو متعہ کے جواز میں تقریباً یہ ہیں فرقہ شیعہ کے مجمل دلائل۔ آئیے اب ہم ان دلائل کا علمی جائزہ لیتے ہیں۔

شیعہ دلائل کا تنقیدی جائزہ

(۱)..... جہاں تک سورہ نساء کی آیت سے فرقہ شیعہ کا متعہ کے جواز میں استدلال فرمایا کرنے کا مسئلہ ہے تو ہمیں علماء تفسیر کی آراء اور ان کے اقوال کے طرف رجوع کرنا چاہئے۔ اس کے بعد ہمیں آیت کے موقع و محل کو دیکھنا چاہیے اور اس کے سیاق و سباق کا خیال رکھنا چاہئے۔

اسی قاعدہ کی رو سے ہم اس آیت کا مطالعہ کرتے ہیں:-
 ﴿فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ فَرِيضَةً﴾ (النساء: ۲۴)
 ”تم ان عورتوں میں سے جن سے فائدہ اٹھانا چاہو انہیں ان کا مقرر کیا ہوا مہر دے دو۔“

اگر اس آیت کے سیاق و سباق پر غور کیا جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ اس آیت کا نکاح متعہ سے دور دور کا بھی تعلق نہیں ہے۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سورہ نساء کی اس سے گزشتہ آیت میں ان عورتوں کی فہرست بیان

کردی ہے۔ جن سے ابدی طور پر نکاح حرام ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿وَلَا تَنْكِحُوا مَا نَكَحَ آبَاؤُكُمْ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَمَقْتًا وَسَاءَ سَبِيلًا﴾ (النساء: ۲۲)

”اور ان عورتوں سے نکاح مت کرو جن سے تمہارے باپ نکاح کر چکے ہوں، مگر جو پہلے گزر چکا، بے شک یہ ہمیشہ سے بڑی بے حیائی اور سخت غصے کی بات ہے اور براراستہ ہے۔“

اس سے اگلی دو آیات میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ وَعَمَّاتُكُمْ وَخَالَاتُكُمْ وَبَنَاتُ الْأَخِ وَبَنَاتُ الْأَخْتِ وَأُمَّهَاتُكُمُ الَّتِي أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوَاتُكُمُ مِنَ الرَّضَاعَةِ وَأُمَّهَاتُ نِسَائِكُمْ وَرَبَّاتُكُمُ الَّتِي فِي حُجُورِكُمْ مِنْ نِسَائِكُمُ الَّتِي دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَإِنْ لَمْ تَكُونُوا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ وَحَلَائِلُ أَبْنَائِكُمُ الَّذِينَ مِنْ أَصْلَابِكُمْ وَأَنْ تَجْبَعُوا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَحِيمًا وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ كَتَبَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ وَإِجْلًا لَكُمْ مَا وَرَاءَ ذَلِكَُمْ أَنْ تَبْتَغُوا بِأَمْوَالِكُمْ مُحْصِنِينَ غَيْرَ مُسْفِحِينَ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ فَرِيضَةً وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيهَا تَرْضَيْتُمْ بِهِ مِنْ بَعْدِ الْفَرِيضَةِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا﴾ (النساء: ۲۳-۲۴)

”اور ان عورتوں سے نکاح مت کرو جن سے تمہارے باپوں نے نکاح کیا ہے مگر جو گذر چکا۔ یہ بے حیائی کا کام اور بغض کا سبب ہے اور بڑی بری راہ ہے۔“ حرام کی گئیں تم پر تمہاری مائیں، اور تمہاری بیٹیاں، اور تمہاری بہنیں، تمہاری

پھوپھیاں اور تمہاری خالائیں، تمہاری بھتیجیاں، تمہاری بھانجیاں اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا ہو، اور تمہاری دودھ شریک بہنیں، اور تمہاری ساس اور تمہاری وہ پرورش کردہ لڑکیاں جو تمہاری گود میں ہیں۔ تمہاری ان عورتوں سے جن سے تم دخول کر چکے ہو (ہاں!) اگر تم نے ان سے جماع نہ کیا ہو تو تم پر کوئی گناہ نہیں۔ اور تمہارے سگے بیٹوں کی بیویاں۔ اور تمہارا دو بہنوں کا جمع کرنا۔ (ایک نکاح میں بھی حرام نے۔) ہاں جو گذر چکا سو گذر چکا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ بخشے والا مہربان ہے۔ اور حرام کی گئیں تم پر شوہر والی عورتیں مگر وہ جو تمہاری ملکیت میں آجائیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ احکام تم پر فرض کر دیئے ہیں۔ ان عورتوں کے سوا اور عورتیں تمہارے لئے حلال کی گئیں کہ اپنے مال کے مہر سے تم ان سے نکاح کرنا چاہو، برے کام سے بچنے کے لئے نہ کہ شہوت رانی کرنے کے لئے۔ اس لئے جن سے تم فائدہ اٹھاؤ انہیں ان کا مقرر کیا ہوا مہر دے دو اور حق مہر مقرر کر لینے کے بعد اگر تم آپس میں راضی ہو جاؤ تو اس میں تم پر کچھ گناہ نہیں ہے۔ بے شک اللہ عزوجل خبردار ہے، نہایت حکمت و دانائی والا۔“

ان آیات کے سیاق و سباق سے پتہ چل رہا ہے کہ مذکورہ آیت اپنے منطوق کے اعتبار سے نکاح شرعیہ پر دلالت کر رہی ہے نہ کہ نکاح متعہ کو حلال قرار دینے کے لئے اس کا ورود ہوا ہے۔ اسی لئے اللہ تبارک و تعالیٰ نے سب سے پہلے اس آیت میں ان عورتوں کا تذکرہ کیا ہے جن سے شرعی طور پر نکاح کرنا حرام ہے۔ جیسے کہ ماں، اپنی بیٹی، حقیقی بہن، پھوپھی، خالہ، بھتیجی، بھانجی، رضاعی ماں، رضاعی بہن، ساس، مدخولہ بیوی کے پہلے خاوند سے لڑکیاں اور وہ پرورش کردہ لڑکیاں جو تمہاری گود میں ہوں تمہاری مدخولہ بیوی کے ساتھ۔ اور اگر تم نے ان عورتوں سے جماع نہ کیا ہو تو کوئی حرج نہیں۔ اور بہو ویں جو کہ تمہاری اپنی اولاد کی عصمت میں ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے دو بہنوں کو ایک ساتھ جمع کرنے کی ممانعت فرمائی

ہے اور اس کے بعد شوہر والی عورتوں سے شادی کی حرمت بیان کی گئی ہے کہ ان سے تمہارے لئے شادی کرنا جائز نہیں ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرما رہا ہے: ان مذکورہ عورتوں کے علاوہ دیگر تمام عورتیں تمہارے لئے حلال ہیں جن سے تم نکاح کر سکتے ہو۔

لہذا مذکورہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ شیعہ گروہ کا اس آیت کو متعہ کے جواز کے لئے بطور استدلال پیش کرنا کسی صورت میں درست اور جائز نہیں ہے۔ کیونکہ یہ آیت نکاح صحیح کے اثبات کے لئے وارد ہوئی ہے تاکہ ایک مسلمان کو معلوم ہو جائے کہ کن کن عورتوں سے نکاح کرنا جائز ہے۔ اس آیت کے بارے میں متعہ کے جواز کی بات کرنا تو دور کی بات ہے، اس سلسلہ میں سوچنا بھی محال ہے۔ کیونکہ اس آیت کا ذرہ برابر بھی متعہ سے تعلق نہیں ہے۔

آپ ذرا اس آیت کے سیاق پر غور کیجئے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ فَرِيضَةً وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِي مَا تَرْضَيْتُمْ بِهِ مِنْ بَعْدِ الْفَرِيضَةِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا﴾ (النساء: ۲۴)

”اس لئے تم ان میں سے جن عورتوں سے فائدہ اٹھاؤ انہیں ان کا مقرر کیا ہوا مہر دے دو اور مہر مقرر ہو جانے کے بعد تم آپس کی رضامندی سے جو طے کر لو اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ علم والا حکمت والا ہے۔“

اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کو پڑھیں:

﴿وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ كِتَابَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَأُجَلَ لَكُمْ مِمَّا وَرَاءَ ذَلِكَ أَنْ تَبْتَغُوا بِأَمْوَالِكُمْ مُحْصِنِينَ﴾ (النساء: ۲۴)

”اور ان سے نکاح بھی حرام ہے جو عورتیں شادی شدہ ہیں لیکن جو تمہاری ملکیت

میں آجائیں تو یہ لوٹدیاں جائز ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ احکام تم پر فرض کر دیئے ہیں۔ اور ان مذکورہ عورتوں کے علاوہ دوسری عورتیں تمہارے لئے حلال کی گئیں ہیں کہ اپنے مال مہر کے عوض تم ان سے نکاح کرو برے کاموں سے بچنے کے لئے نہ کہ شہوت رانی کے لئے۔“

آیت کریمہ کے کلمہ (مُحْصِنِينَ) پر غور کریں کہ اس آیت کریمہ سے عموماً اور اس کلمہ (مُحْصِنِينَ) سے خصوصاً یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اس سے مراد نکاح شرعی ہے نہ کہ متعہ۔ کیونکہ متعہ سے پاک دامنی و آبرو اور نسل کی حفاظت کیوں کر ہو سکتی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے (مُحْصِنِينَ) کہہ کر پاک دامنی اور عفت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ یہ چیز نکاح سے ہی بروئے کار لائی جاسکتی ہے متعہ سے نہیں۔ حتیٰ کہ شیعہ حضرات بھی اس بات کے قائل ہیں کہ پاک دامنی صرف نکاح شرعی سے ہی حاصل ہوتی ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اگر آیت کریمہ سے متعہ مراد ہوتا تو (مُحْصِنِينَ) کا جملہ استعمال نہ کیا جاتا۔ متعہ اور چیز ہے اور احسان و پاک دامنی یا عفت و عصمت اور چیز لہذا اس آیت سے مقصود نکاح شرعی ہے نہ کہ نکاح متعہ۔

شیعہ کے نزدیک شیخ اسحاق بن عمار سے یہ روایت مروی ہے کہ انہوں نے امام ابو ابراہیم موسیٰ کاظم علیہ السلام سے دریافت کیا: ”کوئی شخص زنا کاری کا ارتکاب کرتا ہے، حالانکہ اس کے پاس باندی موجود ہے جس سے وہ ازدواجی تعلقات رکھتا ہے تو کیا اس باندی سے ازدواجی تعلقات کی بنا پر اس کو شادی شدہ کہا جائے گا۔ انہوں نے جواب دیا کہ: ہاں وہ شادی شدہ ہے۔ پوچھا گیا اور اگر اس کے پاس عقد متعہ کے طور پر عورت ہے تو کیا اس کو شادی شدہ گردانا جائے گا؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا: نہیں۔ کیونکہ باندی تو اس کی ملک بیمن میں دائمی طور پر ہے۔ جب کہ نکاح متعہ والی عورت کی ملکیت دائمی نہیں ہے۔“^①

① ملاحظہ ہو: وسائل الشیعہ / ج ۲۸ - ص ۶۸.

مذکورہ دلائل سے پتہ چلا کہ اس آیت کریمہ سے متعہ مرد نہیں ہے بلکہ اس سے مراد نکاح شرعی ہے۔ کیونکہ اس کا سیاق و سباق اسی کی طرف غمازی کر رہا ہے۔ آیت کریمہ میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے سب سے پہلے ان عورتوں کی فہرست جاری کی ہے جن سے نکاح کرنا حرام ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان عورتوں کے بارے میں بیان فرمایا جن سے نکاح حلال ہے۔

جیسا کہ ہم یہ بات بیان کر چکے ہیں کہ عقد متعہ سے پاک دامنی حاصل نہیں ہو سکتی۔ دراصل جس چیز سے پاک دامنی کا حصول ہوتا ہے اور عزت و آبرو کی حفاظت ہوتی ہے وہ نکاح شرعی ہے (اس بات کی شہادت کے لئے شیعوں کے اقوال ہی ہمارے لئے کافی وشافی ہیں) زیادہ چھان بین کی ضرورت نہیں ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ شیعہ لوگ دلائل دینے سے عاجز ہیں اور انہیں راہ فرار بھی نہیں مل پاتی۔ لہذا وہ اس بات کے قائل نظر آتے ہیں کہ متعہ قابل احسان نہیں ہے۔ لیکن وہ اپنی ڈھٹائی پراڑ کر یہ بات کہنے سے گریز نہیں کرتے کہ آیت کریمہ نکاح متعہ کے بارے میں ہے۔ یہ شیعہ کا عناد ہے اور ڈھٹائی کا کوئی علاج نہیں۔

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب بھی میرا کسی عقلمند سے مناظرہ ہوا تو میں کامیاب رہا اور جب بھی کسی جاہل سے مجھے بحث و مباحثہ کرنا پڑا تو میں مغلوب ہو کر ہی واپس آیا۔ کیونکہ جاہل کو سمجھانا ایک عقل مند کے بس کی بات نہیں۔

اس کے بعد قرآن کی حکمت بیانی پر توجہ دیں: ”کیسا عجیب و غریب اور پیارا اسلوب

بیان ہے۔ اللہ تعالیٰ بڑے حکیمانہ انداز میں فرما رہا ہے:

﴿وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا أَنْ يَنْكِحَ الْمُحْصَنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ فَوْنٌ مَّا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ مِّنْ فِتْيَتِكُمُ الْمُؤْمِنَاتِ وَاللَّهُ أَعْلَمُ
بِأَيْمَانِكُمْ ط﴾ (النساء: ۲۵)

”اور تم میں سے جس کسی کو آزاد مسلمان عورتوں سے شادی کرنے کی طاقت نہ ہو

تو وہ مسلمان لوٹدیوں سے جن کے تم مالک ہو (اپنا نکاح کر لے) اللہ تمہارے اعمال کو بخوبی جاننے والا ہے۔“

آیت مذکورہ میں اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو نکاح کا حکم دے رہا ہے۔ اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ اگر اس آیت سے نکاح کے علاوہ کوئی اور چیز مقصود ہوتی تو اس کی ترغیب دی جاتی۔ جب کہ ایسا قطعاً نہیں ہے آخر متعہ کا جواز کہاں سے نکل آیا؟۔

اور جہاں تک (الیٰ اَجَلٍ مُّسَمًّى) والی قراءت کا تعلق ہے تو ہمارا یہ کہنا ہے کہ وہ قراءت درست نہیں ہے۔ بلکہ اس کی حیثیت قراءت شاذہ کی ہے۔ قراءت متواترہ میں اس کا شمار نہیں ہے۔

اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ شیعہ حضرات قراءت آت سبوعہ کے قائل ہی نہیں ہیں۔ ان کو قراءت سبوعہ سے استدلال کا کیا حق پہنچتا ہے؟ لہذا ان کا یہ استدلال کسی صورت میں درست نہیں ہے اور نہ ان کو اس صورت میں مذکورہ طریقہ پر استدلال کا حق حاصل ہے۔

فضیل بن یسار سے مروی ہے: میں نے ابو عبد اللہ علیہ السلام سے دریافت کیا: لوگ کہتے ہیں: قرآن سات حروف پر نازل ہوا ہے تو انہوں نے جواب دیا ”اللہ کی قسم! لوگ جھوٹ کہتے ہیں، قرآن تو صرف ایک حرف پر واحد الاحد کے پاس سے نازل ہوا ہے۔“^①

بے شمار علمائے تفسیر جن میں امام طبری، امام قرطبی، امام ابن العربی، امام ابن الجوزی، امام ابن عطیہ، امام نسفی، امام نیسا بوری، امام زجاج، امام آلوسی، امام شافعی، امام شوکانی، رحمہم اللہ اجمعین وغیرہم سرفہرست ہیں، کا یہ کہنا ہے کہ: آیت مذکورہ نکاح شرعی کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور اس کا عقد متعہ سے دور کا بھی تعلق نہیں ہے۔

امام ابن جوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مفسرین کرام نے کھینچ تان کر کے اس آیت سے عقد متعہ مراد لیا ہے اور بعد میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس روایت کی وجہ سے اس حکم کو منسوخ

قرار دیا ہے جس میں نبی کریم ﷺ نے متعہ کو حرام قرار دیا ہے۔

حالانکہ یہ خواہ مخواہ کا تکلف ہے جس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ یہ سیدھی سی بات ہے کہ نبی کریم ﷺ نے پہلے متعہ کی اجازت دی تھی اس کے بعد اس کی ممانعت کا حکم صادر فرمادیا۔ لہذا آپ ﷺ کا قول خود آپ ﷺ کے قول سے منسوخ ہے۔ اس میں آیت کریمہ کا کوئی دخل نہیں ہے اور نہ ہی آیت کریمہ سے متعہ کے جواز کی دلیل فراہم ہوتی ہے۔ اگر کوئی ایسی تاویل کرتا ہے تو اس کو اس کا ہرگز ہرگز حق نہیں پہنچتا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ میں فرمادیا ہے کہ ﴿أَنْ تَبْتَغُوا بِأَمْوَالِكُمْ مُحْصِنِينَ غَيْرَ مُسْفِحِينَ﴾ اپنے مال کے ذریعہ مہر ادا کر کے تم ان سے نکاح کر سکتے ہو برے کام سے بچنے کے لئے نہ کہ شہوت رانی کے لئے۔ یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ اس سے مراد نکاح صحیح شرعی ہے۔^①

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں مذکورہ آیت نکاح شرعی کے بارے میں وارد ہوئی ہے۔ مگر بعض جاہل قسم کے لوگوں نے اس کے نزول کو متعہ کے ثبوت کی دلیل قرار دیا ہے۔ یہ ان کی جہالت کی دلیل ہے۔^②

امام زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: آیت کریمہ میں لفظ (اسْتَمْتَعَ) وارد ہوا ہے۔ عربی زبان میں لفظ ممتع بول کر ہر اس چیز کو مراد لیا جاتا ہے جس سے نفع اندوز ہوا جائے۔

امام زجاج لغوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں بہت سے لوگ غلط فہمی کا شکار ہیں۔ بلکہ اگر یہ کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا کہ اس آیت میں شیعہ ایسی صریح غلطی پر مصر ہیں جو ناقابل تلافی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان کو ادب لغت کی ہوا تک نہیں لگی۔ اسی لئے تو ان لوگوں نے ﴿فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ﴾ سے مراد عقد متعہ سمجھا ہے۔ یہ ان کی کج فہمی نہیں تو اور کیا ہے؟ کیونکہ وہ اپنے اس قول میں اہل علم کے اجماع کی مخالفت کر کے شذوذ کا شکار ہو گئے ہیں۔ اہل علم کا اجماع ہے کہ اس آیت سے متعہ کی حرمت مراد ہے۔ لہذا ﴿فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ﴾ سے یہ چیز سمجھ آتی ہے کہ تم ان عورتوں سے اس شرط کا لحاظ رکھتے ہوئے جب

② أضواء البيان، للعلامة الشنقيطي.

① زاد المسير ج ١، ص ٥٣.

نکاح کرو گے جس کا تذکرہ مذکورہ آیت میں آیا ہے تو وہ نکاح شرعی یا عقد صحیح کہلائے گا جس کو (إِحْصَان) کہا جاتا ہے۔ اس کے بعد اس آیت کے سیاق پر تدبرانہ نگاہ ڈالیں تو پتہ چل جائے گا کہ اس عقد صحیح میں کیا مصلحت پنہاں ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿أَنْ تَبْتَغُوا بِأَمْوَالِكُمْ مُحْصِنِينَ﴾ یعنی تم مہر ادا کر کے برے کاموں سے بچنے کے لئے عقد نکاح صحیح منعقد کرنا چاہتے ہو۔ لہذا ﴿فَاتَوْهُنَّ فَرِيضَةً﴾ ان کا مہر ادا کر کے ان سے شادی کر لو۔ ❶

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بہت سی جگہوں پر لفظ (تمتع) کا ذکر فرمایا ہے مگر ہر جگہ اس سے نکاح مراد نہیں ہے۔ بلکہ مختلف جگہوں پر اس سے مختلف معنی مراد ہیں۔

(۱)..... ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿أَذْهَبْتُمْ طَيِّبَاتِكُمْ فِي حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا﴾

(الاحقاف: ۲۰)

”اگر ان کافروں سے کہا جائے گا: تم نے اپنی نیکیاں دنیا کی زندگی میں ہی برباد کر دیں اور تم ان سے فائدے اٹھا چکے۔“

یہاں (استمتاع) سے مراد یہ ہے کہ تم نے دنیاوی زندگی میں دنیاوی مال و متاع سے خوب فائدہ اٹھالیا ہے۔ معلوم ہوا کہ اس جگہ (استمتاع) سے مراد دنیاوی نعمتوں سے فائدہ اٹھانا ہے اس سے نکاح شرعی مراد نہیں ہے۔

(۲)..... ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَاسْتَمْتَعُوا بِغُلَامِهِمْ﴾ (التوبہ: ۶۹)

یہاں خلاق کا ترجمہ دنیوی حصہ بھی کیا گیا ہے یعنی تمہاری تقدیر میں دنیا کا جتنا حصہ لکھ دیا گیا ہے وہ استعمال کر لو۔ جس طرح تم سے پہلے لوگوں نے اپنا حصہ استعمال کیا اور پھر موت یا عذاب سے ہم کنار ہوئے۔ یہاں استمتاع سے مراد نکاح نہیں بلکہ نفع اندوزی یا فائدہ مندی ہے۔

(۳)..... ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالَّذِينَ كَفَرُوا يَتَمَتَّعُونَ وَيَأْكُلُونَ كَمَا تَأْكُلُ الْأَنْعَامُ﴾ (محمد: ۱۲)

”اور جو لوگ کافر ہیں وہ دنیا کا ہی فائدہ اٹھا رہے ہیں اور مثل چوپایوں کے

کھا رہے ہیں۔“

یہاں بھی تمتع سے مراد مجرد فائدہ دنیاوی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ مجرد لفظ تمتع کا اشتقاق اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ اس سے مراد

نکاح متعہ ہی ہو۔ جیسا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے۔ بلکہ لفظ متعہ قرآن کریم مختلف مقامات

پر مختلف معانی میں استعمال آیا ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ انسان میں سے صنف کفار کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

﴿رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَبَلَّغْنَا آجَلَنَا الَّذِي أَجَلْتَ لَنَا﴾

(الانعام: ۱۲۸)

”اور جو انسان کے ساتھ تعلق رکھنے والے تھے وہ کہیں گے: اے ہمارے

پروردگار! ہم میں ایک نے دوسرے سے فائدہ حاصل کیا تھا اور ہم اپنی معین

میعاد تک آپہنچے جو تو نے ہمارے لئے معین فرمائی تھی۔“

اس آیت میں بھی جنوں اور انسانوں کے ایک دوسرے سے فائدہ حاصل کرنے کی

وضاحت کی گئی ہے۔

بہر حال اس بارے میں بہت سی آیات قرآنیہ موجود ہیں۔ یہاں سب آیات کا گونا

مقصود نہیں ہے بلکہ مقصد یہ ہے کہ ہمیں یہ بات واضح طور پر معلوم ہو جائے کہ لفظ (متعہ) سے

قرآن کریم میں ہمیشہ نکاح متعہ ہی مراد نہیں لیا گیا بلکہ اس تعبیر کو قرآن کریم نے مختلف جگہوں

پر مختلف پیرایہ میں بیان کر کے مختلف معانی کے لئے استعمال کیا ہے۔

اسی طرح قرآن کریم میں لفظ اجر کا تذکرہ آیا ہے۔ شیعہ کا خیال ہے کہ اس سے مراد نکاح متعہ

ہے۔ حالانکہ ایسا ہرگز نہیں ہے۔ کیونکہ قرآن کریم میں مختلف جگہوں پر لفظ اجر سے مراد مہر ہے۔
(۱)..... ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ فَرِيضَةً ط﴾ (النساء: ۲۴)
”اس لئے تم جن عورتوں سے نکاح شرعی کے ذریعہ فائدہ اٹھاؤ انہیں ان کا
مقرر کردہ مہر ضرور دے دو۔“

آیت مذکورہ میں لفظ اجر وارد ہوا ہے اور اس سے مراد مقرر کردہ شرعی مہر ہے۔

(۲)..... ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ
مِنْ قَبْلِكُمْ إِذَا آتَيْتُمُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ مُحْصِنِينَ غَيْرَ مُسْفِحِينَ وَلَا
مُتَّخِذِي أَخْدَانٍ ط﴾ (المائدہ: ۵)

”اور پاک دامن مسلمان عورتیں اور جو لوگ تم سے پہلے کتاب دیئے گئے ہیں ان
کی پاک دامن عورتیں بھی حلال ہیں جب کہ تم ان کے مہر ادا کر دو۔ اور تمہارا ارادہ
ان کو نکاح میں لا کر زنا سے بچنا ہو، نہ کہ مستی نکالنے کا (کھلم کھلا زنا کرنے کا) اور نہ
چوری چھپے آشنا بنانے کا۔“

اس آیت میں بھی لفظ اجر وارد ہوا ہے اور اس سے مراد مہر ہے۔ ایک تیسری جگہ ارشاد
گرامی ہے:

(۳)..... فرمایا:

﴿فَإِنْ كُحُّوهُنَّ بِأَذْنِ أَهْلِهِنَّ وَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ﴾ (النساء: ۲۵)

”تو ان کے گھر والوں (ولی الامر) کی اجازت سے ان سے نکاح کر لو اور قاعدہ
کے مطابق ان کو ان کے مہر دے دو۔“

اس آیت میں بھی لفظ (أُجُورَهُنَّ) وارد ہوا ہے اور اس مراد مہر شرعی ہے۔ جس سے

قطعاً طور پر متعہ کی نفی ہوتی ہے۔ کیونکہ اس میں اولیاء الامور کی اجازت کی شرط لگائی گئی ہے۔ جب کہ متعہ میں والدین یا اولیاء الامور کی اجازت کی ضرورت نہیں ہوتی۔

(۴)..... ایک اور جگہ ارشاد باری ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَحْلَلْنَا لَكَ أَزْوَاجَكَ الَّتِي آتَيْتَ أُجُورَهُنَّ ط﴾

(الاحزاب: ۵۰)

”اے نبی ﷺ ہم نے آپ کے لئے وہ بیویاں حلال کر دی ہیں جنہیں آپ مہر ادا کر چکے ہیں۔“

آیت مذکورہ میں بھی (أُجُورَهُنَّ) سے مراد حق مہر ہے۔

(۵)..... اور فرمایا:

﴿وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ أَنْ تَنْكِحُوهُنَّ إِذَا آتَيْتُمُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ ط﴾

(الممتحنة: ۱۰)

”ان عورتوں کو ان کے مہر دے کر ان سے نکاح کر لینے میں تم پر کوئی گناہ نہیں۔“

اس آیت میں بھی (أُجُورَهُنَّ) سے مراد مہر شرعی ہے۔ لہذا معلوم ہوا کہ قرآن پاک

میں جہاں بھی لفظ اجرا اور اس کے مشتقات کا ذکر آئے تو اس سے مراد مہر ہوتا ہے۔ اور مہر نکاح شرعی کے انعقاد کا ثبوت ہوا کرتا ہے۔

فرقہ شیعہ کی دوسری دلیل:

شیعہ کا کہنا ہے کہ متعہ کے جواز میں اہل بیت ﷺ سے بھی روایات منقول ہیں جو ان

کے لئے حجت اور دلیل ہیں۔

ہم کہتے ہیں کہ اس کے جواب کے کئی طریقے ہیں۔ خصوصاً اس مذکورہ قضیہ کی بنیاد پر اس

کا جواب تفصیل طلب ہے۔ لہذا اگر بحث طویل ہو جائے تو میرے خیال میں کوئی حرج کی بات

نہیں ہے۔ ہم جواب کا آغاز کرتے ہوئے یہ کہنا مناسب سمجھیں گے کہ بہت سے اثنا عشری

ائمہ کرام سے ایسی روایتوں کا بھی ثبوت ہے جن سے متعد کی حرمت ثابت ہوتی ہے۔ وہ ائمہ کرام جن سے اس طرح کی روایات وارد ہوئی ہیں یا ان کی طرف منسوب کر دی گئی ہیں بالترتیب یوں ہیں۔

- ۱] جناب علی [۲] جناب حسن [۳] جناب حسین [۴] جناب علی زین العابدین بن حسین
- ۵] جناب محمد الباقر بن علی زین العابدین [۶] جناب جعفر صادق بن محمد [۷] جناب موسیٰ کاظم بن جعفر صادق [۸] جناب علی الرضا بن موسیٰ [۹] جناب محمد الجواد بن علی [۱۰] جناب حسن بن علی
- ۱۱] جناب المنظر (ؑ)۔

ایک روایت سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ: رسول اللہ ﷺ نے خیبر کے دن پالتو گدھے کا گوشت اور نکاح متعد کی حرمت کا حکم صادر فرمایا تھا۔^①

علی بن یقطین سے روایت ہے کہ میں نے موسیٰ کاظم علیہ السلام سے (متعد) کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے جواب دیا: تم کو متعد سے کیا سروکار ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تو تم کو اس سے بے نیاز فرمایا ہے۔^②

عبداللہ بن سنان سے مروی ہے کہ میں نے ابو عبد اللہ جعفر صادق علیہ السلام سے متعد کے بارے میں دریافت کیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: اپنی عزت و آبرو کو اس گندگی سے آلودہ مت کرو۔^③

حرمت متعد پر بے شمار روایات منقول ہیں۔ طولت کے خوف سے ہم ان کا ذکر نہیں کر رہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہمارا کیا موقف ہونا چاہئے؟ کیا ہم متعد کی ممانعت والی روایات کی تصدیق کریں یا اس کی حلت میں وارد احادیث کو تسلیم کریں۔

اگر ہم یہ صراحت کر دیں تو بجا ہوگا کہ متعد کی حلت میں بہت سی خود ساختہ روایات وارد

① صحیح مسلم، کتاب النکاح، حدیث: ۳۴۳۱، ۳۴۳۲۔ اس روایت کو شیخ مولوی طوسی نے اپنی کتاب ”الاستبصار“ جلد ۳، ص ۱۳۲، اور ”الوسائل“ کے مصنف نے اپنی اس کتاب کے ص ۱۲ پر جلد ۲۱ میں درج کیا ہے۔

② خلاصۃ الایحاز فی المتعة للمفید ص ۵۷، الوسائل ۱/۴، ۴۴۹، نوادر أحمد ص ۸۷ ح ۱۹۹،

③ الکافی ج ۵ ص ۴۵۲، دیکھئے: مستدرک الوسائل ج ۱۴ ص ۴۵۵۔

ہوئی ہیں جن کو ائمہ کرام کی جانب منسوب کیا گیا ہے۔ کیونکہ یہ بات یقینی ہے جس کو شیعہ مولوی بھی تسلیم کرتے ہیں کہ بہت سی باتیں گھڑ کر ائمہ کی طرف منسوب کی گئیں ہیں۔ اس لئے ہم انہیں یہ بات کہنے کے مجاز ہیں کہ جو روایات متعہ کی اباحت میں موجود ہیں وہ دراصل گھڑ کر ائمہ کی طرف منسوب کر دی گئی ہیں۔ کیونکہ ائمہ کا شمار دراصل علماء اہل سنت میں ہوتا ہے یہی وجہ ہے وہ اہل سنت کے اقوال کی تائید کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ یہ مسئلہ تو متفق علیہ ہے کہ متعہ کے حرام ہونے کے بارے میں علماء کا اجماع ہے جس میں دو آراء نہیں ہیں۔ تو ائمہ آل بیت علیہم السلام کیوں کر اس برحق موقف کی مخالفت کر سکتے ہیں؟

امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم و کرم فرمائے جس نے ہمیں لوگوں کے لئے محبوب بنا کر پیش کرنے کی کوشش کی اور اس نے اس بات کی جدوجہد کی کہ وہ ہماری عزت و ناموس کو لوگوں کی نگاہوں میں برقرار رکھے۔ تاکہ لوگ ہم آل بیت کو مبغوض نہ سمجھیں۔ بخدا اگر وہ ہمارے کلام کی خوبیاں تلاش کریں تو ان کے لئے ہماری خوبیاں شمار کرنا مشکل ہو جائے اور کسی کو ان پر تنقید کرنے کی جرأت نہ ہو۔ لیکن ہوتا یہ ہے کہ ان میں سے کوئی شخص ایک جملہ سن لیتا ہے اور اس میں دسیوں جملے ملا کر بیان کرنا شروع کر دیتا ہے۔^①

امام جعفر رضی اللہ عنہ کا ایک فرمان یوں بھی ہے: جو لوگ یہ مذہب اختیار کرتے ہیں ان کے اغراض و مقاصد میں سے اہم ترین مقصد دروغ گوئی اور بہتان طرازی ہوتی ہے۔ حتیٰ کہ شیطان بھی ان سے دروغ گوئی اور بہتان تراشی مستعار لینے کے لئے مجبور ہوتا ہے۔^②

اسی طرح امام جعفر رضی اللہ عنہ نے یہ بھی فرمایا ہے: ”ہمارے امام مہدی آئیں گے اور شیعوں میں سے کذاب اور مفتری قسم کے شیعوں کو تہ تیغ کریں گے۔“^③

امام جعفر رضی اللہ عنہ نے یہ بھی فرمایا ہے: لوگ ہمارے اوپر جھوٹ تھوپنے کے عادی ہو گئے

① دیکھئے: الکافی ج ۸، ص ۱۹۲۔

② دیکھئے: الکافی ج ۸، ص ۲۱۲۔

③ دیکھئے: رجال الکشی: ص ۲۰۳۔

ہیں۔ ہم ان کے سامنے اگر کوئی حدیث بیان کرتے ہیں۔ وہ سن کر جب مجلس سے جاتا ہے تو اپنی طرف سے اس میں نمک مرچ لگا کر پیش کرنا شروع کر دیتا ہے۔ اس کی ایسی تاویل بیان کرنے لگتا ہے جو اس کے معنی مراد سے کوسوں دور ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ ہماری بات سے ہماری محبت اور اجر و ثواب کے خواہاں نہیں ہوتے بلکہ وہ تو ہماری باتوں کو دنیا کمانے کا ذریعہ بنانا چاہتے ہیں۔^①

محمد باقر اہلبہودی ایک جید شیعہ عالم ہیں۔ انہوں نے ”اصول الکافی“ کی تحقیق و تخریج کی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ بڑے افسوس کی بات ہے: ”شیعوں کے مراجع میں ضعیف اور موضوع قسم کی روایات بکثرت موجود ہیں۔“ یہ بات انہوں نے الکافی کے مقدمہ میں لکھی ہے۔ شیعہ حضرات کی اپنی سیرت کے بارے میں یہ گواہی خود ان کی اپنی زبانی تھی۔

شیعہ کے بارے میں علماء اہل سنت نے طویل ترین اباحت کی ہیں جو زبان زد عوام و خواص ہیں۔ لہذا ان کے ذکر کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ ہمیں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ ہی کا ایک جامع بیان کافی ہے، فرماتے ہیں۔ ”تمام تعریفیں اس مقدس ذات باری کے لئے خاص ہیں جس نے کذب بیانی اور دروغ گوئی کو وجود بخشا اور اس کا ۹۰ فیصد حصہ شیعوں کو عطیہ کر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے متعہ کی اباحت میں جو روایات بیان کی ہیں وہ سراسر جھوٹ اور بہتان تراشی پر مبنی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان پر رحم و کرم فرمائے۔“

شیعہ کے اس موقف کو ہم مثال دے کر واضح کرنے کی کوشش کریں گے۔ مثلاً؛ جابر بن یزید جعفی کا نام کافی اہمیت رکھتا ہے۔ یہ شخص شیعہ کے مشہور ترین رواۃ میں سے ہے۔ اس کے بارے میں عالمی نے لکھا ہے کہ اس شخص نے امام محمد باقر علیہ السلام سے ستر ہزار حدیثیں روایت کی ہیں۔ لیکن حیرت انگیز بات یہ ہے کہ امام محمد باقر علیہ السلام کے صاحبزادے ابو عبد اللہ جعفر رضی اللہ عنہ سے جب دریافت کیا گیا کہ جابر جعفی کی احادیث کے بارے میں

① دیکھئے: بحار الأنوار۔ ۲/۲۴۶۔

آپ کا کیا خیال ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ اللہ کی قسم! میں نے اس شخص کو ایک مرتبہ کے علاوہ کبھی بھی اپنے والد کے پاس نہیں دیکھا اور نہ ہی یہ شخص کبھی میرے پاس آیا۔“

جبکہ جابر جعفی نے ستر ہزار احادیث امام محمد باقر رحمۃ اللہ علیہ سے اور ایک لاکھ چوبیس ہزار احادیث باقی حضرات سے روایت کی ہیں۔ لہذا یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس قدر کثیر تعداد میں جابر جعفی نے روایات کہاں سے جمع کیں؟ یہی وجہ ہے کہ اہل سنت والجماعت کے نزدیک بلا تردید جابر جعفی کا شمار کذاب رواۃ میں سرفہرست ہوتا ہے۔

علاوہ ازیں بہت سے علماء شیعہ کی روایتوں کا آپس میں شدید ٹکراؤ ہے اور کسی صورت میں بھی ایک دوسرے سے ہم آہنگی ممکن نہیں ہے جس کا خود شیعہ حضرات کو بھی اعتراف ہے۔

شیعہ عالم فیض الکاظمی کا خود اپنے مذہب کی روایات کے بارے میں کہنا ہے کہ: ہم دیکھتے ہیں کہ شیعہ کے نزدیک ایک ہی مسئلہ میں ۲۰ سے لے کر ۳۰ تک یا اس سے بھی زیادہ مختلف فیہ اقوال پائے جاتے ہیں۔ بلکہ اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ شیعہ کے نزدیک کوئی فرعی مسئلہ ایسا نہ ہوگا جس میں شدید اختلاف نہ ہو یا اس کی بعض جزئیات میں اختلافات نہ ہوں۔^①

امام طوسی کو اکابرین علماء شیعہ میں شمار کیا جاتا ہے۔ ان کا کہنا ہے کوئی ایسی روایت نہ ہوگی جس کا مخالف کوئی دوسرا قول موجود نہ ہو۔ اور کوئی ایسی حدیث نہ ہوگی جس کی نفی دوسری حدیث موجود نہ ہو۔ شیعوں کی روایات اور احادیث کا یہ حال ہے جس کو خود ان کے عالم دین امام طوسی نے صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ (امام طوسی نے یہ بات [تہذیب الأحکام] کے مقدمہ میں لکھی ہے)

ہندوستان کے عظیم ترین شیعہ عالم دلدار علی نے اس بارے میں یہ کہا ہے کہ: ائمہ کرام سے ماثورا حدیث کریمہ میں بڑا شدید اختلاف ہے۔ ذخیرہ احادیث میں کوئی ایسی حدیث موجود نہ ہوگی جس کی نفی میں دوسری حدیث کا وجود نہ ہو۔ اور کوئی ایسی متفق علیہ خبر نہ ہوگی جس کے

① دیکھئے: مقدمہ الوانی ص: ۹۔

مد مقابل دوسری خبر نہ ہو۔^①

شیعہ روایات میں اس قدر شدید اختلاف کی یہ صورتحال اس بات کی تصویر کشی کرتی ہے:

﴿لَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا ط﴾

(النساء: ۸۲)

”اگر یہ قرآن اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کی طرف سے ہوتا تو یقیناً اس میں بہت کچھ اختلاف ہوتا۔“

یہ روایات چونکہ لوگوں کی بیان کردہ ہیں۔ لہذا ان میں باہمی تعارض اور تضاد ہے جو ان کے غیر مشروع ہونے کی بین ثبوت ہے۔

احادیث صحیحہ پر شیعہ کے اعتراضات:

شیعہ حضرات کے سامنے جب وہ صحیح ترین احادیث پیش کی جاتی ہیں جن میں متعد کی حرمت بیان ہوئی ہے تو وہ دو اعتبار سے ان کا انکار کرتے ہیں۔

اولاً: یہ احادیث موضوع ہیں اور من گھڑت ہونے کی وجہ سے قابل اعتبار نہیں۔

ثانیاً: یہ احادیث تفسیر کے قبیل سے ہیں اور تفسیر خلاف حقیقت ہوتا ہے۔

لیکن آپ شیعہ مذہب کی کتابیں اٹھا کر دیکھیں: کیا تاریخ کے کسی دور میں بھی انہیں علم رجال یا علم اسانید یا علم مصطلح سے شغف رہا ہے۔ آپ فرض کریں اگر ان کا کوئی شخص آئے اور کہنے لگے اس حدیث میں فلاں فلاں ہے جو ضعیف ہے۔ یا یہ جو فلاں شخص ہے اس کو فلاں نے ضعیف قرار دیا ہے۔ تو کیا اس کی بات کو تسلیم کیا جائے گا؟ نہیں ہرگز نہیں۔ کیونکہ صرف زبانی باتوں کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

شیعہ عالم حرا عالمی کا کہنا ہے: حدیث صحیح وہ ہے جس کو ائمہ میں سے عادل ضابط نے روایت کیا ہو اور ہر طبقہ میں یہ عدل و ضبط مسلسل موجود ہو۔ اگر اس تعریف پر تمام احادیث

① دیکھئے: اساس الأصول ص ۵۱.

کو تو لا جائے تو تمام کی تمام احادیث ضعیف قرار پائیں گی کیونکہ علماء نے شاذ و نادر ہی کسی راوی کے باری میں عادل و ضابط ہونے کی صراحت کی ہے۔ اگر رواۃ کے بارے میں علماء نے اظہار خیال کیا بھی ہے تو زیادہ سے زیادہ ان کی توثیق کی ہے اور توثیق سے عدالت ثابت نہیں ہوتی۔

توثیق کی بات تو بہت دور کی ہے بلکہ علمائے شیعہ نے رواۃ کے بارے میں اس کے برعکس انکشافات کئے ہیں۔ حتیٰ کہ شیعہ حضرات اس راوی کی بھی توثیق کرتے ہیں جس کا فسق و فجور، کفر و عناد اور فساد مذہب خود ان کے نزدیک واضح ہو اور علماء شیعہ بذات خود اسے تسلیم کرتے ہوں۔ پھر بھی وہ ان کی توثیق کرتے ہیں یعنی ان کے یہاں جرح و تعدیل کا کوئی مسلمہ معیار نہیں ہے۔

چنانچہ حر العالی لکھتے ہیں: مذکورہ تصریح کی بنیاد پر ہماری تمام احادیث اور روایات کا ضعیف ہونا لازم آتا ہے اور ان کی تضعیف لازم آتی ہے۔ کیونکہ ہمیں ان تمام احادیث کے رواۃ میں کسی ایک کی عدالت اور ضبط کے بارے میں علم نہیں ہے۔^①

ہمارے ثقہ اور کبار علماء شیعہ جن کو اصحاب اجماع کہا جاتا ہے وہ بھی ضعفاء اور کذابین نیز ایسے مجہول الحلیل لوگوں میں سے ہیں جو احادیث روایت کرتے ہیں جن کے بارے میں کسی کو کچھ پتہ تک نہیں ہے۔ یہی نہیں اس پر طرہ یہ ہے کہ اس کے باوجود ان سے روایت کردہ احادیث کی صحت پر مہر تصدیق بھی ثبت کر دی جاتی ہے۔^②

مزید کہتے ہیں: جن کتابوں پر ائمہ نے عمل کرنے کا حکم دیا ہے ہم جانتے ہیں کہ ان میں بہت سے راوی ضعیف اور مجہول ہیں۔^③

جب شیعہ برادران کے چوٹی کے راویوں کا یہ حال ہے جس کی ایک مختصر سی جھلک آپ کے ہنمانے بیان کی گئی تو ان کی مذہبی کتابوں کے مؤلفین کا کیا حال ہوگا؟ اور ان لوگوں کی ذاتی

① دیکھئے: الو مسائل ج ۳۰، ص ۲۶۔ یہ حر العالی اُس کتاب ”وسائل الشیعہ“ کا مصنف ہے کہ جس کو شیعہ کے ہاں اُن کی سب سے زیادہ قابل اعتماد آٹھ کتابوں میں شمار کیا جاتا ہے۔

② دیکھئے: الو مسائل ج ۳۰/۲۴۴۔

③ دیکھئے: الو مسائل ج ۳۰، ص ۲۰۶/

زندگی کیسی ہوگی جنہوں نے ان کتابوں کی جمع و ترتیب میں حصہ لیا ہے۔

امام طوسی کی یہ وضاحت سند کا درجہ رکھتی ہے کہ بہت سے شیعہ مصنفین اور اصولیین مذاہب فاسدہ گھڑنے کا کام انجام دیا کرتے تھے۔ اگرچہ ان کی کتابوں کو شیعہ کے نزدیک مذہبی حیثیت حاصل ہے مگر ان کی ذاتی زندگی دورغ گوئی سے لبریز ہیں۔^①

مثال کے طور پر ابراہیم بن اسحاق کو پیش کیا جاسکتا ہے۔

جس کے بارے میں امام طوسی نے صراحت کے ساتھ یہ بات لکھی ہے کہ راویان حدیث میں اس کا شمار ضعفاء کی صف میں ہوتا ہے۔ دینی اعتبار سے بھی یہ مہتم ہے مگر اس نے بہت سی کتابیں لکھی ہیں جن کی حیثیت سکھ راج الوقت کی طرح ہے۔^②

شیعہ کتب کا مطالعہ:

ہمیں معلوم ہونا چاہئے کہ شیعہ کی آٹھ مشہور مذہبی کتابیں ہیں جو بالترتیب یہ ہیں۔

(۱) الکافی (۲) الإستبصار (۳) التہذیب (۴) من لا یحضرہ الفقیہ (۵) الوسائل (۶) الوافی (۷) البحار (۸) مستدرک الوسائل۔

ان کتابوں کو شیعہ کی مذہبی زبان میں کتب ثمانیہ سے موسوم کیا جاتا ہے۔ جن کی بابت امام حارّی لکھتے ہیں۔

”مذکورہ آٹھ کتابیں صحاح امامیہ کے نام سے موسوم ہیں۔ ان میں ابتدائی چار کتابیں ان مؤلفین کی ہیں جو سارے کے سارے سینئر محمد ہیں اور اس کے بعد تین کتابیں جو نیر محمد یا دوسرے درجے کی محمدوں کی تالیف ہیں اور آٹھویں کتاب محمد حسین نوری صاحب کی ہے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ سینئر اور جو نیر محمدوں سے کون لوگ مراد ہیں۔ اس بات کی بھی وضاحت کر دی جائے۔ حارّی صاحب کا کہنا ہے کہ اوائل چار کتابیں جو کہ سینئر محمدوں کی تالیف ہیں اس سے مراد (۱) کتاب الکافی ہے جو محمد بن یعقوب کلینی کی تالیف ہے۔ (۲)

① دیکھئے: الفہرست ص ۲۸۔

② دیکھئے: الفہرست، ص ۳۳۔

کتاب الاستبصار اور (۳) کتاب التہذیب ہے جو محمد بن حسن طوسی کی ہے۔ (۴) کتاب من لا یحضرہ الفقیہ ہے جو محمد بن بابویہ قمی کی تالیف ہے۔ ان کو سینئر محمدوں کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

جو نیر محمدوں سے مراد باقی ماندہ کتب ثمانیہ کے مولفین کتب ہیں وہ بالترتیب یہ ہیں۔
 (۱)..... محمد بن حسن فیض الکاشانی (۲)..... محمد بن الباقرا مجلسی۔ (۳)..... محمد بن الحسن الحر العاملی۔ (۴) محمد حسین بن نوری الطبرسی ہے جو آٹھویں کتاب مستدرک الوسائل کے مؤلف ہیں۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان مذکورہ کتابوں کی شیعہ کے نزدیک اہمیت کا بھی اجمالاً تذکرہ کر دیا جائے۔ اس سلسلہ میں کاشانی کا کہنا ہے ”اس دور میں احکام شرعیہ کا دار و مدار ان چار مذہبی کتابوں پر ہے جو سینئر محمدوں کی تالیف ہیں۔ وہ چار کتابیں الکافی، الاستبصار، التہذیب اور من لا یحضرہ الفقیہ ہیں۔“^①

آغا بزک طہرانی کا کہنا ہے: کتب اربعہ مذکورہ اور نئی جوامع و سنن پر ہی اس دور میں احکامات کے استنباط کا دار و مدار ہے۔^②
 ان کتابوں کی حقیقت کیا ہے ان میں روایات جمع کیسے ہوئیں اور یہ معتبر کیوں بنیں؟ یہ معلوم کرنے کے لیے مندرجہ ذیل روایات دیکھئے۔

محمد بن الحسن بن ابی خالد سے مروی ہے کہ انہوں نے ابو جعفر الثانی علیہ السلام سے دریافت کیا: میں آپ پر قربان جاؤں ہمارے مشائخ نے حضرت امام ابو جعفر محمد الباقر اور امام ابو عبد اللہ جعفر صادق علیہ السلام سے اس زمانے میں روایت کی ہے جس زمانے میں تقیہ زوروں پر تھا۔ انہوں نے اپنی کتابوں کی تشہیر نہیں کی اور اس کو روایت کر کے منظر عام پر لانے سے گریز کیا۔ لیکن جب ان لوگوں کا انتقال ہو گیا تو ان کی گننام کتابیں ہم لوگوں کو دستیاب ہوئیں۔ اس

② دیکھئے: کتاب الذریعہ جلد ۲، ص ۱۴۔

① دیکھئے: الوافی ۱/۱۱۔

بنیاد پر ابو جعفر دوم نے فتویٰ صادر کر دیا: ان کتابوں کا حوالہ دے کر روایت بیان کرو۔ کیونکہ یہ کتابیں حق ہیں۔ اب اسناد وغیرہ کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ اصل کتاب ہمارے سامنے ہے۔ لہٰذا اس کو بنیاد بنا کر خوب اچھی طرح روایت کیا کرو۔ (الکافی / ۵۳)

شاید ہم اپنے اصل موضوع بحث سے نکل گئے ہیں۔ لیکن یہ بھی از حد ضروری ہے جس پر خامہ فرسائی کرنے لئے مجبور ہیں۔ کیونکہ اس موضوع کا متعہ سے لازمی متعلق ہے۔ اس لئے کہ شیعہ حضرات متعہ کے عدم جواز میں وارد احادیث کا انکار اپنی مذکورہ کتابوں میں موجود متعہ کے اثبات میں وارد احادیث سے ہی کرتے ہیں۔

لہٰذا ہم بطور مثال ان کی بعض کتابوں کا تذکرہ کریں گے۔ سب سے پہلے ہم شیعہ کی مذہبی کتاب الکافی (تالیف کلینی) کو ہی لیتے ہیں جو ان کے ہاں مرجع کی حیثیت رکھتی ہے۔ شیعہ کے نزدیک مطلقاً یہ بہت عظیم الشان اور مقدس کتاب ہے۔ اگرچہ شیعہ حضرات کا اس بات میں بھی اختلاف ہے کہ ”کافی“ پر پوری کتاب صحیح ہے یا اس کا بعض حصہ صحیح ہے اور بعض غیر مستند ہے یہ دوسرا موضوع ہے۔ لیکن اتنا ضرور ہے کہ کتاب الکافی شیعہ کے نزدیک مقدس ترین اور عظیم الشان کتاب ہے۔ اس میں ان کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے۔ امام کرنی (۱۰۷۶ھ) میں فوت ہوئے ہیں۔ ان کا شمار شیعہ کے متقدمین علماء میں ہوتا ہے۔ یہ گیارہویں صدی کے معروف عالم تھے ان کا کہنا ہے۔

”کتاب الکافی ۵۰ کتابوں کا مجموعہ ہے۔“^①

اور یہ ان کا امام طوسی کہ جس کا انتقال سنہ ۴۶۰ ہجری میں ہوا ہے ان کا کہنا ہے: کتاب الکافی ۳۰ کتابوں پر مشتمل ہے۔^②

اس توضیح سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ امام طوسی کی موت کے بعد آئندہ چھ صدیوں کے دوران کتاب الکافی میں ۲۰ کتابوں کا اضافہ کیا گیا تھا۔ بلکہ کتاب الکافی کے آٹھویں جزء کی

① دیکھئے: روضات الجنات ج ۶ ص ۱۱۴۔ ② دیکھئے: الفہرست ص ۱۶۵۔

صحت میں جو کتاب الروضہ کے نام سے موسوم ہے بعض علماء شیعہ کو شک ہے جیسا کہ کتاب روضات الجنات میں ج ۶، ص ۱۱۸ پر مذکور ہے۔

آیت اللہ تيجانی، جو کہ معاصر عالم ہیں کا کتاب الکافی کے بارے میں اظہار خیال ہے کہ ”اس میں ہزاروں احادیث موضوع ہیں“ اگرچہ آیت اللہ تيجانی نے یہ بات کتاب الکافی کی دفاع میں کہی ہے مگر یہ ہمارے لئے سند کا درجہ رکھتی ہے۔

ان کا مقصد یہ ہے کہ کتاب الکافی میں جو کچھ ہے اس پر عمل کرنے میں ہم کو مجبور نہ کرو۔ ہم اگرچہ کتاب الکافی مذہبی اعتبار سے عظیم ہونے کے قائل ہیں اور بلاشبہ وہ ہمارے نزدیک لائق تعظیم ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ ہمیں اس کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کے لئے مجبور کریں۔ کیونکہ ہمارے علماء کرام کا کہنا ہے کہ ”!صول الکافی میں ہزاروں احادیث“ من گھڑت ہیں۔

یہ بات آپ کے علم میں ہے کہ اصول الکافی میں وارد احادیث کی تعداد صرف (۳۷۸۳) ہے۔ امام تيجانی اس بات کی وضاحت کر چکے ہیں کہ کتاب الکافی میں ہزاروں احادیث موضوع ہیں۔ اس میزان پر رکھ کر اگر ہم کتاب الکافی کو پرکھیں تو ہمیں اس کتاب میں چند احادیث ہی لائق اعتنا مل پائیں گی۔ یقینی طور پر اس سلسلہ میں پھر بھی کچھ کہا نہیں جاسکتا۔ کیونکہ علمائے لغت کا کہنا ہے کہ جمع کا سب سے کم عدد ۳ ہوتا ہے۔ امام تيجانی کا کتاب الکافی کے بارے میں یہ کہنا کہ میں ہزاروں احادیث موضوع ہیں تو لغت کی رو سے ہزاروں کا کم از کم تین ہزار پر اطلاق ہوگا۔ گویا کہ اصول الکافی سے تین ہزار موضوع احادیث نکل گئیں۔ اس کے بعد اس میں (۷۸۳) احادیث باقی بچیں جن کو موضوع کی فہرست سے خارج سمجھا جائے گا۔ لیکن کیا یہ باقی ماندہ احادیث صحیح ہیں؟؟ بلاشبہ ان میں بھی بعض صحیح ہوں گی اور بعض حسن درجہ کی ہوں گی اور بعض ضعیف ہوں گی۔

عظیم الشان کتاب کا یہ عالم ہے تو ان کی باقی کتابوں کا کیا حال ہوگا؟

امام طوسی کتاب تہذیب الأحکام کے مؤلف ہیں۔ اور آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ کتاب تہذیب الأحکام کتاب الکافی کے بعد شیعہ کی مقدس چار کتب میں دوسرے درجہ کی کتاب ہے۔

طوسی کہتے ہیں: میری کتاب ”تہذیب الاحکام“ میں وارد احادیث کی تعداد پانچ ہزار سے زیادہ ہے۔“

اس وضاحت سے معلوم کہ امام طوسی کی کتاب پانچ ہزار سے زیادہ احادیث مشتمل ہے۔ پانچ ہزار سے زیادہ کی صراحت میں کیا چھ ہزار تک ان کی تعداد پہنچ سکتی ہے؟ نہیں ایسا ہرگز ناممکن ہے۔ البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ پانچ ہزار اور چھ ہزار کے درمیان ان کی تعداد ہو سکتی ہے یعنی ۵۵۰۰ سے لے کر ۵۹۰۰ تک ہو سکتی ہے مگر ۶۰۰۰ سے اوپر نہیں ہو سکتی۔ معاصرین میں سے امام آغا برزک طہرانی کا کہنا ہے کہ:

”کتاب التہذیب میں وارد احادیث کی تعداد ۱۳۹۵۰ تک پہنچتی ہے“ اس تضاد بیانی سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ کتاب مذکور میں امام طوسی کی وفات کے بعد تقریباً آٹھ ہزار احادیث کا اضافہ کیا جا چکا ہے۔^①

یہ شیعہ کی پہلی کتابوں کا تذکرہ تھا۔

اب ہم مؤخر الذکر چار کتابوں کا بھی جائزہ لیتے ہیں تاکہ شیعوں کی باقی ماندہ مستند مذہبی کتابوں کی حقیقت بھی ہمارے سامنے آشکارا ہو جائے۔

ان چار کتابوں میں سے پہلی کتاب گیارہویں صدی ہجری میں تالیف کی گئی تھی جس کو کتاب المحر العالمی کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اسی ضمن میں کاشانی کی کتاب الفیض کا بھی تذکرہ آتا ہے۔ اس کے بعد بارہویں صدی ہجری میں کتاب المجلسی معروض وجود میں آئی۔ اور چودھویں صدی ہجری میں النوری الطبری کی کتاب مستدرک الوسائل منصفہ شہود پر آئی۔

① دیکھئے: الذریعہ: ج ۴، ص ۵۰۴۔

ان کتابوں کی جمع و ترتیب اور تالیف و تدوین کے عجیب و غریب قصے ہیں۔

انجلیسی کا اپنی کتاب کی جمع و ترتیب کے بارے میں کہنا ہے کہ الحمد للہ ہمارے پاس کتب اربعہ کے علاوہ ۲۰۰۰ کتابیں جمع ہو گئیں۔ ہم نے انہیں کتابوں سے نقل کر کے اپنی کتاب البحار کی جمع و ترتیب کا کام انجام دیا۔ اور جو مواد ہم نے اس کتاب میں جمع کیا ہے وہ اس کتاب کے علاوہ کسی دوسری کتاب میں جمع نہیں کیا۔^①

الوسائل کے مولف الحر العالمی کا کہنا ہے کہ میرے پاس کتب اربعہ کے علاوہ ۸۰۰ سے زیادہ کتابیں موجود ہیں۔^②

نوری الطبری کے بارے میں آغا برزک طہرانی کا کہنا ہے: متدرک الوسائل کی تالیف کا باعث یہ ہے کہ بعض مستند کتابیں مولف کے ہاتھ لگ گئیں۔ شیعوں کی جوامع و مسانید میں جن کا تذکرہ تک نہ تھا۔ اس نے ان کتابوں کو بنیاد بنا کر یہ نئی کتاب ترتیب دے دی۔^③

ہم شیعہ حضرات سے کہتے ہیں: خدارا! یہ کیسا اتفاق ہے کہ چودھویں صدی ہجری میں ان احادیث کی جمع و ترتیب کی صورت میں انجام دیا جا رہا ہے جس کا اس سے چودہ سو سال پہلے کسی کو خیال تک نہ آیا کہ ان کو کس سند کے ساتھ روایت کیا جائے؟ اتنا طویل عرصہ یہ برکت کے طور پر بلا سند ہی بیان کی جاتی رہیں؟ بس کسی معروف شخص کی سنت ہی مضبوط ترین سند کا درجہ حاصل کرتی تھی۔ شیعہ سند یہ ہے:

قال جعفر الصادق؛ قال العسکری؛ قال محمد الباقر، قال علی بن ابی طالب، قال الحسين، قال موسیٰ، قال المنتظر، شیعہ مذہب میں سند یہ ہے۔ اس بنیاد پر میسر آنے والی احادیث نہ جانے کہاں سے آئی ہیں۔ ایسی اسناد اور احادیث سے بھر پور کتابوں کے متعلق ان کا دعویٰ ہے کہ مذکورہ کتب ان کے نزدیک معتمد

① اصول مذہب الشیعہ ج ۱، ص ۳۵۹۔ ② الوسائل، المقدمہ ج ۱۔

③ ملاحظہ ہو: الذریعہ/ ج ۲۱۔ ص ۷۔

ترین کتابیں ہیں۔ جب ان کی معتمد ترین اور مستند ترین کتابوں کا یہ عالم ہے تو ذرا ٹھنڈے دل سے سوچئے اور فیصلہ کن جواب دیجیئے؛ کیا اس قسم کی کتابوں پر اعتماد کیا جاسکتا ہے؟ اور ان کو مذہبی کتب سے موسوم کرنا ایک مسلمان کو زیب دیتا ہے؟

شیعہ کے علماء رجال:

شیعہ کے نزدیک علم رجال میں قدیم ترین کتاب رجال الکشی ہے۔ مصنف کتاب چوتھی صدی ہجری میں وفات پانچکے ہیں۔ مگر کسی کو صحیح طور پر ان کی تاریخ وفات کا علم نہیں ہے۔ اس میں بیان کردہ معلومات تشنہ کام ہیں۔ اس میں جو روایات ہیں ان کا آپس میں تضاد ہے۔ نہ تو ان کی توثیق کی جاسکتی ہے اور نہ ہی اس کے ذریعہ جرح و تعدیل کا کام کیا جاسکتا ہے۔ اس میں فقط ۵۲۰ تراجم ہیں۔

اس کے بعد رجال النجاشی نامی کتاب کا نمبر آتا ہے یہ کتاب اس فن میں نہایت مختصر ہے۔ تیسرے نمبر پر طوسی کی کتاب ”کتاب الفہرست“ کا نام لیا جاتا ہے۔ اس کتاب میں بلا جرح و تعدیل کے صرف مصنفین کی فہرست گنوانے پر اکتفاء کیا گیا ہے شاذ و نادر ہی کہیں جرح و تعدیل پائی جاتی ہے۔

شیعوں کے نزدیک علم رجال میں یہ قدیم مراجع تھے جن کو ذکر کر دیا گیا۔ سوال یہ ہے کہ جب شیعوں کے نزدیک علم رجال کا فقدان ہے تو وہ اسانید کا سہارا کیوں لیتے ہیں؟ اور جا بجا اس کا تذکرہ کیوں کرتے ہیں؟

اس کے جواب میں الحر العالی کا کہنا ہے کہ: شیعہ کا گروہ اسانید کا تذکرہ تبرک کے طور پر کرتے ہیں اور وہ زبانی خطاب کے متصل انتساب کے لیے اس کو تکیہ بناتے ہیں۔ کذاب، متروک اور مہتم وغیرہ ان کا تکیہ کلام ہے۔ جس میں اتصال سند کو دخل نہیں ہے۔ شیعہ اسانید کو بیان کیوں کرتے ہیں؟ اس کا سبب یہ ہے؛ تاکہ عوام اہل سنت کے عار کا دفاع کیا جاسکے۔ کیونکہ اہل سنت، اسناد کے نہ ہونے پر شیعہ کو عار دلاتے ہیں۔ العالی کا کہنا ہے کہ شیعہ نے

دراصل اپنے دفاع کے لیے اسناد کا اضافہ کیا ہے۔ کسی روایت کے آغاز میں، کسی کے اختتام پر کسی کذاب یا مجہول کی معلوم یا نامعلوم سند کسی بھی جگہ سے اٹھا کر کسی دوسری جگہ پر رکھ دینے میں کوئی مسئلہ نہیں ہے۔

شیعہ کی جرح و تعدیل:

امام کا شافی فرماتے ہیں:

شیعوں کے نزدیک جرح و تعدیل کی شرائط کے بارے بڑے بڑے اختلافات و تضادات اور شبہات پائے جاتے ہیں جو کبھی ختم نہیں ہو سکتے اور نہ ہی اس مسئلہ میں اطمینان قلب نصیب ہو سکتا ہے۔ ایک عالم سے یہ حقیقت پوشیدہ نہیں ہے۔“^①

شیعہ کے نزدیک مشہور ترین وہ سند ہے جس کا کلینی نے اپنی کتاب کافی میں یوں ذکر کیا ہے۔

”قال علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ عن عفیر حمار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 کلم رسول اللہ فقال: بابی أنت وأمی، إن ابی حدثنی عن
 ابیه، عن جدّه عن ابیه.“

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے عفیر گدھے نے یہ روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہم کلام ہوتے ہوئے کہا میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان میرے باپ نے اپنے باپ کے واسطے سے اپنے دادا کے ذریعہ ان کے والد کے توسط سے یہ روایت نقل کی ہے کہ وہ سفینہ نوح میں حضرت علیہ السلام کے ساتھ تھے، نوح علیہ السلام ان کے پاس آئے اور اس کے بچے کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرا اور کہا: اس گدھے کی ذریت میں ایک ایسا گدھا پیدا ہوگا جس پر سید المرسلین و خاتم النبیین سواری کریں گے۔ اللہ کا شکر اور اس کا بہت بڑا احسان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ شرف بخشا اور مجھے وہی گدھا بنایا ہے۔“^②

اس بات میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ یہ روایت گھڑ گھڑ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کی

② الکافی ج ۱، ص ۲۳۷.

① الوافی، مقدمہ ج ۱، ص ۱۱.

گئی ہے۔ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زبانی ان پر بہتان طرازی کی عظیم ترین جسارت کی گئی ہے۔ کیونکہ ان کی زبان حق سے ایسے کلمات صادر ہونا ناممکن ہیں۔

ذرا اس دورغ گوئی کا تصور کیجئے کہ گدھوں سے روایت کرتے ہوئے دکھائی دے رہے ہیں۔ بلکہ گدھے کے لئے سند در سند روایت گڑھ کر اس کی توثیق کے لئے کوشاں ہیں۔ یہ کیسی حماقت ہے کہ گدھے کے واسطے سے سند بنا کر یوں کہہ رہے ہیں: حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ عَنْ أَبِيهِ..... گویا کہ گدھا اپنے دادا، پردادا سے یہ روایت نقل کر رہا ہے کیسی مضحکہ خیز بات ہے کہ جانوروں میں سے ایک حقیر جانور کی سند بنا کر اس سے روایت کی جا رہی ہے۔

اس کے بعد اس روایت کے معانی و مطالب پر بھی ذرا غور کیجئے۔ گدھے کا یہ قول ملاحظہ فرمائیے: وَمَسَحَ عَلِيٌّ كَفْلِهِ..... یعنی گدھے کے بچے کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرا۔ اس روایت میں کفل کا لفظ آیا ہے اور وہ بھی گدھے کے لئے استعمال کیا گیا۔ آپ کو پتہ ہونا چاہیے کہ عربی زبان میں گدھے کے بچے کو کفل نہیں کہا جاتا۔ بلکہ کفل کا لفظ تو مینڈھے اور بھیڑ کے بچے کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ یہیں سے اس روایت کا پول کھل کر سامنے آ جاتا ہے۔ مزید تفصیل کی ضرورت نہیں ہے۔ عقل مندر اشارہ کافی است۔

شیعہ کے نزدیک علم مصطلح کا بھی جائزہ لیتے ہیں۔

شیعی عالم امام حارّی کا قول ہے: یہ بات کسی شخص سے ڈھکی چھپی نہیں ہے کہ ہمارے شیعہ علماء میں شہید ثانی سے قبل کسی نے بھی کوئی کتاب تصنیف نہیں کی۔ یہ اہل سنت والجماعت کا خاصہ ہے۔

یہ ایک شیعہ عالم کا علم مصطلح سے شیعہ کی ناواقفیت کا کھلم کھلا اعتراف ہے۔ کیونکہ علم مصطلح میں شیعہ کے یہاں شہید ثانی کے آنے سے پہلے کسی نے کوئی کام نہیں کیا۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ شہید ثانی کون ہیں؟

دراصل زین الدین العالمی کو شہید ثانی کہا جاتا ہے جو دسویں صدی ہجری میں ہو گزرے

ہیں۔ ان کی وفات سنہ ۹۶۵ ہجری میں ہوئی۔ معلوم ہوا کہ شہید ثانی کے بعد شیعہ برادران کے یہاں علم مصطلح میں کام شروع ہوا۔ اس کے بعد انہوں نے راویاں کو ثقہ، ضعیف اور مجہول قرار دینا شروع کیا۔ حالانکہ یہ محض افسانہ ہے اور خوش ساختہ تکلف بھی۔

شیعہ کے نزدیک بالا اتفاق ایک شخص ثقہ تصور کیا جاتا ہے۔ اس کا نام زرارہ بن اعین ہے۔ یہ متفقہ طور پر شیعوں کے نزدیک ثقہ راوی ہے۔ اس کی ذات میں دورائیں نہیں۔

زرارہ بن اعین کے بارے میں نجاشی رقم طراز ہیں کہ: یہ اپنے زمانے میں ہمارے اصحاب کے شیخ ہیں۔ ان کی شخصیت میں علم و فضل، دین و ایمان کی صفات بدرجہ اتم موجود ہیں۔^①

امام کشی کا کہنا ہے: لوگوں کی بڑی تعداد کا متقدمین کی دیانت داری اور صداقت پر اجماع ہے۔ ان میں زرارہ بھی شامل ہیں۔ زرارہ بن اعین درایت و ثقہ میں سب سے آگے ہیں۔“

امام طوسی کی کتاب الفہرست کے حاشیہ پر تحریر ہے: زرارہ بن اعین کا شمار فقہ و حدیث اور معرفت کلام میں شیعوں کے اکابرین میں ہوتا ہے۔ ان میں علم و فضل، دین و ایمان والی ساری صفات جمع ہو گئی ہیں۔^②

شیعہ کا اس ایک شخص کے بارے میں یہ نظریہ ہے۔ لیکن آئیے دیگر روایات کا مطالعہ کرتے ہیں جن سے زرارہ کی حقیقت کھل کر سامنے آ جاتی ہے۔

یونس بن عبدالرحمن، شیخ ابن مستان کے واسطہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے زرارہ بن اعین کو کہتے ہوئے سنا ہے: اللہ تعالیٰ امام محمد باقر پر رحم کرے۔ البتہ امام جعفر علیہ السلام کے بارے میں میرے دل میں خمیدگی ہے۔ میں نے ابن مستان کی خدمت میں عرض کیا کہ ایسا کیوں ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ ابو عبد اللہ نے زرارہ کا پول کھول کر لوگوں کے سامنے رکھ دیا تھا۔ لہذا زرارہ انتقام زرارہ نے ایسی بات کہی ہے۔^③

علی بن ابی حمزہ نے ابو عبد اللہ علیہ السلام سے روایت کیا ہے کہ: میں نے آیت قرآن

① ملاحظہ ہو: رجال النجاشی ص ۱۲۵۔ ② الفہرست ص ۱۰۴۔

③ رجال الکشی/ص ۱۳۱۔

﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ﴾ پڑھی۔^①

حضرت ابو عبد اللہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ہم کو ظلم سے اپنی پناہ میں رکھے۔ میں نے عرض کیا وہ کون سا ظلم ہے؟ جس کی آپ ﷺ بات کر رہے ہیں تو انہوں نے جواب دیا: میری مراد یہ ہے کہ زرارہ اور ابو حنیفہ نے جو گل کھلائے ہیں ان کی شرانگیزی سے اللہ تعالیٰ ہمیں محفوظ رکھے۔^②

امام ابو عبد اللہ جعفر صادق ﷺ نے زرارہ بن اعین کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہوئے فرمایا: اللہ کی قسم ابو زرارہ نے مجھ پر جھوٹ تھوپا ہے۔ اللہ کی قسم زرارہ نے مجھ پر بہتان باندھا ہے۔ اللہ کی قسم زرارہ نے مجھ پر دروغ گوئی کی ہے۔ زرارہ پر اللہ کی لعنت ہو، زرارہ پر اللہ کی لعنت ہو۔^③

امام ابو عبد اللہ ﷺ نے ابو بصیر کو ارشاد فرمایا: زرارہ پر اللہ کی لعنت ہو! اس نے اسلام میں سب سے زیادہ بدعات کو رواج دیا ہے۔^④

امام ابو عبد اللہ جعفر صادق ﷺ نے ایک شخص سے دریافت کیا: کتنے دنوں سے زرارہ سے تمہارا سابقہ نہیں پڑا ہے؟ اس شخص نے جواب دیا کہ میں نے انہیں کئی دنوں سے نہیں دیکھا۔ ابو عبد اللہ نے جواب دیا: زرارہ کو دفع کرو۔ اب اس کے بارے میں خیال تک نہ لاتا حتیٰ کہ اگر وہ بیمار ہو جائے تو اس کی عیادت نہ کرنا اور اگر مر جائے تو اس کے جنازہ میں شرکت نہ کرنا۔ اُس شخص نے ازراہ تعجب عرض کیا: زرارہ کے بارے میں آپ یہ فرما رہے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا: ہاں۔ زرارہ یہود و نصاریٰ سے بھی زیادہ شر پسند ہے۔^⑤

انتہائی تعجب خیز بات یہ ہے کہ شیعوں نے ان تمام روایات کی تاویل کرتے ہوئے کہا

① ﴿الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ﴾ اور یہ بات بدیہی ہے کہ آیت کی ابتداء واؤ کے ساتھ نہیں ہے بلکہ: الَّذِينَ آمَنُوا کے ذریعہ آیت شروع ہوتی ہے۔ لیکن شیعہ کے قرآن کریم کے ساتھ عدم اہتمام کی وجہ سے آیات قرآنیہ میں اس طرح کی بی شمار غلطیاں ہیں جن کے وہ مرتکب ہیں۔

- ② دیکھئے: رجال الکشی ص ۱۳۳۔ ③ دیکھئے: رجال الکشی ص ۳۳۱۔
④ دیکھئے: رجال الکشی ص ۱۳۴۔ ⑤ دیکھئے: رجال الکشی ص ۱۴۲/۔

ہے کہ یہ ساری کی ساری روایات امام صاحب نے زرارہ بن اعین کے بارے میں بطور تقیہ کبھی ہیں۔

حالانکہ یہ سراسر جھوٹ اور بہتان ہے۔ یہ زرارہ بن اعین اور ابو حنیفہ کی شان میں گستاخی اور ایک جواز بھی ہے۔ تاکہ علماء اہل سنت کو تقیہ کے نام پر لعن و طعن کا نشانہ بنایا جاسکے۔ شیعہ حضرات کبھی صرف حضرت زرارہ کو لعن و طعن کا نشانہ بناتے ہیں حتیٰ کہ کسی سوال کے بغیر ہی زرارہ کا تذکرہ ان الفاظ سے شروع کرتے ہیں: لَعْنُ اللّٰهِ زَرَّارَةَ، لَعْنُ اللّٰهِ زَرَّارَةَ، لَعْنُ اللّٰهِ زَرَّارَةَ۔

اس شخص زرارہ کے متعلق آپ نے شیعہ کی معروف مذہبی کتابوں کی تضاد بیانی ملاحظہ فرمائی ہے۔ شیعہ کے نزدیک یہ ثقہ ترین راوی کی بات ہے۔ میں نے اس پر بڑے اختصار کے ساتھ بحث کی ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ شیعوں کے نزدیک کوئی بھی ایسا راوی نہیں جس کے بارے میں ان کی کتابوں میں یہ تضاد بیانی موجود نہ ہو۔

مثلاً محمد بن سنان، عبداللہ بن سنان، جابر جعفی، ابوبصیر، یزید بن معاویہ، محمد بن مسلم طاشکی

وغیر ہم۔

یہ تمام شیعہ کے رواۃ ہیں لیکن جب آپ ان کی مرویات کی طرف رجوع کریں گے یا علم رجال میں ان کے کلام کا تتبع کریں گے تو آپ کو یہ تضاد ضرور نظر آئے گا: کہیں کسی کو ملعون کہا گیا ہے تو کہیں کسی کو ثقہ کے خطاب سے نوازا گیا ہے۔ اگر کہیں کسی کو کافر کہہ کر پکارا گیا ہے تو اسی کو امام قرار دیا گیا ہے۔

حرمت متعہ میں روایت علی رضی اللہ عنہ:

شیعہ حضرات اس حدیث کے بارے میں بہت زیادہ حیراں و سرگرداں ہیں۔ ہم گذشتہ صفحات پر اس کو بیان کر چکے ہیں۔ دراصل بات یہ ہے کہ شیعہ نے اس روایت کو امیر المؤمنین سیدنا علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ کی نسبت سے اپنی کتابوں میں روایت کیا ہے۔

”رسول اللہ ﷺ نے فتح خیبر والے دن متعہ اور پالتو گدھے کے گوشت کو حرام قرار دیا تھا۔“

شیعہ حضرات اس حدیث کو کس احتمال سے موسوم کرتے ہیں ہم اس کا تذکرہ کر چکے ہیں۔ یہ حدیث شیعہ کی کتاب الاستبصار، کتاب التہذیب، اور کتاب الوسائل میں مذکور ہے۔ الحرا العالمی کا اس حدیث کے بارے میں خیال ہے کہ شیخ طوسی جیسے علماء نے اس حدیث کو تقیہ پر محمول کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ بات بطور تقیہ کہی ہے۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جناب علی رضی اللہ عنہ نے ایسا کیوں کیا؟

شیعہ کہتے ہیں کہ متعہ کی اباحت کی غرض سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایسا کیا۔ کیونکہ متعہ کی اباحت مذہب امامیہ کی ضروریات میں سے ہے۔

شیعہ کہتے ہیں: بس صرف اسی سبب سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تقیہ کا راستہ اختیار کیا ہے کہ متعہ کی اباحت ضروریات مذہب میں سے ہے۔ لہذا سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا یہ قول تقیہ پر محمول سمجھا جائے گا۔ کیونکہ انہوں نے یہ حکم تقیہ کے طور صادر فرمایا ہے۔ ہمارا کہنا یہ ہے کہ یہ بات کئی وجوہ کی بناء پر باطل ہے۔

اس کی سب سے پہلی وجہ بطلان یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بذات خود یہ فتویٰ نہیں دیا ہے بلکہ انہوں نے اس روایت کو رسول اللہ ﷺ سے نقل فرمایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان امور کی ممانعت فرمائی ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت کو کیوں کر تقیہ کا نام دیا جاسکتا ہے۔ یہ جناب علی رضی اللہ عنہ کی ذات پر بہتان تراشی ہے۔ اس کی ممکنہ دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ یا تو یہ کہا جائے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ پر بہتان باندھنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن یہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی ذات سے بعید از قیاس ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی طرف جھوٹ کو منسوب کر کے روایت کرنے کی تگ و دو کریں۔

لہذا یہ بات بھی عیاں ہوگئی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی یہ روایت تقیہ سے خارج ہے۔ کیونکہ یہ بات کیسے باور کی جاسکتی ہے کہ یہ کلام تقیہ ہو۔ جبکہ علی رضی اللہ عنہ براہ راست اسے رسول اللہ ﷺ سے روایت کر رہے ہیں۔ یا پھر ہم یہ کہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بطور تقیہ فرمایا ہے۔ لیکن ایسا غیر ممکن ہے۔

اس کی دوسری وجہ بطلان یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ انہوں نے حج تمتع کے سلسلہ میں اس کے خلاف رائے کا اظہار کیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس موقع پر انہوں نے تقیہ کا اعلان کیوں نہیں کیا؟ متعہ خیبر کے بارے میں شیعہ کے نزدیک ان کی روایت تقیہ پر محمول ہے مگر حج تمتع کے سلسلہ میں اس کے برخلاف کیوں ہے؟

اس کی تیسری وجہ بطلان یہ ہے کہ بعض صحابہ کرام سے منسوب ہے کہ انہوں نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے عہد میں متعہ روا رکھا اور اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں بھی متعہ کے جواز کے قائل تھے۔ یہ عبداللہ ابن عباس اور جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما وغیرہ کا موقف تھا۔

کیا یہ لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے زیادہ بہادر تھے؟ علی رضی اللہ عنہ تو مارے خوف کے تقیہ کا استعمال کریں اور یہ لوگ علی الاعلان اپنے اعتقاد کا اظہار کرتے پھریں۔ یہ بیان بازی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی ذات کے ساتھ مذاق ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ کو بزدل ثابت کرنے اور آپ رضی اللہ عنہ کی ذات کو مطعون کرنے کے مترادف ہے۔

اس کے بطلان کی چوتھی وجہ یہ ہے کہ صحابہ کرام نے متعہ کی حرمت کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول کو قبول کر لیا لیکن حج تمتع کے بارے میں ان کے قول کو ٹھکرا دیا؟ یہ ساری تفصیل اس بات کی غماز ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے متعہ کے بارے میں جو کچھ کہا ہے اس کو تقیہ پر محمول نہیں کیا جاسکتا۔ بلکہ انہوں نے سب کچھ رسول اللہ ﷺ سے نقل کیا ہے۔ یہ حدیث صحت کے اعتبار سے متفق علیہ درجہ کی حدیث ہے۔ امام بخاری و مسلم نے اپنی صحیحین میں اس کو روایت کیا ہے۔

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے عقیدہ تقیہ کے بارے میں فرمایا ہے کہ: فرمان الہی: ﴿إِلَّا أَنْ تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقَاةً﴾ (آل عمران: ۲۸) میں تقاۃ کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہم جھوٹ بولیں۔ یعنی زبان سے کچھ کہیں اور دل میں کچھ اور ہو۔ یہ تقیہ نہیں ہوا بلکہ یہ تو عین نفاق ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ مصلحت کے تحت جتنا اپنے بس میں ہو اس کام کو بحسن و خوبی سرانجام دیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔

((مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ،

فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ وَذَلِكَ أَضْعَفُ الْإِيمَانِ)) ❶

”تم میں کوئی شخص اگر برائی دیکھے تو اس کو چاہیے کہ اسے اپنے ہاتھ سے روکے۔ اور اگر وہ اسے ہاتھ سے نہ روک سکتا ہو تو زبان سے روکے۔ اور اگر زبان سے بھی اس پر نکیر کرنے کی قدرت نہ ہو تو کم از کم دل میں اسے برا سمجھے۔ یہ ایمان کا سب سے کمزور درجہ ہے۔“

لہذا بندہ مومن اگر کفار میں پھنس جائے، اپنی کمزوری اور ناتوانی کی وجہ سے ان سے برسر پیکار نہ ہو سکتا ہو اور یہ ممکن ہو کہ زبان سے برائی کا تذکرہ کر سکے تو زبان سے اس کا تذکرہ کرے۔ اور اگر زبان سے بھی کچھ نہ کر سکے تو کم از کم دل سے اسے برا سمجھے۔ لیکن یاد رہے کہ دروغ گوئی اور بہتان بازی کا سہارا لے اور نہ ہی نفاق سے کام لے کہ دل میں کچھ ہو اور زبان پر کچھ اور ہو۔ بہر حال اس حالت میں بھی چاہے وہ دین کا اظہار کرے یا کتمان سے کام لے اس کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ کفار و مشرکین کو کھلی طور پر قبول کر لے اور ان میں گھل مل جائے۔

بلکہ اس کو زوجہ فرعون کا طریقہ اپنانا چاہئے۔ یعنی ان کے دین میں پورے طور پر گھلنے ملنے سے گریز کرے اور ان کے رسم و رواج اختیار کرنے سے احتیاط برتے۔ نہ جھوٹ اور دروغ گوئی سے کام لے اور نہ منافقانہ انداز اختیار کرے۔ یعنی زبان سے اس بات کا اظہار کرے جو دل میں

❶ دیکھئے: صحیح مسلم، کتاب الإيمان: حدیث: ۱۷۷۔

موجود اعتقاد کے خلاف ہو۔ بلکہ تو یہ سے کام لیتے ہوئے اپنے ایمان کو پوشیدہ رکھے۔

دین و ایمان کی پوشیدگی اور چیز ہے اور باطل کا اظہار دوسری چیز۔ اللہ تعالیٰ نے باطل کے اظہار کو ناجائز قرار دیا ہے۔ البتہ مجبور شخص کو اللہ تعالیٰ نے مکرہ اور منافق کے درمیان فرق بھی واضح کر کے بتلادیا ہے۔

لہذا جو کچھ نفس میں پوشیدہ ہے اس کا کتمان کرنا ان مواقع پر جائز ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے اس کے اظہار سے اسے معذور قرار دیا ہے۔ لیکن جہاں تک اس شخص کا تعلق ہے جو کفر بکنے کا عادی ہے، اس کے لیے عذر کا کوئی جواز نہیں ہے اور نہ ہی اس کو اس کے لئے معذور قرار دیا گیا ہے۔ لیکن بالفرض وہ مومن شخص جو اپنے دل میں ایمان کی چنگاری چھپائے ہوئے ہو اور کفار و مشرکین کے درمیان پھنس جائے۔ کفار و مشرکین کو اس کے ایمان کا علم نہ ہو۔ اس پر لازم ہے کہ کفار و مشرکین کے ساتھ راست گوئی، دیانتداری، اور بھلائی کا رویہ اپنائے۔ اگرچہ اس معاشرے کے لوگ اس کے دین کے موافق نہ ہوں۔ جیسا کہ حضر سے یوسف علیہ السلام نے اہل مصر کے ساتھ کیا تھا۔ اگرچہ اس معاشرے کے تمام لوگ کافر تھے۔ ❶

اب بنیادی سوال یہ پیدا ہوتا ہے: کیا ائمہ اثنا عشر میں سے کسی نے متعہ کیا تھا؟

اس بارے میں علامہ احسان الہی ظہیر رحمہ اللہ کا قول ہے کہ اہل بیت علیہم السلام پر متعہ کا الزام بے بنیاد ہے۔ بلکہ ایسا کہنا اہل بیت کے اوپر بہتان باندھنا ہے اور ان کی ذات کے ساتھ افتراء بازی ہے۔ کسی کتاب یا کسی مرجع میں یہ بات نہیں ہے کہ اہل بیت علیہم السلام میں سے کسی نے متعہ کیا ہو۔ اگر متعہ کیا ہوتا تو کم از کم اس عورت کی تحدید ہوتی کہ فلاں عورت سے اہل بیت میں سے فلاں شخص نے متعہ کیا ہے۔ اگر کسی شخص اور اہل بیت کی طرف نسبت کی گئی ہوتی تو ان کی اولاد اولاد متعہ کہلاتی۔

یہاں ایک اشکال یہ وارد ہوتا ہے کہ بعض روایات میں آیا ہے کہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے

❶ دیکھئے: منہاج السنہ.

کوفہ میں بنی نہشل کی ایک عورت سے متعہ کیا تھا۔^①

یاد رہے کہ یہ اشکال شیخ احسان الہی ظہیر رحمہ اللہ کے کلام کے منافی نہیں ہے۔ کیونکہ شیخ احسان الہی ظہیر رحمہ اللہ اس عورت کی تحدید کی نفی کر رہے ہیں جس سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے متعہ کیا تھا۔ اگر ایسا ہے تو ذرا اس عورت کا نام بتلا دیجئے۔ ہم مان جائیں گے کہ آپ اپنے دعویٰ میں سچے ہیں۔ شیخ نے اہل بیت رضی اللہ عنہم کی ذات سے اس تہمت کے ازالہ کی کوشش کی ہے۔ کس بنیاد پر یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ اہل بیت رضی اللہ عنہم نے متعہ کیا ہے۔ اگر شیعہ اپنے دعویٰ میں حق بجانب ہیں تو ذرا یہ بتائیں کہ متعہ کے ذریعہ اہل بیت کے نطفہ سے کسی اولاد کا تاریخ میں کوئی ذکر آتا ہے؟ بلکہ حقیقی بات یہ ہے کہ اہل بیت رضی اللہ عنہم کو متعہ کے نام تک سے نفرت تھی۔

چنانچہ علی بن یقظین کا قول ہے کہ میں نے موسیٰ کاظم علیہ السلام سے متعہ کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے جواب دیا: کہاں تم اور کہاں متعہ؟ تم کو متعہ سے کیا سروکار؟ جبکہ اللہ تعالیٰ نے تم کو اس سے مستغنی کیا ہے۔^②

مفضل سے مروی ہے کہ میں نے امام ابو عبد اللہ علیہ السلام کو کہتے ہوئے سنا ہے: متعہ کی چکر بازی چھوڑ دو۔ متعہ کرنے والے کو شرم نہیں آتی کہ ایک غیر محرم کی شرم گاہ کا مشاہدہ کرتا ہے اور اس کے ساتھ گذری ہوئی یادوں کے ہمراہ اپنے نیک و صالح دوستوں کے پاس حاضر رہتا ہے۔^③

عبد اللہ بن سنان سے مروی ہے کہ میں نے امام ابو عبد اللہ جعفر صادق علیہ السلام سے متعہ کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے جواب دیا: اپنے نفس کو اس کی آلودگی سے گدلا نہ کرو۔^④ راہ بن امین سے مروی ہے کہ عبد اللہ بن عمیر رحمہ اللہ حضرت امام ابو جعفر محمد باقر رحمہ اللہ کے پاس تشریف لائے اور عرض کیا: آپ کا عورتوں سے متعہ کرنے کے سلسلہ میں کیا خیال

① مزید تفصیل کے لئے الوسائل ملاحظہ فرمائیں ۱۰/۲۱۔

② دیکھئے: خلاصة الأبحاث فی المتعة للمفید ص ۵۷، الوسائل ۱۴/۴۴۹، نوادر أحمد ص ۸۷ ح ۱۹۹، الکافی ج ۵ ص ۴۵۲۔

③ دیکھئے: الکافی ۵/۴۵۳، البحار ۱۰۰، ۱۰۳، ۳۱۱، الوسائل ۱۴/۴۵۰، المستدرک ۱۴/۴۵۵۔

④ دیکھئے: مستدرک الوسائل ج ۱۴ ص ۴۵۵۔

ہے؟ ابو جعفر علیہ السلام نے جواب دیا: اللہ تعالیٰ نے متعہ کو اپنی کتاب اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے حلال قرار دیا ہے۔ اب متعہ قیامت تک کے لئے حلال ہے۔ پھر ابو جعفر علیہ السلام نے عبد اللہ بن عمیر رضی اللہ عنہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: اگر تم کو یقین نہیں ہے تو ہم اس بات پر ملاعنہ کرنے کے لئے تیار ہیں کہ متعہ حلال ہے۔ عبد اللہ بن عمیر ان امام ابو جعفر علیہ السلام کو مخاطب کرتے ہوئے یوں گویا ہوئے: کیا تم اس بات کو پسند کرو گے کہ تمہاری عورتیں، تمہاری بیٹیاں، تمہاری بہنیں اور تمہاری رشتہ کی لڑکیاں متعہ کرتی پھریں؟ راوی کہتا ہے: ابو جعفر علیہ السلام نے ان کی طرف سے اپنا چہرہ پھیر لیا اور اپنی بات سے رجوع کر لیا۔ جب انہوں نے ان کی عورتوں اور ان کی رشتہ دار لڑکیوں کا تذکرہ کر کے ان کو عار دلایا۔^①

امام باقر علیہ السلام کی اس روایت کی عدم صحت کی دلیل کے لئے صرف یہ بات کافی ہے کہ جس کو امام کے منصب کا اہل قرار دیا جا چکا وہ امت کی بہو بیٹیوں کے بارے میں ایسے مسئلہ کے جواز کا فتویٰ قطعاً نہیں دے گا جس کو اگر اس کی اپنی بہو بیٹیوں کے ساتھ انجام دینے کے لئے کہا جائے تو مارے شرم اور عار کے اس کا چہرہ سیاہ پڑ جائے۔ کیونکہ اگر کوئی حکم شرعاً جائز ہے تو اس کے عموم میں امت کی اشرف ترین لڑکیوں کے لئے بھی وہی حکم ہے جو امت کی ادنیٰ سے ادنیٰ لڑکیوں کے لئے ہے۔ اہل سنت والجماعت نے جن واسطوں سے روایت کر کے مسئلہ متعہ کی وضاحت کی ہے انہی طرق روایت کو شیعوں نے متعہ کے جواز میں اختیار کیا ہے۔

اہل السنہ کی اسناد والی احادیث سے شیعہ کا جواز متعہ پر استدلال:

جناب جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ساداتنا ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے عہد میں ایک مٹھی کھجور اور ایک مٹھی جو کے آٹے بدلے متعہ کیا کرتے تھے حتیٰ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہمیں متعہ کرنے سے منع فرمادیا۔^②

① دیکھئے: مستدرک الوسائل ج ۱۴ ص ۴۴۹۔

② صحیح مسلم، کتاب النکاح، ب، نکاح المتعہ و بیان..... الخ، حدیث: ۳۴۱۶۔

ایک دوسری حدیث حضرت جابر رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ کے عہد میں متعہ کیا تھا پھر جب عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے ممانعت کا اعلان کر دیا تو ہم نے اس کے بعد دوبارہ کبھی متعہ نہیں کیا۔^①

جناب عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث سے شیعہ نے استدلال کیا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کا کہنا ہے: ہم نے نبی کریم ﷺ کے زمانے میں متعہ کیا۔ اس دور میں قرآن کریم کا نزول جاری تھا۔ لیکن بعد میں ایک شخص نے اپنی رائے سے جو موزوں سمجھا وہ کہا۔ مراد یہ کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے متعہ کی حرمت کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کیا۔^②

جواب:

لیکن ہمارا کہنا ہے کہ جہاں تک جناب جابر رضی اللہ عنہ کی احادیث کا معاملہ ہے تو ہم اس حقیقت سے انکار نہیں کر رہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کو مباح قرار دیا تھا۔ اسی بات کا اثبات حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کیا ہے۔ لیکن یہ بھی ایک بدیہی حقیقت ہے اور میں دورائے نہیں ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کے بعد متعہ کی حرمت کا حکم صادر فرمایا تھا مگر جناب جابر رضی اللہ عنہ کو متعہ کی حرمت کے حکم کا علم نہ ہو سکا۔ یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ یہ ناممکن ہے کہ نبی کریم ﷺ اگر کسی بات کا حکم دیں یا کسی کام سے روکیں تو اس موقع پر تمام صحابہ کرام کو آپ ﷺ جمع کر لیں اور جب تمام کے تمام صحابہ رضی اللہ عنہم جمع ہو جائیں تب اس کی حلت یا حرمت کا حکم صادر فرمائیں۔ بلکہ آپ ﷺ کا طریقہ کار یہ تھا کہ آپ ﷺ حاضرین کو پیغام پہنچا دیا کرتے تھے اور حاضرین غائب لوگوں تک اس کی رسائی کر دیا کرتے تھے۔

چنانچہ یہاں یہ بات واضح ہو گئی کہ اس نبی کا صدور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی غیر موجودگی میں ہوا ہے ان تک نبی کریم ﷺ کا یہ خطاب پہنچ نہیں سکا جس کی وجہ سے وہ اسے حلال ہی

① صحیح مسلم، حدیث: ۳۴۱۷۔

② صحیح البخاری، ج: ۱، ۱۵۷۱، ۴۵۱۸۔ صحیح مسلم، حدیث: ۲۹۷۸، ۲۹۸۰۔

سمجھتے رہے یہاں تک کہ امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی زبان ترجمان حق سے ان کو اس بات کا پتہ چل گیا اور پھر وہ اس کی حرمت کے قائل ہو گئے۔

جہاں تک عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کا معاملہ ہے تو شیعہ نے اس بارے میں لوگوں کو مغالطے میں ڈالنے کی کوشش کی ہے۔ کیونکہ ان سے مروی حدیث حج تمتع کے بارے میں ہے جب کہ متعہ نساء سے اس کا دور کا بھی تعلق نہیں ہے۔ جو شخص حدیث کے مختلف طرق کی چھان بین کرے گا اس کو اس بات کا پتہ چل جائے گا۔

یہی عمران بن حصین رضی اللہ عنہ ایک دوسری حدیث میں ارشاد فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اہل و عیال کے ساتھ عمرہ ادا کیا۔ اس وقت تک متعہ کی ناخ آیت کا نزول نہیں ہوا تھا اور نہ ہی آپ ﷺ نے متعہ کی ممانعت کا حکم صادر فرمایا تھا حتیٰ کہ اسی حال میں واپسی ہو گئی۔ اب اس کے بعد جو جس کے جی میں آئے وہ اس کا اظہار خیال کرتا ہے۔^① صحیح مسلم کی ایک حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حج اور عمرہ ایک ساتھ کیا۔ مگر حج تمتع کی حرمت کی بابت آپ ﷺ نے کچھ بھی نہیں فرمایا۔ نہ ہی قرآن میں اس کی حرمت کے بارے میں کوئی حکم نازل ہوا حتیٰ کہ آپ ﷺ کی وفات ہو گئی۔ ایک شخص نے اپنی رائے سے اس بارے میں حکم صادر فرمایا ہے۔ مراد یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی حرمت کا حکم صادر فرمایا۔

یہاں پر بھی کلام تمتع حج کے بارے میں ہے، متعہ نساء کے بارے میں یہ حکم نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے حدیث عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کو تمام ائمہ کرام نے کتاب النکاح میں نقل کیا ہے اور فقہاء میں سے کسی نے بھی اسے کتاب النکاح میں نقل نہیں کیا۔

امام شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں معلوم ہونا چاہیے کہ وہ نکاح شرعی جس کو اصلاً نکاح صحیح سے تعبیر کیا جاتا ہے وہ نکاح ہے جس کو عورتوں کے ولی انجام دیں۔ کیونکہ ولی کے بغیر نکاح نہیں ہوتا۔

① ہذا فی صحیح مسلم۔

شارع حکیم نے اس بارے میں بڑی سختی کے ساتھ یہ فرمایا ہے کہ: ہر وہ نکاح جو ولی کے بغیر منعقد کیا جائے، باطل ہے اس کی کوئی حیثیت نہیں۔ اس نکاح کے بطلان کو شارع حکیم نے تین بار تاکید اور ایسا ہے جس حدیث میں اس کے بطلان کا حکم وارد ہوا ہے اس کے الفاظ یہ ہیں۔ (أَيُّمَا امْرَأَةٍ نَكَحْتِ بِغَيْرِ إِذْنٍ وَلِيِّهَا، فَنِكَاحُهَا بَاطِلٌ، فَنِكَاحُهَا بَاطِلٌ، فَنِكَاحُهَا بَاطِلٌ)۔^①

اس کے بعد ہمیں یہ بات بھی معلوم ہونی چاہئے کہ وہ نکاح جو شرعاً جائز ہے اور شریعت جس کو صحیح قرار دیتی ہے شارع حکیم نے اس میں گواہوں کی موجودگی کو بھی شرط قرار دیا ہے جیسا کہ بعض احادیث سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

نیز وہ نکاح جو شرعاً درست ہو اس سے وراثت ثابت ہوتی ہے۔ وہ نسب کے ثبوت کا ذریعہ ہے۔ اس میں طلاق اور عدت کا بھی امکان موجود ہوتا ہے۔

اس حقیقت کے بعد تو ہمیں یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ متعہ کو نکاح شرعی کا نام نہیں دیا جاسکتا۔ بلکہ اس کو رخصت مسافر کے لئے جائز قرار دیا گیا تھا۔ اس بارے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ پھر اس کے بعد اس حدیث کی صحت پر کسی کو اختلاف نہیں ہے جس سے متعہ کی قیامت تک کے لئے ممانعت ثابت ہوتی ہے۔

اس وضاحت کے بعد اور کوئی بات کرنے ضرورت نہیں ہے اور نہ ہی اس کے تعارض میں مستند دلائل کا ثبوت پایا جاتا ہے۔ جہاں تک ان من گھڑت باتوں کا تعلق ہے کہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے متعہ کیا تھا تو ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ان بعض صحابہ کرام تک حرمت کا حکم نہ پہنچ سکا ہو اور وہ پہلے حکم کی بنیاد پر متعہ کو اس وقت تک جائز سمجھتے رہے ہوں جب تک انہیں اس کی حرمت کا حکم نہ پہنچ سکا ہو۔ اسی لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صراحت کے ساتھ متعہ کی حرمت کا اعلان کر دیا اور اس حکم کو نبی کریم ﷺ سے روایت کر کے متعہ کو جرم قرار دے دیا تھا۔ انہوں

① صحیح جامع الترمذی، کتاب النکاح، حدیث: ۱۱۰۲۔ عن عائشة رضی اللہ عنہا۔

نے یہ کام اس وقت کیا جب ان کو اس بات کی خبر پہنچی کہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ابھی تک متعہ کے قائل ہیں۔

ہمارے لئے اس مسئلہ میں رسول اللہ ﷺ کے اقوال حجت ہیں نہ کہ لوگوں میں سے بعض افراد کے افعال و اعمال۔ یعنی رسول اللہ ﷺ سے متعہ کی حرمت ثابت ہے اس لئے ہمارے نزدیک متعہ حرام ہے۔

علاوہ ازیں تمام مسلمانوں کا متعہ کی حرمت پر اجماع ہے۔ شیعہ کے علاوہ اور کوئی بھی اس کے جواز کا قائل نہیں ہے۔ شیعہ کا عالم یہ ہے کہ انہیں اپنے قول و فعل کی کوئی پرواہ نہیں ہے اور نہ ہی اپنے اقوال کے دفاع کی ضرورت انہوں نے کبھی محسوس کی ہے۔ کیونکہ وہ لوگ اس اعتقاد پر قائم ہیں جو کتاب و سنت کے بالکل خلاف ہے۔

امام ابن منذر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ابتداء میں اس بارے میں رخصت تھی لیکن تمام روئے زمین پر کوئی فرقہ ایسا نہیں ہے جو اس کے جواز کا قائل ہو۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں: متعہ کی حرمت پر علماء کا اجماع ہے۔ مگر شیعہ لوگ اس کی حلت کے قائل ہیں۔ ان کے علاوہ اور کوئی اس کے جواز کا قائل نہیں ہے۔

امام خطابی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: متعہ کی حرمت اجماع کی طرح ایک مسلمہ حقیقت ہے۔ البتہ بعض شیعہ حضرات اس کی حلت کے قائل ہیں۔^①

قرآن کا سنت سے نسخ:

فرقہ شیعہ کے مولویوں کا کہنا ہے کہ قرآن کریم کی کسی آیت کو رسول اللہ ﷺ کی حدیث منسوخ نہیں کر سکتی ہے لیکن ہم عرض کر چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان:

﴿فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ فَرِيضَةً﴾ کا متعہ سے کوئی

تعلق نہیں۔ لہذا اس کو منسوخ کہنا درست ہی نہیں ہے۔

① دیکھیے: السبل الحرار: ج ۲ ص ۲۶۷۔

امام ابن جوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”متعہ کی اباحت سنت سے ثابت ہوئی اور متعہ منسوخ بھی سنت ہی سے ہوا۔ قرآن کی آیت کا متعہ سے قطعاً کوئی تعلق نہیں ہے۔“

جہاں تک شیعہ کا یہ اشکال ہے کہ تحریم متعہ کی احادیث کا آپس میں ٹکراؤ ہے۔

اس کے جواب میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے کہ: ”حرمت متعہ سے متعلقہ تمام روایات معلول ہیں ماسوائے ایک روایت کے، اس صحیح روایت کا تعلق فتح مکہ سے ہے۔“

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی مذکورہ عبارت اس بات کی دلیل ہے کہ تمام کی تمام روایات جو متعہ کی حرمت میں وارد ہوئی ہیں چاہے وہ حدیبیہ کے وقت کی ہوں یا حجۃ الوداع کے بعد کی ہوں یا غزوہ تبوک کے موقعہ کی ہوں، ضعیف ہیں۔ ان میں سے ایک روایت بھی درست نہیں ہے۔

ہاں جو روایت عام اوطاس کے بارے میں ہے تو عام اوطاس ہی عام فتح مکہ ہے۔

امام حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں حرمت متعہ کی روایات میں سے کوئی بھی کلام سے خالی نہیں ہے البتہ غزوہ فتح مکہ کی روایت درست ہے۔ اور جہاں تک غزوہ خیبر والی روایت کا تعلق ہے جس میں پالتو خچر کی حرمت کا بیان ہے اس میں متعہ کی حرمت کا بیان نہیں ہے۔

سفیان بن عیینہ کی روایت سے یہی پتہ چلتا ہے۔

کیونکہ جناب علی رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح متعہ اور پالتو خچر کے گوشت سے خیبر والی فتح کے سال میں منع فرمایا تھا، دراصل یہ روایت بالمعنی ہے۔

کیونکہ امام سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ نے ضبط فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عام خیبر میں پالتو خچر کے گوشت سے اور متعہ سے بھی منع فرمایا ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ متعہ کا عام خیبر سے کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ متعہ کی ممانعت کسی اور موقع پر وارد ہوئی ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں ”جہاں تک عام اوطاس والی روایت کا معاملہ ہے تو عام اوطاس ہی عام فتح کہلاتا ہے لہذا عام اوطاس اور عام فتح میں کوئی فرق نہیں ہے اور جہاں تک

عمرۃ القضاء والی روایت کا معاملہ ہے تو یہ روایت ضعیف ہے کیونکہ وہ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ کے واسطے سے مرسل ہے۔

میں یہاں پر یہ کہنا چاہوں گا کہ تبوک والی روایت بھی ضعیف ہے کیونکہ یہ مومن بن اسماعیل کے واسطے سے عکرمہ سے مروی ہے اور یہ دونوں راوی ضعیف ہیں۔

اس بحث سے معلوم ہوا کہ شیعہ جس اضطراب اور ٹکراؤ کا دعویٰ کر رہے ہیں اس کا وجود تک نہیں ہے گویا کہ ان کا دعویٰ بے بنیاد ہے۔

اور متعہ کے سلسلہ میں یہ کہنا کہ پہلے اس کو حرام قرار دیا گیا پھر اس کی حلت کا حکم آیا۔ یا اس کو پہلے تو حلال قرار دیا گیا پھر اس کے عدم جواز کا حکم نازل ہوا۔ اس کے بعد پھر اس کی حلت کا حکم نازل ہوا۔ اور اس کے بعد پھر اس کو حرام قرار دے دیا گیا، تو اس بارے میں ہمارا جواب وہی ہے جو امام شافعی رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ ما سوائے متعہ کے میرے علم میں یہ بات نہیں ہے کہ کسی چیز کو حلال قرار دیا گیا ہو پھر اس کی حرمت ہو گئی ہو۔ اس کے بعد پھر اس کی حلت کا حکم نازل ہوا اور اس کے بعد پھر اسے حرام قرار دے دیا گیا ہو۔ البتہ متعہ کے بارے میں ایسا ہوا ہے۔ اب اس میں پریشانی اور الجھن والی کون سی بات ہے؟ کیا اس کے بعد اس کی حرمت پر اجماع قرار نہیں پایا؟ لہذا یہ اجماع ہی ان تمام اشکالات کو دور کرنے کے لئے بطور دلیل کافی ہے۔

(۴)..... شیعہ کا یہ کہنا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے متعہ کو حرام قرار دیا تھا، سراسر دروغ گوئی اور بہتان تراشی ہے۔ کیونکہ گذشتہ صفحات پر ان آیات اور احادیث کا ذکر کیا جا چکا ہے جس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ متعہ کی حرمت کتاب اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ امیر المؤمنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے حکم کو اس میں کوئی دخل نہیں ہے۔

یہ بھی معلوم ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبی کی بنیاد پر متعہ کی حرمت کا اعلان کیا تھا۔ گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت محض ایک مبلغ کی ہی تھی نہ کہ شارع کی۔ کیونکہ امت

اسلامیہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ذات کو کبھی بھی شریعت ساز کی حیثیت سے دنیا کے سامنے پیش نہیں کیا۔ بلکہ اہل سنت والجماعت کے نزدیک آپ رضی اللہ عنہ کی حیثیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کو امت تک پہنچانے کے لئے مبلغ و داعی کی ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ کو ہرگز ہرگز شارع قرار نہیں دیا جاسکتا۔

شیعہ کے نزدیک متعہ کی فضیلت:

اب ہم ان روایات کا تذکرہ کریں گے جو شیعہ کے یہاں متعہ کے سلسلہ میں وارد ہوئی ہیں۔
 (۱)..... صالح بن عقبہ اپنے والد عقبہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے ابو جعفر علیہ السلام سے عرض کیا: کیا متعہ کرنے کا کوئی اجر و ثواب ہے؟ انہوں نے جواب دیا: ”اگر متعہ سے اللہ کی خوشنودی اور عمر رضی اللہ عنہ کی خلاف ورزی مقصود ہو اور مرد و عورت سے محض چھیڑ چھاڑ کرتا ہے، کوئی اور بات ہی نہیں کرتا تو اللہ تعالیٰ اس اقدام پر اس کے لیے ایک نیکی لکھ دیتا ہے۔ اور اگر وہ اس سے قریب ہوتا ہے اور چھیڑ خوانی بھی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے بدلے اس کے گناہ معاف کر دیتا ہے۔ جب اس سے فارغ ہو کر غسل کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے ہر اس بال کے بدلے جس پر سے غسل کا پانی گذرتا ہے مغفرت سے نوازتا چلا جاتا ہے۔ راوی کہتا ہے: میں نے پوچھا: جسم کے بالوں کے عدد کے برابر؟ ابو جعفر علیہ السلام نے جواب دیا: ہاں بالوں کی تعداد کے برابر۔^①

(۲)..... نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب کرتے ہوئے یہ روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے کہہ دیا ہے کہ میں نے متعہ کرانے والوں کو بخش دیا ہے۔“^②

(۳)..... محمد بن مسلم سے مروی ہے کہ مجھ سے ابو عبد اللہ علیہ السلام نے پوچھا: کیا تم نے متعہ کر لیا؟ میں نے کہا نہیں۔ تو انہوں نے مجھے وصیت کی کہ دنیا سے اس وقت تک رخصت نہ

② مستدرک الوسائل ج ۱۴ ص ۴۵۲.

① مستدرک الوسائل ج ۱۴ ص ۴۵۲.

ہونا جب تک اس سنت (مراد متعہ کی سنت) کو زندہ نہ کر لو۔^①

(۴)..... ابو عبد اللہ جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے: ”کوئی شخص جب کسی عورت سے کر کے غسل جنابت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پانی کے ہر قطرے سے (۷۰) فرشتے پیدا فرمادیتا ہے جو اس کے لئے قیامت تک دعاء مغفرت کرتے رہتے ہیں۔“ یہ خود ساختہ روایات متعہ کی فضیلت پر ہیں۔ ستم بالائے ستم یہ ہے کہ جو متعہ نہیں کرتا وہ شیعہ کے نزدیک ملعون و مطعون ہے۔
جواب صارم:

دراصل شیعہ نے متعہ کی روایت کو رسول اللہ سے منسوب کر کے معاذ اللہ یہ اتہام بازی کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے متعہ کیا ہے۔

چنانچہ ان کا کہنا ہے کہ امام محمد باقر علیہ السلام سے اس آیت کے بارے میں دریافت کیا گیا: ﴿وَإِذْ أَسْرَأَ النَّبِيُّ إِلَىٰ بَعْضِ أَرْوَاجِهِ حَدِيثًا ط﴾ (التحریم: ۳) سے کیا مراد ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آزاد عورت سے بطور متعہ عقد نکاح کیا، ازواج مطہرات میں سے کسی کو اس بات کی بھک لگ گئی۔ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر زنا کی تہمت لگا دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صفائی پیش کرتے ہوئے کہا کہ: ”یہ میرے لئے حلال ہے۔ یہ عارضی نکاح کے طور پر میری عصمت میں ہے۔“ اور اپنی بیوی کو حکم دیا کہ اس بات کو صیغہ راز میں رکھیں لیکن اس عورت نے اس راز کو فاش کر دیا۔^②

امام جعفر صادق علیہ السلام سے متعہ کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے جواب دیا: ”میرے نزدیک یہ بات ناپسندیدہ ہے کہ کوئی شخص دنیا سے اس حال میں رخصت ہو کہ اس کے ذمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصلت (سنت) کا تقاضا با (ادا کیگی) (تی رہ جائے۔“^③

ہاشمی عورت سے متعہ:

رسول اللہ کا خاندان ہاشمی ہے جو قابل احترام ہے۔ لیکن شیعہ کے نزدیک اہل بیت کا

① دیکھئے: وسائل الشیعہ ج ۲۱، ص ۱۵۔ ② دیکھئے: الوسائل ج ۲۱، ص ۱۰۔

③ دیکھئے: المستدرک ج ۴، ص ۴۵۱۔

اکرام کیا ہے؟ ذرا غور کیجیے: ابو عبد اللہ علیہ السلام سے روایت ہے: ”ہاشمی عورت سے متعہ کیا جائے۔“^①

مجوسی عورت سے متعہ:

جہاں تک مجوسی عورت کے ساتھ متعہ کا تعلق ہے تو شیعوں کے نزدیک یہ بھی جائز ہے۔ حضرت ابو عبد اللہ علیہ السلام سے مروی ہے کہ: آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: مجوسی عورت سے متعہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔^②

رہی سہی کسر اس فتویٰ سے پوری ہو گئی کہ شیر خوار بچی سے بھی متعہ جائز ہے۔
 خمینی کا کہنا ہے: ”نکاح خواہ دائمی ہو یا وقتی ہر دو صورت میں نو سال سے کم لڑکی سے ہم بستری جائز نہیں ہے البتہ شہوت کے ساتھ چھو کر، اسے گلے سے چمٹا کر یا ران کے ذریعے شہوانی ہوس پوری کرنا جائز ہے۔ اگر چہ وہ شیر خوار بچی ہی کیوں نہ ہو۔“^③
 تعجب کی بات یہ ہے کہ یہ وہ شخص ہے جس کو لوگ امام کہتے ہیں۔ اس کتاب کو بیروت کے ادارہ صراط مستقیم نے شائع کیا ہے۔

شادی شدہ عورت سے متعہ:

ابان بن تغلب بیان کرتا ہے کہ میں نے ابو عبد اللہ علیہ السلام سے عرض کیا: ”فرض کیجئے کہ میرا کسی راستے سے گذر ہو رہا ہو اور جاذب نظر عورت میری نگاہوں کے سامنے آ جائے اور مجھے اس بات کا اندازہ نہ ہو سکے کہ وہ شادی شدہ ہے یا کنواری عورت ہے۔ میں کیا کروں؟ انہوں نے جواب دیا: ”تم اس عورت کی بات کی تصدیق کرو اور بس!“^④

میسر بیان کرتا ہے کہ: میں نے ابو عبد اللہ علیہ السلام سے دریافت کیا: اگر جنگل میں میری کسی عورت سے ملاقات ہو اور میں اس سے سوال کروں: کیا تو شادی شدہ ہے اور وہ اس کے

① دیکھئے: التہذیب ج ۷ ص ۲۷۰، الوسائل ج ۲۱ ص ۷۳۔

② دیکھئے: الوسائل ج ۲۱، ص ۳۸، التہذیب ج ۷، ص ۲۵۶۔

③ دیکھئے: تحریر الوسیلہ : ۲ / ۲۴۱، مسئلہ : ۱۲۔

④ دیکھئے: الکافی ۵ / ۶۶۲۔

جواب میں کہے: نہیں میں شادی شدہ نہیں ہوں۔ کیا میں اس عورت سے زواجِ متعہ کر سکتا ہوں؟ ابو عبد اللہ علیہ السلام نے جواب دیا: کیوں نہیں! اس کی بات کی تصدیق کی جائے گی۔^①

ہمارا سوال ہے کہ راویانِ حدیث میں سے کذاب اور وضاع راویان کہ جنہوں نے کتب کی جمع و تدوین کا کام کیا حتیٰ کہ زرارہ بن اعین کو کذاب کہا جاسکتا ہے تو ایک مجہول عورت کی بات کس بنا پر تصدیق کی جاسکتی ہے۔

فضل جو کہ محمد بن راشد کا مولیٰ ہے بیان کرتا ہے کہ میں نے ابو عبد اللہ علیہ السلام سے عرض کیا: میں نے ایک عورت سے نکاحِ متعہ کیا۔ مجھے خدشہ ہوا کہ ہونہ ہو اس عورت کا شوہر موجود ہے۔ میں نے اس عورت کے بارے میں چھان بین شروع کر دی۔ آخر کار پتہ یہ چلا کہ اس عورت کا شوہر موجود ہے۔ تو ابو عبد اللہ علیہ السلام نے جواباً ارشاد فرمایا: تم نے اس عورت کے بارے میں چھان بین کیوں کی؟ سبحان اللہ!^②

اس بات میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ یہ دروغ گوئی ہے۔ اس بات کے جھوٹے ہونے کی بین دلیل یہ ہے کہ امام علیہ السلام بجائے اس کے کہ اس شخص سے یہ کہیں: اس شادی شدہ عورت کو چھوڑ دو۔ دوسری غیر شادی شدہ عورت کو ڈھونڈو اور شادی کرو۔ وہ یہ کہہ رہے ہیں کہ تم نے اس عورت کے بارے میں چھان بین ہی کیوں کی؟

زنا کار عورت سے متعہ:

حسن بن حرز بیان کرتا ہے کہ میں نے حضرت ابو عبد اللہ علیہ السلام سے اس عورت کے بارے میں سوال کیا جو زنا کار ہے۔ کیا میں اس سے نکاحِ متعہ کر سکتا ہوں؟ تو انہوں نے جواب دیا: کیا تم نے اس کو زنا کرتے دیکھا ہے؟ میں نے جواب دیا۔ نہیں۔ میں نے اس کو زنا کرتے تو نہیں دیکھا لیکن اس کے بارے میں یہ بات مشہور ہے۔ ابو عبد اللہ علیہ السلام نے فرمایا: اس عورت سے اس شرط پر متعہ کرو کہ تم اس کو چھوڑ دو گے اور اس کو اپنے گھر نہیں آنے دو گے۔^③

① دیکھئے: الکافی ۵/۴۶۲۔ ② دیکھئے: التہذیب: ۷/۲۵۳۔ الوسائل: جزء: ۳۱/۲۱۔

③ دیکھئے: مستدرک الوسائل ۱۴/۴۵۸۔

اسحاق بن جریر بیان کرتا ہے کہ میں نے ابو عبد اللہ علیہ السلام سے عرض کیا: ”کوفہ میں میرے نزدیک ایک عورت زنا کاری میں معروف ہے۔ کیا مجھے زہب دیتا ہے کہ میں اس سے متعہ کروں؟ تو انہوں نے جواب دیا: کیا اس نے علم بلند کر کے اس کا اعلان تو نہیں کر دیا ہے۔ راوی کہتا ہے: میں نے کہا نہیں! اگر اس نے علم بلند کر کے اپنے پیشہ ور ہونے کا اعلان کر دیا ہوتا تو حاکم وقت کی گرفت میں آ جاتی۔ ابو عبد اللہ علیہ السلام نے جواب دیا: اس عورت سے متعہ کیا جاسکتا ہے۔ راوی کہتا ہے: میں اس کے آقا سے ملا اور پوچھا: ابو عبد اللہ علیہ السلام نے کیا کہا؟ اس نے جواب دیا کہ! ابو عبد اللہ علیہ السلام نے ہم کو یہ جواب دیا کہ اگر وہ جھنڈا لہرا کر اعلان کر دیتی تو اس سے متعہ کا امکان ختم ہو جاتا۔ لیکن اس حالت میں اس سے متعہ کرنا اس کو حرام کاری کے دلدل سے نکال کر حلال کاری کے سایہ میں پناہ دینے کے مترادف ہے۔^① یہ زانیہ کے ساتھ متعہ کرنے کے مسئلہ کی وضاحت تھی۔ لیکن اس کے برعکس اللہ تعالیٰ کے اس فرمان پر تدبر و تفکر کریں۔

﴿الزَّانِي لَا يَنْكِحُ إِلَّا زَانِيَةً أَوْ مُشْرِكَةً وَالزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَا إِلَّا زَانٍ أَوْ مُشْرِكٌ وَحُرْمَةٌ ذَلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ﴾ (النور: ۳)

”زانی مرد زانیہ یا مشرکہ عورت کے علاوہ کسی سے نکاح نہیں کرتا اور زنا کار عورت بھی زانی یا مشرکہ مرد کے علاوہ کسی سے نکاح نہیں کرتی اور ایمان والوں پر یہ حرام کر دیا گیا ہے۔“

جہاں تک باکرہ سے متعہ کا تعلق ہے تو بعض لوگوں کا زبانی دعویٰ ہے کہ ایسا غیر ممکن ہے۔ لیکن میں نے بعض لوگوں سے یہ بات زبانی سن رکھی ہے اور کسی کتاب میں اس کو لکھا ہوا نہیں پایا۔ جبکہ بعض لوگوں کا یہ کہنا ہے کہ متعہ صرف اور صرف ثیبہ اور مطلقہ عورت سے ہو سکتا ہے، باکرہ سے متعہ نہیں ہو سکتا۔ گویا شیعہ کے نزدیک بیوائیں اور مطلقہ عورتیں متعہ کے لئے خاص ہیں۔

① دیکھئے: التہذیب ۶/۴۸۵، الوسائل ۲۱/۲۹۔

میں کہتا ہوں کہ یہ سراسر جھوٹ ہے۔ کیونکہ روزانہ کا مشاہدہ ہے کہ شیعہ لوگ جس عورت سے چاہتے ہیں متعہ کرتے ہیں بلکہ ان کے نزدیک باکرہ سے متعہ جائز ہے۔ اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

حضرت ابو عبد اللہ علیہ السلام سے مروی ہے کہ باکرہ سے متعہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے جب تک کہ وہ باکرہ ہے۔ تاکہ اس کے گھروالے مورد الزام نہ ٹھہرائے جاسکیں۔^①

اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ تمام روایات من گھڑت ہیں۔

حضرت ابو عبد اللہ علیہ السلام سے پوچھا گیا: کوئی شخص باکرہ سے متعہ کر سکتا ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا: باکرہ سے اس وقت تک متعہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے جب تک کہ وہ باکرہ ہے۔^②

ابو عبد اللہ علیہ السلام سے مروی ہے کہ ”اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ باکرہ اپنے سر پرست کی اجازت کے بغیر نکاح متعہ کر لے۔“^③

ایک مرتبہ ابو عبد اللہ علیہ السلام سے دو شیراؤں سے متعہ کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ علیہ السلام نے جواب دیا: انہیں آخر کس لئے بنایا گیا ہے؟ متعہ انہیں سے تو ہے۔ کیا انہیں اس لیے پیدا کیا گیا ہے کہ وہ ستر و حجاب میں رہیں اور عفت و عصمت کی زندگی گزاریں؟^④

جسٹیل بن دراج بیان کرتا ہے کہ میں نے ابو عبد اللہ علیہ السلام سے پوچھا: باکرہ دو شیرہ سے متعہ کیا جاسکتا ہے؟ تو فرمایا: کیوں نہیں۔ الا یہ کہ اسے بچی کے حکم میں گردانا جاتا ہو۔ مراد یہ ہے کہ اگر بہت کمسن ہے یا نابالغ ہے تو اس سے متعہ جائز نہیں ہے۔“ راوی کہتا ہے: میں نے ان سے دریافت کیا: کس لڑکی کو کمسن نہیں گردانا جائے گا؟ تو اس کے جواب میں فرمایا کہ چھ سات سالہ کو۔ راوی کو شک ہو گیا۔ کہتا ہے: نہیں بلکہ ۹ سال کی بچی کمسن نہیں کہلائے گی۔ اس

① دیکھئے: الکافی ۵/۴۶۲۔

② دیکھئے: الکافی للکلبینی ۵/۳۶۴۔

③ دیکھئے: مستدرک الوسائل ۱۴/۴۵۹۔

④ دیکھئے: من لایحضرہ الفقیہ ۳/۲۹۷۔

سے متعہ جائز ہے۔^①

شیخ عالمی کا قول ہے: نو سالہ لڑکی کو عموماً لوگ بچی نہیں گردانتے۔ ایسی لڑکی سے متعہ جائز

ہے۔ ہاں اگر اس کی عقل میں فتور ہو تو یہ اور بات ہے۔^②

محمد بن مسلم بیان کرتا ہے کہ میں نے ابو عبد اللہ علیہ السلام سے بچی کے بارے میں دریافت کیا: کیا آدمی اس سے متعہ کر سکتا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہاں۔ الا یہ کہ وہ اتنی کم سن ہو کہ اس کو شعور تک نہ ہو۔ میں نے ان سے کہا: اللہ آپ کا بھلا کرے! کتنی عمر تک کی بچی کو سمجھا جائے کہ یہ شعور سے بہرہ ور ہے؟ فرمایا کہ: دس سال کی لڑکی کو سمجھا جائے گا کہ یہ سمجھ بوجھ کے قابل ہو گئی ہے۔^③

مدت متعہ کی حد بندی:

زرارة بن اعین سے مروی ہے: میں نے امام علیہ السلام سے عرض کیا: کیا کسی شخص کے لئے جائز ہے کہ وہ کسی عورت سے ایک دو گھنٹے کے لئے متعہ کرے؟ فرمایا: گھنٹے دو گھنٹے یا گھڑی دو گھڑی کی تحدید میں اشکالات کا امکان ہے۔ مگر ایک مرتبہ یا دو مرتبہ ہم بستری یا ایک دن یا دو دن کی شرط پر نکاح متعہ منعقد ہو سکتا ہے۔^④

حضرت ابو الحسن علیہ السلام سے پوچھا گیا: عقد متعہ کے لئے کم سے کم کتنی مدت کی تحدید ہے؟ کیا کسی شخص کے لئے جائز ہے کہ ایک مرتبہ ہم بستری کی شرط پر متعہ کرے؟ انہوں نے جواب دیا: ہاں ایسا جائز ہے۔^⑤

ابو عبد اللہ علیہ السلام سے اس شخص کے بارے میں پوچھا گیا جو ایک مرتبہ جماع کرنے کی شرط لگا کر متعہ کرتا ہے۔ آپ علیہ السلام نے جواب ارشاد فرمایا: وہ اپنی خواہش پوری کر چکے تو وہ اپنے چہرے کو گھومالے اور اس عورت کی طرف پلٹ کر نہ دیکھے۔^⑥

② دیکھئے: الوسائل ۳۶/۲۱

④ دیکھئے: الکافی ۴۵۹/۵

⑥ دیکھئے: الکافی ۴۶۰/۵

① دیکھئے: الوسائل ۳۶/۲۱

③ دیکھئے: الوسائل ۳۶/۲۱

⑤ دیکھئے: الکافی ۴۶/۵

عدم جماع کی شرط پر متعہ:

اگر کوئی شخص اس شرط پر متعہ کرے کہ وہ اس سے تلذذ حاصل کرے گا اور جماع سے گریز کرے گا۔ تو کیا ایسا نکاح جائز ہوگا یا نہیں؟ اس بارے میں شیعہ کے دلائل کا مطالعہ کریں۔

عمار بن مروان کہتا ہے: میں نے ابو عبد اللہ علیہ السلام سے عرض کیا: ایک شخص کسی عورت کے پاس نکاح متعہ کا پیغام لے کر گیا اور اس سے شادی کی درخواست کی۔ اس عورت نے کہا: میں تم سے اس شرط پر متعہ کرنے کے لئے تیار ہوں کہ تم مجھے دیکھ کر یا مجھے چھو کر یا بوسہ وغیرہ لے کر تلذذ حاصل کرو تو میں تیار ہوں۔ کیونکہ میں بدنامی نہیں چاہتی امام صاحب نے جواب دیا اس کے لئے وہی ہے جو اس نے شرط میں کہا ہے۔ ❶

اس بات میں کوئی شک کی گنجائش نہیں ہے کہ اس قسم کی شرط نکاح شرعی کے منافی ہے۔ کیونکہ اگر وہ عورت جس سے متعہ کیا گیا ہے غائب رہتی ہے تو اس کے لئے مقرر اجرت میں سے اتنے دن کی اجرت کاٹ لی جائے گی جتنے دن وہ غائب رہی ہے۔

عمر بن حنظلہ سے مروی ہے کہ میں نے ابو عبد اللہ علیہ السلام سے پوچھا: اگر میں کسی عورت سے ایک ماہ کے لئے شادی کروں مگر مجھے خطرہ لاحق ہو کہ وہ غائب رہا کرے گی؟ تو اس کے جواب میں امام صاحب نے فرمایا: اس کو اپنے پاس جتنا رکھ سکتے ہو اس کو روک رکھو۔ اگر وہ اس کے باوجود غائب رہتی ہے تو وہ جتنی مدت غائب رہے اس کے بقدر تم اس سے معاوضہ وصول کرو۔

جبکہ نکاح شرعی میں عقد صحیح کے بعد مجرد خلوت صحیحہ ہوتے ہی عورت کامل مہر کی مستحق قرار پاتی ہے۔ شیعہ کے ہاں اگر عورت چند دنوں کے لئے کسی ضرورت سے کہیں چلی جائے تو نکاح متعہ میں وہ جتنی مدت غائب رہے گی، اس کے بقدر اس کے مہر میں سے کٹوتی کر لی جائے گی۔

❶ دیکھئے: الکافی ۵/۴۶۷۔

اسحاق بن عمار سے مروی ہے: میں نے ابو الحسن علیہ السلام سے اس شخص کے بارے میں دریافت کیا: جو کسی عورت سے اس شرط پر متعہ کرتا ہے کہ وہ عورت ہر روز اس کے پاس آئے گی۔ لیکن وہ عورت حاضر نہ ہو تو کیا جتنے دن وہ نہیں آئی ہے اتنے دنوں کی اجرت کاٹ لی جائے گی؟ اور اس کے مہر میں سے اسے کم کر دیا جائے گا؟ امام صاحب نے جواب دیا! ہاں ایسا ہی کیا جائے گا۔ دیکھا جائے گا کہ اس نے مشروط شدہ مدت میں کتنے دن ناغے کئے ہیں؟ لہذا اتنے دنوں کی اجرت جتنے دنوں اس نے وعدہ پورا نہیں کیا ہے اس کے مہر سے کاٹ کر اس کا حساب بے باک کر دیا جائے گا۔ اِلایہ کہ ایام ماہواری کو اس میں شامل نہیں سمجھا جائے گا کیونکہ ایام ماہواری اس عورت کا شرعی حق ہے۔^①

متعہ اور نکاح شرعی میں فرق:

ہم چاہتے ہیں کہ نکاح شرعی اور متعہ کے درمیان فروق کا تقابلی مطالعہ پیش کیا جائے تاکہ قارئین کرام کو اس بات کا بخوبی اندازہ ہو جائے کہ متعہ اور نکاح شرعی میں کیا فرق ہے۔ تاکہ کوئی شخص یہ نہ سمجھ بیٹھے کہ متعہ اور نکاح شرعی ایک ہی چیز ہیں۔ لہذا اس التباس کو دور کرنے کے لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ دونوں کا موازنہ کر کے قارئین کرام کو آگاہ کر دیا جائے۔

(۱)..... نکاح شرعی میں ولی کا ہونا شرط ہے۔ جبکہ نکاح متعہ میں ولی کا ہونا شرط نہیں ہے۔

امام ابو عبد اللہ جعفر صادق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: چار عورتوں والا جتنی عورتوں سے چاہے بغیر ولی کے شادی کرے اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔^②

(۲)..... نکاح شرعی میں گواہوں کا ہونا ضروری ہے مگر نکاح متعہ میں گواہوں کا ہونا شرط نہیں ہے۔ بغیر گواہوں کے نکاح متعہ منعقد ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ اوپر بیان کردہ حوالہ میں مذکور ہے۔

(۳)..... نکاح شرعی کا اصل مقصد ایک صالح خاندان کی داغ بیل ڈالنا ہے اور متعہ کی اصل غایت شہوت رانی اور جنس پرستی ہے۔

② دیکھئے: الوسائل ۶۴/۲۱۔

① دیکھئے: الکافی ۴۶۱/۵۔

(۴)..... نکاح صحیح شرعاً مسلمان اور کتابیہ عورت سے ہو سکتا ہے۔ جب کہ نکاح متعہ کسی بھی عورت سے کیا جاسکتا ہے، خواہ وہ مجوسیہ ہی کیوں نہ ہو۔

(۵)..... نکاح شرعی انسان کی پاک دامنی کا ذریعہ ہے۔ متعہ سے پاک دامنی حاصل نہیں ہوتی بلکہ وہ شناسائی اور آشنائی ہے۔

ابو ابراہیم ؑ سے سوال کیا گیا: اگر کسی کے پاس عقد متعہ کے ذریعہ حاصل شدہ عورت ہے تو کیا اس کو پاک دامن گردانا جائے گا؟ انہوں نے جواب دیا نہیں۔ ایسا نہیں ہے بلکہ وہ کسی شرط کی وجہ سے اس کے عقد میں ہے۔ جب تک عقد قائم ہے وہ اس کی ملکیت ہے۔

(۶)..... نکاح شرعی کی بنیاد پر عورت کا شوہر اس کے ساتھ سفر کر سکتا ہے۔ عقد متعہ میں اس کا مالک اپنی مملوکہ کو کہیں سفر پر نہیں لے جاسکتا۔

معر بن خلاد سے مروی ہے کہ میں نے امام علی رضا ؑ سے دریافت کیا: آدمی عورت کو اپنے ساتھ لے کر کسی دوسرے ملک سفر کر سکتا ہے؟ انہوں نے جواب دیا: کہ نکاح متعہ کے علاوہ دوسرے نکاح کے ذریعہ کر سکتا ہے۔ مگر نکاح متعہ میں اس کی اجازت نہیں ہے۔^①

(۷)..... نکاح شرعی میں شوہر کو طلاق کا حق حاصل ہوتا ہے جب کہ متعہ میں طلاق نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔ امام ابو جعفر محمد الباقر ؑ فرماتے ہیں: جس عورت سے متعہ کیا جائے اس کو نہ طلاق دی جاسکتی ہے اور نہ ہی وہ میراث کی حق دار ہوگی۔^②

(۸)..... نکاح صحیح میں مطلقہ عورت کی عدت تین ماہ یا تین حیض ہوا کرتی ہے۔ جب کہ نکاح متعہ میں عورت کی عدت ۴۵ دن یا ایک حیض ہے۔ ایک دوسری روایت میں دو حیض کا ذکر بھی آیا ہے۔

امام ابو جعفر ؑ فرماتے ہیں متعہ کی عدت ۴۵ دن ہے۔^③

① دیکھئے: الوسائل ۲۱/۷۷۔

② دیکھئے: الکافی ۵/۴۵۱۔

③ دیکھئے: الکافی ۵/۴۵۸۔

(۹)..... نکاح شرعی کی بنیاد پر میاں بیوی ایک دوسرے کی میراث کے حق دار قرار پاتے ہیں۔ جب کہ متعہ میں مرد اور عورت دونوں ایک دوسرے کے وارث قرار نہیں پاتے۔

(۱۰)..... نکاح شرعی میں اثناء عدت مطلقہ کے نان و نفقہ کی ذمہ داری شوہر پر عائد ہوتی ہے جب کہ متعہ والی عورت کا نان و نفقہ اس کے شناسا پر نہیں ہے۔ چنانچہ حضرت ابو عبد اللہ علیہ السلام کا فرمان ہے: متعہ کے نام پر حاصل کی گئی عورت کا مرد پر نہ نفقہ ہے اور نہ عدت ہے۔^①

(۱۱)..... شرعی نکاح میں اس بات کا جواز نہیں ہے کہ ایک آدمی بیک وقت ۴ عورتوں سے زیادہ عورتوں کو اپنے نکاح میں رکھے۔ لیکن ایک شخص بیک وقت متعہ کے طور ان گنت عورتوں کو اپنے پاس رکھ سکتا ہے۔ اس میں کسی عدد کی قید نہیں ہے۔

حضرت ابو عبد اللہ علیہ السلام کا قول ہے: ان میں سے ہزار عورتوں سے بھی شادی کرو تو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ کیونکہ وہ تو کرایہ کی عورتیں ہیں۔ ان کی حیثیت مستأجرات عورتوں کی ہے۔^②

(۱۲)..... نکاح شرعی میں اس بات کا امکان ہے کہ طلاق بائنہ کے بعد عورت سے پہلا شوہر دوبارہ نکاح کر لے۔ یعنی اگر تم نے اپنی بیوی کو ۳ طلاقیں دے دیں اور اس کے بعد اتفاق سے کسی دوسرے شخص نے اس عورت سے شادی کر لی اور وہ دوسرا شخص بھی بالفرض اس عورت کو طلاق دے دیتا ہے تو پہلے شوہر کو حق حاصل ہے کہ اگر وہ اس سے شادی کرنا چاہے تو بخوشی کر سکتا ہے۔ لیکن طلاق کے بعد کسی شخص نے اس سے اگر نکاح متعہ کیا ہے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے: کیا اس صورت میں بھی پہلا شوہر اس عورت سے شادی کر سکتا ہے؟ نہیں۔ اس صورت میں پہلا شوہر اس متعہ بہا عورت سے شادی نہیں کر سکتا۔

امام محمد باقر علیہ السلام سے دریافت کیا گیا: ایک شخص نے اپنی بیوی کو ۳ طلاقیں دے دی ہوں، اس کے بعد اسی عورت سے کسی شخص نے متعہ کر لیا ہو تو کیا اس صورت میں پہلے شوہر سے نکاح شرعی کا جواز ہے؟ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا: نہیں۔ وہ پہلے شوہر کے لئے حلال نہیں ہے۔^③

① دیکھئے: الوسائل ۲۱/۷۹۔ ② دیکھئے: الکافی ۵/۴۰۲۔ ③ دیکھئے: الکافی ۵/۴۲۰۔

(۱۳)..... نکاح شرعی میں دخول صحیح کے بعد عورت پورے مہر کی مستحق قرار پا جاتی ہے جب عقد متعہ میں عورت جتنے دن غائب رہے گی اتنے دنوں کی اجرت کاٹ لی جاتی ہے۔

(۱۴)..... شادی شدہ عورت کے ساتھ نکاح جائز نہیں ہے۔ یعنی کوئی شخص کسی شادی شدہ عورت سے شادی نہیں کر سکتا لیکن متعہ میں کسی قسم کی چھان بین کی ضرورت نہیں ہے۔ آنکھ بند کر کے متعہ کر لے خواہ شادی شدہ ہو۔ امام صاحب نے شادی شدہ عورت سے متعہ کرنے والے سے کہا تھا کہ تم نے اس کے بارے چھان بین کیوں کی؟

(۱۵)..... نکاح شرعی کے بارے میں حکم ہے کہ زانیہ سے نکاح شرعی نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿وَالزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَا إِلَّا زَانٍ أَوْ مُشْرِكٌ﴾ لیکن متعہ میں یہ شرط نہیں ہے۔ زانیہ عورت سے متعہ جائز ہے۔

(۱۶)..... نکاح شرعی میں لعان کی گنجائش ہے۔ یعنی جب شوہر کو اپنی بیوی پر فحش کاری کا شک ہو جائے تو اس کے لئے شرعاً لعان کی اجازت ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالَّذِينَ يَرْمُونَ أَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ شُهَدَاءُ إِلَّا أَنفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ أَحَدِهِمْ أَرْبَعُ شَهَادَاتٍ بِاللَّهِ إِنَّهُ لَمِنَ الصَّادِقِينَ ۝ وَالْخَامِسَةُ أَنَّ لَعْنَةَ اللَّهِ عَلَيْهِ إِنْ كَانَ مِنَ الْكَاذِبِينَ ۝﴾ (النور: ۶، ۷)

”اور جو لوگ اپنی بیویوں پر بدکاری کی تہمت لگائیں اور ان کا کوئی گواہ بجز ان کی ذات کے نہ ہو تو ایسے لوگوں میں سے ہر ایک کا ثبوت یہ ہے کہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر کہیں کہ وہ سچے ہیں اور پانچویں مرتبہ کہے کہ اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو اگر وہ جھوٹوں میں سے ہو۔“

مذکورہ آیت سے میاں بیوی کے درمیان لعان کی وضاحت ہوتی ہے کہ ایسی صورت میں شرعی نکاح میں مربوط میاں بیوی یہ طریقہ اختیار کریں گے۔ مگر عقد متعہ میں طرفین کو لعان کا حق حاصل نہیں ہے۔

چنانچہ حضرت ابو عبد اللہ ﷺ کا فرمان ہے: کوئی شخص ایسی عورت سے لعان نہ کرے جس سے اس نے عقد متعہ کیا ہے۔^①

(۱۷)..... نکاح شرعی میں کبھی کبھی ظہار کا معاملہ بھی درپیش ہوتا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری

تعالیٰ ہے:

﴿الَّذِينَ يُظَاهِرُونَ مِنْكُمْ مِنْ نِسَائِهِمْ مَا هُنَّ أُمَّهَاتُهُمْ إِنَّ أُمَّهَاتُهُمْ إِلَّا اللَّيْطُ وَلَدْنَهُمْ ط﴾ (المجادلہ: ۲)

”تم میں سے جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں (یعنی انہیں ماں کہہ بیٹھے ہیں) وہ دراصل ان کی مائیں نہیں بن جاتیں۔ ان کی مائیں تو وہ ہیں جن کے لطن سے وہ پیدا ہوئے ہیں۔“

یہ آیت (ظہار) کے حکم کی وضاحت میں وارد ہوئی ہے۔ جب کہ عقد متعہ میں ظہار منعقد نہیں ہو سکتا۔

حضرت ابو عبد اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ظہار کا وجود وہاں ممکن ہے جہاں طلاق واقع ہو سکتی ہو۔ اور اگر طلاق کا وجود ناممکن ہے تو ایسی صورت میں ظہار بھی ناممکن ہے۔

(۱۸)..... نکاح شرعی کی وجہ سے شوہر پر بیوی کے نفقہ اور گھر کا حق بنتا ہے۔ لیکن متعہ میں یہ شرط مفقود ہوتی ہے۔ مرد پر رہن سہن کی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی۔ متعہ میں مرد پر کس طرح سکنتی لازم کیا جاسکتا ہے؟ کیونکہ عقد متعہ تو صرف ایک مرتبہ جماع کی شرط پر بھی منعقد ہو جاتا ہے (اور صرف ایک مرتبہ اس عورت کے ساتھ شہوت رانی کرنے کے لئے کیونکہ مرد کے ذمہ سکنتی کا حکم لگایا جاسکتا ہے) (۱۹)..... نکاح شرعی میں یہ بھی شرط ہے کہ علی الاعلان نکاح کیا جائے۔ جب کہ متعہ میں اعلان عام کی ضرورت نہیں ہے۔

امام موسیٰ بن جعفر ﷺ سے سوال کیا گیا: کیا عورت بذاتِ خود کسی سرپرست کی

① دیکھئے: الو سائل ۲۲/۴۳۰۔

موجودگی کے بغیر متعہ کر سکتی ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا: اگر طرفین لائق اعتبار ہیں تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔^①

ہم نے متعہ کے بارہ میں احکام شرعیہ پر سیر حاصل بحث کی ہے اور متعہ کے خدو خال کی وضاحت کرنے کی کوشش کی ہے لہذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ عصر حاضر میں متعہ کے معانی و مفہوم کا بھی ذکر کر دیا جائے۔
متعہ کی جدید صورت:

دراصل یہ مختلف روایات ہیں جو مختلف جگہوں سے لے کر جمع کی گئی ہیں جو دور حاضر میں متعہ کی جدید کیفیت کی وضاحت کرتی ہیں۔ ان روایات کا ان ملکوں سے تعلق ہے جو متعہ کو جائز سمجھتے ہیں۔ میں یہ بھی وضاحت کر دوں کہ: یہ روایات شہلا الحارمی نامی ایک عورت کی متعہ نامی کتاب میں موجود ہیں۔ میں نے اسی کتاب سے ان روایات کو حاصل کیا ہے۔

شہلا الحارمی لکھتی ہے: اس خاندان کا سربراہ کہ جس کے یہاں میں نے اقامت کی تھی اپنے محلہ کی بہت سی دوشیزاؤں سے متعہ کرواتا تھا جو ابھی کم سن ہوتی تھیں۔ عقد متعہ کی مدت ایک گھنٹہ اور کبھی اس سے بھی کم ہوتی تھی۔ حلوہ یا چاکلیٹ کا ایک پیس ہوا کرتا تھا۔ اور عقد متعہ کی کاروائی کھیل کود کے ماحول میں ہوتی تھی۔ اس کے باوجود کہ عقد متعہ کی مدت بڑی جلدی ختم ہو جاتی تھی۔ دوشیزاؤں کی ماؤں سے ہمیشہ ہمیش کے لئے رشتہ قرابت قائم ہو جاتا تھا۔ جیسے کہ عورت اور اس کے داماد کے درمیان ہوتا ہے۔ (ص ۱۳۶)

شہلا کا کہنا ہے: مجھ سے بعض دیندار لوگوں نے کہا: یہ عین ممکن ہے کہ اجتماعی طور پر بیک وقت بہت سی عورتوں اور مردوں کا عقد متعہ ایک گھنٹے کے اندر اندر کیا جاسکتا ہے! انہوں نے بطور مثال یہ کہا کہ اگر کوئی شخص کسی عورت کے ساتھ غیر جنسی طور پر عقد متعہ کرنا چاہے تو وہ اس کی صحبت میں جس طرح چاہے وقت گزارے۔ مگر شرط یہ ہے کہ اس سے ہم بستری نہیں کرے

① دیکھئے: الوسائل ۲۱/۶۰۔

گا! اسی طرح دوسری، تیسری اور چوتھی عورت کے ساتھ سلوک روارکھے گا کیونکہ اس قسم کے عقد میں عدت شرط نہیں ہے۔ (ص ۱۴۷)

شہلا کا کہنا ہے کہ: ذرا مہوش نامی عورت کو اپنے ذہن میں رکھو۔ یہ عورت متعہ کرواتی ہے۔ یعنی دلال ہے۔ اس کو شریعت اسلامیہ کے علوم میں بھی دسترس حاصل ہے۔ وہ اسلامی معلومات سے گہری واقفیت رکھنے والی عورت ہے۔ لڑکیوں کو قرآن پاک پڑھا کر لوگوں سے تنخواہ وصول کرتی ہے۔ جب اسے موقع ملتا ہے تو خود بھی متعہ کر کے ٹائم پاس کیا کرتی ہے۔ وہ ایک گھنٹے یا دو گھنٹے یا زیادہ سے زیادہ ایک رات کے لئے عقد متعہ کرتی ہے۔ اسی مہوش نامی عورت کا کہنا ہے کہ میں ہمیشہ متعہ کرنا چاہتی ہوں۔ اگر ممکن ہو تو ہر رات متعہ کر کے محظوظ ہونا پسند کرتی ہوں۔ (ص ۱۶۱)

جہاں تک شیعوں کے دیندار لوگوں اور عقد متعہ کا معاملہ ہے تو اس سلسلہ میں ملا ہاشم کا کہنا ہے کہ: وہ ۲۵ سال کی عمر میں اس بات کا عادی بن چکا تھا کہ وہ ہر دو ہفتہ میں ایک عقد متعہ ضرور کر لیا کرے۔ (ص ۱۲۰)

شہلا الحارّی کا کہنا ہے کہ جب میں نے ان لوگوں سے تعارف کرنے کی کوشش کی جنہوں نے متعہ کرنے کرانے کا پیشہ اختیار کر رکھا ہے تو میں ایک دیندار شخص سے جا ٹکرائی۔ کیونکہ شیعوں کے نزدیک بھی یہی تصور گردش کر رہا ہے حتیٰ کہ دیندار لوگوں میں بھی یہی اعتقاد ہے کہ علماء شیعہ نکاح متعہ کے زیادہ رسیا ہوا کرتے ہیں۔ وہی لوگ زیادہ سے زیادہ متعہ پر عمل درآمد کرنے کے درپے رہتے ہیں اور خوب سے خوب عقد متعہ کرتے ہیں۔ (ص ۳۷)

شہلا الحارّی کا کہنا ہے کہ: متعہ شیعہ معاشرے خصوصاً ان کے دیندار لوگوں میں زور و شور سے رواج پذیر ہے۔ تاکہ اخلاقی بگاڑ کا تدارک کیا جاسکے۔ یہی وجہ ہے کہ شیعہ کا دیندار طبقہ اپنے عوام سے زیادہ بے دھڑک عمل پیرا ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ اپنے دینی قوانین سے خوب واقفیت رکھتے ہیں۔ (ص ۲۳۲)

شہلا الحارّی مزید بیان کرتی ہے کہ: آیت اللہ خمینی کی شاگردی میں ۵۰۰ طالبات

تھیں۔ ان میں سے بعض تو دوران طالب علمی متعہ سے لطف اندوز ہو چکیں تھیں۔ قریباً (۲۰۰) دوسو سے زائد لڑکیوں نے کسی استاد سے یا طلباء میں سے اپنے کسی کلاس فیلو سے متعہ چرا رکھا تھا۔ (ص ۲۳۴)

شہلا الحارمی کا یہ بھی انکشاف ہے کہ: ایک ملّا نے انہیں یہ بات بتلائی کہ اکثر و بیشتر خاندان ہفتہ وار یا ماہانہ ہر ہفتے یا ہر ماہ ایک دینی نشست کا انعقاد کرتے اور اجتماعی نماز ادا کرنے کا پروگرام بناتے ہیں۔ جس میں کم از کم ایک یا دو دیندار شخصیات کو بھی مدعو کیا جاتا ہے۔ دیندار لوگ اس نشست میں خاندان کی تمام عورتوں سے بہت جلد متعارف ہو جایا کرتے ہیں۔ یہاں تک وہ چھوٹی چھوٹی بچیوں سے بھی شناسائی کرتے ہیں۔ اس کے بعد ان لڑکیوں سے خاص طور پر راہ ورسم پیدا کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ (ص ۲۶۶)

ایک ملا کا کہنا ہے: متعہ کا رواج ایسا عام ہو گیا ہے کہ اندرون ملک مدارس دینیہ میں یہ رواج پاتا چلا جا رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شیعہوں میں سے ایک شخص نے اس کا اعداد و شمار کیا تو مختلف عمر کی ۶۷ دو شیواؤں نے مدرسہ میں داخلہ لیا۔ بعد ازاں یہ انکشاف ہوا کہ اس مدرسہ نے سربراہ کے ان میں سے بعض لڑکیوں سے غیر شرعی تعلقات بھی قائم کر رکھے ہیں۔ بلکہ ملا نے یہ توضیح بھی کی کہ عدالت نے صاحب مدرسہ کے بارے میں یہ فیصلہ سنایا کہ وہ ان گیارہ دو شیواؤں سے متعہ کرے جن سے وہ غیر شرعی تعلقات رکھتا تھا۔ اللہ کو رب قہار و جبار جان کر ہمیں یہ بتلائیں: کیا اس کا یہی حل ہے؟ (ص ۲۶۸)

شیعہ کی ایک مذہبی شخصیت کا فرمان ہے کہ: جہاں کہیں دیندار شخصیات کا وجود ہوگا، وہاں جنسی نشاط کا وجود ضروری ہے۔ گویا وہاں بکثرت ایسے واقعات پائے جائیں گے جو غیر شرعی تعلقات کے قبیل سے ہوتے ہیں۔ (ص ۲۶۹)

اس بارے میں ملا ہاشم کا بیان ملاحظہ فرمائیں۔ اس کا کہنا ہے: ایک مرتبہ کسی عورت نے ان سے درخواست کی کہ وہ اس کے گھر تشریف لائیں اور دو گانہ ادا کریں۔ اب معلوم نہیں اس

دوگانہ کی کیا کیفیت ہے۔ شیعوں کے نزدیک یہ کیسے ادا کی جاتی ہے؟ اس کا علم ہمیں نہیں۔ بہر حال نماز ادا کرنے کے بعد اس عورت نے ملاہاشم سے درخواست کی کہ ایک طویل مدت تک وہ اس کے پاس قیام کریں۔ ملاہاشم نے اس عورت سے کہا: انہیں اس جگہ سے جلدی جانا ضروری ہے۔ اس وقت اس نے شیعوں کے نزدیک نکاح متعہ والی مشہور و معروف عبارت کا استعمال کرتے ہوئے یہ بھی جتلا دیا کہ یہ بات میرے اور تمہارے درمیان بطور راز پوشیدہ رہنی چاہئے۔ یہ ایسی عبارت ہے کہ اگر عورت یہ عبارت مرد کے گوش گزار کرے اور یہ کہے کہ یہ ہم لوگوں کے درمیان راز ہے تو اس سے مراد کیا ہے؟ آپ کو پتہ ہے اس سے مراد متعہ ہے۔

ملاہاشم نے اس عورت کو جواب دیا: وہ اس کے ساتھ پوری رات نہیں گزار سکتا مگر دو گھنٹے گزارنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ [ص ۲۲۶]

مومنو! کیا یہی شریعت محمدیہ ہے؟ علی صاحبہا التحیۃ والسلام۔

شریعت محمدیہ میں ان خرافات کی گنجائش نہیں:

شہلا الحارزی مزید انکشاف کرتے ہوئے کہتی ہیں: ایک مرتبہ ایک ملا سے کسی مزار میں کوئی عورت ٹکرائی۔ اس نے ملا سے اپنے لئے استخارہ قرآنیہ کی درخواست کی۔ آخر کار عورت نے ملا سے نکاح متعہ کی پیش کش کر ڈالی۔ کیونکہ استخارہ سے اس بات کا اشارہ ملا کہ اس کا فال اس وقت باعث برکت ہوگا جب وہ متعہ کرے گی۔ لہذا موقع غنیمت جانتے ہوئے اس نے اس دینی شخصیت سے متعہ کی درخواست کی۔

اس عورت کا کہنا ہے کہ اس ملانے اس کی درخواست قبول کر لی اور اس کے ساتھ صرف ایک گھنٹے کے لئے متعہ کر لیا۔ ۲۰ تومان بحیثیت مہر متعین کئے گئے۔ دوسرے دن ایک دوسری عورت اس کے پاس آئی اور اس نے بھی اپنی بیٹی کو ایک رات کے لئے ۵۰ تومان کے بدلے نکاح متعہ کی خاطر اس کی خدمت میں پیش کیا۔ (گویا یہ ظالم ملا ۲۰ تومان، ۵۰ تومان، ۱۰۰ تومان (نکوں) کے عوض عورتوں سے زنا کرتا ہے۔)

شہلا الخاری لکھتی ہے: ایک ملا کا کہنا ہے کہ میں اپنے دوستوں میں سے ایک دوست کے ساتھ کھڑا تھا۔ میرا دوست سید تھا۔ اس کے قریب ایک عورت آئی۔ اتفاق سے ہوا کا جھونکا آیا اور اس کا نقاب کھل گیا جس سے اس کے چہرے کا نظارہ ہو گیا۔ وہ بڑی ہی حسین و جمیل تھی۔ وہ مسکرا کر کہنے لگا: ہم ملا لوگ مناسب کوالٹی کی عورتوں کی پہچان رکھتے ہیں۔

وہ کہتی ہیں: اس ملا کو بھنک لگ گئی کہ اس کے دوست کے منہ میں بھی اس عورت کے لئے پانی آ رہا ہے تو اس نے جلد بازی میں اس عورت سے سوال کیا: کہیں تمہارے ساتھ تمہارا شوہر تو نہیں؟ اس عورت نے جواب دیا: نہیں۔ اس ملا کا کہنا ہے کہ میرے سید دوست نے بھی اس کے سامنے متعہ والی تجویز رکھی تو اس نے اثبات میں جواب دیا۔ اس وقت سے میرا دوست جب بھی مجھے دیکھتا ہے تو اس احسان پر میرا شکریہ ادا کرتا ہے۔ (ص ۲۴۰)

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ: یہ انفرادی یا ذاتی تصرفات ہیں۔

تو ہم اس کے جواب میں کہیں گے: یہ وہ تصرفات ہیں جو خود شیعہ کی روایات سے ثابت شدہ ہیں۔ ہم نے ان کی معتمد کتابوں سے چن چن کر اپنی اس کتاب میں ذکر کیا ہے۔ حیران کن بات یہ ہے کہ اس قسم کے خرافاتی کام شیعہ کے مذہبی لوگ کرتے ہیں۔ آپ دیکھیں گے شیعوں کے ملا لوگ متعہ کے جواز میں ایڑی چوٹی کا زور لگا دیتے ہیں اور شیعہ اپنے مختلف شعائر میں سے اس شعیرہ کو انجام دینے کے لئے ہر وقت حریص نظر آتے ہیں۔ انہیں اس بات کا بھی بخوبی علم ہے کہ وہ جس اعتقاد پر قائم ہیں وہ سراسر گمراہی اور کجروی ہے۔ اس کے باوجود اس پر مصر ہیں۔ کیونکہ ان کو ایسا عقیدہ اختیار کرنے میں عوام کی بہو بیٹیوں کی عزت و آبرو سے کھلاوڑ کی کھلم کھلا آزادی مل جاتی ہے۔ لہذا وہ اس اعتقاد کا زور و شور سے دفاع کرتے ہیں۔ (العیاذ باللہ)



متعہ کے مفسد!

آخری گزارش کے طور پر ہم یہ کہنا چاہیں گے کہ: ”متعہ کی بے شمار خرابیاں اور بہت سے مفسد ہیں۔“ ذیل میں ان میں سے بعض کا تذکرہ کیا جا رہا ہے۔

(۱)..... نکاح متعہ سے اولاد ضائع ہوتی ہے۔

(۲)..... متعہ کے مفسد میں سے ایک یہ ہے کہ انسان متعہ میں اپنی بیٹی کے ساتھ جماع کرنے کا مرتکب ہو جاتا ہے۔ مثلاً کوئی شخص کسی ایسے ملک میں گیا جہاں متعہ جائز سمجھا جاتا ہے۔ وہاں اس نے کسی عورت سے متعہ کیا، اس سے شہوت پوری کی اور واپس اپنے ملک چلا آیا۔ اس نے عورت سے ایک بار یا دو بار یا ایک گھنٹے یا دو گھنٹے یا ایک رات یا دو رات یا ایک ماہ یا دو ماہ کی شرط پر نکاح کیا۔ لیکن اس شخص کو بالکل علم نہیں ہے کہ وہ اس جماع سے حاملہ ہوئی یا نہیں ہوئی۔ ایک عرصہ بعد وہی شخص دوبارہ متعہ کی نیت سے واپس اسی ملک جاتا ہے اور اس عورت کی بیٹی سے متعہ کرتا ہے۔ یا اس شخص کا بیٹا آتا ہے اور اپنی بہن سے جماع کرتا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس دیگر محرمات کی مثال بھی دی جاسکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے محفوظ رکھے۔

یہ اس صورت میں ہے جب یہ تسلیم کیا جائے کہ وہ لڑکی اس کی بہن یا اس شخص کی بیٹی ہے ورنہ حقیقت میں وہ حرامی لڑکی ہے جس کو بنت زنا کہا جائے گا۔ لیکن خود شیعہ مذہب کے مطابق متعہ سے پیدا ہونے والی لڑکی شرعاً اس شخص کی بیٹی تصور کی جائے گی جس کے نطفے سے وہ پیدا ہوئی ہے۔ لیکن اہل سنت والجماعت کے نزدیک وہ حرامی یعنی بنت زنا شمار کی جائے گی۔ لہذا اس کو شرعاً صلیبی اولاد میں نہیں گردانا جائے گا۔

(۳)..... متعہ کے مفسد میں سے یہ بھی ہے کہ اس کی وجہ سے میراث کی مساویانہ تقسیم

ختم ہو کر رہ جاتی ہے۔ متعہ کرنے والے کو یہ تک علم نہیں ہوتا کہ اس کی کتنی اولاد ہے؟ گویا اس ملک میں اس کے بیٹا ہے تو دوسرے ملک میں اس کی ایک بیٹی ہے اور کسی تیسرے ملک میں اس کی جڑواں اولاد موجود ہے۔

(۴) متعہ کے اعتقاد سے عورت کی عزت پامال ہوتی ہے جو بازار جنس میں اسے نیلام کرنے کا ذریعہ ہے۔ حالانکہ عورت کو اللہ تعالیٰ نے عزت و کرامت سے نوازا ہے۔

(۵) متعہ میں حسب و نسب کا کھلم کھلا ضیاع ہے۔

(۶) متعہ سے شرعی نکاح ختم ہو جاتا ہے۔

یعنی اس کی وجہ سے جو انسان اسلام یہ کہنے کے مجاز قرار پا جائیں گے کہ: ”وہ شرعی نکاح کیوں کریں؟ جب ایک مٹھی جو میں یاریع دینا میں متعہ منعقد ہو سکتا ہے تو شادی بیاہ کے بے پناہ اخراجات سے یہی بہتر ہے۔ اگر کسی میں تقویٰ اور پرہیزگاری کی رمت نہیں پائی جاتی تو اس کو متعہ سے کون روک سکتا ہے۔

(۷) متعہ کے مفاسد میں سے یہ بھی ہے کہ اس کو جائز قرار دینے سے زنا کا دروازہ کھل جاتا ہے زانی مرد و عورت متعہ کے نام پر شہوت رانی کرتے ہیں۔

(۸) نکاح شرعی کا ایک اہم ترین مقصد نسل انسانی کی بقا ہے۔ لیکن متعہ سے انسانی

نسل کشی لازم آتی ہے۔

یہ چند ایسے امور ہیں جو متعہ کے مفاسد میں کلیدی حیثیت کے حامل ہیں۔ میں نے چاہا کہ اس موقع پر متعہ کے اضرار و مفاسد پر مختصر روشنی ڈال دی جائے اور متعہ کا حکم بھی بیان کر دیا جائے۔ جس کے جواز کے طور پر یہ کہتے ہیں کہ متعہ دین محمد ﷺ کی عین غرض و غایت ہے۔ میرا یقین کامل ہے کہ یہ شیعہ کا گمان باطل ہے۔ یا وہ دین محمد پر جھوٹ کہتے ہیں۔

میں کہتا ہوں: اللہ کی قسم! دین محمد ﷺ سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ محمد ﷺ کی ذات اس قسم کے اعتقاد فاسد سے مبرا اور اللہ کا دین اس قبیل کی خرافات سے منزہ ہے۔

متعد حرام ہے، حرام ہے، حرام ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس سے باخبر کر دیا ہے۔ فرمایا:

﴿وَالَّذِينَ هُمْ لِغُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ ۝ إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ
 أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ ۝ فَمَنِ ابْتَغَىٰ وَرَاءَ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ
 الْعَادُونَ ۝﴾ (المعارج ۲۹ تا ۳۱)

”اور مومن اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ ان کی بیویوں اور لونڈیوں کے بارے میں جن کے وہ بالک ہیں انہیں کوئی ملامت نہیں۔ لہذا جو اس کے علاوہ (راہ) ڈھونڈھے گا تو وہ حد سے گزر جانے والے ہوں گے۔“

وَاللَّهُ أَعْلَىٰ وَأَعْلَمُ وَصَلَّى اللَّهُ وَسَلَّم وَبَارِكْ عَلَىٰ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ
 وَعَلَىٰ آلِهِ وَصَحْبِهِ وَسَلَّم



صحیح شرعی نکاح اور متعہ میں بنیادی فرق

اس موضوع پر بالا اختصار پیچھے کچھ بیان ہو چکا، مزید وضاحت پیش خدمت ہے۔ آج کل کے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ نکاح اور متعہ میں کوئی فرق نہیں ہے۔ کیونکہ متعہ بھی ایک قسم کا نکاح ہی ہے جو وقتی اور عارضی ہوتا ہے۔ اس کے لیے وہ مسلمانوں میں رائج بعض نکاحوں کی مثالیں بھی دیتے ہیں:

(۱)..... جیسے کہ: نکاح عرفی (ب)..... طلاق کی نیت سے کسی عورت کے ساتھ نکاح کرنا۔ اور (ج)..... نکاح میاری: کہ جس میں عورت، نان و نفقہ، اور گھر وغیرہ جیسے اپنے حقوق سے دستبرداری کی شرط پر کسی مرد سے نکاح کرتی ہے۔ جب کہ بعض دیگر افراد کا کہنا ہے کہ متعہ صرف شوہر دیدہ عورت سے جائز اور کنواری لڑکی سے حرام ہے۔

لیکن خود شیعہ کی اپنی روایات اس بارے میں ان کا ساتھ دینے سے قاصر ہیں۔ نہ ان کے علماء کے اقوال ہی ان کے اس دعویٰ کے ثبوت میں موجود ہیں۔ کیونکہ ان کے علماء نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ کنواری لڑکی سے صرف عقد متعہ جائز ہی نہیں بلکہ ان کے نزدیک تو رضیہ سے بھی متعہ کا جواز ہے۔ ان میں سے بعض نے یہاں تک کہہ دیا ہے کہ متعہ کا اصل تعلق تو ہے ہی کنواری لڑکی سے۔

﴿وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ط كِتَابَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَ أَجَلَ لَكُمْ مَا وَرَاءَ ذَلِكَ أَنْ تَبْتَغُوا بِأَمْوَالِكُمْ مُحْصِنِينَ غَيْرَ مُسْفِحِينَ ط فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ فَرِيضَةً﴾ (النساء: ۲۴) والی آیت سے

① دیکھئے: وسائل الشیعہ للعالمی ۳۳/۲۱.

شیعہ کا جو ازمتعہ میں استدلال کرنا کئی اعتبار سے غلط ہے۔

آیت مذکورہ میں موجود کلمہ (محصنین) سے یہ بات ثابت ہو رہی ہے کہ اس آیت میں محصنین سے مراد نکاح شرعی ہے نہ کہ عقد متعہ۔ (کیونکہ عقد متعہ سے پاک دائمی اور عزت و آبرو اور ذریت و نسل کی حفاظت نہیں ہوتی) اسی لئے عقد نکاح شرعی کو عفت و پاک دائمی کا ذریعہ کہا گیا ہے (اور عفت و پاک دائمی) عقد شرعی سے ہی حاصل ہو سکتی ہے عقد متعہ سے نہیں۔ جیسا کہ اسحاق بن عمار سے وارد ہے کہ: میں نے امام ابو ابراہیم علیہ السلام (الکاظم) سے اس شخص کے بارے میں دریافت کیا جو زنا کاری کرے اور اس کے پاس باندی بھی موجود ہو۔ جس سے وہ ازدواجی تعلقات رکھتا ہو۔ تو کیا اس باندی سے ازدواجی تعلقات کی بنا پر اس شخص کو محسن سمجھا جائے گا؟ انہوں نے جواب دیا [ہاں] اس کو محسن سمجھا جائے گا۔ مراد یہ ہے کہ: اس پر محسن والی حد جاری کی جائے گی۔ اور اگر اس شخص کے پاس عقد متعہ والی ایک عورت موجود ہے (اور وہ زنا کا ارتکاب کرے) تو کیا اس شخص کو محسن سمجھا جائے گا؟ تو آپ علیہ السلام نے اس شخص کے بارے میں فرمایا: نہیں کیونکہ بطور باندی اس کی ملکیت دائمی نہیں ہے۔^① تو ثابت ہوا کہ مذکورہ بالا آیت سے مراد اور نکاح متعہ والی عورت کی ملکیت دائمی نہیں ہے۔ بلکہ اس سے مراد صحیح نکاح شرعی ہے۔ والحمد للہ

اس بات میں کوئی شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ آج کل متعہ کے نام پر جو کچھ ہو رہا ہے وہ محض مسلمان عورتوں کی عزت و آبرو سے کھلوڑ ہے۔ اس کے علاوہ اس کی اور کوئی حقیقت نہیں ہے۔ یہ بات آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ ابتداء میں متعہ کو صرف دوران سفر کافر عورتوں کے ساتھ جائز قرار دیا گیا تھا لیکن بعد ازاں اس کو حرام قرار دیا گیا۔

چنانچہ امیر المؤمنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح متعہ کو اور پالتو گدھے کے گوشت کو خیبر کے دن حرام قرار دیا۔^②

① ملاحظہ ہو: وسائل الشیعہ/ ج ۳۸ - ص ۶۸

② الاستبصار للطوسی/ ۲ - ص ۱۴۲۔ اور کتاب الوسائل [العالمی الشیعہ] ج ۲۱/ ص ۱۲۔

اس حدیث کو امام بخاری اور امام مسلم دونوں رحمۃ اللہ علیہما نے بھی سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے واسطے سے نقل کیا ہے۔

امام جعفر بن محمد علیہ السلام جن کو امام صادق کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے سے عقد متعد کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے جواب دیا: ہمارے یہاں یہ فاحشہ عورتوں کا مشغلہ ہے۔

(دیکھئے: بحار الأنوار [المجلسی۔ الشیعی۔ ج ۱۰۰/ص ۳۱۸])

تاریخ اسلام میں کبھی یہ نوبت پیش نہیں آئی کہ مسلمان مردوں نے مسلمان عورتوں سے متعد کیا ہو۔ یہ عصر حاضر کا سیاہ باب ہے کہ مسلمان عورت سے بھی متعد کیا جا رہا ہے اور اس کو شریعت کی جانب منسوب کیا جاتا ہے۔

صحیح شرعی نکاح اور متعد کے مابین تقابلی جائزہ

خود شیعہ کی معتبر کتابوں کے اقتباسات کی روشنی میں یہ تقابلی جائزہ پیش کیا جا رہا ہے تاکہ ان کے اس عقیدے و عمل کے مفاسد واضح ہو جائیں۔

متعد کی شکل میں	صحیح شرعی نکاح کی صورت میں	معاشرتی امور
متعد میں	صحیح شرعی نکاح میں مدت کا تعین نہیں	(۱)
نکاح متعد میں زندگی بھر کی کوئی قید نہیں ہوتی۔ یہ عمل ہوتا، زندگی بھر کے لیے زوجیت کا محدود مدت کے لیے ہوتا ہے، چاہے ایک جماع کے لیے ہی کیوں نہ ہو۔ جیسا کہ: انگلیسی کی ”اصول الکافی“ جلد: ۵، ص ۳۵۹ پر زرارہ بن امین (کذاب) کی روایت درج ہے کہ: ”میں نے امام <small>علیہ السلام</small> سے پوچھا: کیا یہ آدمی کے لیے جائز ہے کہ وہ عورت سے گھڑی دو گھڑی (گھنٹے دو گھنٹے) کے لیے متعد کر لے؟ فرمایا: نہیں، بلکہ یہ ہے کہ وہ اس سے ایک یا دو جماع (ہم بستریوں) کے لیے، یا پھر ایک دن یا دونوں کے لیے متعد کرے۔ (روایت میں مذکور لفظ ”العرد“ سے جماع مراد ہے۔)	نکاح متعد میں مدت کا تعین نہیں ہوتا، زندگی بھر کے لیے زوجیت کا محدود مدت کے لیے ہوتا ہے، چاہے ایک جماع کے لیے ہی کیوں نہ ہو۔ جیسا کہ: انگلیسی کی ”اصول الکافی“ جلد: ۵، ص ۳۵۹ پر زرارہ بن امین (کذاب) کی روایت درج ہے کہ: ”میں نے امام <small>علیہ السلام</small> سے پوچھا: کیا یہ آدمی کے لیے جائز ہے کہ وہ عورت سے گھڑی دو گھڑی (گھنٹے دو گھنٹے) کے لیے متعد کر لے؟ فرمایا: نہیں، بلکہ یہ ہے کہ وہ اس سے ایک یا دو جماع (ہم بستریوں) کے لیے، یا پھر ایک دن یا دونوں کے لیے متعد کرے۔ (روایت میں مذکور لفظ ”العرد“ سے جماع مراد ہے۔)	مدت

<p>(۲) صحیح شرعی نکاح میں خاوند اور بیوی کے متعہ میں طلاق نہیں ہوتی۔ چنانچہ: اکلانی جلد ۵ ص ۲۵۱ میں ہے کہ امام ابو جعفر محمد الباقر <small>علیہ السلام</small> نے فرمایا: متعہ والی عورت کو طلاق نہیں دی جاتی۔ (یہ بات پیچھے وضاحت سے گزر چکی ہے کہ: کتب شیعہ میں آئمہ اہل البیت <small>علیہم السلام</small> کی طرف اتہامات کی بھرمار ہے۔)</p>	<p>(۲) صحیح شرعی نکاح میں خاوند اور بیوی کے متعہ میں طلاق و خلع کا حق شریعت میں تسلیم شدہ ہے۔</p>
<p>(۳) شرعی صحیح نکاح عورت کے ولی الامر کی اجازت کے بغیر نہیں ہوتا۔</p> <p>نکاح متعہ میں ولی الامر کی اجازت قطعاً شرط نہیں ہے۔ چنانچہ: مستدرک الوسائل جلد ۴ ص ۳۵۹ پر ہے کہ: جناب امام ابو عبد اللہ جعفر صادق <small>علیہ السلام</small> نے فرمایا: اس میں کوئی حرج نہیں کہ آدمی کنواری سے نکاح متعہ کر لے مگر یہ ہے کہ وہ خود راضی ہو۔ یہ نکاح اُس کے ولی (باپ وغیرہ) کی اجازت کے بغیر بھی جائز ہے۔</p>	<p>(۳) شرعی صحیح نکاح عورت کے ولی الامر کی اجازت کے بغیر نہیں ہوتا۔</p>
<p>(۴) مرد بیک وقت صحیح شرعی نکاح کے ساتھ ایک ہزار بیویوں تک اجازت ہے۔ جیسا کہ: کلینی نے اکلانی کی جلد ۵ ص ۳۵۲ پر درج کیا ہے کہ: امام ابو عبد اللہ جعفر صادق <small>علیہ السلام</small> نے فرمایا: ”بے شک متعہ والی ہزار عورتوں سے نکاح کر لو۔ اس لیے کہ بلاشبہ ان کو تو کرائے پر لیا جاتا ہے۔“</p>	<p>(۴) مرد بیک وقت صحیح شرعی نکاح کے ساتھ چار سے زیادہ بیویاں نہیں رکھ سکتا۔</p> <p>(۴) بیویوں کی تعداد</p>
<p>(۵) صحیح شرعی نکاح کے لیے کم از کم دو مسلمان مرد آزاد، عاقل گواہوں کا ہونا شرط ہے۔</p> <p>متعہ کے لیے گواہوں کا ہونا کوئی شرط نہیں۔ چنانچہ: امام ابو عبد اللہ جعفر صادق <small>علیہ السلام</small> نے فرمایا: بغیر ولی الامر اور بغیر گواہوں کے آدمی ان عورتوں سے جتنی چاہے متعہ کی شادیاں کرتا پھرے۔</p>	<p>(۵) صحیح شرعی نکاح کے لیے کم از کم دو مسلمان مرد آزاد، عاقل گواہوں کا ہونا شرط ہے۔</p> <p>گواہ</p>
<p>صحیح شرعی نکاح مرد اور عورت دونوں کو حصانت یعنی عفت و عصمت والی (عفت و عصمت) حاصل نہیں ہوتی۔ جیسا کہ جناب امام موسیٰ کاظم <small>علیہ السلام</small> سے پوچھا گیا: اگر آدمی</p>	<p>صحیح شرعی نکاح مرد اور عورت دونوں کو حصانت یعنی عفت و عصمت والی (عفت و عصمت) حاصل نہیں ہوتی۔ جیسا کہ جناب امام موسیٰ کاظم <small>علیہ السلام</small> سے پوچھا گیا: اگر آدمی</p> <p>پاکدامنی عطا کرتا ہے۔</p>

<p>کے پاس متحہ والی عورت ہے تو کیا وہ مرد کو حصانت عطا کرتی ہے؟ فرمایا: نہیں۔ بلکہ حصانت (کہ جس کا قرآن میں ذکر ہے۔) تو ہمیشہ کے لیے بننے والی بیوی کے ذریعے حاصل ہوتی ہے۔ (دیکھئے: مستدرک الوسائل جلد ۲۸، ص ۶۹)</p>		<p>(۶) پاک دامنی (الحصانة)</p>
<p>متحہ کی سرکاری رجسٹریشن (تصدیق و توثیق) نہیں کی جاتی۔ چنانچہ موسیٰ بن جعفر <small>علیہ السلام</small> سے پوچھا گیا: کیا آدمی کسی عورت سے بغیر کسی ثبوت کے نکاح کر سکتا ہے؟ فرمایا: اگر دونوں مسلمان اور معتد علیہا ہوں تو کوئی حرج نہیں ہے۔ دیکھئے: مستدرک الوسائل جلد ۲۱، ص ۶۵۔</p>	<p>صحیح شرعی نکاح کی حکومت کے پاس باقاعدہ رجسٹریشن اور تصدیق و توثیق کروائی جاتی ہے۔</p>	<p>(۷) سرکاری تصدیق اور رجسٹریشن</p>
<p>نکاح متحہ میں پیشگی کی شرط قطعاً نہیں پائی جاتی۔ اس لیے کہ یہ منقطع نکاح ہے۔</p>	<p>صحیح شرعی نکاح کو بغیر انقطاع کے ہمیشہ قائم رکھا جاتا ہے۔</p>	<p>(۸) پیشگی</p>
<p>متحہ میں عورت کو گھر اور رہائش وغیرہ مہیا کرنے کی کوئی شرط نہیں ہوتی۔ اسی لیے متحہ صرف ایک جماع (ہم بستری) کے لیے بھی ہوتا ہے۔</p>	<p>شرعی صحیح نکاح میں بیوی کو رہائش ہوتا (گھر) مہیا کرنا خاندان کے ذمے ہے۔</p>	<p>(۹) رہائش (گھر)</p>
<p>نکاح متحہ میں عدل و انصاف کی بھی شرط نہیں ہوتی۔ اس لیے کہ متحہ میں عورت کرائے پر لی جاتی ہے۔ چنانچہ عدل و انصاف میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہوتا۔</p>	<p>صحیح شرعی نکاح میں ایک سے زیادہ اور ایک بیوی کی صورت میں بھی عدل و انصاف کو ملحوظ خاطر رکھا جاتا ہے۔</p>	<p>(۱۰) عدل و انصاف</p>
<p>نکاح متحہ کا مقصد کسی خاندان کا قیام نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ متحہ کا مقصد صرف شہوت رانی ہوتا ہے، نام اس کا نکاح رکھا جاتا ہے۔</p>	<p>صحیح شرعی نکاح کا ایک مقصد ایک خاندان کی بنیاد، اُس کا قیام اور تربیت کا ایک ماحول بھی ہوتا ہے۔</p>	<p>(۱۱) ایک خاندان کا قیام</p>
<p>متحہ میں مہر کی بجائے عورت کی (شہوت رانی کے لیے) اجرت رکھی جاتی ہے۔ چنانچہ جب وہ غیر حاضری کرے تو اس سے طے شدہ اجرت میں سے کٹوتی کر لی جاتی ہے۔ جیسا کہ اصول الکافی جلد ۵،</p>	<p>شریعت مطہرہ نے صحیح عقد نکاح کے لیے حق مہر کو بالالتزام بدلے رکھا ہے جو اُس کا حق ہوتا ہے۔</p>	<p>(۱۲) حق مہر</p>

<p>ص ۲۵۲ اور ص ۳۶۱ میں امام ابو عبد اللہ جعفر صادق <small>ؑ</small> سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: متحدہ والیاں تو کرائے پر چلتی ہیں۔ اس لیے جب وہ معینہ مدت میں غائب رہیں گی تو سوائے حیض والے دنوں کے ان کی اجرت کاٹ لی جائے گی۔</p>		
<p>دیکھیے: مستدرک الوسائل جلد ۲۱، ص ۷۹۔</p>	<p>شریعت مطہرہ نے طلاق و بیوگی کی عدت میں خاوند پر بیوی کا نان و نفقہ لازم رکھا ہے۔ (الطلاق: ۶)</p>	<p>(۱۳) دوران عدت نان و نفقہ</p>
<p>دیکھیے: الکافی للکلینی جلد ۵، ص ۴۵۸۔</p>	<p>صحیح شرعی نکاح میں اگر عورت کو طلاق یا تین ماہ ہے۔ (سورۃ البقرہ: ۲۲۸، والی کی عدت: پینتالیس دن) (۳۵) یا دو حیض ہے۔ (الطلاق: ۴)</p>	<p>(۱۴) طلاق کی عدت</p>
<p>متحدہ والی عورت کی عدت بیوگی بالکل نہیں ہے (اس لیے کہ اس سے متحدہ کرنے والا اس کا شرعی خاوند تھوڑی ہوتا ہے۔) چنانچہ: مستدرک الوسائل جلد ۲۱ ص ۷۹ پر ہے کہ: امام ابو عبد اللہ <small>ؑ</small> نے فرمایا: متحدہ والی کی کوئی عدت نہیں۔</p>	<p>صحیح شرعی نکاح کی صورت میں اگر خاوند فوت ہو جائے تو بیوہ چار ماہ دس دن تک یا وضع حمل تک کی عدت گزارے۔ (سورۃ البقرہ: ۲۳۴)</p>	<p>(۱۵) عدت وفات</p>
<p>امام محمد الباقر <small>ؑ</small> سے پوچھا گیا: جس آدمی نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں، پھر اس عورت سے کسی دوسرے آدمی نے متحدہ کیا، تو کیا یہ عورت اپنے خاوند کے لیے حلال ہوگی؟ فرمایا: اس کو طلاق بائندہ دے دے تو یہ عدت نہیں۔ (دیکھیے: الکافی جلد ۵، ص ۳۲۵) لیکن پہلے گزار کر پہلے خاوند سے نکاح کر سکتی ہے۔ (البقرہ: ۲۳۰-۲۳۲)</p>	<p>صحیح شرعی نکاح والی عورت کو اگر خاوند کسی دوسرے مرد سے نکاح کر لے، پھر یہ عورت اپنے خاوند مر جائے یا اپنی مرضی سے اس کو طلاق بائندہ دے دے تو یہ عدت نہیں۔ (دیکھیے: الکافی جلد ۵، ص ۳۲۵) لیکن پہلے گزار کر پہلے خاوند سے نکاح کر سکتی ہے۔ (البقرہ: ۲۳۰-۲۳۲)</p>	<p>(۱۶) طلاق شدہ عورت کا پہلے خاوند سے نکاح</p>

<p>(۱۷) صحیح شرعی نکاح کی صورت میں میاں بیوی ایک کی فونگی پر دوسرے کے وارث بنتے ہیں۔ (النساء: ۱۲)</p> <p>نکاح متحدہ میں (کہ جو دراصل نکاح نہیں ہوتا بلکہ شریعت مطہرہ کی رو سے زنا ہوتا ہے) نہ بیوی خاوند کی وارث بن سکتی ہے اور نہ خاوند اس متحدہ والی کا وارث بن سکتا ہے۔ چنانچہ جب امام ابو جعفر <small>ؑ</small> سے اس بارے میں سوال کیا گیا تو فرمایا: متحدہ والی اپنے متمتع کی وارث نہیں بنتی۔ دیکھئے: الکافی للکلینی جلد ۵، ص ۴۵۱۔</p>	<p>(۱۷) صحیح شرعی نکاح کی صورت میں میاں بیوی ایک کی فونگی پر دوسرے کے وارث بنتے ہیں۔ (النساء: ۱۲)</p>	<p>(۱۷) میراث وراثت بیوی ایک کی فونگی پر دوسرے کے وارث بنتے ہیں۔ (النساء: ۱۲)</p>
<p>(۱۸) متحدہ میں عورت کے دین و مذہب کا کچھ لحاظ نہیں ہوتا (کیونکہ وہ تو کرائے کی ٹیکسی ہوتی ہے۔) حتیٰ کہ اس ضمن میں ہندو، بدھ مت والی، مجوسی اور تمام کی تمام کافر و مشرک عورتیں جائز ہیں۔ جیسا کہ امام ابو عبد اللہ <small>ؑ</small> نے ایسا ہی فرمایا ہے۔ دیکھئے: مستدرک الوسائل: جلد ۲۱، ص ۳۸۔</p>	<p>(۱۸) صرف مسلمان یا پھر اہل کتاب کی کسی عورت سے ہی مسلمان مرد کا صحیح شرعی نکاح ہوتا ہے۔ (سورۃ المائدہ: ۵)</p>	<p>(۱۸) بیوی کے دین کا لحاظ</p>
<p>(۱۹) مذہب شیعہ میں متحدہ کے لیے ایسی چھان بین کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ چنانچہ منصر سے روایت ہے کہ میں نے امام ابو عبد اللہ <small>ؑ</small> سے پوچھا: کہ ایسے نہ کر لے اور کسی کے نکاح پر نکاح نہ کرے۔</p> <p>مسلماں آدمی اتنی دیر تک کسی عورت سے نکاح نہ کرے جب تک وہ اس کے پہلے نکاح کے بارے میں تصدیق نہ کر لے اور کسی کے نکاح پر نکاح نہ کرے۔</p> <p>ہے جہاں کوئی تیسرا فرد نہ ہو اور میں اس سے پوچھوں: کیا تو شادی شدہ ہے؟ اور وہ کہے: نہیں۔ (تو کیا اُس سے متحدہ کر لوں) فرمایا: ہاں، اُس وقت اس کو سچا مانا جائے گا۔ دیکھئے: اصول الکافی للکلینی جلد ۵، ص ۴۶۲۔</p>	<p>(۱۹) مسلمان آدمی اتنی دیر تک کسی عورت سے نکاح نہ کرے جب تک وہ اس کے پہلے نکاح کے بارے میں تصدیق نہ کر لے اور کسی کے نکاح پر نکاح نہ کرے۔</p>	<p>(۱۹) بیک وقت کے عورت کے دو نکاحوں کی حرمت</p>
<p>(۲۰) کسی مسلمان مرد کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ پاکدامن ہو کہ کسی زانیہ عورت سے نکاح شرعی کرے۔</p> <p>مذہب شیعہ میں زانیہ عورت سے متحدہ ہو سکتا ہے۔ (بلکہ متحدہ تو ہوتا ہی زنا ہے۔) اسحاق بن جریر سے مروی ہے کہ: میں نے امام ابو عبد اللہ <small>ؑ</small> سے پوچھا: ہمارے ہاں کونہ میں ایک عورت زنا کاری</p>	<p>(۲۰) کسی مسلمان مرد کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ پاکدامن ہو کہ کسی زانیہ عورت سے نکاح شرعی کرے۔ (سورۃ النور: ۳)</p>	<p>(۲۰) زانیہ سے نکاح</p>

<p>کے کام میں معروف و مشہور ہے۔ کیا میرے لیے حلال ہے کہ میں اُس سے متحد کر لوں؟ دریافت فرمایا: کیا اُس نے اس بدقماشی و زنا کاری کا اعلان کر رکھا ہے؟ میں نے عرض کیا: اگر وہ ایسا کرے تو اسے حاکم وقت پکڑ کر مرادے۔ (اس لیے ایسا کام وہ خفیہ کرتی ہے۔) فرمایا: ہاں، اُس سے متحد کر سکتے ہو، اگرچہ وہ زنا کاری کا پیشہ اعلانیہ کیوں نہ کرتی ہو۔ دیکھئے: مستدرک الوسائل جلد ۲۱، ص ۳۹</p>		
<p>متحدہ والی کرائے کی چیز ہوتی ہے۔ چنانچہ امام ابو عبد اللہ <small>ؑ</small> فرماتے ہیں: چاہے ہزار عورتوں سے متحد کر لو۔ اس لیے کہ وہ تو کرائے پر ہوتی ہیں۔ (دیکھئے: الکافی جلد ۵، ص ۴۵۲)</p>	<p>صحیح شرعی نکاح کے بعد عورت اپنے خاوند کی بیوی کہلاتی ہے۔ یہ اُس کی عظیم حیثیت ہے۔</p>	<p>(۲۱) عورت کی حیثیت</p>
<p>عدم جماع و ہم بستری کی شرط کے ساتھ مذہب شیعہ میں نکاح متحدہ جائز ہے۔ چنانچہ کلینی کی اصول الکافی میں ہے: عورت مرد سے کہتی ہے: میں اس شرط پر تجھ سے نکاح متحدہ کرتی ہوں کہ تو سوائے اپنے ذکر کو میری شرمگاہ میں داخل کیے جیسے چاہے چھیڑ خانی اور لذت حاصل کر، اس لیے کہ میں بدنامی سے ڈرتی ہوں تو اس بارے میں امام ابو عبد اللہ <small>ؑ</small> صادق <small>ؑ</small> کا فرمان ہے: ایسی صورت میں مرد کو ان شروط کی لازماً پابندی کرنا ہوگی۔ دیکھئے: الکافی جلد ۵، ص ۳۶۷</p>	<p>صحیح شرعی نکاح کے بعد عورت کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے خاوند کو حق زوجیت (ملاعت و جماع) سے محروم رکھے۔</p>	<p>(۲۲) حق زوجیت</p>
<p>عصر حاضر میں فرقہ اثنا عشریہ کا ایک بڑا املا جان کے ہاں امام کا درجہ رکھتا ہے، یعنی خمینی لکھتا ہے: شہوت رانی کی نیت سے دودھ پینے والی بچی تک کو چھیڑا جاسکتا ہے اور اس سے بوس و کنار کرتے ہوئے</p>	<p>شریعت مطہرہ میں نابالغ بچی سے اس کا دلی الامر نکاح کر سکتا ہے، مگر یہ ہے کہ خاوند ازدواجی تعلقات بلوغت کے بعد استوار کرے۔</p>	<p>(۲۳) دودھ پیتی بچی سے استمتاع</p>

اسے اپنی رانوں پر بٹھایا جاسکتا ہے۔ ایسی بچی کو سینے سے لگا کر اُسے پیار کیا جاسکتا ہے۔ (دیکھئے: تحریر الوسیلہ جلد ۲، ص ۲۴۱)۔		
متعدہ والی عورت سے ظہار نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ امام ابو عبد اللہ <small>ؑ</small> فرماتے ہیں: ظہار صرف ان عورتوں سے ہوتا ہے جن کو طلاق دی جاسکتی ہو۔ (دیکھئے: مستدرک الوسائل جلد ۲۷، ص ۲۳۶)	(۲۴) ظہار کا حکم	ظہار کا مسئلہ و حکم صحیح شرعی نکاح کی متعدہ والی عورت سے ظہار نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ امام ابو عبد اللہ <small>ؑ</small> فرماتے ہیں: ظہار صرف ان عورتوں سے ہوتا ہے جن کو طلاق دی جاسکتی ہو۔ (دیکھئے: مستدرک الوسائل جلد ۲۷، ص ۲۳۶)
اسی طرح لعان کا مسئلہ و حکم بھی صحیح شرعی نکاح کی متعدہ میں لعان بھی نہیں ہے۔ چنانچہ مستدرک نکاح کی صورت میں ہی پیش آتا ہے۔ امام ابو عبد اللہ <small>ؑ</small> نے فرمایا: آدمی اپنی متعدہ والی عورت سے لعان نہ کرے۔	(۲۵) لعان کا حکم	اسی طرح لعان کا مسئلہ و حکم بھی صحیح شرعی نکاح کی متعدہ میں لعان بھی نہیں ہے۔ چنانچہ مستدرک نکاح کی صورت میں ہی پیش آتا ہے۔ امام ابو عبد اللہ <small>ؑ</small> نے فرمایا: آدمی اپنی متعدہ والی عورت سے لعان نہ کرے۔

نوٹ.....: ایران سے شائع ہونے والے رسالہ ”مجلة الشراعية الشيعية“ کے شمارہ نمبر ۶۸۴ (چوتھا سال) کے ص ۴ پر صدر رفسنجانی کا بیان چھپا ہے کہ: ایران میں وہ نومولود بچے جو سڑکوں پر بن باپ کی پہچان کے اب تک متعدہ کے نتیجے میں پائے گئے ہیں، اُن کی تعداد اڑھائی لاکھ تک پہنچ چکی ہے۔ (نعوذ باللہ من هذه النجاسة)

حرمت متعدہ پر مزید چند ایک احادیث صحیحہ:

۱..... ((عَنْ سَبْرَةَ الْجُهَنِيَّةِ ؓ أَنَّهُ كَانَ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ (عَامَ الْفَتْحِ) فَقَالَ: ”يَا أَيُّهَا النَّاسُ! إِنِّي قَدْ كُنْتُ أَذْنُتُ لَكُمْ فِي الْإِسْتِمْتَاعِ مِنَ النِّسَاءِ، وَإِنَّ اللَّهَ قَدْ حَرَّمَ ذَلِكَ إِلَيَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، فَمَنْ كَانَ عِنْدَهُ مِنْهُنَّ شَيْءٌ فَلْيُخَلِّ سَبِيلَهُ، وَلَا تَأْخُذُوا مِمَّا آتَيْتُمُوهُنَّ شَيْئًا.))

”جناب سبرہ جہنی ؓ بیان کرتے ہیں کہ وہ (فتح مکہ کے موقع پر) نبی کریم ﷺ کے ہمراہ تھے۔ آپ ﷺ نے (صحابہ کرام ؓ کو مخاطب کر کے) فرمایا: لوگو! بلاشبہ میں نے

① صحیح مسلم، کتاب النکاح، باب نکاح المتعدہ و بیان اُنہ..... الخ، حدیث: ۳۴۲۲۔

تمہیں عورتوں سے متعہ کرنے کی اجازت دی تھی۔ مگر اب اللہ عزوجل نے عورتوں سے متعہ کو ناقیامت حرام کر دیا ہے۔ اس لیے اگر کسی کے پاس متعہ والی کوئی عورت ہو تو اسے چاہیے کہ وہ اس کو چھوڑ دے۔ اور جو چیز تم ان کو (متعہ کی اجرت میں) دے چکے ہو اسے واپس نہ لو۔“

ب ((عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ: لَمَّا وَلِيَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ، خَطَبَ النَّاسَ فَقَالَ: "إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ أَذِنَ لَنَا فِي الْمُتَعَةِ ثَلَاثًا، ثُمَّ حَرَمَهَا. وَاللَّهُ لَا أَعْلَمُ أَحَدًا يَتَمَتَّعُ وَهُوَ مُحْصَنٌ إِلَّا رَجَمْتُهُ بِالْحِجَارَةِ، إِلَّا أَنْ يَأْتِيَنِي بَأْرَبِغَةَ يَشْهَدُونَ؛ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ أَحْلَاهَا بَعْدَ إِذْ حَرَمَهَا.))^①

”جناب عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ: جب امیر المومنین سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے مسند خلافت سنبھالی تو آپ رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: بلاشبہ اللہ کے رسول ﷺ نے ہم لوگوں کو تین بار نکاح متعہ کی اجازت فرمائی تھی۔ پھر اسے (فتح مکہ کے موقع پر) بالکل حرام کر دیا۔ اللہ کی قسم! اب اگر مجھے کسی کے بارے میں معلوم ہوا کہ وہ عورت سے متعہ کرتا ہے اور وہ ہے بھی محسن (شادی شدہ، پاک دامن) تو میں اسے ضرور پتھروں سے رجم کر دوں گا۔ مگر یہ ہے کہ پھر وہ (اس فعل شنیع کی دلیل کے لیے) میرے پاس چار گواہ لائے جو اس بات کی گواہی دیں کہ: رسول اللہ ﷺ نے متعہ کو (ناقیامت) حرام کر دینے کے بعد آخر میں اسے حلال کر دیا تھا۔“

اس سے معلوم ہوا کہ: امیر المومنین سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت راشدہ

① سنن ابن ماجہ، کتاب النکاح، باب النہی عن نکاح المتعہ، حدیث: ۱۹۶۳، شیخ البانی رحمہ اللہ نے اس پر صحیح کا حکم لگایا ہے۔

میں اس شرعی حکم کا نفاذ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے متعہ کو تا قیامت حرام کر دینے پر کیا تھا، اپنی طرف سے ہرگز نہیں۔

ج..... ((عَنِ الْحَسَنِ وَعَبْدِ اللَّهِ ابْنِي مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيٍّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا ، عَنْ أَبِيهِمَا أَنَّهُ سَمِعَ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا يَقُولُ لِابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا؛ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَنِ مُتْعَةِ النِّسَاءِ يَوْمَ خَيْبَرَ، وَعَنْ أَكْلِ لُحُومِ الْحُمْرِ الْإِنْسِيَّةِ.))¹

”محمد الحنفیہ ابن علی رضی اللہ عنہما کے بیٹے حسن اور عبد اللہ رضی اللہ عنہما اپنے والد محترم سیدنا محمد ابوالحنفیہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنے والد محترم امیر المومنین سیدنا علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ کو سنا، آپ رضی اللہ عنہ جناب عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے فرما رہے تھے: (اے ابن عباس! تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ) رسول اللہ ﷺ نے فتح خیبر والے دن عورتوں سے متعہ کرنے اور پالتو گدھوں کا گوشت کھانے سے منع فرما دیا تھا۔“ (پھر اگلے سال فتح مکہ کے موقع پر کچھ دیر کے لیے حجۃ النساء کی اجازت دی اور پھر اسے ہمیشہ ہمیش کے لیے حرام کر دیا تھا۔)

ایک انتہائی مفید اقتباس:

یہاں صحیحین (صحیح البخاری و صحیح مسلم) کے حوالے سے یہ بات زیر مطالعہ موضوع کے ضمن میں ایک نہایت مفید پہلو یہ ہے کہ: امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری رضی اللہ عنہ نے اپنی صحیح میں کتاب النکاح کے تحت ایک باب کا عنوان یوں قائم کیا ہے: ”بَابُ نَهْيِ النَّبِيِّ ﷺ عَنْ نِكَاحِ الْمُتْعَةِ أَخِيرًا.....“ باب: آخر میں رسول اللہ ﷺ نے نکاح متعہ سے منع کر دیا تھا۔“ اور پھر اس باب کے تحت چار احادیث بیان کر کے اس مسئلہ کو واضح کر دیا ہے کہ فتح مکہ کے وقت اسے تا قیامت حرام کر دیا گیا تھا۔ اس پر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری

1 صحیح مسلم، کتاب النکاح، حدیث: ۳۴۳۵، و صحیح البخاری، کتاب الحیل، حدیث: ۶۹۶۱۔

(جلد ۹، ص ۲۱۸ تا ۲۰۹ طبع دار السلام بالریاض) میں مفصل علمی بحث لکھ کر اس مسئلہ کو خوب واضح کر دیا ہے۔

اسی طرح صحیح مسلم، کتاب النکاح میں ایک باب کا عنوان اس طرح سے قائم کیا گیا ہے: ”بَابُ نِكَاحِ الْمُتَعَةِ وَبَيَانُ أَنَّهُ أُبِيحَ ثُمَّ نُسِخَ، ثُمَّ أُبِيحَ ثُمَّ نُسِخَ، وَاسْتَقَرَّ تَحْرِيمُهُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ“. باب ہے؛ متعہ کے حلال ہونے کا، پھر حرام ہونے کا، پھر حلال ہونے کا اور پھر قیامت تک کے لیے اس کے حرام ہونے کا بیان۔“ امام مسلم رحمہ اللہ نے (اس باب کے تحت) یہاں چھبیس (۲۶) احادیث و روایات درج کر کے متعہ کی حرمت کو تاقیامت خوب وضاحت سے بیان کر دیا ہے۔ زیر مطالعہ موضوع پر فضیلۃ الشیخ عثمان بن محمد النخعیس رحمۃ اللہ علیہ نے جو کچھ لکھا ہے وہ آپ نے پڑھ لیا، ماشاء اللہ نہایت مدلل تحریر ہے۔ تبارک الرحمن۔ زیر مطالعہ موضوع کے تحت علمی فائدہ کو مزید مضبوط کرنے کے لیے صحیح مسلم کے مذکور بالا باب کے تحت وحید الزمان خان رحمہ اللہ کے علمی نوٹ کو اگر بغور پڑھ لیا جائے تو بہر حال بہت فائدہ رہے گا۔

وَأَخِرُ دَعْوَانَا أَنْ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ .
وَصَلَّى اللَّهُ وَسَلَّم عَلَى نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِينَ .



خمینی کا ”اسلامی“ انقلاب نفسیاتی ماحول اور حقائق

مصنف

علامہ صفی الرحمن مبارکپوری رحمۃ اللہ علیہ

خمینی کا اسلامی انقلاب

ایران کی موجودہ انقلابی حکومت کو ”اسلامی“ حکومت کہا جاتا ہے اور خود ہمارے ملک کے بھی بعض ”اسلامی“ حلقے اس کی ”اسلامیت“ کا ڈھنڈورا بہت زور و شور سے پیٹ رہے ہیں۔ لیکن ایران میں انقلاب کے بعد سے اب تک کشت و خون کی جو گرم بازاری ہے اور گرد و پیش کے ملکوں کے ساتھ اس کا جو رویہ ہے وہ مسلمانوں کے لیے ناقابل فہم اور حیرت افزا ہے اور غیر مسلموں کے لیے اسلام سے نفرت و برکتگی کا سبب، ہماری کوشش ہو گئی کہ ہم بالا اختصار ایرانی انقلاب کی اسلامیت کے حقیقی خدو خال ہدیہ قارئین کر دیں۔ اس کے لیے ہمیں ذرا زیادہ پیچھے پلٹنا ہوگا۔

(۱)

ایران کے انقلابی رہنما کو آیت اللہ روح اللہ موسوی خمینی کہا جاتا ہے۔ موسوی کی نسبت شععوں کے ساتویں امام موسیٰ کاظم کی طرف ہے۔ یہ نسبت نسبی تعلق کی بنا پر بھی کی جاتی تھی اور مذہبی گروہ بندی کی بنا پر بھی اب دونوں نسبتیں باہم اس طرح گڈمڈ ہو چکی ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنے آپ کو موسوی کہنے کے سلسلے میں نسبی تعلق کا دعویٰ بھی کرے تو اسے تسلیم کرنا مشکل ہے۔ موسیٰ کاظم امامیہ شیعوں میں ایک بہت بڑے تفرقے کی علامت ہیں۔ اگرچہ خود اس کے ذمہ دار نہیں ہیں۔ ہوا یہ کہ جب ان کے والد امام جعفر صادق کا انتقال ہو گیا تو نئے امام کے معاملے پر شیعوں میں دو گروہ ہو گئے ایک نے جعفر صادق کے بڑے صاحبزادے اسماعیل کو امام مانا اور دوسرے نے موسیٰ کاظم کو۔ پہلا گروہ اسماعیلیہ کہلایا اور دوسرا موسویہ۔ اسماعیلی شیعوں نے اپنے امام اسماعیل کے انتقال کے بعد یہ موقف اختیار کیا کہ اب روپوش ائمہ کا دور ہے، یعنی در پردہ ہمارے امام برابر متعین ہوتے رہیں گے۔ مگر ان کے نام

اور مقام کا پتہ چند خاص افراد کے سوا کسی کو نہ ہوگا۔ جب حالات سازگار ہوں گے تب اس وقت کا امام ظاہر ہوگا۔ یہ لوگ یہ بھی کہتے تھے کہ ہر ظاہر کا باطن ہے۔ ہر آیت اور حکم کا اس کے ظاہری معنی کے علاوہ ایک باطنی معنی بھی ہے، اور باطنی معنی جان لینے کے بعد ظاہر پر عمل کرنے کی ضرورت نہیں، کیوں کہ مغز یا جانے کے بعد چھلکا کھانا نغو ہے۔ مثلاً وہ کہتے تھے کہ پانچ وقت کی نماز سے بیچ تن پاک کی طرف اشارہ ہے، ان کو مان لینا کافی ہے، اور نماز پڑھنا فضول ہے۔ اسی طرح ان کے بقول روزے کا مطلب رازداری ہے۔ تیس روزے سے ان کی تیس بڑی شخصیتیں مراد ہیں۔ ابولہب کے دونوں ہاتھ سے ابو بکر و عمر مراد ہیں..... نعوذ باللہ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ..... آسمان وزمین کے خلاق حضرت علی ہیں۔ جبریل سے مراد عقل خالص ہے۔ اور قرآن سے مراد اس عقل کے فیض سے ملنے والے معارف ہیں۔

قیامت اس دنیا کے ٹوٹنے پھوٹنے کا نام نہیں ہے، بلکہ سات سات اماموں کا ایک دور ہوتا ہے، ہر دور کے پہلے اور نئے امام کے اٹھنے کا نام قیامت ہے۔ جوا، شراب، رنڈی بازی حرام کاری اور حرام خوری وغیرہ یہ سب ظاہر پرستوں کے لیے حرام ہیں، ان کے باطنی معنی جاننے والوں کے لیے یہ سب بالکل درست اور حلال ہیں۔ غرض اس طرح کی سیکڑوں خرافات ظاہر اور باطن کے نام ایجاد کی گئیں۔ اور اس کے ساتھ ہی اسلام کا نام لے کر اسلام کو مٹانے اور مسلمانوں کا قتل عام کرنے کے لیے زیر زمین تحریکیں چلائی گئیں، جن کے نتیجے میں آگے چل کر نہایت لرزہ خیز مظالم اور بے دردانہ قتل کے بے شمار واقعات پیش آئے۔

شیعوں کا یہ فرقہ اپنے ظاہر و باطن کے اس طویل پلندے کی بنا پر باطنیہ کے نام سے مشہور ہوا۔ آگے چل کر اپنے اپنے ایڈروں کے نام کی مناسبت سے اس فرقہ کا مشرقی بازو قرامطہ کہلایا اور مغربی بازو فاطمی۔ لبنان اور شام کے دروز، پاکستان کے آغا خانی اور ہندوستان کے بوہرے بھی انہی باطنی اسماعیلی شیعوں کی مختلف شاخیں ہیں۔ راقم الحروف کی کچھ تفصیلات معلوم کرنے کی کوشش کی، تو اس نے کچھ بتانے کے بجائے فاطمیوں کے متعلق مصری محقق محمود عباس عقاد کی ایک کتاب تھادی کہ اس میں ہمارے مذہب کی تفصیلات ہیں۔

مگر ایک بہت بڑا محقق ہونے کے باوجود عقاد نے اس کتاب میں جھک ماری ہے، زور بیان کے سوا وہ تاریخ اسلام کی عام معلومات کو بھی نہیں سمیٹ سکا ہے۔ بلکہ مسخ حقائق میں وہ باطنیوں کا ہمنوا ہو گیا ہے۔

باقی رہا شیعوں کا موسوی گروہ جس نے موسیٰ کاظم کو امام مانا تھا۔ تو اس نے موسیٰ کاظم کے بعد علی رضا، پھر محمد جواد پھر علی ہادی، پھر حسن عسکری کو امام مانا، حسن عسکری نے ۲۶۰ھ میں وفات پائی، اور ان پر اماموں کی تعداد گیارہ ہو گئی۔ حسن عسکری کے بعد ان کی نسل میں کوئی مرد باقی نہ بچا۔ اور ان شیعوں کا عقیدہ یہ تھا کہ اس نسل سے بارہ امام ہوں گے جن میں آخری امام مہدی ہوں گے۔ اس خیالی عقیدے سے فائدہ اٹھانے کے لیے اس وقت محمد بن نصیر نامی ایک شیعہ نے حاضر دماغی سے کام لیا، اس نے مشہور کیا کہ حسن عسکری کے گھر دو تین برس پہلے ایک بچہ پیدا ہوا تھا جس کا نام محمد ہے۔ اس بچے کو دشمنوں کے خوف سے چھپائے رکھا گیا تھا۔ اب وہی بچہ بارہواں امام ہے اور دشمنوں کی سطوت کے خوف سے مصلحہ سامرار کے تہ خانے میں روپوش ہے۔ جب دنیا ظلم و جود سے بھر جائے گی تو یہی بچہ مہدی بن کر ظاہر ہوگا۔ اور دنیا کو عدل و انصاف سے بھر دے گا۔ محمد بن نصیر نے یہ بھی بتایا کہ جب تک یہ امام غائب مہدی بن کر ظاہر نہیں ہوتے، ان کا ایک دروازہ (باب) ہوا کرے گا۔ لوگ اسی باب (دروازے) کے ذریعے اپنی مرادیں اور نذریں امام غائب کو پیش کیا کریں گے۔ اور امام غائب اسی باب کے ذریعے لوگوں کی مرادیں پوری کیا کریں گے۔ محمد بن نصیر اس پروپیگنڈے کے ساتھ ہی باب بن کر سامرار کے اس تہ خانے کے دروازے پر بیٹھ گیا۔ جس کے اندر اس خیالی امام کو روپوش بتایا تھا۔

موسوی شیعوں نے محمد بن نصیر کے یہ سارے دعوے تسلیم کر لیے، ان کا اب بھی یہ ایمان ہے کہ ۲۶۰ھ سے اب تک ساڑھے گیارہ سو برس کا عرصہ گزر جانے کے باوجود امام غائب زندہ ہیں۔ بلکہ اس کی کئی گنا مدت تک زندہ رہ سکتے ہیں۔ شیعہ ان کے نام کے آگے عج لکھتے ہیں جو عجل اللہ خروجه کا مختصر ہے۔ یعنی اللہ انہیں جلدی ظاہر کرے۔ چون کہ شیعوں کا یہ فرقہ بارہ

اماموں کے ظہور کا قائل تھا۔ اور اس نے اپنے حساب سے بارہ کی تعداد بھی پوری کر لی تھی۔ اس لیے یہ فقہ اثنا عشریہ کے نام سے اس قدر مشہور ہوا کہ اب موسوی کے بجائے اس کا یہی نام معروف ہے۔

اس سلسلے میں ایک دلچسپ واقعہ یہ پیش آیا کہ اصل حقیقت حال سے واقف بعض شیعوں نے جب دیکھا کہ محمد بن نصیر نے یہ سارا ڈھونگ رچ کر اپنی دوکان خوب چمکالی ہے تو فرط حسد سے یہ اعلان کر دیا کہ محمد بن نصیر امام غائب کا باب نہیں ہے۔ اس گروہ نے بہت جلد اتنی طاقت پکڑ لی کہ ابن نصیر اور اس کے حامیوں کو کھدیڑ بھگایا اور تہ خانے پر قبضہ کر لیا۔ واقعہ کا لطیف ترین پہلو یہ ہے کہ ایک تیلی جو حسن عسکری کے زمانے میں ان کے دروازے کے پاس تیل بیچا کرتا تھا۔ اب وہی امام غائب کا باب (یعنی دروازہ بنا)۔ ابن نصیر نے وہاں سے بھاگ کر اپنی ایک الگ جماعت تیار کی جو نصیری فرقے کے نام سے مشہور ہوئی۔ اس تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اثنا عشری اور نصیری فرقوں میں کوئی جوہری فرق نہیں ہے۔ ملک شام کے عام شیعے اسی نصیری فرقے سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور آجکل حکومت کے سیاہ و سپید پر پوری طرح قابض ہیں۔ شام کا صدر حافظ الاسد بھی نصیری شیعہ ہے۔ ادھر ایران کے عام شیعے اثنا عشری ہیں۔

شیعہ مذہب یہود و مجوس کی سازشی ذہنیت اور جذبہ انتقام کے ازدواج سے وجود میں آیا ہے، اسی لیے شیعہ مذہب کے عقائد و اعمال پر ان دونوں گروہوں کی پوری پوری چھاپ موجود ہے۔ شیعوں نے پانچ وقت کی نماز کو جمع بین الصلوٰتین کے نام پر سمیٹ کر تین وقت میں کر دیا ہے، کیوں کہ یہود تین وقت کی نماز پڑھتے ہیں۔ قرآن کے حکم کے بالکل خلاف شیعہ حضرات عورتوں کو غیر منقولہ جائیداد کا وارث نہیں مانتے، کیوں کہ یہود کا یہی مذہب ہے۔ شیعہ حضرات اونٹ کا دودھ اور گوشت، بے چھلکے کی مچھلی اور اس طرح کی کئی چیزیں حرام مانتے ہیں، کیوں کہ یہ سب یہودی شریعت میں حرام ہیں۔ آپ گہرائی سے جائزہ لیں تو واضح ہوگا کہ شیعہ حضرات اسلام کے لبادے میں یہودی شریعت پر عمل کرتے ہیں۔

دوسری طرف شیعوں پر مجوسی تہذیب کا اثر بھی ہمہ گیر ہے۔ شیعہ حضرات مجوسیوں کا تہوار نوروز، بڑی دھوم دھام سے مناتے ہیں، اور اس میں وہ سب کچھ کرتے ہیں جسے مجوسی دور کے عیاش حکمران اور عوام اس تہوار پر کرتے تھے۔ مجوسیوں میں اسلامی فتوحات تک مردکی اباحت پسندی موجود تھی۔ جب شیعہ مذہب ایجاد کیا گیا تو متعہ کے نام سے مذہبی تقدس کا لبادہ پہنا کر اس فحاشی کو دائمی بنا دیا گیا۔ شیعہ مذہب کی ایجاد سے یہودیوں کا اصل مقصد یہ تھا کہ اسلام کے نام پر اسلام کو مٹا دیا جائے۔ چنانچہ انہوں نے اس مقصد کے لیے بڑے منظم طریقے سے کام کیا۔ ایک طرف تو انہوں نے قبول اسلام کا اعلان کر کے اسلامی حکومت کے سزایافتہ مجرموں، حکومت حاصل کرنے کے آرزو مند طالع آزماؤں اور شکست خوردہ اقوام کے جذبہ انتقام رکھنے والے دنیا پرستوں سے ربط قائم کیا اور انہیں ایک لڑی میں پرویا۔ اور دوسری طرف اہل بیت کی محبت کا لبادہ اوڑھ کر اور ان کے حقوق کی بربادی پر مگر چھ کے آنسو بہا بہا کر بہت سے سادہ لوح اور نا آشنائے حقیقت مسلمانوں کو اپنے گرد سمیٹ لیا، اور اس طرح اہل بیت کے جماعتیوں کی ایک سیاسی اور فوجی قوت جمع کر لی۔ تاکہ ان کو بقیہ امت سے لڑا کر اس قدر خونریزی کرائی جائے کہ امت کی فوجی اور سیاسی قوت ٹوٹ کر ختم ہو جائے اور وہ پنپنے اور پھلنے پھولنے کی صلاحیت کھو بیٹھے۔ اور رفتہ رفتہ سوکھ کر ختم ہو جائے۔ اس چال بازی کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسلامی تاریخ کے بیانات کے مطابق تہا حضرت علی کے دور میں ان کی اور ان کے مخالفین کی باہمی جنگ کے اندر کوئی ایک لاکھ مسلمان خود مسلمانوں کی تلوار سے مارے گئے۔

اس کے ساتھ ہی ساتھ شیعہ مذہب کے ان موجد یہودیوں نے اسلامی عقائد و تعلیمات کو مسخ کرنے کا ایک جامع پلان بنایا، اسلام کا کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے۔ اس عقیدے کو ختم کرنے کے لیے ان یہودیوں نے بیان کیا ہے کہ اللہ نے صرف اماموں کو پیدا کر دیا۔ پھر سارے عالم کی پیدائش اماموں کے حوالے کر دی۔ اس لیے امام جب جو چیز چاہتے ہیں اپنی قدرت اور اپنے ارادے سے پیدا کرتے رہتے ہیں۔ معتدل شیعوں نے اس معنی کو غلط بتایا ہے۔ آئیے دیکھیں، خمینی صاحب اس بارے میں کیا نقطہ نظر رکھتے ہیں۔ خمینی صاحب اپنی

مشہور کتاب ”الحکومة الاسلامیة“ مطبوعہ بیروت ص ۵۲ پر لکھتے ہیں:

”امام کو مقام محمود، درجہ بلند اور تکوینی خلافت حاصل ہے۔ اس کائنات کا ایک ایک ذرہ ان کی ولایت اور تسلط کے تابع ہے۔“ تکوینی خلافت کا مطلب واضح ہے کہ اس کائنات کا سارا خدائی نظام شیعہ اماموں کے ہاتھ میں ہے۔ وہ خدا کی جانشین ہونے کی حیثیت سے جو کچھ پیدا کرنا یا مٹانا چاہتے ہیں، کرتے رہتے ہیں۔ اسی کتاب کے ص ۱۴۱ پر خمینی صاحب لکھتے ہیں۔ ”فرشتے حضرت علی کے پیروکار ہیں۔ اور سارے انسان حتیٰ کہ دشمن بھی ان کے تابع فرمان ہیں کیونکہ لوگ اٹھنے بیٹھنے میں، بولنے اور چپ رہنے میں، خطبے، نمازوں اور جنگوں میں حق کے تابع فرمان ہیں۔“

ان اقتباسات سے واضح ہوتا ہے کہ خمینی صاحب حد درجہ غلو پسند شیعہ ہیں۔ اور انہوں نے ائمہ اہل بیت کو ان سارے اختیارات سے متصف مان رکھا ہے جو اسلامی شریعت میں خدا کے لیے مخصوص ہیں۔ بلکہ مزید دو قدم آگے بڑھ کر وہ یہ بھی کہتے ہیں:

”امام کی روپوشی کے فرمانے میں جس موجودہ اسلامی حکومت کی تشکیل مفروض

ہے۔ اللہ نے اسے بھی سارے اختیارات دے دیے ہیں۔“^①

اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ خدائی کے اس منصب پر جلال پر اس وقت خمینی صاحب اور ان کے رفقاء براجمان ہیں۔ لیکن معلوم نہیں چرخ نیلوفر کی ایک گردش کے ذریعہ عراقی فوج کو بھسم کرنے میں کیوں ناکام ہیں۔ خیر آگے چلئے۔

شیعوں کے امام فرشتوں اور پیغمبروں سے افضل:

اور اللہ کے نبی ﷺ نے جو کچھ پایا تھا وہ حضرت علی اور ان کی اولاد کے حوالے کر دیا۔ امام جعفر صادق سے اس مفہوم کی روایت شیعہ کتابوں میں موجود ہے۔ مگر غالی شیعے اسی پر بس نہیں کرتے بلکہ وہ اپنے اماموں کو پیغمبروں سے بھی بدرجہا افضل مانتے ہیں۔ وہ کہتے

① دیکھئے: الحکومة الاسلامیة، ص: ۷۳۔

ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے وحی حضرت علی کے پاس بھیجی تھی۔ مگر جبرئیل نے غلطی سے محمد ﷺ پر اتا ردی۔ انبیاء سے اماموں کے افضل ہونے کا ایک دلچسپ پہلو جعفر صادق کی روایت میں پیش کیا گیا۔ جعفر صادق کہتے ہیں: جنت و جہنم میں جو کچھ ہے مجھے معلوم ہے مجھے اگلی پچھلی تمام باتیں معلوم ہیں۔ اگر میں موسیٰ اور خضر کے درمیان ہوتا تو ان دونوں کو بتاتا کہ میں ان دونوں سے زیادہ جانتا ہوں، اور میں انہیں ایسی ایسی باتیں بتاتا جس کی ان دونوں کو کوئی خبر نہیں۔

باقر کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم ۷۳ حروف ہیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے اس درباری کو صرف ایک حرف معلوم تھا، جس کے بولتے ہی حضرت سلیمان علیہ السلام کی پلک چھپکنے سے پہلے (ملکہ سبا کا) تخت حاضر ہو گیا تھا۔ ہمیں اس اسم اعظم کے بہتر (۷۲) حروف معلوم ہیں۔ البتہ ایک حرف اللہ نے کسی کو نہیں بتایا۔ بلکہ اپنے پاس عالم غیب میں رکھا ہے۔^۱

باقر اور صادق کا قول ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اسم اعظم کے صرف دو حروف دیے گئے تھے، جس سے وہ مردوں کو زندہ اور مادرزاد اندھوں کو آنکھ والا بنا دیتے تھے۔ موسیٰ علیہ السلام کو چار حروف دیے گئے تھے۔ ابراہیم علیہ السلام کو آٹھ، نوح علیہ السلام کو پندرہ، آدم علیہ السلام کو پچیس (کل چون (۵۴) ہوئے)۔ محمد ﷺ کو سارے چون اور مزید ۱۸ حروف دیے گئے تھے۔ (کل ۷۲ ہوئے) اسم اعظم ۷۳ حروف ہیں۔ ۷۲ محمد ﷺ کو دیے گئے، اور ایک کو اللہ نے پس پردہ رکھ لیا۔ اب نبی کا علم اور اماموں کا علم، اللہ کے علم سے صرف ایک حرف کم ہے۔ اللہ سے جو کچھ نکلتا ہے، نبی سے شروع ہوتا ہے، پھر امیر المومنین علی کو ملتا ہے پھر ایک ایک کر کے سارے اماموں کو ملتا ہے۔ تاکہ آخری کو پہلے سے زیادہ علم نہ ہو۔ اماموں کو نبیوں اور پیغمبروں کے سارے علوم معلوم ہیں۔

ایک روایت میں کہا گیا ہے کہ حضرت علی اور ان کی اولاد نبوت کا درخت ہیں..... اور فرشتے ان کے پاس چکر لگاتے ہیں۔ شیعہ یہ بھی کہتے ہیں کہ پیغمبر آسمان وزمین کی پیدائش اور حور و قصور جیسی نبی باتوں کے متعلق جو کچھ بتائیں اسے یہ جانتے ہوئے بھی رد کیا جاسکتا ہے کہ

یہ پیغمبر کی بتائی ہوئی بات ہے۔ (بحر الفوائد ج ۱ ص ۲۶۷) لیکن اگر کوئی شخص اماموں کی چھوٹی بڑی کوئی بھی بات رد کر دے گا تو وہ شرک کی حد میں داخل ہو جائے گا۔ (دانی)۔ شیعوں کی کتابوں میں ان کے اماموں کے اتنے بڑے بڑے معجزات ذکر کیے گئے ہیں کہ ویسے معجزات کسی نبی کو بھی کبھی نصیب نہ ہو سکے۔

خلاصہ یہ کہ شیعوں کے نزدیک اماموں کی ولایت ہر پہلو سے نبیوں اور پیغمبروں کی نبوت و رسالت سے بہتر برتر اور بڑھ کر ہے۔ اور شیعوں کے امام سارے نبیوں اور پیغمبروں سے افضل ہیں۔ معتدل شیعے اس سے صرف نبی کریم ﷺ کو مستثنیٰ کر لیتے ہیں۔ لیکن غالی شیعے نبی کریم ﷺ کو بھی مستثنیٰ نہیں کرتے۔ اب آئیے دیکھیں کہ ”آیت اللہ العظمیٰ“ جناب عینی صاحب کا عقیدہ اس بارے میں کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

”اس عالم کائنات سے پہلے ائمہ نور تھے۔ پھر اللہ نے انہیں اپنے عرش کے گرد اگر و معین کیا۔ اور انہیں ایسا مرتبہ اور ایسی قربت عطا فرمائی جسے اللہ ہی جانتا ہے۔ اور جیسا کہ معراج کی روایتوں میں ہے۔ حضرت جبریل نے فرمایا کہ اگر میں انگلی کے پور کے برابر بھی قریب جاتا تو جل جاتا۔“ ①

یعنی شیعوں کے امام اس مقام بلند پر فائز ہیں جہاں جبریل کی رسائی بھی ممکن نہیں۔ مزید صریح لفظوں میں سنیے۔ لکھتے ہیں:

”یہ بات ہمارے مذہب کے لوازم میں سے ہے کہ ہمارے اماموں کو وہ مقام حاصل ہے، جہاں نہ کوئی مقرب فرشتہ پہنچ سکتا ہے نہ کوئی نبی اور نہ پیغمبر۔ اماموں سے ان کا یہ قول وارد ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہمارے کچھ ایسے حالات ہیں، جن کی طاقت نہ کسی مقرب فرشتے میں ہے نہ کسی نبی اور پیغمبر میں۔“ ②

آپ دیکھ سکتے ہیں کہ عینی صاحب نے نبی کریم ﷺ کو بھی مستثنیٰ نہیں کیا ہے۔ یعنی وہ بھی غالی شیعوں کی طرح اپنے اماموں کو نبی کریم ﷺ سمیت سارے نبیوں اور فرشتوں سے

افضل مانتے ہیں۔ مذکورہ بالا کتاب کے ص ۹۱ پر خمینی صاحب نے صراحت کی ہے کہ:

”ہم اماموں کے بارے میں بھول اور غفلت کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔“

(حالانکہ یہ خالص اللہ کا خاصہ ہے) ص ۹۱ پر خمینی صاحب نے یہ بھی فرمایا ہے:

”رسالت کی تکمیل ائمہ کرتے ہیں۔“

اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ خمینی صاحب ائمہ اہل بیت کے متعلق تشدد اور غالی شیعوں کی طرح اس قدر غلور کھتے ہیں کہ انہیں نبی ﷺ سمیت تمام پیغمبروں سے افضل سمجھتے ہیں۔ شیعوں کے امام اور علماء شریعت میں جو تبدیلی چاہیں کر سکتے ہیں:

قرآن اور حدیث سے ثابت ہے کہ خدائی وحی اور خدائی احکام میں ترمیم اور تبدیلی کا حق اور اختیار نبی کریم ﷺ کو بھی نہیں دیا گیا تھا۔ لیکن شیعوں نے اس بارے میں بھی بڑا غلو کیا ہے۔ معتدل مانے جانے والے شیعوں کا عقیدہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کے بعد دین حضرت علی اور ان کی اولاد کے حوالے کر دیا گیا۔ اب وہ لوگ جو کہدیں وہی دین ہے۔ ان کی کسی بات کا تعاقب اللہ اور اس کے رسول کا تعاقب ہے۔ ان کی چھوٹی بڑی کسی بھی بات کو کسی نے رد کیا تو شرک باللہ کی حد میں چلا گیا۔

غالی شیعوں نے اس پر مزید ایک رتے کا اضافہ کیا ہے کہ اماموں کو اختیار ہے کہ وحی والہام کے بغیر جو چاہیں حلال کر دیں اور جو چاہیں حرام کر دیں۔ اور وحی میں جس طرح کی تبدیلی چاہیں کر دیں۔ یعنی اللہ نے ایک چیز حرام کی ہے، امام چاہے تو حلال کر دے۔ اللہ نے حلال کی ہے، امام چاہے تو حرام کر دے۔ یہ شیعیہ یہ بھی کہتے ہیں کہ امام غائب کی روپوشی کی مدت میں ان کے نائب کی حیثیت سے شیعہ علماء یہ کام انجام دیں گے۔ اب آئیے! خمینی صاحب کے ارشادات ملاحظہ فرمائیے لکھتے ہیں۔

آئمہ کرام صرف احکام اور علوم ہی میں نہیں بلکہ سارے کے سارے معاملات میں انبیاء

کے وارث ہوں گے۔ ①

① الحکومت الاسلامیہ، ص: ۹۷۔

”ہمیں معلوم ہے کہ اماموں کے احکام دوسروں کے احکام سے مختلف ہیں۔ ہمارا مذہب یہ ہے کہ اماموں سے ان کی موجودگی میں جو احکام صادر ہوں ان پر بہر حال عمل درآمد کرنا ہے۔ اور ان کی پیروی بہر حال ضروری ہے۔ حتیٰ کہ ان کی وفات کے بعد بھی۔“^①

خمینی صاحب نے اماموں کو اللہ کی حجت قرار دیا ہے، اور اس کا مطلب یہ قرار دیا ہے۔

”اللہ کی حجت سے ہماری مراد یہ ہے کہ امام سارے معاملات میں لوگوں کا مرجع ہیں، اللہ نے انہیں مقرر کیا ہے اور لوگوں کو نفع نقصان پہنچانے والے سارے تصرف انہیں سونپ دیے ہیں۔ پس اللہ کی حجت وہی ہے جسے اللہ نے مسلمانوں کے سارے معاملات کا قیم بنا دیا ہو۔ اس کے اقوال و افعال مسلمانوں پر حجت ہوں گے اور ان کا نفاذ ضروری ہوگا۔ اور حدود قائم کرنے اور نفس وصول کرنے میں ان پر عمل درآمد نہ کرنے کی گنجائش نہیں ہوگی۔“^②

خمینی صاحب نے غالی شیعوں کی طرح اماموں کو اللہ کی حجت مطلقہ مانتے ہوئے آنکھ موند کر ان کی پیروی کا حکم دینے کے علاوہ اس بات کی بھی وضاحت کی ہے کہ امام غائب کی روپوشی کے بعد حجت کون ہے۔ اس سلسلے میں خمینی صاحب نے اپنی محولہ کتاب الحکومتہ الاسلامیہ کے ص ۶۷۷ پر امام غائب کے نائب محمد بن عثمان عمری کو دیا کہ اسے امام غائب کو پہنچا دیجیے۔ محمد بن عثمان نے یہ تحریر امام غائب کے پاس بھیج دی۔ امام غائب نے اس کا تحریری جواب خود اپنے ہاتھ سے لکھ کر اور اپنا دستخط کر کے محمد بن عثمان کے ذریعہ بھیج دیا۔ اس خیالی تحریر کا یہ ٹکڑا ملاحظہ کے لائق ہے۔

”تمہیں جو واقعات پیش آئیں تم ان کے سلسلے میں ہماری حدیث کے راویوں سے رجوع کرو۔ کیوں کہ وہ لوگ تم پر میری حجت ہیں۔ اور میں اللہ کی حجت ہوں۔ اللہ محمد بن عثمان اور اس کے والد سے راضی ہے۔ وہ میرا معتمد علیہ ہے۔

② ایضاً، ص: ۸۷۔

① الحکومتہ الاسلامیہ، ص: ۹۰۔

اس کا خط میرا خط ہے۔“

شیعوں کی اس افسانوی روایت میں جسے خمینی نے پورے ایمان و اعتماد کے ساتھ نقل کیا ہے۔ شیعہ اماموں کی حدیث کے راویوں یعنی شیعہ علماء کو حجت قرار دیا گیا ہے۔ خمینی صاحب اُس روایت پر پختہ ایمان رکھتے ہیں کہ دوسروں کو اس پر ایمان لانے کی دعوت دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

”دیکھو! امام کی روپوشی کے ابتدائی دور کا ایک سائل امام کے نائبین سے مل کر

امام کے پاس خط بھیجتا ہے۔ وہ مرجع اور فتویٰ کا سوال نہیں کرتا۔“

خلاصہ یہ کہ خمینی صاحب اماموں کے بعد شیعہ علماء کو اللہ کی حجت مانتے ہیں اور اس کو نہایت پختہ اور دائمی سمجھتے ہیں۔ چنانچہ وہ اسی محولہ کتاب کے ص ۹۱ پر لکھتے ہیں۔

”ہمارا عقیدہ ہے کہ اماموں نے جو منصب فقہاء کے لیے اب بھی محفوظ ہے۔

کیوں کہ اماموں کے بارے میں ہم بھول یا غفلت کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ ہمارا

ایمان ہے کہ وہ مسلمانوں کی ساری مصلحتوں کو پوری طرح جانتے تھے۔“

تقیہ:

تقیہ کا مطلب یہ ہے کہ دل کے اندر کچھ ہو اور ظاہر کچھ اور کیا جائے۔ یعنی درپردہ دشمنی، ظاہر میں دوستی۔ درپردہ انکار، ظاہر میں اقرار، درپردہ بغاوت، ظاہر میں اطاعت، درپردہ قتل کی کوشش اور منہ پر چپکئی چڑی تعریف اور حمایت کا اظہار۔ یہی چیز ہے جسے شریعت کی زبان میں نفاق کہتے ہیں اور اور عرف عام میں فریب اور فراڈ۔ اسی کو ہندوستانی مثل میں یوں کہا گیا ہے:

”بغل میں چھری منہ میں رام رام“

یہ تقیہ شیعہ مذہب کا اصل الاصول اور نہایت اہم بنیادی ستون ہے۔ اس تقیہ کو شیعہ مذہب میں اتنا بڑا کارثواب بتلایا گیا ہے کہ اس کے مقابل بڑی سے بڑی عبادت بیچ ہے۔ شیعوں نے اپنے اماموں سے یہ روایت کی ہے کہ ”تقیہ ہمارا اور ہمارے آباء و اجداد کا دین

ہے۔“.....”جو تقیہ نہ کرے اس کا دین ہی نہیں۔“ اس تقیہ کی اہمیت کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ شیعہ مذہب کے دس حصوں میں سے نو حصہ تقیہ ہے۔ اور ایک حصہ میں شیعہ مذہب کے باقی سارے عقائد و احکام ہیں۔

اس تقیہ کے بارے میں خمینی صاحب کا نقطہ نظر وہی ہے جو کسی غالی اور متشدد شیعہ کا ہو سکتا ہے۔ خمینی صاحب نے اس موضوع پر ایک مستقل رسالہ لکھا ہے، جن میں تقیہ کے اقسام و فضائل اور مواقع استعمال کی تفصیلات بتائی ہیں۔ اس بارے میں خمینی صاحب کے انداز فکر کی ایک دو مثالیں ملاحظہ ہوں:

(۱) شیعوں کا متفقہ فتویٰ ہے کہ ”ناصبی یعنی اہل سنت سے شیعہ مرد و عورت کا نکاح جائز نہیں۔“ لیکن اس پر خود شیعوں میں یہ سوال اٹھ کھڑا ہوا کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت عائشہ و حفصہ سے شادی کی تھی۔ اور حضرت عثمان کو اپنی دو صاحبزادیاں بیاہی تھیں۔ حالانکہ شیعوں کے بقول یہ سب ناصبی بلکہ ناصبیوں کے امام تھے۔ خمینی صاحب نے محولہ کتاب میں اس کا یہ حل بتایا ہے کہ یہ سب نکاح تقیہ کے طور پر تھے۔ (ص ۱۹۸)۔ گویا ایک شرمگاہ جو اصلاً حرام ہو تقیہ کی بنا پر حلال ہو جاتی ہے۔

شیعوں کی نگاہ میں اہل سنت سب سے بڑے کافر اور گمراہ ہیں، اس لیے ان کے پیچھے نماز درست ہونے کا کوئی امکان ہی نہیں۔ لیکن ان کے لیے مشکل یہ ہے کہ حضرت علی اور ان کی اولاد نے حضرات ابو بکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم کے پیچھے نمازیں پڑھیں۔ خمینی صاحب نے اس کا جو حل ڈھونڈا ہے، اور اس کی روشنی میں جو فتویٰ صادر فرمایا ہے وہ داد دینے کے لائق ہے۔ انہوں نے بتایا ہے کہ یہ نمازیں تقیہ کے طور پر تھیں، اور تقیہ کے طور پر (یعنی دھوکا دینے اور آنکھ میں دھول جھونکنے کی نیت سے) اپہل سنت کے پیچھے نماز پڑھی جائے تو صرف یہی نہیں کہ وہ نماز ہو جاتی ہے۔ بلکہ اس نماز کا ثواب پچیس گنا زیادہ ہو جاتا ہے۔ بلکہ یہ ایسی نماز ہوگی کہ گویا رسول اللہ ﷺ کے پیچھے پہلی صف میں پڑھی گئی۔ ①

① دیکھئے: ص: ۴۹۰، ص: ۱۹۸۔

ضمینی صاحب نے یہ نکتہ بھی واضح کیا ہے کہ اہل سنت کے ساتھ تقیہ کے طور پر رواداری برتی جائے تو یہ سب سے افضل اور محبوب ترین عبادت ہے۔ اور اس کی حکمت یہ بتلائی ہے کہ شیعہ اسی طرح سنپھل سکتے ہیں۔ اگر انہوں نے تقیہ کی خلاف ورزی کی ہوتی تو اب تک شاید وہ ختم ہو چکے ہوتے۔^①

ضمینی صاحب اسی اصول کی روشنی میں فتویٰ صادر فرماتے ہیں کہ اگر ہمارے یہاں چاند کا ثبوت نہ ہو اور سینوں کے یہاں ہو جائے اور وہ ہمارے حساب سے آٹھویں تاریخ کو عرفات میں ٹھہریں تو اگر چہ سینوں کے فیصلے ہمارے یہاں ثبوت نہیں مانا جاسکتا۔ لیکن ہمارے شیعہ حضرات تقیہ کے طور پر آٹھویں تاریخ ہی کو عرفات میں ٹھہریں۔ ان کا حج ہو جائے گا۔ اگر چہ انہیں یقین ہو کہ سینوں نے غلطی کی ہے۔^②

اسی نکتہ نظر کی بنا پر ضمنی صاحب نے ۱۴۰۰ھ میں فتویٰ صادر کیا تھا کہ شیعہ حضرات اہل سنت کے ساتھ مناسک حج ادا کریں۔

تحریف قرآن:

تمام شیعوں کا متفقہ عقیدہ ہے کہ قرآن مجید اپنی موجودہ شکل میں صحیح نہیں۔ اس میں تحریف، الٹ پھیر اور کمی بیشی کی گئی ہے۔ اس بارے میں کتاب کافی جو شیعوں کی صحیح بخاری ہے۔ اس میں اہل بیت کی بہت سی روایتیں درج ہیں ایک روایت میں صادق کی زبان سے کہوایا گیا ہے کہ جبریل نے کل سات ہزار آیات نازل کیں۔ مگر موجودہ قرآن میں چھ ہزار دوسو سٹھ آیات ہی ہیں۔ ایک اور روایت میں انہیں کی زبان سے کہلوایا گیا ہے کہ ہمارے پاس حضرت فاطمہ کا قرآن ہے جو موجودہ قرآن سے تین گنا زیادہ ہے۔ اور اس میں موجودہ قرآن کا ایک حرف بھی نہیں۔ انہیں جعفر صادق کی زبانی یہ بھی کہا گیا ہے کہ جو شخص یہ دعویٰ کرے کہ پورا قرآن جیسے نازل ہوا تھا اسی طرح جمع کیا گیا ہے، وہ بہت بڑا جھوٹا ہے۔ قرآن صرف حضرت علی اور ان کے بعد کے اماموں نے جمع اور حفظ کیا۔ شیعہ کہتے ہیں کہ اسی

② دیکھئے: ص: ۱۹۶۔

① دیکھئے: ص: ۲۰۰۔

غائب شدہ حصے میں ایک سورہ ولایت تھی جس کی ایک آیت یہ تھی:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا بِالنَّبِيِّ وَالْوَالِي الَّذِينَ بَعَثْنَا مَبْعَدِيهَا يَهْدِيَانَكُمْ

إِلَى الصِّرَاطِ الْمُسْتَقِيمِ ﴾

”اے لوگو جو نبی اور ولی پر ایمان لائے ہو جن دونوں کو ہم نے مبعوث کیا، جو

دونوں تم کو صراط مستقیم کی رہ نمائی کرتے ہیں۔“

شیعہ یہ بھی کہتے ہیں کہ الم نشرح کی سورت میں ایک آیت تھی: رَجَعْنَا عَلِيًّا
صَهْرًا۔ یعنی ہم نے علی کو تمہارا داماد بنایا۔ (دلچسپ بات یہ ہے کہ اس ”آیت“ کے گھڑنے
والے احمق کو یہ نہ سمجھ میں نہ آسکا کہ یہ سورہ الم نشرح تو مکلی ہے اور مکہ میں حضرت علی نہیں بلکہ
حضرت ابو العاص رسول اللہ ﷺ کے داماد تھے۔)

قرآن میں تحریف ثابت کرنے کے لیے ۱۲۹۲ھ میں مرزا حسین بن محمد تقی نوری طبرسی
نے ایک کتاب لکھی۔ ”فصل الخطاب فی اثبات تحریف کتاب رب الارباب۔“ اور اس میں
مختلف دور کے شیعہ علماء اور مجتہدین کے اقوال قلمبند کیے۔ چالاک شیعوں نے اصل حقیقت
بے نقاب کرنے پر مرزا حسین کو ملامت کی تو اس نے ایک اور کتاب لکھی۔ ”رد بعض الشبهات
عن فصل الخطاب۔“ بہر حال جب مرزا حسین کی موت واقع ہوئی تو اسے قرآن میں تحریف
ثابت کرنے کے کارنامے کے بدلے حضرت علی کے مقبرے کے ایک امتیازی مقام میں دفن
کیا گیا۔

تحریف کے سلسلے میں عام شیعوں کا ایک عقیدہ یہ بھی ہے کہ موجودہ قرآن کوئی دس پارہ
کم ہے۔ حضرت علی نے ایک قرآن جمع کیا تھا جس میں یہ دس پارے موجود تھے۔ یہ قرآن
اہل بیت کے پاس محفوظ تھا جسے ”ظالم حکمرانوں“ کے خوف سے چھپا رکھا گیا تھا اسے امام
غائب اپنے ساتھ لے گئے اور جب آئیں گے تو ساتھ لے کر آئیں گے۔

ضمینی صاحب صرف یہی نہیں کہ شیعوں کے ساتھ اس عقیدے میں پوری طرح متفق
ہیں۔ بلکہ انہوں نے اس خرافاتی عقیدے پر اپنی دانست میں براہین بھی قائم کیے ہیں اور

حد درجہ بد عقیدگی، غلو اور صحابہ کرام کی تذلیل و اہانت اور بغض و عداوت پر مشتمل شیعہ روایات کو اپنے اس عقیدے کی بنیاد بنایا ہے۔ (یہ روایت آگے آرہی ہیں۔) چنانچہ خمینی صاحب نے ایک کتاب تحریر فرمائی ہے: ”التعادل والترجیح“۔ یہ ۱۳۸۵ھ میں قم سے شائع ہوئی ہے۔ اس کتاب کے ص ۲۶ پر خمینی صاحب نے بھی شیعوں کے اسن جہل مرکب کو دہرایا ہے کہ سنی علماء کو شریعت کا علم شیعوں سے کم ہے۔ پھر اس کے اسباب کا تجزیہ کرتے ہوئے بتایا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے زمانے میں صرف حضرت علی اہل بیت اور چند خاص الخاص صحابہ کو احکام شریعت سیکھنے کا جذبہ و اہتمام تھا جن میں حضرت علی سرفہرست تھے۔ باقی لوگوں میں (یعنی ابو بکر و عمر اور تمام بڑے بڑے صحابہ رضی اللہ عنہم میں) سرے سے شریعت سیکھنے کا شوق و اہتمام تھا ہی نہیں۔ یہ شیعوں کے اس عقیدے کی طرف اشارہ ہے کہ یہ صحابہ محض دنیا حاصل کرنے کی غرض سے نبی کریم ﷺ کا ساتھ پکڑے ہوئے تھے۔ خمینی صاحب اس طرح کی کئی خرافات رقم فرمانے کے بعد لکھتے ہیں۔

”حاصل کلام یہ کہ رسول اللہ ﷺ نے اگرچہ سارے احکام کی تبلیغ کر دی تھی۔ یہاں تک کہ خراش کی دیت بھی بیان کر دی تھی، لیکن وہ ذات جس سے کوئی بھی حکم فوت نہ ہو سکا اور جس نے کتاب و سنت کے سارے احکام کو منضبط کیا وہ صرف امیر المؤمنین (حضرت علی علیہ السلام) ہیں۔ جبکہ باقی لوگوں سے بہت کچھ فوت ہو گیا، کیوں کہ اس کا اہتمام ان کے یہاں بہت کم تھا۔“ (ص ۲۶..... ۲۷)

”غالباً جس قرآن کو حضرت علی نے جمع کیا تھا اور لوگوں میں اس کی تبلیغ کرنا چاہتے تھے۔ یہ وہ قرآن کریم تھا جو قرآن فہمی کی تمام اندرونی خصوصیات پر مشتمل تھا اور جسے رسول اللہ ﷺ کی تعلیم سے منضبط کیا گیا تھا۔“ (ص ۲۶)

ان دونوں اقتباسات کا مطلب بالکل صاف ہے کہ دوسرے تمام شیعوں کی طرح خمینی صاحب بھی قرآن مجید کو صحیح نہیں مانتے۔ بلکہ ان کا ایمان ہے کہ قرآن میں خرد برد و تحریف اور کمی کی گئی ہے۔ مگر اس بد عقیدگی کے علاوہ خمینی صاحب کی تحریریں خرافات کا پورا ایک طوفان

بھی چھپا ہوا ہے، جس کی توضیح یہ ہے کہ عینی صاحب کی ان دونوں تحریروں میں شیعوں کی دو مشہور روایات کے مضامین کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اور ان دونوں روایات کے بعض بعض الفاظ بھی کوڈ کیے گئے ہیں۔ یہ دونوں روایات خاصی لمبی لمبی ہیں۔ ہم بقدر ضرورت حصہ نقل کر رہے ہیں۔ پہلی روایت تفسیر کاشانی مطبوعہ تہران ۱۳۷۲ھ کی ج ۱ ص ۱۵ پر اور دوسری روایت ج ۱ ص ۲۷ پر موجود ہے۔ روایتیں یہ ہیں:

(۱) طلحہ نے علی سے سوال کیا کہ میں نے آپ کو ایک مہر لگا ہوا کپڑا لے کر نکلتے دیکھا تھا۔ (وہ کیا ہے؟) علی نے جواب دیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے غسل اور تکفین و تدفین سے فارغ ہو کر پورا قرآن جمع کر ڈالا۔ ایک حرف بھی نہیں چھوڑا یہ وہی ہے طلحہ نے کہا کہ عمر نے آپ سے یہ قرآن مانگا مگر آپ نے نہیں دیا تو عمر نے لوگوں کو بلایا۔ جس آیت پر دو آدمیوں نے شہادت دی اسے لکھ لیا، اور جس پر صرف ایک ہی آدمی نے گواہی دی اسے ملتوی کر دیا، اور نہ لکھا۔ عمر کو میں نے یہ بھی کہتے ہوئے سنا کہ یمامہ میں بہت سے ایسے لوگ قتل ہو گئے جو قرآن کا کچھ ایسا حصہ پڑھتے تھے جسے کوئی اور نہیں پڑھتا تھا۔ ان کے قتل ہو جانے سے یہ حصہ جاتا رہا۔ اسی طرح ایک بکری آئی اور جو قرآن لوگ لکھ رہے تھے اس کا ایک صحیفہ کھا گئی۔ اس میں بھی جو کچھ تھا وہ ضائع ہو گیا۔ عمر اور ان کے جن جن ساتھیوں نے عہد فاروقی اور عثمانی میں قرآن لکھا وہ کہتے تھے کہ سورہ احزاب سورہ بقرہ بے براتھیں سورہ نور میں ایک سو سے زیادہ آیتیں تھیں۔ آخر یہ ماجرا کیا ہے۔؟ آپ کتاب اللہ کو منظر عام پر کیوں نہیں لاتے؟ عثمان نے عمر کی تالیف پر کتاب اللہ کو تیار کر کے لوگوں کو ایک قرأت پر جمع کر دیا ہے۔ اور ابی ابن کعب اور ابن مسعود کے مصاحف کو پھاڑا اور جلا ڈالا ہے۔

علی نے کہا: اے طلحہ ہر آیت جو اللہ عزوجل نے محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل کی اور ہر حلال و حرام یا حد یا حکم یا کوئی بھی ایسی چیز جس کی ضرورت، قیامت تک کبھی بھی اس امت کو پیش آ سکتی ہے وہ سب رسول اللہ ﷺ کے املاء اور میرے ہاتھ کی تحریر سے لکھی ہوئی ہے۔

یہاں تک کہ خراش کی دیت بھی۔ طلحہ نے کہا کہ ہر چھوٹی بڑی اور خاص و عام چیز جو ہو چکی یا جو قیامت تک ہوگی وہ آپ کے پاس لکھی ہوئی ہے؟ علی نے کہا۔ ہاں، اور اس کے علاوہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے مرض میں مجھے چپکے سے علم کے ایک ہزار دروازے بتلائے تھے۔ جن میں سے ہر دروازہ مزید ایک ہزار دروازوں کو کھولتا ہے۔ نبی ﷺ کی وفات کے بعد اگر امت میری پیروی و اطاعت کرتی تو اپنے اوپر سے اور پاؤں کے نیچے سے کھاتی.....

طلحہ نے کہا، ابو الحسن! قرآن کو منظر عام پر لانے کے متعلق آپ نے میری بات نہیں مانی۔ حضرت علی نے کہا میں نے جان بوجھ کر ایسا کیا ہے۔ یہ بتاؤ کہ عمر اور عثمان نے جو کچھ لکھا ہے وہ کل کا کل قرآن کے علاوہ بھی اس میں کچھ ہے؟۔ طلحہ نے کہا کل قرآن ہی ہے۔ علی نے کہا میرے پاس جو قرآن ہے اگر تم لوگ اس پر عمل کرو تو جہنم سے بچ جاؤ گے اور جنت میں چلے جاؤ گے کیوں کہ اس میں ہماری حجت ہے۔ ہمارے حق کا اور ہماری اطاعت کی فرضیت کا بیان ہے۔ طلحہ نے کہا اگر یہ قرآن ہے تو میرے لیے کافی ہے۔ پھر طلحہ نے کہا کہ۔ اچھا یہ بتائیے کہ آپ کے ہاتھ میں جو قرآن ہے اور اس کے مطالب اور حلال و حرام کا جو علم ہے اسے آپ اپنے بعد کسی کے حوالے کریں گے۔ علی نے کہا مجھے رسول اللہ ﷺ کا حکم ہے کہ میں اسے اپنے وصی اور اپنے بعد لوگوں کی ولایت کے سب سے زیادہ حقدار انسان یعنی اپنے بیٹے حسن کو دے دوں۔ پھر وہ میرے بیٹے حسین کو دیدیں گے۔ پھر یہ حسین کی اولاد میں یکے بعد دیگرے منتقل ہوگا، یہاں تک کہ آخری آدمی قرآن لیے ہوئے رسول اللہ ﷺ کے پاس حوض کوثر پر پہنچے گا۔ نہ یہ لوگ قرآن سے جدا ہوں۔ گم نہ قرآن ان سے جدا ہوگا۔ مگر معاویہ اور ان کا بیٹا، عثمان کے بعد امت کے والی ہوں گے پھر حکم بن ابی العاص کی اولاد سے سات افراد یکے بعد دیگرے والی ہوں گے۔ تاکہ گمراہی کے بارہ اماموں کی تعداد پوری ہو جائے۔ یہ وہی چیز ہے جو رسول اللہ ﷺ نے اپنے منبر پر دیکھی تھی کہ یہ لوگ امت کو ایڑیوں کے بل پیچھے پلٹا رہے ہیں۔ ان میں (دس) آدمی بنو امیہ کے ہیں اور دو آدمی اور ہیں جنہوں نے اس کی بنیاد رکھی تھی۔ ان (بنو امیہ کے آدمیوں) پر اور ان دونوں آدمیوں پر قیامت تک اس

امت کے اندر ہونے والے سارے گناہوں کے بوجھ کے برابر بوجھ لا داجائے گا۔
نوٹ:

اس روایت میں بنو امیہ کے دس آدمیوں میں سے دو شخص امیر معاویہ و یزید کو بتایا گیا ہے۔ سات حکم کی اولاد سے بتائے گئے ہیں یعنی مروان سے لے کر ہشام بن عبد الملک تک جن میں حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ بھی ہیں۔ یہ کل نو ہوئے۔ مزید ایک آدمی حضرت عثمان ذی النور بن ہوئے۔ پھر ان سے پہلے جن دو صاحبان کو ارتداد امت کی بنیاد رکھنے والا بتایا گیا ہے وہ حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما ہیں۔ یہ بارہ حضرات گمراہی کے امام بتائے جا رہے ہیں۔ اور قیامت تک اس امت کے اندر ہونے والے سارے گناہوں کا بوجھ ان کے سر پر لا داجا رہا ہے۔ یہ ہے وہ روایت جس پر شمعی صاحب ایک مسلمہ حقیقت کی حیثیت سے ایمان لا کر اس سے ”تحریف قرآن“ کے متعلق ”حقائق“ کا ثبوت فراہم کر رہے ہیں۔

(۲) خیراب دوسری روایت سنیں! جو تفسیر کا شانی کی ج ۱ ص ۲۷ پر ہے۔ اور اس کو ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ اس میں کہا گیا ہے کہ:

جب رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوئی تو علی علیہ السلام نے قرآن جمع کیا اور مہاجرین و انصار کے پاس لے آئے۔ کیوں کہ انہیں رسول اللہ ﷺ نے اس کی وصیت کی تھی، ابو بکر نے کھولا تو پہلے ہی صفحے پر ان لوگوں کی سیاہ کاریاں نکلیں۔ عمر کو دپڑے۔ کہا کہ اے علی! اس کو واپس لے جاؤ، ہمیں اس کی ضرورت نہیں۔ علی نے وہ قرآن لے لیا، اور واپس ہو گئے۔ پھر زید بن ثابت کو بلا لیا گیا۔ وہ قاری قرآن تھے۔ عمر نے کہا: علی علیہ السلام ہمارے پاس قرآن لائے تھے۔ (لیکن) اس میں مہاجرین و انصار کی سیاہ کاریاں تھیں۔ اس لیے ہم چاہتے ہیں کہ تم ہمارے لیے قرآن کی تالیف کر دو۔ اور اس میں مہاجرین و انصار کی جو رسوائی و پردہ دری ہے اسے نکال دو۔

زید نے اسے قبول کر لیا۔ (لیکن) یہ کہا کہ آپ لوگوں کے کہنے کے مطابق جب میں قرآن لکھ کر پورا کر دوں۔ اور علی نے جو قرآن لکھا ہے اسے وہ بھی منظر عام پر لا دیں تو کیا

آپ لوگوں کے سارے خیالات باطل نہیں ہو جائیں گے۔ عمر نے کہا تب کیا حیلہ ہونا چاہیے۔ زید نے کہا۔ آپ لوگ حیلہ زیادہ جانتے ہیں۔ عمر نے کہا، اس کے سوا اور کیا حیلہ ہو سکتا ہے کہ ہم علی کو قتل کر دیں۔ اور ان سے راحت مل جائے۔ اس کے بعد انہوں نے خالد بن ولید کے ہاتھوں علی کے قتل کی تدبیر کی لیکن اس پر قدرت نہ پاسکے۔ اس کے بعد جب عمر خلیفہ ہوئے تو علی سے مطالبہ کیا کہ قرآن ان کے حوالے کر دیں۔ مقصد تو یہ تھا کہ وہ لوگ اس قرآن میں تحریف کر دیں۔ (لیکن) عمر نے یوں کہا کہ اے ابوالحسن! اگر تم اس قرآن کو ابوبکر کے پاس لائے تھے۔ تو ہمارے پاس بھی لاؤ۔ تاکہ ہم سب اسی پر اکٹھا ہو جائیں۔ علی علیہ السلام نے کہا یہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اب اس کی کوئی راہ نہیں۔ میں اسے ابوبکر کے پاس صرف اس لیے لایا تھا کہ تمہارے خلاف حجت قائم ہو جائے۔ اور تم لوگ قیامت کے روز یہ نہ کہہ سکو کہ ہم اس سے ناواقف تھے۔ یا یہ کہ تم اس کو ہمارے پاس نہیں لائے تھے۔ میرے پاس جو قرآن ہے اسے صرف پاک لوگ اور میری اولاد میں سے میرے وصی ہی چھو سکتے ہیں۔ عمر نے کہا: تو کیا اس کے اظہار کے لیے کوئی مقررہ وقت ہے۔ علی علیہ السلام نے کہا: ہاں! جب میری اولاد میں سے اٹھنے والا اٹھے گا۔ (یعنی مہدی منتظر) تو اسے لوگوں کے لیے ظاہر کرے گا۔ اور لوگوں کو اس پر آمادہ کرے گا اور اسی کے مطابق سنت جاری ہوگی۔

نوٹ:

اس روایت میں حضرت ابوبکر و عمر اور انصار و مہاجرین رضی اللہ عنہم کو سیاہ کار، حیلہ باز۔ قرآن کا تحریف کنندہ، حضرت علی کے قتل کا خواہاں اور ایسا ناپاک بتایا گیا ہے کہ وہ قرآن چھونے کا حق نہیں رکھتے تھے۔ نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ۔

یہ ہیں وہ دونوں روایات جن پر خمینی صاحب نے تحریف قرآن کے عقیدے کی بنیاد رکھی ہے۔ اس سے ایک معمولی آدمی بھی یہ سمجھ سکتا ہے کہ خمینی صاحب کا انداز فکر کیا ہے۔



ایران کا ”اسلامی“ انقلاب (پس منظر اور ماحول)

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور اہل سنت سے اندھی عداوت اور بے پناہ جوش انتقام، شیعہ مذہب کی روح ہے۔ ہمیں دیکھنا ہے کہ یہ روح ایران کے موجودہ ”انقلابیوں“ میں کس حد تک پائی جاتی ہے، اس لیے ضروری ہے کہ اس بارے میں پہلے شیعہ مذہب کا جائزہ لیں..... پھر خمینی صاحب اور ان کے ”پاسداران انقلاب“ کے نقطہ نظر کی وضاحت کریں۔ ابو بکر و عمر و عثمان اور عام صحابہ رضی اللہ عنہم کی تکفیر اور لعنت وغیرہ:

شیعہ کتابوں میں عام صحابہ کو کافر کہا گیا ہے۔ کفر کے اس فتوے سے بمشکل سات صحابی بچ سکے ہیں۔ ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے خلاف بدزبانی اور لعنت کا وہ طوفان ہے جسے نقل کرنا مشکل ہے۔ شیعوں کا عقیدہ ہے کہ جو یہ سمجھتے ہیں کہ ابو بکر و عمر (رضی اللہ عنہما) کو اسلام سے کچھ بھی تعلق تھا، اسے سخت عذاب دیا جائے گا۔ شیعہ کتابوں میں ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کو ناپاک، ملعون، جبت، طاغوت، ظالم، غاصب، اس امت کا فرعون و ہامان، سب سے زبردست منافق، نبی ﷺ کا سب سے بزدل دشمن اور اسلام کے لیے سب سے زیادہ نقصان رساں اور ساری برائیوں کی جڑ کہا گیا ہے۔ ایک شیعہ روایت ملاحظہ ہو:

”شیطان کو جہنم کی بیڑی کے ستر طوق پہنا کر میدانِ حشر کی طرف ہانکا جائے گا۔ وہ نظر دوڑائے گا تو دیکھے گا کہ اس کے آگے ایک آدمی ہے، جسے عذاب کے فرشتے کھینچنے لے جا رہے ہیں اور اس کی گردن میں جہنم کے ایک سو بیس طوق پڑے ہوئے ہیں۔ شیطان قریب جا کر کہے گا کہ اس بد بخت نے کیا کیا تھا کہ مجھ سے بڑھ کر عذاب ہو رہا ہے۔ حالانکہ ساری مخلوق کو تو میں نے گمراہ کر رکھا تھا۔“

اور ہلاکت گاہ میں پہنچایا تھا۔ وہ شخص شیطان سے کہے گا میں نے کچھ نہیں کیا تھا
صرف علی بن طالب کی خلافت غصب کر لی تھی۔“ ①

جانتے ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے غاصب..... بقول شیعہ..... کون ہیں؟ یہ
ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما ہیں۔ نعوذ باللہ..... ظالم مصنف شیعوں کی یہ مسلمہ روایت نقل کر کے اس پر حاشیہ
لگاتا ہے کہ ”بظاہر اس شخص..... یعنی ابوبکر یا عمر رضی اللہ عنہما نے۔ خلافت غصب کرنے ہی کو..... اپنی
بدبختی اور زیادتی عذاب کا مستقل سبب سمجھا۔ اور یہ نہ جانا کہ قیامت تک دنیا میں جو کفر و نفاق
اور ظالموں اور چیرہ دستوں کا غلبہ رہا وہ بھی اسی کی کرکوت کا نتیجہ ہے۔“ ②

شیعوں کا درود یہ ہے:

”اللهم صلی علی محمد وعلی آل محمد والعن صنمی
قریش وجببتهما وطاقوتیہما وابتیہما“۔

اس کا ترجمہ یہ ہے کہ

”اے اللہ محمد اور آل محمد پر درود بھیج۔ اور قریش کے دونوں بتوں دونوں جہنوں
اور دونوں طاغوتوں..... یعنی ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما..... پر اور ان دونوں کی بیٹیوں.....
یعنی حضرت عائشہ و حفصہ رضی اللہ عنہما..... پر لعنت بھیج۔“..... نعوذ باللہ۔

کافی اور وانی میں حضرت ابوبکر اور عائشہ و حفصہ اور عام صحابہ رضی اللہ عنہم پر لعنتوں کی مار
ہے۔ شیعہ ہر نماز کے بعد ایک دعا پڑھتے ہیں، جن میں مذکورہ چاروں مقدس ہستیوں اور عام
صحابہ پر لعنت بھیجتے ہیں۔ اسی طرح وہ اپنے اماموں کی قبروں کی زیارت کرتے ہیں تو ایک
دعا پڑھتے ہیں جس میں دو راہوں سے اب تک کی پوری امت پر لعنت بھیجتے ہیں۔

کافی ۳/۳۹۱ میں لکھا ہے کہ عائشہ اور حفصہ (رضی اللہ عنہما) کافر اور منافق ہیں اور ہمیشہ ہمیشہ
کے لیے جہنم میں رہیں گی۔ اس کتاب میں (جو شیعوں کی صحیح بخاری ہے) ان دونوں امہات
المؤمنین کے بارے میں ایسے ایسے گندے الفاظ ہیں کہ شیطان کے روٹگٹے بھی گھڑے

ہو جائیں گے۔

ایک شیعہ روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کے علاوہ مزید ستر ہزار کائنات پیدا کی ہیں، ہر کائنات میں ستر ہزار امتیں ہیں۔ ہر امت کی تعداد جن وانس سے زیادہ ہے۔ ان (ساری کائنات کی ساری) امتوں کا صرف ایک ہی کام ہے کہ ابو بکر و عمر پر لعنت بھیجیں..... نعوذ باللہ..... رضی اللہ عنہما و لعن من لعنہما۔

شیعہ حضرت عمرؓ کے مجوسی قاتل کی بڑی تعظیم کرتے ہیں اسے بابا شجاع الدین کہتے ہیں اور حضرت عمرؓ کے قتل کے نام پر ۹ ربیع الاول کو عید مناتے ہیں۔^①

اور اس کو سب سے بہترین عیدوں میں شمار کرتے ہیں اور اسے مفاخرت کا دن باعظمت دن، زکوٰۃ عظمیٰ کا دن، برکت کا دن اور تسلی کا دن کہتے ہیں۔ اس سلسلے میں شیعہ مصنف نعمۃ اللہ الجزاری نے الانوار النعمانیہ ج ۱ ص ۱۰۸ میں دو روایتیں ذکر کی ہیں جن میں رسول اللہ ﷺ کی زبانی یہ پیشین گوئی گڑھی گئی ہے۔ کہ آپؐ نے اس دن کو برکت و سعادت والا دن بتاتے ہوئے فرمایا کہ اس دن اہل بیت کا دشمن اور اہل بیت کا فرعون، ہامان، ظالم غاصب، ان کے حرام کی پردہ دری کرنے والا، جب، منافق، امت میں سود پھیلانے والا، ناحق امت کا مال چھیننے والا اور غلط جگہ خرچ کرنے والا۔ اپنے کندھے پر ذلت کا کوڑا لیے پھرنے والا۔ امت کو گمراہ کرنے والا، قرآن میں تحریف کرنے والا، حضور کی اولاد کا حق غصب کرنے والا، اور آپ کو جھٹلانے والا، خیانت کوشش، دغا باز، غدار، کینہ توز وغیرہ جرائم والا سیدنا عمر (رضی اللہ عنہ) ہلاک ہوگا۔ اور حضور کی زبانی یہ بھی کہلوا یا گیا ہے کہ اللہ نے اس دن کو سارے دنوں پر فضیلت دی ہے۔ اور یہ بھی کہلوا یا گیا ہے کہ اللہ نے مجھ سے وعدہ کیا ہے، تمہارے بعد علی کا حق جو غصب کرے گا اس کی روح پر عذاب علیم کھول دوں گا۔ اور اس کو اور اس کے ساتھیوں کو جہنم کی ایسی گہرائی میں پہنچاؤں گا کہ ابلیس بھی اس پر جھانک کر لعنت کرے گا۔ اور اس منافق کو

① حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ۲۹ رذی الحج کو شہید ہوئے، مگر جو شیعوں نے اپنی عید کی مناسبت سے اس کے لیے ۹ ربیع الاول کو چنا۔

قیامت کے روز میدانِ حشر میں انبیاء کے فرعونوں اور دین کے دشمنوں کے درمیان عبرت بناؤں گا۔ اور انہیں اور ان کے ماننے والوں کو اور سارے ظالموں اور منافقوں کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں جھونک دوں گا۔

ان روایتوں میں مزید آگے چل کر اللہ کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ اے محمد! میں نے ساتوں آسمانوں کے باشندوں کو جو تمہارے شیعہ اور مجہدین ہیں حکم دیا ہے کہ میں جس دن اس ظالم کو اٹھاؤں گا اس دن عید منائیں۔ بیت معمور کے سامنے میری کرامت کی کرسی نصب کریں، میری ثنا کریں۔ اور اولاد آدم میں سے تمہارے شیعوں کے لیے استغفار کریں۔ اے محمد! میں نے کراما کاتبین کو حکم دیا ہے کہ آپ کے اور آپ کے وصی کے اعزاز کے طور پر اس دن کی خوشی میں تین دن تک مخلوق کے گناہ لکھنے سے قلم روک لیں۔ اے محمد! میں نے اس دن کو تمہارے لیے، اہل بیت کے لیے اور شیعہ مومنین کے لیے عید بنایا ہے۔ اور اپنے نفس پر اپنے عزت و جلال اور اپنی بلندی و بالا تری کی قسم کھائی ہے کہ اس دن جو شخص اپنے اہل اور قرابت داروں پر وسعت کرے گا میں اس کے مال اور عمر میں اضافہ کروں گا۔ اسے جہنم سے آزاد کروں گا۔ اس کی کوشش کی قدر کروں گا، اس کا گناہ بخش دوں گا اور اس کے اعمال قبول کروں گا۔“ الخ

یہ ہے حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما اور عام صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ شیعوں کے جوشِ عداوت کی ایک ادنیٰ سی جھلک۔ خمینی صاحب اور ان کے پاسدارانِ انقلاب اس عداوت میں اپنے پیشرووں سے ذرا بھی پیچھے نہیں ہیں بلکہ دو قدم آگے ہی ہیں۔ چنانچہ جن روایات میں ان بزرگ صحابہ کو گالیں بکئی گئی ہیں، خمینی صاحب بے دھڑک انہیں روایات پر اپنے عقائد و احکام اور دینی و مذہبی تحقیقات کی بنیاد رکھتے ہیں۔ شیعوں کے عقیدہ تحریف قرآن کے سلسلے میں پچھلے شمارے کے اندر ہم، ان دور روایتوں کو نقل کر چکے ہیں جن پر خمینی صاحب نے اس مسئلہ میں اپنی تحقیق کی بنیاد رکھی ہے اور جن کے الفاظ تک کو ”کوٹ“ کیا ہے آپ دیکھ سکتے ہیں کہ ان روایتوں میں ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کو قرآن کا تحریف کنندہ حضرت علیؑ کے حق کا غاصب اور امت میں

گمراہی کی بنیاد رکھنے والا ناپاک اور گمراہی کا نام کہا گیا ہے اور عام مہاجرین و انصار کو سیاہ کا ر بتایا گیا ہے۔ ان صحابہ کرام کے متعلق خمینی کا قول بھی گزر چکا ہے کہ انہوں نے محض دنیاوی اغراض کے لیے نبی کریم ﷺ کا ساتھ پکڑ رکھا تھا۔ خمینی صاحب نے یہ بھی لکھا ہے کہ ”سارے احکام شریعت کے خازن تو حضرت علی تھے، مگر ان احکام کا بیان صادق تک کے لیے موخر ہو گیا کہ صادق سے پہلے کے ائمہ پر اتنی مصیبتیں اور آزمائشیں آئیں کہ وہ ان احکام کو بیان کرنے کی گنجائش نہ پاسکے۔“ ①

اس کا مطلب صاف ہے کہ حضرت ابو بکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم اور دیگر مسلم حکمران خمینی صاحب کے بقول ظالم بلکہ سخت ظالم تھے۔ خمینی صاحب یہ بات صراحتاً بھی کہتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

”ہمارے ائمہ اور ان کے ماننے والے شیعہ ہر جگہ ہر دور میں ظالمانہ اقتدار کا مقابلہ کرتے رہے ہیں۔ انہوں نے ظلم سے کبھی بھی مصالحت نہیں کی۔ اسی لیے انہیں بہت کچھ ظلم و تکالیف سہنی پڑیں۔“ ②

خمینی صاحب کا نقطہ نظر یہ ہے کہ صرف شیعہ ائمہ ہی والی بننے کے حقدار تھے۔ (ایضاً: ص: ۴۷)۔ یعنی ابو بکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم والی بننے کے سرے سے حقدار ہی نہ تھے۔ خمینی صراحت کرتے ہیں کہ: ”جو شخص خود شیعوں کا امام نہ ہو یا ان کے امام کا مقرر کردہ نہ ہو وہ ظالم حکمران ہے۔“ (ایضاً: ص: ۸۷-۸۸) بلکہ خمینی صاحب کے بقول وہ طاغوت ہے اور اس سے رجوع کرنا تحاکم الی الطاغوت ہے۔ صرف شیعہ امام یا فقیہ ہی سے فیصلہ کرنا جائز ہے۔ (ایضاً: ص: ۸۸ و ۹۲) اسی لیے وہ صرف نبی ﷺ اور حضرت علی کی حکومت کو اسلامی حکومت مانتے ہیں۔ (ایضاً: ص: ۱۵۶) یعنی حضرت ابو بکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم کی حکومت اسلامی نہیں، بلکہ اسے ظالم اور غاصب قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

”شیعوں نے شروع ہی سے ایک عادل اسلامی حکومت قائم کرنے کی کوشش کی

① التعداد والترتیب، ص: ۲۷۔

② حکومت الاسلامیہ، ص: ۱۳۶۔

ہے اور چوں کہ یہ حکومت نبی ﷺ کے عہد میں اور امام علی علیہ السلام کے عہد میں وجود پذیر رہ چکی ہے۔ اس لیے ہمیں یقین ہے کہ اس کی تجدید ہو سکتی ہے لیکن ظالموں نے تاریخ کے ہر دور میں ہر پہلوں سے اسلام کی توضیح میں رکاوٹیں ڈالی ہیں۔“^①

شمینی صاحب کے اس ارشاد سے واضح ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے علاوہ تمام خلفاء اور حکمران یعنی ابو بکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم وغیرہ شمینی صاحب کی نگاہ میں ایسے ظالم تھے کہ انہوں نے ہر پہلو سے اسلام کی توضیح میں رکاوٹیں ڈالی تھیں اسی لیے شمینی صاحب ان کا انجام یہ بتاتے ہیں۔

”اللہ تعالیٰ ظالم حکمرانوں اور اسلامی تعلیمات سے منحرف حکومتوں کا حساب کتاب لے گا اور ان کی کرتوت پر ان کی گرفت کرے گا۔“^②

بلکہ مزید یہ کہ:

”اللہ تعالیٰ امیر المؤمنین حضرت علی کے ذریعہ ان لوگوں کے خلاف حجت قائم کرے گا، جنہوں نے ان سے بغاوت کی اور ان کے حکم کے خلاف کیا۔ اسی طرح وہ معاویہ اور اموی و عباسی حکمرانوں اور ان کے مددگاروں اور ہمنواؤں کے خلاف بھی حجت قائم کرے گا۔ کیوں کہ ان لوگوں نے ان کا حق غصب کیا۔ اور جس منصب کے اہل نہیں تھے اس پر قبضہ کیا۔“^③

شیعوں کی ایک اہم عید، عذیرخم کی عید ہے۔ یہ عید اس لیے منائی جاتی ہے کہ شیعوں کے بقول عذیرخم میں نبی کریم ﷺ نے حضرت علی کو اپنے بعد خلافت کے لیے نامزد کیا تھا۔ اس نامزدگی پر شمینی صاحب کا نہایت پختہ ایمان ہے اور وہ جگہ جگہ بار بار نہایت بے دھڑک انداز سے اس نامزدگی کا ذکر کرتے ہیں۔ چنانچہ شمینی صاحب لکھتے ہیں:

”نبی کریم ﷺ سے اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ کہا کہ جو شخص لوگوں پر

① ایضاً ص: ۹۰۔

② ایضاً ص: ۹۰۔

③ الحکومتہ الاسلامیہ، ص: ۱۵۶، مطبوعہ کویت۔

آپ کا خلیفہ ہوگا، اس کے بارے میں اللہ کے نازل کیے ہوئے فیصلے کو لوگوں تک پہنچادیں۔ اس فیصلہ کے مطابق آپ نے اللہ کے حکم کی پیروی کرتے ہوئے امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کو خلافت کے لیے نامزد کیا۔^①

”ہمارا عقیدہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اللہ کے حکم سے اپنا خلیفہ نامزد کیا۔“^②
 ”رسول اللہ ﷺ نے اللہ کے حکم سے ان بڑے بڑے کاموں کے لیے اپنے بعد ہونے والے خلیفہ کو نامزد کیا۔“^③

ص ۳۱ پر بتلاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے غدیر خم میں لوگوں کے مجمع کے اندر اس حکم الہی کی تبلیغ کی کہ حضرت علی امیر المومنین ہیں۔

بیجانہ ہوگا کہ غدیر خم سے متعلق وہ روایت بھی نقل کر دی جائے جس کا حوالہ ثمنینی صاحب کی تحریر میں دیا گیا ہے۔

روایت کا ابتدائی حصہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حجۃ الوداع سے واپسی میں غدیر خم کے پاس حضرت علی کا ہاتھ پکڑ کر لوگوں میں اعلان کیا کہ جس کا میں مولا (محبوب) ہوں، اس کے علی بھی مولا (محبوب) ہیں۔ اے اللہ جو علی سے محبت رکھے تو اسے محبوب رکھ اور جو ان سے دشمنی رکھے تو اسے دشمن رکھ۔ اس سے آگے کا حصہ شیعہ کتاب وانی (بحوالہ تہذیب و کافی ۲/۲۵) کی زبانی سینے۔ روایت محمد باقر سے ہے:

”جب نبی نے غدیر کے روز حضرت علی کا ہاتھ پکڑا تو شیطان نے اپنے لشکر میں اتنے زور کی چیخ ماری کہ سمندر اور خشکی کے اندر جو کوئی شیطان بھی تھا وہاں حاضر ہو گیا۔ اور بولا۔ کیا آفت ٹوٹ پڑی ہے؟ اس سے زیادہ آپ کی وحشت ناک چیخ تو ہم نے کبھی نہ سنی تھی، اس نے کہا ہاں۔ اس نبی نے ایک ایسا کام کیا ہے کہ اگر وہ پایہ تکمیل کو پہنچ گیا تو کبھی بھی اللہ کی نافرمانی نہ کی جائے گی۔ شیطانوں نے کہا۔ حضور والا۔ آپ نے تو آدم کے پیچھے پڑ کر اسے بھی گمراہ کر دیا تھا۔ (یعنی

① ص ۲۵۔

② ص ۲۰۔

③ حکومت الاسلامیہ، ص ۲۲۔

اب کچھ کر دکھائے) پھر جب منافق (یعنی عام صحابہ کرام) نے کہا کہ یہ (نبی) تو اپنی خواہش نفسانی کے تحت بول رہے ہیں۔ اور دونوں میں سے ایک نے اپنے ساتھی سے (یعنی ابوبکر نے عمر سے) کہا۔ اجی اس (نبی) کی دو آنکھیں دیکھو، اس کے سر میں اس طرح گھوم رہی ہیں گویا یہ پاگل ہے۔ تب شیطان نے خوشی سے ناچتے ہوئے چیخ لگائی۔ اپنے اولیاء کو جمع کیا، اور کہا تم لوگوں نے کہا تھا کہ میں نے اس سے پہلے آدم کو ٹھکانے لگایا تھا۔ انہوں نے کہا ہاں! ابلیس نے کہا آدم نے عہد تو توڑا تھا۔ لیکن رب کے ساتھ کفر نہیں کیا تھا، لیکن ان لوگوں نے تو عہد بھی توڑ دیا اور رسول کے ساتھ کفر کیا۔ اپنی جھنڈیوں میں بیٹھا اور اپنی پیادہ اور سوار فوجوں کو جمع کیا اور ان سے کہا کہ ناچو گاؤ۔ اب اللہ کی عبادت کبھی نہیں کی جائے گی۔ یہاں تک کہ امام آجائے۔ پھر باقر نے یہ آیت تلاوت کی:

﴿وَلَقَدْ صَدَقَ عَلَيْهِمْ إِبْلِيسَ ظَنَّهُ فَاتَّبَعُوهُ إِلَّا فَرِيقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ﴾^۱
 ”ابلیس نے ان پر اپنا گمان سچ کر دکھایا، پس انہوں نے ابلیس کی پیروی کی۔ سوائے اہل ایمان کے ایک گروہ کے۔“

باقر کہتے ہیں کہ اس آیت کا مطلب اس وقت کھلا جب نبی کی وفات ہوگئی۔ ابلیس کے گمان کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے نبی کے بارے میں کہا کہ وہ اپنی خواہش سے بولتے ہیں، یہی ابلیس کے ظن کی تصدیق ہے۔ سلمان حضرت علی سے روایت کرتے ہیں، سب سے پہلے ابوبکر سے ابلیس نے بیعت کی۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا تھا کہ میرے اس ممنبر پر سب سے پہلے ابوبکر سے ابلیس بیعت کرے گا۔^۱

صادق کا بیان ہے کہ سوہ نور کی آیت:

﴿وَإِنْ يَكَادُ الَّذِينَ كَفَرُوا لِيُزْلِقُونَكَ بِأَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ
 وَيَقُولُونَ إِنَّهُ لَمَجْنُونٌ﴾^۱

”کافر لوگ جب کلام نصیحت سنتے ہیں تو ایسی نگاہوں سے دیکھتے ہیں کہ گویا تمہیں پھسلادیں گے۔ اور کہتے ہیں یہ تو پاگل ہے۔ صادق کہتے ہیں کہ یہ ابو بکر و عمر کے بارے میں نازل ہوئی جب انہوں نے غدیر کے دن یہ کہا کہ اس (نبی کی دونوں آنکھوں کو دیکھو۔ یہ اس طرح گھوم رہی ہیں گویا یہ پاگل ہے۔“^①

یہ بے غدیر خم کے واقعہ کا وہ پہلوئے لطیف جس پر خمینی صاحب نے ایمان لاکر حضرت علی کی نامزدگی کا دعویٰ کیا ہے اور جس کی بنیاد پر حضرت ابو بکر و عمر اور عام صحابہ کو ظالم و غاصب کہا ہے۔ (بقول شیعہ)

شیعوں کا عقیدہ ہے کہ حسن عسکری کے جو صاحبزادے سامراء کے تہ خانے میں ۲۶۰ھ میں غائب ہو گئے تھے وہی آخری زمانہ میں امام مہدی قائم الزماں بن کر ظاہر ہوں گے اور ظالموں سے انتقام لیں گے۔ خمینی صاحب اس خرافات پر بڑا پر جوش ایمان رکھتے ہیں اور اس کے بیان میں انہوں نے اپنی کتاب الحکومتہ الاسلامیہ کے دو صفحات ص ۶۷، ۷۷، ۷۸ سیاہ کیے ہیں۔ اور بھی جگہ جگہ اس کا تذکرہ کیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔

”ہمارے امام مہدی کی روپوشی پر ایک ہزار سال سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہے اور مزید ہزاروں سال اس وقت کے آنے سے پہلے گزر سکتے ہیں جب مصلحت کا تقاضا یہ ہو کہ ان کی تشریف آوری ہو۔“^②

خمینی صاحب کی تحریروں سے ہم بتلا چکے ہیں کہ وہ حضرت علی اور ان کی نسل کے شیعہ اماموں اور ان کے نامزد رکھے ہوئے شیعہ علماء اور شیعہ حکمرانوں کے علاوہ سب کو ظالم سمجھتے ہیں۔ یعنی خمینی صاحب کی نظر میں ابو بکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم اور ان کی حکمرانی کو تسلیم کرنے والے تمام صحابہ و تابعین ظالم ہیں اور ظالموں سے انتقام لینا امام غائب کی آمد کا خاص مقصد اور مشن ہے، اس لیے خمینی صاحب شیعوں کو لٹکا رہے ہیں۔

”امام الزماں کے لیے اپنی امام بندی کر لو تا کہ پوری روئے زمین پر عدل و

② ص ۲۶، نیز دیکھئے: ص ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱

انصاف پھیلا سکو۔“ ۱۰ جیسے یہودی دجال کے آنے کی تیاری کر رہے ہیں۔ آپ حیران ہوں گے کہ کوئی ڈیڑھ ہزار سال پہلے انتقال کیے ہوئے لوگوں سے آج کے شیعہ یا آئندہ پیدا ہونے والے شیعہ اور آئندہ آنے والے امام کیسے انتقام لیں گے۔؟ ہم اس سلسلے میں شیعوں کے اصل عقیدے اور ان کی اصل روایت سے پردہ اٹھا کر آپ کی حیرانی دور کیے دیتے ہیں۔

شیعوں کا عقیدہ یہ ہے کہ جب ان کے امام غائب ظاہر ہوں گے تو اللہ تعالیٰ نبی ﷺ کے بعد ان امام غائب کے ظہور تک مسلمانوں کے سارے حکمرانوں کو زندہ کرے گا۔ آگے آگے جنت اور طاعت (یعنی ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما) ہوں گے۔ امام غائب ان سب کے خلاف عدالت قائم کریں گے کہ انہوں نے ان کے آباء و اجداد سے حکومت غصب کی تھی۔ پھر پانچ سو آدمیوں کو ایک ایک ساتھ قتل کریں گے۔ یہاں تک کہ سارے دور کے حکمرانوں اور ان کے مقربین کو ملا کر تین ہزار کی تعداد پوری ہو جائے گی۔ اس کو شیعہ رجعت کہتے ہیں اور اس میں کسی شیعہ کو کوئی ادنیٰ سا شبہ بھی نہیں ہے۔ اس سلسلے میں جعفر صادق کے نام پر گھڑی گئی روایت یہ ہے۔

جب آل محمد میں سے قائم ہونے والا قائم ہوگا تو قریش کے پانچ سو آدمیوں کو کھڑا کر کے ان کی گردن مارے گا۔ پھر دوسرے پانچ سو کو۔ چھ بار! ایسا ہی کرے گا۔ راوی کہتا ہے: میں نے کہا بھلا ان لوگوں کی تعداد اتنی ہو جائے گی؟ جعفر صادق نے کہا۔ وہ اور ان کے حواریوں کو ملا کر (یہ تعداد ہو جائے گی۔)

ایک روایت میں ارشاد ہے کہ جب قائم الزماں اٹھیں گے تو ساری اسلامی مساجد (یعنی سنیوں کی مساجد) کو ڈھادیں گے۔ جن میں مدینہ کی مسجد نبوی بھی شامل ہے۔ اور نبی کریم ﷺ کا حجرہ ڈھادیں گے۔ اور ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کی قبر کو اکھیڑیں گے اور ان دونوں کو نکالیں گے، وہ دونوں زندہ اور تازہ بتازہ نکلیں گے۔ پھر ان دونوں کو ایک سولی پر سولی دے کر دونوں کو آگ

میں جلادیں گے۔^①

کیونکہ انسان نے آدم ﷺ سے لے کر قیامت تک جتنے ظلم، جرائم اور گناہ کیے ہیں وہ انہیں دونوں کی وجہ سے ہوئے ہیں۔ اور ان سب کا سارا بوجھ بھی انہیں دونوں پر ہوگا۔ یہ ہے ظلم مٹانے اور ظالموں سے بدلہ لینے کا وہ کارنامہ عظیم جس کے لیے قائم الزماں ”امام غائب“ تشریف لائیں گے۔ اور جس کی تیاری کے لیے خمینی صاحب ابھی سے شیعوں کو عام امام بندی کا حکم دے رہے ہیں۔ کیونکہ اس کارنامہ عظیم کو انجام دینے کے لیے اُس دور کے شیعے کافی نہ ہو سکیں گے۔ چنانچہ ایک شیعہ روایت میں ارشاد ہے کہ دس محرم کو امام غائب حجر اسود اور مقام ابراہیم کے درمیان کھڑے ہوں گے۔ جبریل ان کے داہنے ہوں گے۔ پکاریں گے اللہ کے لیے بیعت کو چلو۔ اس پر روئے زمین کے اطراف سے شیعے چل پڑیں گے۔ زمین ان کے لیے پلیٹ دی جائے گی۔ اور وہ مہدی سے بیعت کریں گے۔ پھر وہ کوفہ آ کر نجف میں اتریں گے اور وہاں سے شہروں میں لشکر بھیجیں گے۔ اور اتنا بڑا لشکر فراہم کیسے ہوگا؟ اس کے متعلق ایک روایت میں ارشاد ہے کہ جب امام غائب کی آمد کا وقت آ جائے گا تو ایک ایسی بارش ہوگی جس کی مثال مخلوق نے نہ دیکھی ہوگی۔ اس سے (شیعہ) مومنین کے گوشتوں اور جسموں کو اللہ تعالیٰ اگائے گا اور وہ قبروں سے نکل کر مٹی جھاڑتے ہوئے امام غائب کی طرف دوڑیں گے۔

یہ ہے ”ظالموں“ سے انتقام لینے کی شیعہ روایتوں کا خلاصہ۔ خمینی صاحب شیعہ فقیہ ہونے کی حیثیت سے امام کی روپوشی کے دور میں ان کے نائب ہیں۔ اور انہوں نے خود اپنے لیے نائب مہدی ہونے کا بار بار اعلان کیا ہے۔ اس لیے مہدی جس کام کو بہت بڑے پیمانے پر انجام دیں گے، خمینی صاحب اس کام کو معمولی پیمانے پر انجام دے رہے ہیں۔ جس کی برکت سے ایران میں خون کی ندیاں بہ رہی ہیں۔ اس سے خمینی کی خونخوار ذہنیت کا کسی قدر اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

① مشہور شیعہ مصنف سید مرتضیٰ نے اپنی کتاب ”المسائل الناصریہ“ میں لکھا ہے کہ یہ سولی ایک تروتازہ درخت پر دی جائے گی، لیکن سولی دینے سے یہ درخت خشک ہو جائے گا۔ نعوذ باللہ۔

ایران کا ”اسلامی“ انقلاب خمینی کی سنت دشمن خونخوار ذہنیت

پچھلے شمارے میں بتایا جا چکا ہے کہ حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما اور عام صحابہ کرام سے عداوت اور ان کی تکفیر و لعنت، شیعہ مذہب کی روح ہے اور یہی عقیدہ خمینی صاحب اور ان کے پاسداران انقلاب کا بھی ہے۔ چوں کہ شروع سے اب تک غیر شیعہ مسلمان ان صحابہ کرام کو صرف یہی نہیں کہ مسلمان بلکہ پوری امت کا عطر انسانیت کا نچوڑ اور انبیاء کے علاوہ سارے بشر سے افضل اور جنت کا سب سے زیادہ حقدار مانتے ہیں۔ اور انشاء اللہ قیامت تک مانتے رہیں گے۔ اس لیے جو مسلمان شیعہ نہیں ہیں وہ شیعوں کی نگاہ میں پیدائشی نجس، جہنمی اور گردن زدنی ہیں۔ اور ان سے عداوت و انتقام شیعہ مذہب کی روح اور شیعوں کا سب سے اہم اور بنیادی فرض ہے، اور خمینی صاحب اس فرض کی ادائیگی میں اس قدر پُر جوش ہیں کہ سنی مسلمانوں کے قتل عام کو وہ اسلام کی جلیل القدر خدمت تصور کرتے ہیں۔ (تفصیل آگے آرہی ہے) پہلے چند شیعہ روایات ملاحظہ ہوں:

شیعہ سنی کا پیدائشی فرق:

وانی باب ۱۰۸ میں صادق سے مروی ہے کہ اللہ نے اپنی عظمت کے نور سے ہماری روہیں پیدا کیں۔ پھر عرش کے نیچے بحفاظت رکھی ہوئی ایک مٹی سے ہمارے جسم پیدا کیے۔ لہذا ہم نورانی مخلوق ہیں۔ جس چیز سے اللہ نے ہمیں پیدا کیا اس میں کسی اور کے لیے کوئی حصہ نہیں بنایا۔ پھر اللہ نے ہمارے شیعوں کی روح ہماری مٹی سے پیدا کی اور شیعوں کے جسم ایک ایسی مٹی سے پیدا کیے جو ہماری اس مٹی کے نیچے بحفاظت رکھی ہوئی تھی۔ اور جس چیز سے اللہ نے شیعوں کو پیدا کیا اس میں انبیاء کے علاوہ کسی اور کے لیے کوئی حصہ نہیں بنایا۔ (یعنی شیعہ

عوام کی پیدائش کا خمیر اتنا افضل ہے کہ انبیاء کے علاوہ کسی اور کو نصیب نہ ہو سکا۔ لاحول ولا قوہ۔ (بہر حال آگے سینے۔ صادق کہتے ہیں۔) اسی لیے ہم اور ہمارے شیعہ تو انسان ہیں لیکن باقی لوگ ایسی گندگی ہیں جو جہنم کے لیے ہے اور جہنم میں جائے گی۔

صادق سے ایک اور شیعہ روایت کے الفاظ یہ ہیں: اللہ نے ہمیں علیین سے پیدا کیا۔ اور ہماری روح کو اس کے اوپر سے یعنی عالم جبروت سے پیدا کیا اور ہمارے شیعوں کی روح کو علیین سے پیدا کیا۔ اور ان کے جسم کو اس کے نیچے سے پیدا کیا۔ اسی قرابت کی وجہ سے۔ یعنی چونکہ شیعہ اماموں کے جسم اور شیعہ عوام کی روحیں علیین سے پیدا ہیں، اس لیے اس تعلق کی وجہ سے۔ شیعوں کے دل ہمارے لیے یقیناً رہتے ہیں۔^①

یہ تو پیدائش والے خمیر کی بات ہوئی، اب پیدائش کے وقت کی بات سنئے۔

وفی ۱۳/۱ (بخار الانوار عن الکافی) میں جعفر صادق کی طرف منسوب ایک روایت سینے! ان کا ارشاد ہے کہ جب کوئی بچہ پیدا ہوتا ہے تو وہاں ابلیسوں میں سے ایک ابلیس موجود ہوتا ہے۔ اللہ کے علم میں اگر وہ بچہ شیعہ ہونے والا ہے تو اللہ سے شیطان سے بچا لیتا ہے اور اگر وہ شیعہ نہیں ہونے والا ہے تو شیطان اس کی دبر میں انگلی ڈال دیتا ہے اور وہ مابون..... یعنی بدکاری کیا ہوا..... ہو جاتا ہے۔ اور اگر لڑکی ہے تو اس کی شرمگاہ میں انگلی ڈال دیتا ہے اور وہ حرام کار ہو جاتی ہے۔ نعوذ باللہ

باقی رہا یہ سوال کہ اس بارے میں نعمینی صاحب کا عقیدہ کیا ہے تو اگر ان کا کوئی ارشاد موجود نہ ہوتا تب بھی ان کا عقیدہ یہی سمجھا جاتا۔ کیوں کہ یہ شیعوں کی صحیح بخاری کے درجے کی کتاب کی روایت ہے۔ لیکن خوش قسمتی یا بد قسمتی سے ان کے ارشادات بھی موجود ہیں۔ جن میں سے کئی ایک کو ہم پہلے نقل کر چکے ہیں۔ مثلاً نعمینی صاحب لکھتے ہیں:

”آئمہ کو وہ مقام حاصل ہے جہاں نہ کوئی مقرب فرشتہ پہنچ سکتا ہے نہ نبی و

① معلوم نہیں جو شخص شیعہ کے نطفے سے پیدا ہو کر سنی ہو جاتا ہے یا سنی کے نطفے سے پیدا ہو کر شیعہ ہو جاتا ہے، اس کے متعلق شیعہ حضرات ان دونوں روایتوں کی کیا توجیہ کرتے ہیں۔

پینمبر۔“ ①

اس کائنات سے پہلے ائمہ نور تھے۔ پھر اللہ نے انہیں اپنے عرش کے گرد اگر دمعیں کیا اور انہیں ایسا مرتبہ اور ایسی قربت عطا فرمائی جسے اللہ ہی جانتا ہے۔ ②

فہم قرآن میں شیعہ امام مولوں اور دوسرے لوگوں کے درمیان فرق کے اسباب بیان کرتے ہوئے شمینی صاحب نے لکھا ہے کہ ائمہ تمام کمالات کے علاوہ فہم قرآن میں بھی تمام لوگوں سے ممتاز تھے اور یہ ان کا ذاتی امتیاز تھا۔ ③

اسی کتاب کے ص ۲۶ پر شمینی صاحب نے کاشانی کی اس روایت کے الفاظ کوٹ کیے ہیں جس میں یہ مذکور ہے کہ حضرت عمر نے حضرت علی سے ان کا جمع کیا ہوا قرآن مانگا تو حضرت علی نے یہ جواب دیا:

”ان القرآن الذی عندی لا یمسہ الا المطہرون الا وصیاء من ولدی۔“

”میرے پاس جو قرآن ہے اسے صرف پاک لوگ چھو سکتے ہیں اور میری اولاد میں سے میرے وصی چھو سکتے ہیں۔“

جمع قرآن کے متعلق شمینی صاحب کا عقیدہ اسی روایت پر ہے۔ اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ وہ حضرت عمر اور سارے صحابہ کو ناپاک سمجھتے ہیں اور ان کی نگاہ میں صرف شیعہ ہی پاک ہیں۔ کیا یہ بعینہ وہی بات نہیں ہے جسے ابتداء میں ہم نے نقل کیا ہے۔ خیر آگے سنئے!

سنی کافروں سے بھی بدتر:

تابعین کا دور صحابہ کے بعد اسلام کا سب سے تابناک اور سنہرا دور تھا۔ اعمال صالح کی گھما گھمی اور علوم شریعت کی گرم بازاری تھی مکہ اور مدینہ اہم مراکز تھے۔ اس دور کے بارے میں جعفر صادق کی طرف منسوب ایک روایت سنئے:

② ایضاً ص: ۵۲۔

① الحکومتہ الاسلامیہ، ص: ۵۲۔

③ دیکھئے: التعادل والتزجیح، ص: ۲۷۔

”محمد بن مسلم کا بیان ہے کہ میں نے صادق سے کہا: میں مکہ چلا جاؤں؟ کہا نہ جاؤ، مکہ والے اللہ کے ساتھ کھلم کھلا کفر کرتے ہیں۔ میں نے پوچھا: حرم نبوی (یعنی مدینہ) چلا جاؤں؟ کہا یہ لوگ مکہ والوں سے بھی زیادہ بدتر ہیں۔ اور ہمارے مخالفین سارے کافروں سے زیادہ برے ہیں۔ ان پر اللہ کی لعنت ہو اور

ان کے اسلاف پر بھی لعنت ہو۔“^①

سنی ساری نیکیوں کے باوجود جنہمی اور شیعہ ہر برائی کے باوجود جنتی:

کافی اور دانی میں باقر سے یہ روایت کی گئی ہے کہ اللہ فرماتا ہے۔ اسلام کی جو رعیت کسی ظالم امام کی تابعدار ہوگی میں اسے عذاب دوں گا۔ اور حیا نہیں کروں گا۔ اگرچہ وہ رعیت اپنے تمام اعمال میں نکو کار اور تقویٰ شعار رہی ہو اور اسلام کی جو رعیت خدا کے کسی عادل امام کی تابعدار ہوگی، میں اسے معاف کر دوں گا اور حیا نہیں کروں گا اگرچہ وہ رعیت ظالم اور بدکار رہی ہو۔

باقر کہتے ہیں کہ امت (یعنی اہل سنت ہیں اگرچہ امانت، سچائی اور وفاداری ہو لیکن وہ ولایت کا انکار کرنے یعنی شیعہ اماموں کو اپنا امام نہ ماننے) کی وجہ سے کافر ہے۔ اور شیعہ میں اگرچہ کچھ دینداری نہ ہوگی مگر اس پر کوئی عتاب نہیں۔ کیوں کہ وہ امام عادل کا تابعدار ہے۔

شیعوں کے لیے سنیوں کا مال ہڑپ کر لینا حلال ہے:

تہذیب ۲/۱۱۶۲ میں صادق کا یہ قول مروی ہے کہ ناصبی (یعنی جو ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کو حق پر مانے، اس کا مال جہاں پاؤ لے لو۔ اور ہمیں اس کا خنس ”یعنی پانچواں حصہ“ ادا کرو۔ (واضح رہے کہ خنس کافر سے جنگ میں حاصل کیے ہوئے مال پر دیا جاتا ہے۔)

کوئی سنی شہید نہیں:

دانی ۲/۳۵۲ میں مروی ہے کہ غیر شیعہ حکمرانوں کے ماتحت جہاد کرنا مردار اور سوری طرح حرام ہے۔ شیعہ کے علاوہ کوئی شہید نہیں ہوتا۔ اور شیعہ اپنے بستر پر مرے تب بھی شہید

① کافی ۱۵/۲۰۳۹۶، ۲۰۳۔

ہے۔ اور شیعوں کے علاوہ جو لوگ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں وہ جہنم میں جانے کے لیے جلدی کر رہے ہیں۔

سارے سنی گردن زدنی:

باقر کہتے ہیں اگر یہ خطرہ نہ ہوتا کہ ان (اہل سنت کے ایک لاکھ آدمی کے بدلے تمہارا (یعنی شیعوں کا) ایک آدمی مارا جائے گا تو میں ان سب کو قتل کرنے کا حکم دے دیتا۔ مگر تمہارا ایک آدمی ان کے ایک لاکھ آدمیوں سے بہتر ہے۔

یہ ہے شیعہ مذہب سنیوں سے عداوت کی تعلیم کا ایک مختصر سا خاکہ۔ ضمنی صاحب اس تعلیم کے سانچے میں پوری طرح ڈھلے ہوئے ہیں اسی لیے وہ ہر ہر قدم پر سنیوں کی مخالفت کو ضروری اور ان کے قتل کو اسلام کی خدمت سمجھتے ہیں۔ ان کی ذہنیت کے چند نمونے ملاحظہ ہوں۔

ضمینی صاحب نے اپنے راسلہ التعادل والترجیح کے ص ۸۰ سے ۸۲ تک اس مسئلے پر بحث کی ہے کہ اگر کسی شیعہ امام سے ایک ہی مسئلہ میں دو ایسی حدیثیں مروی ہوں جن میں سے ہر ایک دوسرے کے مخالف ہو تو کس حدیث کو مانیں اور کس کو چھوڑیں۔؟۔ ضمنی صاحب نے تفصیلی بحث کے بعد ص ۸۲ پر فیصلہ صادر کیا ہے کہ جو حدیث اہل سنت کے خلاف ہو اس کو لے لیں گے اور جو ان کے موافق ہو اسے چھوڑ دیں گے۔ اور چھوڑنے کی وجہ صرف یہ ہے کہ وہ سنیوں کے موافق ہے۔

ضمینی صاحب نے اسی صفحہ پر مذکورہ مسئلے کے فوراً بعد اس سے بھی زیادہ عجیب و غریب مسئلہ بیان فرمایا ہے کہ اگر کسی شہر میں کسی شیعہ آدمی کو کوئی مسئلہ درپیش ہو اور اسے کوئی شیعہ عالم نہ ملتا ہو جس سے وہ فتویٰ پوچھ سکے تو اسے چاہیے کہ وہ سنی عالم سے جا کر فتویٰ پوچھ لے اور سنی عالم اسے جو فتویٰ بتائے اس کا اٹنا کرے۔ (یعنی اس صورت میں اگر اس شیعہ کا عمل غلط بھی ہو تو کم از کم سنیوں کی مخالفت کا ثواب تو اسے مل ہی جائے گا۔)

ضمینی صاحب نے اسی صفحہ پر یہ بھی بتایا کہ شیعہ اماموں کے جو فتاویٰ اہل سنت کے

موافق نظر آتے ہیں وہ سب تقیہ کے طور پر تھے۔

ص ۸۳ پر خمینی صاحب نے دو ایسی روایتیں نقل کی ہیں جس میں کہا گیا ہے کہ جو شیعہ اہل سنت کا مخالف نہ ہو وہ شیعہ نہیں اور اس کے بعد پھر ایک روایت نقل کی ہے کہ اہل سنت جس چیز پر متوجہ ہوں، اس سے بچو۔ اور اس سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ اہل سنت کا کسی چیز پر متوجہ ہونا اس کے باطل ہونے کی دلیل ہے۔ آگے ص ۹۱ پر بھی یہی بات دہرائی ہے کہ اہل سنت کی مخالفت بھی فتوے اور حدیث کی ترجیح کی ایک بنیاد ہے۔

ہم یہ بتا چکے ہیں کہ شیعہ مذہب کی رو سے شیعہ عورت یا مرد کا نکاح سنی مرد یا عورت سے حلال نہیں۔ اس سلسلے کی ایک روایت میں یہ آیت بھی درج ہے:

﴿فَلَا تَزْجَعُوهُنَّ إِلَى الْكُفَّارِ لَأَهُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّونَ لَهُنَّ﴾

”انہیں (یعنی شیعہ عورت کو) کفار (یعنی سنیوں) کی طرف نہ پلٹاؤ۔ نہ یہ عورتیں ان

کے لیے حلال ہیں، نہ وہ (مرد) کے لیے حلال ہیں۔“

خمینی صاحب بھی اس مسئلے پر صا در کرتے ہیں۔ اور حضرت عائشہ و حفصہ رضی اللہ عنہما سے نبی ﷺ کے نکاح کی تاویل کرتے ہیں کہ یہ بطور تقیہ تھا۔ دیکھیے خمینی صاحب کا رسالہ التقیہ ص ۱۹۸۔ اسی طرح اہل سنت کے پیچھے نماز درست نہیں سمجھتے۔ مگر تقیہ کے طور یعنی سنیوں کو دھوکہ دینے کے لیے تو اس کا اس قدر ثواب ہے کہ گویا نبی ﷺ کے پیچھے پہلی صف میں نماز پڑھی۔^①

اب تک کی تفصیلات سے اس بات میں شک و شبہ کی کوئی ادنیٰ سی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی کہ اہل سنت سے بے لاگ اور اندھی بہری عداوت و دشمنی شیعہ مذہب اور خمینی صاحب کے خمیر میں داخل ہے۔ اس عداوت کے نتیجے میں خمینی صاحب کی دہنیت اس قدر خونخوار بن چکی ہے کہ وہ اہل سنت کے قتل عام کو ایک مقدس دینی فریضہ اور اسلام کی جلیل القدر خدمت تصور کرتے ہیں۔ چنانچہ ایک طرف تو ابو بکر و عمر سے لے کر ہارون رشید تک بلکہ اس کے بعد کے تمام بڑے بڑے اسلامی فاتحین اور حکمران خمینی صاحب کی نگاہ میں کندہ ناتراش نا اہل

① ایضاً ص: ۱۹۸، ۱۹۹۔

لیاقت سے محروم مظالم چیرہ دست اور طاغوت تھے۔ اور یہ سب عذاب الہی کے مستحق ہیں۔^① اور دوسری طرف تاریخ کے وہ چیرہ دست دغا باز ظالم شیعہ جنہوں نے اہل سنت کے خون کی ندیاں بہو ادیں وہ خمینی صاحب کی نظر میں اسلام کے جلیل القدر خادم اور رحمت الہی کے مستحق ہیں۔ چنانچہ خمینی صاحب نے طوسی اور قداح کی بڑی تعریف کی ہے، طوسی کے بارے میں لکھتے ہیں۔

”خواجہ نصیر الدین طوسی اور ان جیسی ہستیاں جنہوں نے اسلام کی جلیل القدر

خدمات انجام دیں ان کی موت کو لوگ خسارہ محسوس کرتے ہیں۔“

طوسی کی جلیل القدر ”اسلامی خدمات“ کیا تھیں، اس سے خمینی صاحب نے خود ہی پردہ

ہٹایا ہے، چنانچہ وہ تقیہ کی ضرورت کے مواقع بتلاتے ہوئے لکھتے ہیں۔ کہ

”اگر محض طاہری طور (ظالموں کی حکومت میں) شامل ہونے سے اسلام اور

مسلمانوں کی حقیقی مدد ہو سکتی ہے تو ایسے موقع پر تقیہ درست ہے جیسا کہ علی بن

بقلین اور نصیر الدین طوسی رحمۃ اللہ علیہما شامل ہوئے تھے۔“^②

نصیر طوسی دکھاوے کے لیے کس ”ظالم حکومت“ میں شامل ہوا اور اس نے اسلام

اور مسلمانوں کی کون سی حقیقی مدد کی اسے تاریخ کا ہر طالب علم جانتا ہے۔ اس لیے چند سطروں

میں صرف سرسری اشارہ کیا جا رہا ہے۔

نصیر الدین طوسی ایک نہایت کینہ توز اور مکار شیعہ تھا۔ اس نے بغداد کے خلیفۃ المسلمین

کی تعریف میں قصیدے کہہ کہہ کر وزارت کا منصب حاصل کیا۔ ادھر وزارتِ عظمیٰ پر ایک مکار

شیعہ موید الدین علقمی فائز تھا۔ ان دونوں نے اہل سنت کے قتل عام اور عباسی خلافت کے

خاتمے کی ایک متفقہ سازش رچی۔ نہایت چابکدستی کے ساتھ فوج کی تعداد انتہائی کم کر دی۔

حکومت کے کلیدی مناصب پر اپنے گروگوں کو متعین کر کے بغداد کو تاریوں کے لیے لقمہ تر بنا دیا

پھر اسی سازش کے تحت نصیر طوسی بغداد چھوڑ کر ۶۵۵ھ میں تاتاری حکمران ہلاکو خاں کا مصاحب

② ایضاً، ص: ۱۳۲۔

① دیکھئے: خمینی صاحب کی حکومت الاسلامیہ، ص: ۳۳، ۱۳۶، ۱۳۸، ۱۳۹۔

بن گیا۔ علقمی سے نامہ و پیام جاری رہا، اور دونوں نے ہلاکو خان کو بغداد پر حملہ آور ہونے کی دعوت و ترغیب دی۔

تاتاری وہم پرست تھے، ان کا عقیدہ تھا کہ بغداد کی حکومت پر خدا کا سایہ ہے۔ اس لیے اگر خلیفہ پر کوئی ظلم کیا گیا تو ہم پر کوئی آسمانی آفت ٹوٹ پڑے گی۔ اس لیے وہ سرحد عراق تک پہنچ جانے کے باوجود بغداد پر حملہ آور ہونے کے لیے تیار نہ تھے، لیکن علقمی کی مسلسل دعوتوں اور طوسی کی مسلسل ترغیب و پیشین گوئی سے اور یہ اطمینان دلانے سے کہ ان پر کوئی آسمانی آفت نہیں آئے گی، تاتاری بغداد پر حملہ آور ہو گئے اور پھر جو قیامت برپا ہوئی وہ سب کو معلوم ہے۔ طوسی ہلاکو کے ساتھ ساتھ تھا، اسے راستے، نقشے اور نشیب و فراز بتلاتا اور مناسب مشورے دیتا تھا۔ اس کے مشورے کی روشنی میں ہلاکو نے علقمی کے ذریعہ پہلے خلیفہ کو بلوایا، پھر بغداد کے تمام علماء، فقہاء، شرفاء، عمائدین اور اراکین سلطنت کو بلا کر بھیڑ بکری کی طرح ذبح کر دیا۔ پھر مجوس خلیفہ کے ذریعہ اہل شہر کو ہتھیار ڈال کر باہر نکل آنے کے لیے کہا۔ اور جب اہل شہر خالی ہاتھ باہر نکل آئے تو تاتاریوں نے ان کا قتل عام شروع کر دیا۔

یہ کئی لاکھ کی تعداد میں تھے سب مارے گئے۔ شہر کی خندقیں لاشوں سے پٹ گئیں، دریا بے دجلہ کا پانی خون کی کثرت سے سرخ ہو گیا۔ اس کے بعد تاتاری شہر میں گھس پڑے، عورتیں اور بچے سروں پر قرآن شریف رکھ رکھ کر گھروں سے نکلے۔ مگر سب قتل ہوئے بغداد اور نواح بغداد میں ایسا قتل عام ہوا کہ ایک کروڑ چھ لاکھ مسلمان مارے گئے۔ اس سارے کارنامے کی رہنمائی نصیر طوسی اور علقمی کر رہے تھے۔ انہوں نے ہلاکو کو مشورہ دیا کہ خلیفہ کے خون سے اپنی تلوار ناپاک نہ کرو، بلکہ اسے نمدے میں لپیٹ کر لاتوں سے کچلوادو۔ چنانچہ ہلاکو نے خلیفہ کو ایک ٹائٹ میں لپیٹ کر اور ایک ستون سے بندھوا کر اس قدر لاتیں لگوائیں کہ اس کی جان نکل گئی۔ پھر لاش زمین پر ڈال کر پاؤں سے روندوا کر ریزہ ریزہ اور پارہ پارہ کرادی۔ یہ سارا کشت و خون اس لیے کرایا گیا کہ سنی مسلمان تھے، لیکن طوسی اور علقمی کا دل اب بھی ٹھنڈا نہ ہوا تو شاہی کتابوں کا ذخیرہ دریا میں پھینکنے کا مشورہ دیا۔ اس کی کثرت سے دریائے دجلہ میں

ایک بند سا بندھ گیا اور اس کا پانی جو سرخ تھا اب کتابوں کی سیاہی سے سیاہ ہو گیا۔ باقی کتب خانوں میں آگ لگا دی۔ کتابوں کی کثرت کے سبب یہ آگ سولہ دن تک بھڑکتی رہی۔

یہ ہیں نصیر الدین طوسی کی وہ جلیل القدر اسلامی خدمات ”جنہیں شمینی صاحب نے دل کھول کر سراہا ہے اور جسے اسلام اور مسلمانوں کی حقیقی مدد“ قرار دیا۔ اور جس سے خوش ہو کر نصیر الدین طوسی کو رحمہ اللہ کے اعلیٰ ترین جملے سے نوازا ہے۔ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ شمینی صاحب کی نگاہ میں ”اسلام کی حقیقی مدد اور خدمت“ کیا ہے۔ آئیے اب قداح کا بھی تھوڑا سا حال سن لیجیے جو شمینی صاحب کی نگاہ میں طوسی ہی کی طرح اسلام کا خادم ہے۔

قداح کا اصل نام میمون بن ویسان ہے، یہ دمشق کے قریب سلمیہ نامی ایک بستی کا رہنے والا ایک تیز و طرار یہودی عالم تھا۔ فلسفہ اور نجوم میں مہارت رکھتا تھا۔ کھال پکانا اس کا اصل پیشہ تھا۔ مگر اس کی اسلام دشمن اور خون آشام طبیعت اس پر قناعت نہ کر سکی۔ اس نے اسلام کی بیخ کنی اور مسلمانوں کے صفائے اور قتل عام کے طویل المیعاد منصوبے بنائے اور ۶۷۲ھ میں اپنے سعید کے ہمراہ کوفہ آ گیا، اور باطنیوں کے تن مردہ میں خونخوار یہودی بھیڑیوں کی روح پھونکنے کے لیے کوفہ کے اسماعیلی شیعوں سے رابطہ قائم کیا، اور اپنا یہودی مذہب اور اپنے بیٹے کی اصلیت چھپاتے ہوئے خاص اسماعیلی شیعوں کو چپکے سے بتایا کہ یہ روپوش اسماعیلی اماموں کی نسل سے ہے، اس کا نام عبید اللہ ہے اور اب یہی مہدی بن کر ظاہر ہونے والا ہے۔

کوفہ میں قداح کو حدان عرف قرمط نامی ایک غالی باطنی شیعہ مل گیا، اسے عبید اللہ ”مہدی“ کا نائب بنایا گیا اور خفیہ تحریک شروع ہو گئی۔ اباحت پسند مجوسی یہودی اور اسماعیلی شیعے دیکھتے دیکھتے اس کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے، اس مذہب میں زنا کاری، شراب نوشی، ماں بہن، بیٹی سے نکاح وغیرہ سب کچھ حلال کر دیا گیا۔ نماز روزہ وغیرہ سب کچھ سارے فریض ساقط کر دیے گئے اور مسلمانوں کا قتل فرض قرار دیا گیا۔ کوفہ اور عراق میں یہ تحریک مضبوط ہو گئی تو یحییٰ نامی ایک شخص کو بحرین (سعودی عرب کا موجودہ مشرقی صوبہ الاحساء) بھیجا گیا۔ اس نے

اپنے آپ کو مہدی کا بیٹا اور قاصد ظاہر کرتے ہوئے شیعوں کو بتایا کہ اب مہدی کا ظہور قریب ہے، اس سے وہاں کے شیعوں میں ایک نجنونانہ جوش پیدا ہو گیا اور وہ ابو سعید جنابی کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے اور جب بقدر ضرورت طاقت فراہم ہو گئی تو ان شیعوں نے مسلمانوں کے خلاف خوفناک قتل و غارت کا سلسلہ شروع کر دیا۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

(۱) ۲۸۶ھ میں ابو سعید جنابی نے بصرہ پر قبضہ کیا اور وہاں کے مسلمانوں کو آگ میں جلا جلا کر ہلاک کیا۔

(۲) یہی شخص ۲۸۹ھ میں عراق کے اکثر حصوں پر قابض ہو کر شام پر حملہ آور ہوا اور دمشق فتح کر کے وہاں قتل و غارت کا بازار گرم کیا۔

(۳) ۲۹۰ھ میں یحییٰ مذکور کی قیادت میں ان ظالموں کی ایک فوج نے دمشق کا محاصرہ کر کے وہاں کے باشندوں کو ہلاکت کے قریب جا لگایا تھا کہ مصری فوج آگئی ورنہ دمشق کھنڈر میں تبدیل ہو جاتا۔ مصری فوج کے ہاتھوں تکلی قتل ہوا اور محاصرہ ختم ہوا۔ لیکن تھوڑے دنوں بعد یحییٰ کے بھائی حسین کی قیادت میں ان ظالموں نے پھر چڑھائی کر دی، اہل دمشق نے بہت کچھ مال دے کر اسے کسی طرح واپس ہونے پر راضی کیا۔

(۴) لیکن حسین نے دمشق سے واپس ہو کر حمص کا رخ کیا، وہاں سارے مسلمانوں کو قیدیوں کو قتل کر دیا، پھر حماة اور معرة النعمان وغیرہ گیا، اور بے حساب مسلمانوں کو قتل کیا۔ یہ شخص عورتوں، بچوں سب کو قتل کر ڈالتا تھا، اس کے بعد بعلبک پہنچا اور وہاں کی عام آبادی کو تہ تیغ کیا۔ پھر سلمیہ میں عہد و امان کے تحت داخل ہوا، لیکن بد عہدی کر کے وہاں کے سارے باشندوں حتیٰ کہ مکتب کے بچوں اور چوپایوں تک کو قتل کر ڈالا۔ مقتولین میں سرفہرست بنو ہاشم تھے بالآخر بڑی مشکلوں کے بعد حسین مارا گیا۔ لیکن اس تحریک کے لیڈروں نے عبداللہ بن سعید نامی ایک شخص کو کمانڈر بنایا۔ اس نے ۲۹۳ھ میں پھر ملک شام پر چڑھائی کی اور سخت خونریزی و غارت گری اور عصمت دری کی۔ بالآخر شدید جنگوں کے بعد اس کے بعض پیروکاروں نے سر پر خطرہ منڈلاتا دیکھا تو اس کا سر کاٹ

کر خلیفہ کے حوالے کر دیا۔

(۵) مگر فتنہ اب بھی فرو نہ ہوا، ان لیڈروں نے زکرویہ بن فہر ایہ نامی ایک شخص کو کمان سوچی، اس نے ۲۹۴ھ میں مکہ سے خراسان جانے والے حاجیوں کے قافلے پر حملہ کیا، سخت جنگ ہوئی۔ جب زکرویہ نے دیکھا کہ ان سے نمٹ نہیں سکے گا تو قافلے سے پوچھا کہ تمہارے اندر بادشاہ کا نائب ہے؟ انہوں نے کہا نہیں۔ زکرویہ نے کہا، تب تم لوگ اطمینان سے جاؤ، مجھے تم سے کوئی سروکار نہیں۔ لیکن جب قافلہ لد پھند کر بے فکری کے ساتھ روانہ ہو گیا تو زکرویہ نے پیچھے سے اچانک بے خبری کے عالم میں ان پر حملہ کر دیا اور سب کو تہ تیغ کر ڈالا، صرف چند عورتیں ہوس رانی کے لیے منتخب کر لیں، باقی سب عورتوں کو بھی قتل کر دیا۔

(۶) اس کے بعد زکرویہ حاجیوں کے مزید قافلوں کی واپسی کے انتظار میں گھات لگا کر بیٹھ گیا، اور وہاں کے کنوؤں تالابوں اور چشموں کو لاشوں اور پتھروں سے پٹوادیا تاکہ حاجیوں کو پانی نہ مل سکے۔ اس کے بعد جوں ہی حاجیوں کا قافلہ پہنچا، ان پر درندوں کی طرح ٹوٹ پڑا۔ حاجیوں نے تین دن تک ڈٹ کر مقابلہ کیا مگر ان کا پانی ختم ہو گیا اور انہوں نے پیاس سے مجبور ہو کر ہتھیار ڈال دیے، زکرویہ نے سب کی گردن اڑادی، چند افراد نکل بھاگنے میں کامیاب ہو گئے تھے، ان کے پیچھے ایک جماعت بھیج دی، جس نے امان کا اعلان کیا، لیکن وہ لوگ جب واپس ہوئے تو انہیں بھی قتل کر دیا۔ مکاری کا عالم یہ تھا کہ جنگ کے بعد ان ظالموں کی عورتیں پانی لے کر حاجیوں کی لاشوں کے درمیان ٹہل رہی ہیں، تاکہ اگر کوئی پانی مانگے تو یہ پتہ لگ جائے کہ یہ زندہ ہے۔ چنانچہ کسی کے منہ سے جوں ہی آواز نکلتی یہ اسے قتل کر دیتیں۔

مورخین کا بیان ہے کہ اس سال زکرویہ نے بیس ہزار حاجیوں کو قتل کیا۔ بڑی مشکل سے خلیفہ کی فوجیں اس شخص کو زیر کر سکیں، لیکن اس کے باوجود قداح کی برپا کی ہوئی یہ تحریک ختم نہ ہو سکی۔

(۷) ادھر ابو سعید جنابی جسے اس تحریک کے لیڈروں نے بحرین کے علاقے میں متعین کیا تھا اور جو بحرین سے بصرہ تک سخت خونریزی مچا چکا تھا وہ اپنے غلام کے ساتھ بد فعلی کی کوشش میں اسی غلام کے ہاتھوں ۳۰ھ میں مارا گیا، اور اس کا بیٹا ابوطاہر اس کا قائم مقام ہوا۔ ابوطاہر اپنے باپ سے بھی بڑھ کر خونریز ثابت ہوا، اس نے ۳۱ھ میں بصرہ پر اچانک حملہ کر کے بیشمار لوگوں کو قتل کیا، ۷۱ اردن تک لوٹ مار اور قتل غارت کے بعد ایک شخص کو بصرہ پر اپنا والی مقرر کر کے جس قدر مال و متاع اور عورتوں بچوں کو لے جاسکتا تھا، بحرین لے گیا۔ اس سال اس نے حجاج کے قافلوں پر حملہ کر کے سخت لوٹ مار اور قتل غارت گری کی۔ اگلے سال ۳۲ھ میں اس نے کوفہ کے قافلہ حجاج پر حملہ کیا۔ یہ لوگ بھاگ کر کوفہ آ گئے۔ مگر ابوطاہر ان کو کھد بیڑتا ہوا کوفہ میں داخل ہو گیا۔ اور چھ دن تک لوٹتا اور مارتا رہا پھر (بحرین) واپس ہو گیا۔ اس کی غارت گری سے تنگ آ کر ۳۱۳ھ میں کسی نے حج کا ارادہ نہیں کیا ۳۱ھ میں اسی ملعون نے عین ایام حج میں مکہ معظمہ پر حملہ کر کے حاجیوں کا قتل عام کیا۔ یہاں تک خانہ کعبہ کے اندر بھی لوگوں کو قتل کرنے سے باز نہ رہا۔ زمزم کا کنواں مقتولین کی لاشوں سے پٹ گیا۔ خانہ کعبہ کا ہر قیمتی سامان لوٹ لیا۔ ایک خبیث نے نشے کی حالت میں گھوڑے پر سوار ہو کر حجر اسود کو مار کر توڑ ڈالا۔ اور دیوار سے نکال دیا۔ پھر گیارہ دن کی مسلسل قتل و غارت کے بعد جب واپس ہوئے تو حجر اسود ساتھ لیتے گئے، جو اکیس بائیس سال بعد ۳۳۹ھ میں واپس ہوا۔ (یاد رہے کہ باطنیوں کی طرف سے جمہور مسلمانوں یعنی اہل سنت پر لرزہ خیر مظالم اور قتل و غارت کا سلسلہ ۶۵۵ھ تک جاری رہا۔)

عین اس زمانے میں جب عراق و شام میں ان ظالموں کی قتل و غارت گری جاری تھی قداح نے یہ محسوس کرتے ہوئے کہ اس علاقے میں تحریک پنپ چکی ہے اپنے بیٹے سعید کو جسے عبید اللہ المہدی کے نام سے مشہور کیا تھا، افریقہ بھیج دیا۔ اس نے اپنے آپ کو فاطمی النسب بتا کر وہاں باطنی تحریک شروع کی اور رفتہ رفتہ اتنا زور حاصل کیا کہ سخت خونریزی کے بعد ۲۹۶ھ

میں تونس میں اپنی حکومت قائم کر لی۔ اپنے آپ کو امیر المؤمنین کہلوا یا۔ پھر رفتہ رفتہ ان باطنیوں نے اتنا زور پکڑا کہ مصر فتح کر کے ۳۵ھ میں قاہرہ کو دار الحکومت قرار دے لیا۔ عبیدیوں کی اس حکومت کے دو وصف قابل ذکر ہیں۔ ایک یہ کہ کلیدی مناصب پر عموماً اسلام کے ازلی دشمن یعنی یہودی رکھے جاتے تھے دوسرے کہ مسلمانوں پر سخت ظلم و تشدد اور کبار صحابہ کی کھلے عام توہین کی جاتی تھی۔ اس دور کے ایک عربی شاعر حسن بن خاقان نے صورت حال پر نہایت چھبھے ہوئے اشعار کہے ہیں۔

یہود ہذا زمان قد بلغوا غایۃ أمالہم وقد ملکوا
العذ فیہم والمال عندہم ومنہم المستشار والملك
یا اهل مصر قد نصحت لکم تہودوا، قد تہود الفلک
یعنی اس دور کے یہودی اپنی انتہائی آرزوؤں کو پہنچ کر بادشاہ بن چکے ہیں، ان کو عزت بھی حاصل ہے اور مال بھی، اور انہیں میں سے مشیر بھی ہیں اور بادشاہ بھی۔ مصر والو! میں تمہیں نصیحت کر رہا ہوں کہ یہودی بن جاؤ کیوں کہ آسمان یہودی بن چکا ہے۔

ان ظالم عبیدی حکمرانوں کا حال یہ تھا کہ انہوں نے بہت سے سنی علماء کو تہ تیغ کر دیا تھا، مسجدوں کے دروازوں اور عام سڑکوں پر صحابہ کرام کو گالیاں لکھ کر لگائی تھیں اور گورنروں کو حکم دے رکھا تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سرعام گالیاں دی جائیں۔ مصر میں قدم جمانے کے بعد عبیدیوں کے ایجنٹ مراکش سے سندھ و بلوچستان تک جا پھیلے تھے۔ ۵۷ھ میں صلاح الدین ایوبی فاتح بیت المقدس کے ہاتھوں ان کا خاتمہ ہوا۔

خلاصہ یہ ہے کہ میمون بن ریمان قداح نے باطنیت کی ایسی خوفناک تحریک چلائی تھی جو مشرق میں خراسان سے مغرب میں مراکش تک پورے عالم اسلام کے اندر مسلمانوں کے سر پر لٹکتی رہی تو اتھی۔ اس تحریک کے ہاتھوں کروڑوں مسلمان شہید ہوئے، ان کے اموال لوٹے گئے۔ ان کی عورتوں کی عصمت دری کی گئی اور اسلام کے نام پر حرام کاری و بد عملی ایسا دار دورہ رہا کہ اسلام کی بیخ و بن اکھاڑ ڈالنے کی کوشش کی گئی۔

یہ ہے وہ قداح جسے خمینی صاحب تاریخ کا ہیرو قرار دیتے ہیں اور جس کی مدح سرائی میں رطب اللسان ہیں صرف اس لیے کہ وہ اہل سنت کا قاتل تھا۔ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ خمینی صاحب اہل سنت کے خلاف کیسی خونخوار ذہنیت رکھتے ہیں کہ ان کی نگاہ میں اصل اور حقیقی خدمتِ اسلام ہی یہ ہے کہ اہلسنت کو اس دنیا سے نیست و نابود کر دیا جائے۔



ایران پر جنگ کے اثرات ”اسلامی“ ایران کی ”یہودی“ اسرائیل سے گہری دوستی

ستمبر ۸۴ء میں ایران عراق جنگ کے چار سال پورے ہو گئے، اور پانچویں برس کی ابتدا ہو گئی۔ یہ جنگ اپنے اسباب و محرکات سے لے کر واقعات و مقاصد تک اتنی وسیع الاطراف ہے کہ اسے ایک مضمون تو درکنار ایک کتاب میں منضبط کرنا بھی سخت مشکل ہے۔ آغاز جنگ کے صرف پانچ دن بعد عراق نے اعلان کیا تھا کہ جنگ بندی کر دی جائے اور گفتگو کی میز پر اختلافات حل کر لیے جائیں، مگر ایران نے اسے ٹھکرا دیا اور جنگ جاری رہی۔ اس وقت ایران شکست خوردہ تھا، اس لیے گفتگو سے اس کا انکار معقولیت پر مبنی دکھائی دے رہا تھا مگر برسوں کی تگ و دو کے باوجود جب صلح کے آثار دکھائی نہ دیے تو عراق نے پیچھے ہٹ کر ایک طویل المیعاد جنگ کے لیے اپنے مستقل مورچے بنا لیے۔

ایران نے اس ”پسپائی“ کو ہزیمت سمجھ کر صلح کی تمام کوششوں کو ٹھکراتے ہوئے شمال و جنوب کے محاذوں پر نہایت زبردست اور شدید حملے کیے (اور یہ عین اس وقت کیے جب اسرائیل لبنان پر قیامت توڑ رہا تھا) اور اس کے ساتھ ہی دوسرے خلیجی ممالک کو ایسی دھمکیاں دیں کہ گویا وہ چاہتا تھا کہ کوئی ملک اسرائیل کی طرف توجہ نہ کر سکے بہر حال عراقی فوجوں نے ان حملوں کو اس بری طرح ناکام بنایا کہ میدان جنگ میں پڑی ہوئی ایرانیوں کی بے گور و فکر لاشوں کو گننا ناممکن ہو گیا، اور رفتہ رفتہ ایرانیوں کے حوصلے جواب دینے لگے۔ اب صورتحال یہ ہے کہ باقاعدہ ایرانی فوج کے تمام عقلاء الرجال اس بے فائدہ اور لغو جنگ کو بند کر دینا چاہتے ہیں۔ حکمرانوں کا ایک طبقہ بھی اس سے بیزار ہو چکا ہے اور ایرانی عوام کی بے چینی جہازوں کے اغوا اور قتل کی خفیہ وارداتوں سے واضح ہے مگر جن لوگوں کے ہاتھ میں فیصلے کی زمام ہے،

ان کا اور پاسداران انقلاب کا جی ابھی آسوشہ نہیں ہوا ہے۔

ویسے ان چار برسوں میں ایران کے حالات اس حد تک بگڑ گئے ہیں کہ اب جنگ کو مزید جاری رکھنے کے لیے اس پہلو سے بھی کوئی جواز باقی نہیں رہ گیا ہے۔ ایران غذائی قلت کا اس حد تک شکار ہے کہ اسے کچھ بہتر فیصد (۷۵٪) سامانِ خوراک باہر سے درآمد کرنا پڑتا ہے۔ درآمدات پر ۲۵ ارب ڈالر خرچ کرنے پڑتے ہیں، جبکہ برآمدات سے حاصل ہونے والی کل رقم صرف ۲۱ ارب ڈالر ہے یعنی تنہا اس خانے میں ۴ ارب ڈالر سالانہ کا خسارہ ہوتا ہے۔ تیل کی پیداوار کا حال یہ ہے کہ وہ اب صرف ایک تہائی رہ گئی ہے پہلے روزانہ اٹھارہ لاکھ گیلن تیل پیدا ہوتا تھا اور اب یہ پیداوار صرف ۶ لاکھ گیلن رہ گئی ہے اور عراق نے جزیرہ حوزج کی جونا کہ بندی شروع کی ہے اور جس کے کامیاب ہونے کے آثار ظاہر ہیں، اس ناکہ بندی کے مکمل ہونے کے بعد اتنی پیداوار کے بھی لالے پڑ جائیں گے۔

عسکری اعتبار سے ایران کی آدھی فوجی تنصیبات ختم ہو چکی ہیں، میدانی جنگ کی صلاحیت بھی سکڑ اور سمٹ کر بہت تھوڑی رہ گئی ہے اور ہتھیاروں کی جگہ افراد سے پڑ کرنی پڑ رہی ہے۔ فضائی صلاحیت تو گویا جواب دے گئی ہے عراق پر فضائی حملے کی جرأت نہیں ہوتی۔ تیل بردار جہازوں پر خفیہ حملے ضرور کیے لیکن سعودیہ نے جب سے دو جہاز مار گرائے تب سے اس طرف بھی توجہ کی جرأت گھٹ گئی۔ سیاسی طور پر انتشار اور بے دلی کی فضا عام ہے اور خود حکمران طبقے میں پھوٹ پڑی ہوئی ہے۔

ان سب کے باوجود جن لوگوں کے ہاتھ میں فیصلے کی زمام ہے وہ جنگ جاری رکھنے پر مصر نظر آرہے ہیں..... عام تاثر یہ ہے کہ ان حضرات کو اندیشہ ہے کہ اگر ہم نے جنگ ختم کر دی تو فوج اور عوام خود ہم پر پلٹ پڑیں گے اور ہمیں مجرموں کے کٹہرے میں کھڑا کر دیا جائے گا۔ واللہ اعلم۔

بہر حال ایک طرف حالات یہ ہیں دوسری طرف ایران کچھ اور فسادات کی تیاریاں کر رہا ہے۔ اس نے کئی برس سے یہ تحریک چلا رکھی ہے کہ حجاز سے سعودی عرب کی حکومت کو.....

جسے ایران طاغوت کی حکومت کہتا ہے..... ختم کر کے وہاں عالم اسلام کی ایک مشترکہ حکومت قائم کی جائے۔ لیبیا کے کرنل قذافی صاحب بھی یہی نعرہ بلند کر رہے ہیں۔ شام اگرچہ سعودی عرب کا دست نگر ہونے کے باعث اس طرح کی کوئی بات زبان پر لانے سے باز ہے، لیکن اس کے بھی حکمران اسی کردار اور انداز فکر کے ہیں، جگہ جگہ ایرانی لابی بھی اسی طرح کی آواز اٹھا رہی ہے۔ ابھی پاکستان کے بریلوی حضرات نے بھی اس کی تائید میں ایک اجتماع کیا اور اس میں جماعت اسلامی (جو مغربی کا امامت پر پہلے ہی ایمان لاپچی ہے) کے ذمہ دار رکن نے بھی شرکت کی، اس اجتماع میں مذکورہ بالا تجویز کے علاوہ یہ بھی طے کیا گیا کہ ترکی دور کے تعمیر کیے ہوئے قبروں کے قبے جنہیں سعودی عرب نے منہدم کر ڈالا ہے، پھر سے تعمیر کیے جائیں۔

ایران اپنی تباہ حالی کے باوجود یہ سب کیوں کر رہا ہے، اس کے بارے میں معلوم نہیں دوسرے لوگ کیا تصور رکھتے ہیں، ہمیں جہاں تک معلوم ہے، اس کا سبب ایران کا شعیہ مذہب اور اس کا نسلی غرور ہے۔ شعیہ مذہب کا بنیادی تصور ہی یہ ہے کہ اہل سنت کو نقصان پہنچانا کارِ ثواب ہے، خواہ اس میں خود اپنی ہی تباہی کیوں نہ ہو۔ البتہ اپنی تباہی سے بچنے کے لیے تقیہ (یعنی بظاہر دوست اور در پردہ دشمن) کا راستہ اپنانا چاہیے۔ یعنی آنکھوں میں دھول جھونک کر اپنی مقصد برابری کرنی چاہیے، چنانچہ آپ دیکھ رہے ہیں کہ ایک طرف تو ایران حج کے موقع پر مکہ اور مدینہ میں امریکہ اور اسرائیل کے خلاف نعرے لگاتا ہے۔ (حالانکہ یہ نعرہ امریکہ اور اسرائیل کی سرحد پر لگانا چاہیے۔) اور دوسری طرف امریکہ اور اسرائیل سے ہتھیار لے لے کر جنگ لڑ رہا ہے۔ بلکہ غیر جانبدار ذرائع کا یہ بھی کہنا ہے کہ وسط ۸۲ء میں ایران نے عراق پر جو بڑے بڑے حملے کیے تھے وہ یہودی کمانڈروں کے ترتیب دیے ہوئے تھے۔ واللہ اعلم۔

یہود اور دوسرے اسلام دشمنوں سے دوستی شیعہ تاریخ کا ایک دائمی اور مستقل باب ہے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اس مذہب کی پیداوار ہی یہود و مجوس کے تہذیبی ازدواج سے ہوئی ہے، اس لیے ایران کی موجودہ حکومت سب سے زیادہ یہود پر اعتماد کرتی ہے۔ البتہ اس راہ میں اس نے تقیہ کا لباس پہن رکھا ہے۔ شیعہ اور یہود یا ایران اور اسرائیل کے اس باہمی اعتماد اور پس

پردہ تعلقات کا پتہ ہتھیاروں کے اس لین دین سے چلتا ہے جس کے بعض بعض واقعات کا انکشاف متفرق اوقات میں ہو گیا ہے۔ یہاں ہم چند واقعات کی نشاندہی کیے دیتے ہیں، تاکہ اصل حقائق سمجھے جاسکیں۔

جہاں تک ہمیں معلوم ہے اسرائیل کے ساتھ ایران کی انقلابی حکومت کے گہرے تعلقات اور ہتھیاروں کے لین دین پر پہلی بار عالمی پیمانے کا شور اس وقت اٹھا جب روس نے ۱۹۸۱ء میں ارجنٹائن کا ایک جہاز آرمینیا کے علاقے پر پرواز کرتے ہوئے مار گرایا۔ یہ جہاز اسرائیل کی طرف سے ایران کے لیے ہتھیار لارا تھا اس کے بعد وقتاً فوقتاً اس طرح کے واقعات اخباروں میں آتے رہے ہم نے ان واقعات کو تو محفوظ نہ کیا۔ البتہ ارجنٹائنی جہاز کے واقعہ کے تعلق سے عالمی اخبارات میں جو انکشافات ہوئے تھے اس کا ایک خلاصہ عراقی وزارت خارجہ نے مرتب کر دیا تھا۔ ہم عراقی وزارت کے تبصروں کو علیحدہ کر کے اخبارات کی رپورٹ پیش کر رہے ہیں۔ پہلے اصل خبر:

”۱۸ جولائی ۱۹۸۱ء (سنچر) کو ارجنٹائن کے ایک تجارتی ہوائی جہاز سی ایل ۴۴۰ کو روس کی ریاست آرمینیا کے شہر پر یوان سے پرواز کے دوران گر لیا گیا۔ یہ جہاز تل ابیب اور تہران کے درمیان تیسری پرواز پر تھا۔ جب کہ اسے نو پروازیں مزید مکمل کرنی تھیں۔ اس جہاز میں امریکی ساخت کے ہتھیار اور ہتھیاروں کے پرزے لدے ہوئے تھے، جن کی سپلائی اسرائیل کی جانب سے عمل میں آرہی تھی۔“

اس واقعہ کے ایک ماہ بعد ۲۰ اگست ۱۹۸۱ء کو امریکی ٹی وی ادارے، اے بی سی نے ”نائٹ لائن“ نامی پروگرام میں سابق ایرانی صدر ابو الحسن نجی صدر کا ایک بیان ٹیلی کاسٹ کیا، جس میں بنی صدر نے کہا اسرائیل عرصہ دراز سے ایران کو امریکی ساخت کے ہتھیار اور اسلحہ فروخت کر رہا ہے اور یہ ہتھیار اور پرزے ان کی ذاتی نگرانی میں خمینی کی اجازت سے درآمد ہوتے رہے ہیں۔ انہوں نے کئی بار ایرانی ملاؤں سے یہ بات کہی کہ اسرائیل سے

ہتھیاروں کی تجارت کے بجائے عراق سے صلح کر لی جائے۔ مگر انہوں نے ایک مسلمان ملک سے صلح کی بات کرنے کے بجائے اسرائیل سے تجارتی تعلقات کو ترجیح دی۔

پھر ۲۸ اگست ۱۹۸۱ء (جمعہ) کو قبرص کے ایک سرکاری ترجمان نے ٹکوسیا میں اعلان کیا کہ ۱۷ اگست ۱۹۸۱ء کو اور جنٹائن کا جہادسی۔ ایل ۴۴۰ معمول کے مطابق ایک پرواز کے دوران لارنا کا ہوائی اڈے پر تیل لینے کے لیے تھوڑی دیر ٹھہرا۔ ترجمان نے مزید بتایا کہ (۱) ۱۱ اگست ۱۹۸۱ء کو یہی جہاز تل ابیب سے تہران کی ایک روزہ واپسی کی پرواز پر لازماً کا تارا تھا۔ اس میں پچاس بڑے ڈبے رکھے ہوئے تھے، جن کا مجموعی وزن ۶۷۵۰ کلوگرام تھا۔ جہاز کا کپتان مسٹر میکفرٹی تھا۔ (۲) پھر ۱۲ اگست ۱۹۸۱ء کو ایک اور جہاز تہران سے تل ابیب کی پرواز کے دوران لارنا کا کے ہوائی اڈے پر اترا۔ اس کا کپتان مسٹر کورڈیرو تھا۔ (۳) پھر ۱۳ اگست ۱۹۸۱ء کو تیسرا جہاز لارنا کا ہوائی اڈے پر اترا۔ یہ جہاز علی الصبح تل ابیب سے تہران جا رہا تھا۔ یہ جہاز تہران میں ایک روزہ قیام کے بعد اگلی صبح تل ابیب واپس چلا گیا۔ اس باری جہاز کی کپتانی مسٹر کورڈیرو کے ذمے تھی۔

بیانات سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ ایرانی قیادت نے عراق کے خلاف کی جانے والی کارروائی میں ان خفیہ اطلاعات سے بھی استفادہ کیا جو اسے اسرائیل نے فراہم کی تھیں اور انہی بیانات سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ امریکی ریغالیوں کی رہائی کے بدلے امریکہ نے جس ایرانی سرمائے کا انجماد ختم کیا تھا، اس میں سے رقم ۱۔ اربا ایل اسلحے کی سپلائی کے عوض تل ابیب پہنچی۔ عالمی اخبارات کی خبروں اور تبصروں سے بھی ایران کے مذہبی پیشواؤں اور تل ابیب کے یہودیوں کے درمیان گٹھ جوڑ کا پتہ چلتا ہے۔ بطور مثال:

”۲۱ اکتوبر ۱۹۸۰ء کو پیرس کے رسالے ”افریک ایزی“ نے تہران سے بھیجے گئے ایک تفصیلی مراسلے میں یہ بات شائع کی کہ اسرائیل کے جنگی ماہرین کا ایک وفد تین روزہ دورے پر ایران آیا ہے، جو ایرانی جنگی ضروریات کا جائزہ لے رہا ہے۔ یہ وفد اسلحے اور امریکی ہتھیاروں کے فاضل پرزوں کی فراہمی کی بارے

میں بات چیت بھی کرے گا۔“

۲ نومبر ۱۹۸۰ء کو برطانوی اخبار ”آب زروز“ نے تہران سے ایک مکتوب میں لکھا کہ اسرائیل نے عراق کے خلاف لڑنے کے لیے اسلحہ کی ایک بہت بڑی کھیپ تہران روانہ کی ہے۔ اس میں فاضل پرزوں کی بھاری تعداد بھی شامل ہے۔ یہ اسلحہ چاہ بہار، بندرعباس اور آبادان کی بندرگاہوں پر اتارے گئے۔

۳ نومبر ۱۹۸۰ء کو جرمن روزنامے ”ڈی ویلٹ“ نے لکھا کہ اسرائیل نے ایران کو ایف ۴۰ طیاروں کے فاضل پرزوں کی معقول تعداد فراہم کی ہے۔ یہ سپلائی سمندر کے راستے ہوئی اور نامعلوم مدت تک جاری رہے گی۔ ایران کو ان پرزوں کی قیمت کی ادائیگی میں سہولت دینے کی خاطر امریکہ بہت جلد اپنے یہاں منجمد ایرانی سرمائے سے پابندی ختم کر رہا ہے۔

پیرس سے شائع ہونے والے عربی رسالے ”الوطن العربی“ نے ۵ نومبر ۱۹۸۰ء کی اشاعت میں فرانسیسی رسالے دی سی ڈی نے ۱۱ نومبر ۱۹۸۰ء کی اشاعت میں اور پیرس کے رسالے ”جون افریق“ میں بھی اسلحہ کی لین دین کے سلسلے میں اسرائیل اور ایران کے درمیان گٹھ جوڑ کا انکشاف کیا گیا ہے۔ الوطن العربی نے یہ بھی انکشاف کیا ہے کہ اسلحہ کی فراہمی یحتم کے ایک تجارتی سمندری جہاز کے ذریعہ عمل میں آ رہی ہے نیز ایران و اسرائیل کے درمیان یہ تجارت کافی عرصہ سے جاری ہے۔ اور نامعلوم مدت تک جاری رہے گی۔ ”جون افریق“ نے یہ انکشاف کیا ہے کہ اسرائیلی جہاز تھیارلے کر ہالینڈ کی بندرگاہ پر آتے ہیں۔ اور وہاں سے یہ اسلحہ ایرانی بندرگاہوں کو بھیجا جاتا ہے۔

کویت کے اخبار ”السیاستہ“ نے ۳۱ مارچ ۱۹۸۱ء کو پیرس کے باخبر ذرائع کے حوالے سے لکھا کہ اسرائیل نے ۶، ایف ۱۵ جنگی جہاز مکمل مرمت اور سروس کے بعد حال ہی میں ایران کے حوالے کیے ہیں۔ مرمت کا یہ معاہدہ ایک یورپین ملک کی دلال سے عمل میں آیا تھا۔ ۱۵ جولائی ۱۹۸۱ء کو امریکی ٹی وی ادارے سی بی ایس نے یہ خبر نشر کی کہ اسرائیل سپلائی کا ساہدہ طویل عرصہ سے موجود ہے۔ اس کی مالیت پہلے مرحلہ میں ایک کروڑ ڈالر دس

کر ڈر ساٹھ لاکھ ڈالر ہو جائے گی۔ اسرائیل نے ۱۲ جولائی ۱۹۸۱ء سے برشلہ قسم..... طیاروں کے ذریعہ ایران کو اسلحہ اور فاضل پرزوں کی سپلائی کے لیے ایک ہوائی پل قائم۔

۲۱ جولائی ۱۹۸۱ء کو اسرائیلی رسالے ”معاریف“ نے یہ خبر شائع کی کہ ایران ممالک کے توسط سے اور براہ راست اسرائیل کو ہتھیاروں اور فاضل پرزوں کی ایک موجودہ جنگ میں ایران کو ضرورت ہے۔

۲۳ جولائی ۱۹۸۱ء کو ارجنٹائن کے اخبارات ”کروشیا“ اور ”لابرنیا“ نے اپنی حوالے سے یہ خبر نشر کی کہ روس نے ارجنٹائن کا جو طیارہ مار گرایا تھا وہ تل ابیب سے اسلحہ لے.....؟

۲۶ جولائی ۱۹۸۱ء کو لندن کے اخبار سنڈے ٹائمز نے اس واقعے کی تفصیل بتا.....؟

لے جانے کی ذمہ داری جس شخص کو سونپی گئی تھی اس کا نام مک فرٹی تھا۔ بعد میں اس کے ساتھ سیورٹ اور ایک سویس دلال آندریس جینی بھی شامل ہو گئے۔ انہوں نے کی مختلف کھپیوں تہران کے حوالے کیے۔ جبکہ چوتھی کھپ روس نے گرائی۔

جینی کا بیان ہے کہ اسرائیلی حکام کی خواہش تھی کہ تمام اسلحے جلد از جلد ایران پہنچائے جائیں تاکہ ایران کو بالادستی حاصل ہو سکے۔ البتہ یہ نہیں معلوم کہ ایران کو کب تک اور کتنا ہتھیار اسرائیل دے چکا ہے یہ بھی کہا کہ ایران کے مذہبی پیشوا زور دیتے رہے ہیں کہ ایران و اسرائیل کے درمیان اسلحہ کے لیے قیصر کا ہوائی اڈہ لارنا کا استعمال کیا جائے کہ یہ محفوظ بھی ہے اور سترلع ترین کہ قبرص میں مقیم فلسطینیوں کو اس کا پتہ چل گیا ہوگا۔ اور انہی کی خبری پر روس نے طیارہ مار گرایا ۲۷ جولائی ۱۹۸۱ء کو فرانسیسی اخبار ”لانگارو“ نے اس واقعے کا ذکر کرتے.....؟ میں بتایا کہ خمینی نے خفیہ طور پر لندن کے ایک ایسے تجارتی ادارہ سے رابطہ قائم کر لیا تھا جو دین کے معاملے میں خاصا بدنام ہے۔ یہ ادارہ خمینی کی ہدایت پر اسرائیلیوں سے اسلحہ خرید کر پہنچاتا رہا ہے۔ اسی تاریخ کو ایک جرمن رسالے ڈیر شٹیگل نے ایک مقالے میں انکشاف کیا کہ ایک یہودی فرم نے اسرائیل کے دار الحکومت سے ایران کے دار الحکومت تک اسلحہ کی فراہمی کا ذمہ لے رکھا ہے۔ یہ اسلحے مختلف یورپی دار الحکومتوں سے ہو کر تہران جایا

کریں گے۔

سوزر ریلینڈ کے اخبار ٹریبون ڈولوزان نے ۲۹ جولائی ۱۹۸۱ء کو تہران سے ایک مراسلے میں کہا کہ ایران کو اسرائیلی اسلحے کی سپلائی زورچ میں مقیم ایک سویس دلال کے ذریعہ عمل میں آرہی ہے۔ ”ایران کے لیے اسرائیلی اسلحہ“ کے عنوان سے ایک مراسلے میں اس اخبار نے لکھا کہ اسلحے کی یہ ترسیل قانون کے عین مطابق ہے مگر اخلاقی طور سے بری بات یہ ہوئی کہ تمام دنیا کو اس خوفیہ سودے میں سویس حکومت اور ایک باشندے کے ملوث ہونے کا علم ہو گیا جو باعث بدنامی ہے۔

امریکی ٹیلی ویژن نے ۲۰ اگست ۱۹۸۱ء سے تین روز تک ایک طویل رپورٹ میں اس بات کے دستاویزی ثبوت پیش کیے کہ اسرائیل کافی عرصہ سے ایران کو اسلحہ فراہم کر رہا ہے جو کئی دلالوں کے ذریعہ مختلف راستوں سے ایران پہنچتا ہے۔ ایران نے کسی ایک دلال یا ایک ملک پر انحصار نہیں کیا ہے۔ اس رپورٹ میں انگریز اور سوئس دلالوں سمیت اور بھی متعدد نام بتائے اور دستاویزات بھی دکھائیں۔ یہ بھی انکشاف کیا کہ بعض صورتوں میں زورچ میں مقیم اسرائیلی فوجی اتاشی نے اسرائیل و ایران کے درمیان رابطے کے فرائض انجام دئے، اس رپورٹ میں یہ بھی بتایا گیا کہ امریکہ نے جو ایرانی اثاثے منجمد کیے تھے ان میں سے ایک بڑی رقم اب اسرائیلی اسلحہ اور فاضل پرزوں کے بدلے یہودیوں کے پاس پہنچ گئی ہے۔

اس ٹیلی ویژن نے یہ انکشاف بھی کیا کہ عراق و ایران جنگ شروع ہونے سے پہلے ہی ستمبر ۱۹۸۰ء میں ایک فرانسیسی ماہر جنگ نے تہران کا دورہ کر کے ایرانی جنگی ماہرین سے مذاکرات کیے، پھر جب اسی ستمبر ۸۰ء میں جنگ چھڑ گئی تو ایرانی وزارت جنگ نے فوراً دو فرانسیسی فوجی ماہرین کو تہران بلایا۔ یہ دونوں یہودی تھے۔ انہوں نے ایران کی بری، بحری اور ہوائی ضرورت جنگ کا تخمینہ لگا کر بتایا کہ ایران کے ایف ۴۰ لڑاکا طیاروں کی بڑی تعداد کو فوری سروس اور ہالنگ کی ضرورت ہے۔ پھر فوراً ہی ان یہودی ماہرین نے پیرس کے اسرائیلی سفارت خانے سے رابطہ قائم کیا، اور اسرائیل نے جنوبی فرانس کے ایک ہوائی اڈے

پر آواز سے تیز رفتار طیاروں کے ۲۵۰ فاضل پرزے اور پچاس اسکار میٹین ٹینک ایران کے حوالے کر دیے اور اس کی قیمت کی ادائیگی میں مدد دینے کے لیے امریکہ نے اپنے ریغالیوں کے عوض منجمد ایرانی اثاثے واگزار کر دیے، اسرائیل نے اطالوی بندرگاہ، سے ایم ۶۰ ٹینکوں کے فاضل پرزے بھی ایران کو فراہم کیے۔ اسرائیلی اسلحہ کا ایک حصہ پرنگال سے بھی فراہم کیا گیا ٹیلی ویژن نے تین لاکھ ڈالر کے اس ایرانی چیک کی فوٹو اسٹیٹ کا پی بھی دکھائی جو ایک قسط کے طور پر زیورج میں مقیم اسرائیلی فوجی اتاشی کے حوالے کیا گیا ہیں۔

ٹیلی ویژن نے اس وقت کے اسرائیلی وزیر اعظم مناحم بیگن کا ایک انٹرویو بھی نشر کیا تھا، جس میں بیگن نے اسرائیل کی طرف سے ایران کو اسلحہ کی فراہمی کا اعتراف کرتے ہوئے کہا تھا کہ وہ اسرائیلی قوانین کے مطابق اس سودے کی تفصیلات نہ بتانے پر مجبور ہیں۔ اس کے بعد ہی سابق ایرانی صدر ابو الحسن بنی صدر کا وہ انٹرویو نشر کیا گیا جس میں انہوں نے بتایا کہ وہ بارہا ایرانی ملاؤں پر زور دے چکے ہیں کہ اسرائیل سے اسلحہ کی خریداری کے بجائے عراق سے صلح کر لی جائے۔ مگر وہ اس کے لیے تیار نہیں۔

امریکی ٹیلی ویژن نے اس پروگرام میں سابق امریکی صدر کے پریس سکرٹری جوڈی پاؤل کا بھی ایک انٹرویو نشر کیا، جس میں جوڈی پاؤل نے اعتراف کیا کہ ایران کو اسرائیلی ہتھیاروں اور فاضل پروزوں کی فراہمی کا مساندہ سابق امریکی صدر کارٹر کے دور میں پوری احتیاط اور رازداری سے کیا گیا تھا۔ اسرائیل کی عرب (بلکہ اسلام) دشمنی کے پیش نظر کارٹر نے اسرائیل کو مشورہ دیا کہ عربوں کے خلاف ایران کی ہر ممکن مدد کی جائے اور ایران کے مذہبی پیشواؤں کو امریکہ کے اس ہمدردانہ طرز عمل کا جوں ہی علم ہوا وہ فوراً ہی امریکی ریغالیوں کو رہا کرنے پر آمادہ ہو گئے۔

ان بیانات اور واقعات سے ایران کی مسلم دشمن اور یہود دوست ذہنیت کا بہت واضح نقشہ سامنے آتا ہے اور دلچسپ بات یہ ہے کہ اگر ایران کا ایک شخص رازداری کی کوشش کرتا ہے تو دوسرا شخص بھانڈا پھوڑ دیتا ہے چنانچہ ارجنٹائن کا جو جہاز گرایا گیا تھا ۲۶ جولائی کو ایرانی

وزارتِ خارجہ نے سرے سے اس کے گرائے جانے ہی کا انکار کر دیا اور کہا کہ یہ من گھڑت خبر ہے جو اسلامی انقلاب کو بدنام کرنے کی ایک سازش کے طور پر انقلاب دشمنوں نے گھڑی ہے۔ مگر اس کے بعد قومی امور کے ایرانی وزیر جناب بہزاد نبوی نے اخبار نویسوں سے خطاب کرتے ہوئے تسلیم کیا کہ روس نے طیارہ گرایا ہے، مگر اس طیارہ میں اسلحہ نہیں تھا۔ اور یہ تل ایب سے تہران نہیں آ رہا تھا بلکہ تہران سے واپس جا رہا تھا۔ ۲۸ جولائی ۱۹۸۱ء کو ایرانی پارلیمنٹ کے اسپیکر اور ڈاڑھی صفا چٹ حجۃ الاسلام ہاشمی رفجانی نے تہران ریڈیو اور زدنامہ کیہان کو ایک انٹرویو میں بتایا کہ ارجنٹائنی طیارے کو واقعی روس نے گرایا ہے۔ یہ طیارہ اسلحہ لے کر ایران آتا رہا ہے مگر جب اسے گرایا گیا تو اس میں اسلحہ نہیں تھا اور وہ تہران سے واپس جا رہا تھا۔ البتہ ہاشمی رفجانی نے یہ نہیں بتایا کہ طیارہ کہاں سے آیا تھا اور کہاں واپس جا رہا تھا۔

پھر ۱۹ اگست ۱۹۸۱ء کو بیروت میں مقیم ایرانی ناظم الامور محسن الموسوی نے ایک اخباری بیان میں کہا کہ ایران اپنی ضروریات کا تمام اسلحہ کھلے بازار سے خریدتا ہے اور پھر اسے ائر لینڈ سے ارجنٹائن کے طیاروں میں قبرص کے واسطے تہران بھیجتا ہے۔ گرایا جانے والا طیارہ بھی اسی قسم کی پرواز پر تھا۔

پھر ۲۳ اگست ۱۹۸۱ء کو ایران کی سرکاری خبر رساں ایجنسی نے وزیر خارجہ حسین موسوی کے حوالے سے یہ اقرار کیا کہ ایران نے اسرائیل سے اسلحہ کی خریداری کی ہے۔ مگر اس سو دے بازی کی ذمہ داری سابق صدر ابو الحسن نبی صدر کے سر ڈال دی۔

کہنے کو تو وزیر خارجہ نے اس کی ذمہ داری سابق صدر پر ڈال دی۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ اسرائیل سے یہ گٹھ جوڑ ایران مستص پالیسی ہے۔ چنانچہ اس کے بعد بھی ایران کے متعلق اس قسم کی خبریں آتی رہیں جسے ہم نے بروقت قلمبند اور مرنب نہ لیا اس لیے اب انہیں پیش کرنا مشکل ہے۔ البتہ قریب کی ایک دو خبریں درج کی جا رہی ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ یہ تعلق اب تک برقرار ہے۔ کویت کافت روزہ البلاغ اپنی ۸ جنوری ۸۴ء کی اشاعت میں لکھتا ہے:

”چند دن پہلے قبرص کے ایک بحری جہاز نے یونان سے اسمگل کیے ہوئے ذخائر

لے کر جعلی دستاویزات کی مدد سے نہر سوئز عبور کرنا چاہا، مگر مصری پولیس نے اس پر قبضہ کر لیا۔ پولیس نے ایک یونانی کو بھی گرفتار کیا جو جہاز سے پہلے اطمینان حاصل کرنے کے لیے مصر پہنچا تھا کہ جہاز نہر سوئز سے بے خطر گزر جائے گا۔ مصری حکام کا بیان ہے کہ اس جہاز کی طرف سے جو کاغذات پیش کیے گئے تھے اس میں بتایا گیا تھا کہ یہ عام قسم کے سامان اور کچھ لوہے لکڑے لے کر جدہ جا رہا ہے، لیکن مصری حکام کو معلوم ہو گیا تھا کہ یہ ہتھیار اور دھماکہ خیز مادے لے کر جا رہا ہے۔ چنانچہ جب سامان کی چیکنگ کی گئی تو اس میں عام سامان کی بجائے مختلف قسم کے کوئی دو ہزار ٹن فوجی ساز و سامان برآمد ہوئے۔ پھر جہاز کے کپتان سے پوچھ گچھ کی گئی تو اس نے اقرار کیا کہ یہ سامان یونان سے اسمگل کر کے لایا جا رہا ہے اور ایران کے ساحلی شہر بندرعباس لے جایا جا رہا ہے۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ وہ اسی جہام کے ذریعہ ایران کو ہتھیار اسمگل کرنے کی کارروائی اس سے پہلے بھی بارہا کر چکا ہے۔“

یہ بات نوٹ کرنے کی ہے کہ اس واقعہ کی تکنیک ٹھیک ویسی ہی ہے جیسی اس سے پہلے کے اسرائیلی اسلحہ کی فراہمی کی رہ چکی ہے۔ اب آئیے اس سے بھی زیادہ قریب کا واقعہ سنیں! امی البلاغ، نے اپنی ۲۵ مارچ ۸۴ء کی اشاعت میں یہ انکشاف شائع کیا ہے:

”فرانس پر پریس نے مغربی جرمنی کے اخبار اسٹرن کے حوالہ سے بیان کیا ہے اسرائیل روزانہ ایران کو اسلحہ سپلائی کرتا ہے، جس میں شاہ کے زمانہ کے قدیم ہتھیاروں کے لیے فالتو پرزوں کی سپلائی بھی شامل ہے۔ اخبار نے لکھا ہے کہ روزانہ ایک ٹرانسپورٹ اسرائیلی طیارہ صحرائے نقب کے ایک جنگلی ہوائی اڈے سے رات کی تاریکی میں اڑتا ہے اور ملک شام کی فضا سے پوری آزادی کے ساتھ گزرتا ہوا طہران پہنچتا ہے۔ اخبار نے یہ بھی انکشاف کیا ہے کہ اسرائیلی دارالحکومت تل ابیب میں نمکین پانی کو صاف کرنے کی ایک کمپنی ہے، جس نے

پچھلے دنوں ۱۳۵ ملین ڈالر (یعنی ایک ارب تیس کروڑ پچاس لاکھ روپے) کے لانس میزائیل اور دستی بم ایرانی حکمرانوں کے حوالے کیے ہیں۔“

ہمیں اس پر اعتراض نہیں کہ کوئی برس پیکار ملک ہتھیار کیوں خریدتا ہے۔ لیکن آپ ہی فیصلہ کیجیے کہ جب اسلامی انقلاب کا دعویٰ دار ملک ایک دوسرے مسلمان ملک کو تہس نہس کرنے کے لیے اسلام کے ازلی اور سخت ترین دشمنوں سے پیٹنگیں بڑھالے اور مسلمانوں سے صلح کی تمام کوششوں کو یکسر مسترد کر کے خونخوار یہودیوں اور صلیبی عیسائیوں کی گود میں جا بیٹھے تو اس ملک کا انقلاب کہاں تک اسلامی ہوگا اور اس سے مسلمانوں کے لیے خیر کی کیا توقع کی جاسکتی ہے جو لوگ ایران کے نام نہاد اسلامی انقلاب پر خوشی سے ناچتے رہتے ہیں، انہیں ایران کی اس اسلامی دشمنی پر بھی نظر ڈال لینا چاہیے۔

ایران کے حقیقی حالات

صوفی نذیر امید کا شمیری اور ایڈیٹر محدث کے درمیان مراسلت:
 مارچ ۱۹۸۳ء کے محدث میں آغا خوش آمدید کے عنوان سے ایران کی موجودہ حکومت
 کے متعلق جو کچھ تحریر کیا گیا تھا اس پر ہمارے ایک نہایت ہی..... قابل احترام بزرگ صوفی
 نذیر احمد صاحب کا شمیری نے ہمیں یہ مراسلہ بھیجا ہے:

صوفی نذیر احمد کا شمیری

۸ مارچ ۱۹۸۳ء

ضمینی کے متعلق راقم کا موقف:

ابھی ایک مہمان جنہوں نے رسالہ محدث بنارس کا مارچ کے مہینے کا پرچہ پڑھا تھا،
 میرے ملنے کے لیے آگئے اور باتوں باتوں میں پوری صراحت سے ایک فقرہ کہہ کر میرے
 ردعمل کو معلوم کرنا چاہا۔ فقرہ یہ تھا، کہ ”ضمینی کے متعلق، جماعت اسلامی کی طرح میرا موقف یکسر
 غلط ہے“ لہذا اس سلسلے میں بات کو صاف کر دینا چاہتا ہوں۔ میرا یقین ہے اور امر واقعہ بھی یہی
 ہے کہ شیعہ فرقہ اصولاً مذہبی فرقہ نہیں ہے بلکہ اس نے خاص سیاسی حالات میں جنم لیا تھا۔ اس
 نے اس وقت جنم لیا جب اسلام بحیثیت دین کامل دنیا پر ظاہر ہو کر ایک ہمہ گیر اصلاح انسانی
 کی تحریک بن چکا تھا اور اس میں جو اصول کام کر رہا تھا وہ اخوة مومنانہ کا اصول تھا۔ جس میں
 کنبہ داریت کا نام و نشان نہ تھا۔ اس کے بجائے اس میں یہ فتویٰ موجود تھا کہ:

”لیس منی من دعا الی العصبیۃ۔“ لیس مین من قاتل علی

عصبیۃ“ لیس منی من مات علی العصبیۃ۔“

”وہ ہم میں سے (امت مسلمہ سے) خارج ہے جو کنبہ کے نام کی دہائی دے۔“

وہ ہم میں سے نہیں جو کنبے کے نام پر جنگ کرے، وہ ہم میں سے نہیں جس کی موت کنبہ پروری پر ہو۔“

اور شیعہ سنی کا موجودہ جھگڑا اس دور سے کوئی رابطہ نہیں رکھتا، لہذا اصلاح امت کی کوشش کرنے والوں کا فرض ہے کہ اصل پر نظر رکھ کر ہر دور میں کوشش کریں۔ یہی تجدید امت و دین کا مفہوم ہے۔

اور چونکہ موجودہ دور عالمگیر اصلاح و تجدید دین کے لیے امت کے صلحاء کو مجبور کر رہا ہے کہ وہ اصلاح امت کر کے امت محمدی کو عالم گیر وحدت امت و دین کا نمونہ بنانے کی کوشش کریں۔ لہذا راقم کا ان مصلحین کو مشورہ ہے کہ وہ اصل دین پر نظر رکھ کر اور بعد کے تفرقے کو نظر انداز کرتے ہوئے وحدت امت کا تصور مسلمات پر قائم کریں۔

چونکہ مسلمات امت سب یکساں ہیں لہذا ابھی سے مسلک کو بنیادی شرط قرار دینے کے بعد امت کی وحدت عالمگیر کے قیام کا سوال آسان ہو جاتا ہے۔

مجھے معلوم نہیں کہ اس سلسلے میں جماعت اسلامی کا کیا موقف ہے؟ خدا نہ کرے وہ اگر محض سیاسی مصالح کے ماتحت مودودی صاحب نے اس میں کچھ کمی زیادتی کی ہو تو اسے نظر انداز کر دیں اور راقم کے عرض کردہ مشورے کو قبول کر لیں۔ انشاء اللہ اس میں اللہ پاک کامیابی دے گا۔ لہذا جو لوگ راقم کے متعلق کسی سوء ظن میں گرفتار ہوں وہ راقم کی اس وضاحت کو سامنے رکھ لیں اور اسی نقطہ نظر کو اپنائیں اور امت گیر کریں۔ راہ اصلاح صرف یہی ہے اور صلحاء امت کو آغاز کار کرنے سے پہلے اعلان کرنا ہوگا۔

”إِنْ أُرِيدُ إِلَّا الْإِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ .“

”ہم تو صرف اصلاح چاہتے ہیں جہاں تک ممکن ہے۔“

یہ حروف جناب امیر جماعت اسلامی کی خدمت میں ارسال ہیں کہ وہ انھیں اشاعت دے کر اصلاح حالی کی کوشش کریں۔ جناب مدیر محدث کی خدمت میں گزارش ہے کہ وہ اس شذرے کو ضرور شائع کر دیں ورنہ عند اللہ مجھے شکایت ہوگی۔

والسلام..... فقیر نذیر احمد

شمیٰ یا ایران سے متعلق صوفی صاحب کے اس حسن ظن یا خوش فہمی کی بنیادی وجہ کیا ہے اسکی وضاحت صوفی صاحب ہی کے ایک دوسرے مکتوب سے ہوتی ہے جسے آپ نے میرے ایک خط کے جواب میں ۱۹/۱۹ اپریل ۱۹۸۳ء کو لکھا تھا۔ سلام وغیرہ کے بعد لکھتے ہیں:

”شیعہ عقائد سے پوری طرح واقف ہوں لیکن یہ بھی ایک واقعہ ہے کہ گزشتہ سو برس سے جب سے جمہوری دور کا آغاز ہوا ہے شیعہ مفکرین اپنے خرافاتی عقائد و اعمال سے نکل آنے اور اسلام سے اپنا رابطہ قائم کرنے کے لیے مسلسل کوشاں رہے ہیں۔ آغا خاں جو شیعہ ازم کے ایک بڑے حصے کا امام رہا ہے اس کا کھلا اعلان ہے کہ اسلام کا زوال تو فاروق اعظمؓ کے فوت ہونے کے ساتھ ہی شروع ہو گیا تھا، اس کا کھلا ہوا یہ بھی بیان ہے کہ بنو امیہ کی ملوکیت تاریخ ملوکیت کا شاہکار ہے اور مسلمان مورخوں نے ان کے ساتھ ظلم کیا ہے۔“

آخری جنگ عظیم کے بعد اس نے یورپ کے سامنے اسلامی دعوت کو لانے کی کوشش کی تو اس سلسلے میں اس نے جو دعوت نامہ شائع کیا، اس میں چھوٹے ہی یہ اعلان کر دیا کہ شعیہ نقطہ نظر کے بجائے غزالی کے نقطہ نظر کو وہ اختیار کر رہا ہے۔ حضرت عمر و حضرت ابو بکر کے متعلق اس کا اعتقاد کسی غالی سنی سے کم نہ تھا۔ یہی حالت اس کی صحیحین کے متعلق تھی۔ ایک دفعہ اس کے فرقے کا بہت بڑا اجتماع بمبئی میں ہوا تو اس کے مریدوں نے شکایت کی کہ وہ ایک طرف سے غیر مسلموں کو اپنے فرقے میں لاتے ہیں تو دوسری طرف وہ سنی ہو جاتے ہیں۔ تو اس نے جواباً یہ کہا کہ اس سے ان کے اصل مقصد پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ ان کا اصل مقصد صرف یہ ہے کہ وہ غیر مسلم دنیا کی بڑی سے بڑی تعداد کو اسلام میں لائیں۔ یہ ضروری نہیں کہ وہ آغا خانی ہی رہے۔ حیدرآباد میں ایک امیر و کبیر کنبہ آغا خانی تھا۔ مگر تھوڑے عرصے میں ان میں نے ایک تو دیوبندی ہو گیا دوسرا اہلحدیث ہو گیا، تیسرا قادیانی ہو گیا۔ ان کے ماموں حاجی پیر محمد شدید درجہ کے اہلحدیث تھے اور باوجود بے علم ہونے کے بڑے بھاری مبلغ بھی تھے۔ میں اسی

امکان پر کام کر رہا ہوں۔

صوفی صاحب کے اس مکتوب سے ان اسباب کی نشاندہی ہوتی ہے جو صوفی صاحب کے حسن ظن اور خوش فہمی کی بنیاد ہیں۔ ہماری بھی آرزو تھی کہ ایران کا انقلاب ملت کے عروج و اتحاد کی بنیاد بننا مگر افسوس ہے کہ حقائق اس حسن ظن اور آرزو کا ساتھ نہیں دیتے۔ خمینی صاحب اور ان کے پاسداران انقلاب کا نقطہ نظر آغا خان کے نقطہ نظر کے بالکل برعکس اور متضاد ہے۔ وہ نہ حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کو مسلمان مانتے ہیں نہ ان کی خلافت کو برحق سمجھتے ہیں۔ نہ اہل سنت کو مسلمان سمجھتے ہیں نہ ان کے وجود کو قابل برداشت، نہ وہ حضرت عمر بن عبدالعزیز سمیت بنو امیہ کی خلافت کو جائز سمجھتے ہیں۔ نہ صحیحین سے ان کا کوئی تعلق ہے نہ وہ قرآن ہی کو موجودہ شکل میں درست سمجھتے ہیں۔ ان کی نگاہوں میں اہلسنت کی تباہی اور قتل عام ہی اسلام کی سب سے زبردست اور جلیل القدر خدمت ہے۔ ان باتوں کا مدلل ثبوت دیکھنا ہو تو ملاحظہ فرمائیے۔^①

ہم نے صوفی صاحب کو اپنے ایک طویل مکتوب میں خمینی صاحب کی تحریروں کے حوالے سے بتایا تھا کہ خمینی صاحب کا اعتقاد ہے کہ شیعوں کے امام پوری کائنات کا خدائی نظام چلاتے ہیں۔ وہ رسول اللہ ﷺ سمیت سارے انبیاء سے افضل و برتر ہیں۔ فرشتے اور انسان سب حضرت علی کے تابع فرمان ہیں حتیٰ کہ ان کے دشمن بھی۔

خمینی صاحب تقیہ کے اس حد تک قائل ہیں کہ حرام شرمگاہ بھی بطور تقیہ حلال جانتے ہیں، اور حضرت عائشہ و حفصہ کی رسول اللہ ﷺ سے شادی کو اسی بنیاد پر صحیح مانتے ہیں۔ اہل سنت کے پیچھے نماز درست نہیں مانتے لیکن بطور تقیہ پڑھنے کو رسول اللہ ﷺ کے پیچھے صف اول میں پڑھنے کے برابر مانتے ہیں۔ موجودہ قرآن کو صحیح نہیں مانتے بلکہ ان کا ایمان ہے کہ پورا قرآن صرف حضرت علی کے پاس تھا، جس میں مہاجرین و انصار صحابہ کرام کی سیاہ کاریاں بھی درج تھیں۔ وہ صحابہ کو کافر کہتے ہیں اور ان پر لعنت بھی بھیجتے ہیں۔ حضرت علی کے علاوہ تمام

① محدث، فروری، مارچ، اپریل، مئی، ۱۹۸۳ء۔

حکمران صحابہ یعنی حضرت ابو بکر و عمر و عثمان کو سخت ظالم کہتے ہیں۔

اسی طرح حضرت عمر بن عبدالعزیز سمیت بنو امیہ کے تمام حکمرانوں کو بھی ایسا ظالم سمجھتے ہیں کہ ان کی وجہ سے احکام اسلام کا بیان ممکن نہ رہا۔ خمینی صاحب غدیر خم کی اس شیعہ روایت کے قائل ہیں جس میں حضرت ابو بکر و عمر کو ابلیس سے بھی بڑا کافر کہا گیا ہے۔ خمینی صاحب امام غائب والی خرافات کے بھی قائل ہیں کہ وہی مہدی بن کر نمودار ہوں گے اور حضرت ابو بکر و عمر کو قبر سے زندہ نکال کر سولی دیں گے۔ اور تمام سنی حکمرانوں اور ان کے درباریوں کو پانچ پانچ سو کی تعداد میں چھ بار زندہ کر کے انھیں قتل کریں گے۔ پھر ساری روئے زمین سے ابو بکر و عمر کو مسلمان سمجھنے والوں کا وجود مٹا دیں گے۔ خمینی صاحب اپنے آپ کو اسی مہدی کا نائب کہتے ہیں اور اپنی حکومت کو اسی مہدی کی آمد کی راہ ہموار کرنے والوں کی حکومت کہتے ہیں۔

صوبہ اہواز کے عربی النسل سنی مسلمانوں پر خمینی حکومت نے بے تحاشا ظلم توڑے ہیں انھیں اپنی مادری زبان عربی پڑھنے کی اجازت نہیں۔ کر دوں کو بھی سنی ہی ہونے کی وجہ سے کچلا جا رہا ہے۔ اندرون ملک بڑے بڑے سنی علماء کو جیل میں ڈال دیا گیا ہے۔ اور ان کی مسجدوں اور مدارس پر یا تو تالے ڈال دیے گئے ہیں یا شیعوں نے قبضہ کر رکھا ہے۔ سنیوں کو بالجبر شیعہ بنایا جا رہا ہے۔ اور اس سلسلے میں ایسے مظالم ہو رہے ہیں کہ مشرقی ایران کی سنی اکثریت کی ایک خاصی بڑی تعداد نے اپنے متصل روسی علاقوں میں پناہ لے رکھی ہے۔ اہل سنت کے ساتھ مل کر کام کرنے کے قائل روشن خیال شیعہ دانشوروں کو انحراف اور غلو کے الزام میں تہ تیغ کرتے کرتے صاف کر دیا گیا ہے۔ جنگ کے لائق افغان مہاجرین کی ایک خاصی تعداد کو خمینی حکومت نے ہتھیاروں کے بدلے روس کے حوالے کر دیا جنھیں روس نے تہ تیغ کر دیا بقیہ کی نگرانی قیدیوں کی طرح کی جاتی ہے ابھی حال ہی میں ان کی خاصی تعداد ایران سے بھاگ کر پاکستان آئی ہے۔

روس میں ایران کے کم از کم ایک سو پراجیکٹ تیار ہو رہے ہیں اور اسلام دشمن سرگرمیوں میں ملوث دوسرے کمیونسٹ ملکوں سے بھی ایران کی دوستی ہے۔ لبنان میں ایرانیوں نے فلسطینیوں کو کچلنے والی طاقتوں کا پورا پورا ساتھ دیا۔ عراق سے جنگ کا بہانہ یہ ہے کہ وہ بعضی

یعنی بے دین ہے۔ مگر شام ان سے بھی زیادہ گندہ بعتی ہے اور اس سے ایران کی دوستی ہے۔
ایران امریکہ اور اسرائیل کے خلاف نعرے لگاتا ہے مگر اس کو عراق سے لڑنے کے لیے
ہتھیار اسرائیل اور امریکہ ہی سے ملتے ہیں غالباً یہ تقیہ کی برکت ہے۔

کراچی میں ایرانی طلبہ صحابہ کی لعنت و تکفیر پر مشتمل ٹریکٹ تقسیم کرتے تھے اسی پروہاں
سخت شیعہ سنی فساد ہوا۔ اسی طرح کے ٹریکٹ تقسیم کرنے پر واشنگٹن کی جامع مسجد میں بھی
فساد ہوا۔ اور اس مسجد پر مدتوں تالا ڈال کر پولیس کا پہرہ رہا۔ خمینی حکومت امریکہ اور مغربی
ممالک کے خلاف گلے پھاڑ پھاڑ کر نعرے لگاتی ہے مگر خمینی صاحب کے پروپیگنڈے کے دو
بڑے مراکز لندن اور امریکہ میں ہیں۔ یہ بھی تقیہ کی برکت ہے (جہاں سے اسلام پسند ممالک
کے خلاف جھوٹے پروپیگنڈے کا غلغلہ بلند کیا جاتا ہے۔

نصیر الدین طوسی جس نے ہلاکو کو بغداد پر چڑھا کر بغداد اور نواح بغداد میں چھ کروڑ سے
زیادہ مسلمانوں کا قتل عام کرایا تھا۔ خمینی صاحب طوسی کی اس حرکت کو اسلام کی جلیل القدر
خدمت قرار دیتے ہیں۔

ان تفصیلات کی روشنی میں خمینی صاحب کا حقیقی چہرہ دیکھا جاسکتا ہے کہ وہ امت کو متحد و
سر بلند کرنا چاہتے ہیں یا امت کی لاش پر شیعہ عظمت کا شیش محل تعمیر کرنا چاہتے ہیں۔ اور خمینی
صاحب کا وجود شیعوں کے قدیم تاریخی جرائم کی ایک کڑی ہے یا ان جرائم کا کفارہ۔

یہ ہے اس طویل خط کا خلاصہ جو ہم نے پورے ثبوت اور حوالوں کے ساتھ اس موضوع
پر ۲۴ جنوری ۱۹۸۴ء کو صوفی نذیر احمد صاحب کی خدمت عالیہ میں روانہ کیا تھا۔ افسوس ہے کہ
صوفی صاحب گہری سوجھ بوجھ اور مومنانہ فراست رکھنے کے باوجود ان سارے حقائق کے
سامنے آجانے پر بھی خمینی صاحب کے بارے میں اپنی خوش فہمی اور حسن ظن قائم رکھے ہوئے
ہیں ہم سمجھتے ہیں کہ اس باقاعدہ تمام حجت کے بعد اب مزید بحث بیکار ہے۔

اگر صوفی صاحب عدم اشاعت کی صورت میں عند اللہ شکایت کی دھمکی نہ دیتے تو ہم اس
موضوع کو اس ڈھنگ پر سرے سے چھیڑتے ہی نہیں۔ واللہ ولی التوفیق۔

مکہ معظمہ میں ایرانی سفاکی اور اس کے مضمرات

محدث کے صفحات میں ایک سے زائد بار ہم اس بات کا اظہار کر چکے ہیں کہ ایران کا موجودہ انقلاب کوئی اسلامی انقلاب نہیں ہے۔ بلکہ وہ ایک خالص اور ہمہ جہتی شیعہ انقلاب ہے اور شیعہ مذہب یہود و مجوس کی مشترکہ سازش کی پیداوار ہے، جس کا مقصد جوہی یہ ہے کہ اسلام کے نام پر اسلام اور امت اسلامیہ کو جہاں تک ممکن ہو تباہ و برباد کیا جائے چنانچہ اسلام کی بربادی کے لیے اس مذہب کی بنیاد ایسے عقائد پر رکھی گئی، جو صرف یہی نہیں کہ اسلام سے کوئی واسطہ نہیں رکھتے بلکہ جو صریح طور پر اسلام کے منافی ہیں۔ اور اسلامی نقطہ نظر سے شرک و کفر کی حدوں کو جا بھنچتے ہیں۔

اس مذہب میں ائمہ اہل بیت کو انبیاء کے مقام سے بلند اور خدائی تصرفات کا مالک بنا دیا گیا۔ قرآن و احادیث نبویہ کو ناقابل اعتبار قرار دیا گیا، جھوٹ اور فریب دہی کو اخلاقیات کا بنیادی پتھر ٹھہرایا گیا۔ اور اسلامی کیرکٹر کی بربادی کے لیے متعہ جیسی حیا سوز بدکاری کو صرف یہی نہیں کہ رواج عام دیا گیا بلکہ اس کی فضیلت اور خوبیوں کے سلسلے میں احادیث و آثار گڑھے گئے، اس طرح لوگوں کی ایک اچھی خاصی تعداد جس نے دائرہ اسلام میں داخل ہونا چاہا اور وہ اس مذہب کے نمائندوں کے ہتھے چڑھ گئی، اس کا دین و ایمان برباد ہو کر رہ گیا۔ آج ہندوستان و پاکستان اور ایران و لبنان وغیرہ میں ان کے خلاف کی ایک بہت بڑی تعداد دیکھی جاسکتی ہے۔

دوسری طرف امت مسلمہ کی بربادی کے لیے اس مذہب نے وحی الہی کے اولین مخاطب اور اسلام کے اصل حاملین یعنی رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام اور خاصان خاص کو کافر و مرتد قرار دے کر ان کی اور ان کے صحیح پیروکاروں یعنی اہل سنت کی عداوت و دشمنی اور ان کی

ایذا رسانی و بربادی کو اپنا اصل الاصول قرار دیا۔ اور اس مقصد کے لیے رذلت کی آخری حدوں تک چلے جانے کو بھی باعثِ ثواب ٹھہرایا۔ امت کی تاریخ میں تباہی و بربادی کے جتنے بڑے بڑے حادثات پیش آئے ہیں، ان کے پیچھے شیعہ حضرات کا ہاتھ ضرور رہا ہے۔

ابتدائی صدیوں میں ان کے خفیہ چھاپہ ماروں کے ہاتھوں کئی لاکھ مسلمان قتل کیے گئے۔ حرمِ پاک میں عظیم خونریزی ہوئی، بار بار بغاوت کے لاوے پھولے اور کشت و خون کی ندیاں بہیں اور یہ تو سب کو معلوم ہے کہ تاتاریوں کے ہاتھوں بغداد کی تباہیِ نغی کی بدولت ہوئی جس میں تنہا بغداد و نواحِ بغداد میں ایک کروڑ چھ لاکھ مسلمان مارے گئے۔ اس تباہی پر شیعہ آج بھی اس قدر خوش ہیں کہ اسے عُثمینی صاحب نے اسلام کی خدمت جلیلہ قرار دیا ہے۔ دور کیوں جائیے، خود ہمارے ملک ہندوستان میں مسلمانوں کی بڑی بڑی تباہیاں انھی کے طفیل ہوئیں۔ میر جعفر، میر صادق، میر قاسم، قاسم علی لنگڑا وغیرہ۔ جن کی وجہ سے بنگال میں سراج الدولہ اور میسور میں شیر میسور سلطان ٹیپو کی مسلم سلطنتیں انگریزوں کے ہاتھوں تاراج ہوئیں اور معلوم نہیں کتنی صدیوں کے لیے ہندوستانی مسلمانوں کے گلے میں ذلت و رسوائی کا طوق پڑ گیا۔ یہ سارے کے سارے غدارانِ ملک و ملت اور تنگہائے دین و وطن شیعہ ہی تھے، جن کے بارے میں علامہ اقبال کا یہ شعر زبانِ زدِ خاص و عام ہے:

جعفر از بنگال، صادق از دکن

تنگ ملت، تنگ دیں، تنگ وطن

بلکہ علامہ اقبال نے تو ان کے نام کو غداری و بد عہدی کا رمز ہی بنا ڈالا۔ ”الامان از جعفران ایں زماں“ غرض شیعہ مذہب اور شیعہ امت کا مقصد وجود ہی یہ ہے کہ حقیقی اسلام اور حقیقی مسلمانوں کو روئے زمین سے ختم کر دیا جائے اور یہودی شریعت اور مجوسی قوم پرستی کے معجونِ مرکب کو اسلام کے نام پر اقتدار و سر بلندی عطا کی جائے۔ مگر جب جب انھوں نے زمین میں فساد پکایا اور خلقِ خدا کو اپنی چہرہ دستیوں کا نشانہ بنایا، اللہ نے اپنی سنت کے مطابق ان کو بھی یہودی طرح اپنے کچھ خاص بندوں کے ذریعہ کچلوا دیا۔ اور جو دارِ دگیر سے بچ رہے

انھوں نے اپنے مسلمہ اصول تقیہ کے مطابق بظاہر شائستگی و سلامت روی اختیار کر لی اور خونخواری کے جذبات کو کسی مناسب وقت کے لیے دبایا۔

اس طرح کے مسلسل تجربات کی روشنی میں شیعہ رہنماؤں نے اسلام کی مکمل تباہی کا منصوبہ تہ خانہ سامراء کی افسانوی شخصیت محمد بن حسن عسکری (امام غائب اور مہدی موعوم) کی آمد پر موقوف کر دیا۔ اور خود اندھیرے اجالے لعنت و ملامت کے الفاظ اور جملوں اور دعاؤں سے لذت کام و دہن لینے پر اکتفا کیا۔ چونکہ ان کے عقیدے کے مطابق اسلام و اہل اسلام کی اس ہمہ گیر تباہی کے لیے جو جنگی کارروائی ہوگی اسی کا نام جہاد ہے، اس لیے انھوں نے جہاد کو بھی امام غائب کی آمد تک کے لیے موقوف قرار دیا، اور محض محللاتی سازشوں کے ذریعہ اہل سنت کی بربادی کے سامان مہیا کرنے پر اکتفا کرتے رہے۔ مگر حُسنی صاحب نے آ کر اجرے جہاد (یعنی اہل سنت کے خلاف شیعوں کی مذہبی فوج کشی) کا فتویٰ دیدیا۔

ان کی دلیل یہ ہے کہ شیعہ روایات کے مطابق مشرق سے ایک فوج کالی جھنڈیاں لے کر آئے گی، اور مہدی کے لیے راستہ ہموار کرے گی مہدی مکہ میں ظاہر ہوں گے۔ خانہ کعبہ کے دروازے اور حجر اسود کے درمیان ملتزم کے پاس ان سے بیعت لی جائے گی۔ پھر وہ مدینہ جائیں گے، مسجد نبوی کو ڈھائیں گے اور ابو بکر و عمر نیز دوسرے صحابہ کرام ازواج مطہرات (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کو پھر ان کے طریق پر کار بند حکام اور ان کے مقربین کو زندہ کر کے سزائیں دیں گے۔ پھر نجف اشرف آئیں گے اور وہاں سے ہر چہار جانب کے شیعوں کو پکاریں گے، جس کے جواب میں ابتداء سے اس وقت تک مرنے والے سارے شیعہ قبروں سے نکل نکل کر ان کے جھنڈے تلے جمع ہو جائیں گے اور پھر ان کے ذریعہ مہدی روئے زمین سے ان تمام افراد کا صفایا کریں گے جو ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے برحق ہونے کا کچھ بھی یقین رکھتے تھے۔ یہی مراد ہے اس روایت سے جس میں کہا گیا ہے کہ مہدی زمین کو عدل و انصاف سے بھر دیں گے، جیسا کہ وہ ظلم و جور سے بھری ہوگی۔

حُسنی صاحب کے استدلال کی بنیاد یہ ہے کہ کالی جھنڈیوں والی جو فوج مہدی کا راستہ

ہموار کرنے آئے گی، اگر ظہور مہدی سے پہلے پہلے اسکے ہاتھوں مکہ مدینہ (حجاز) سے لے کر نجف اشرف (عراق) تک فتح نہ ہو جائے تو مکہ میں مہدی کی بیعت مدینہ میں ان کی انتقامی کارروائی اور نجف اشرف میں ان کے جھنڈے تلے شیعہ فوجوں کا قبروں سے نکل نکل کر اجتماع کیسے ہو سکے گا۔ اس لیے ضروری ہے کہ ظہور مہدی سے پہلے جہاد شروع کیا جائے، اور ان علاقوں کو بزور شمشیر یا بذریعہ حیلہ و بہانہ اپنے تصرف و اقتدار میں لایا جائے۔ چوں کہ خمینی صاحب اور ان کے پیروکار موجودہ ایرانی انقلابی حکومت کو ”دولتہ المومنین“ یعنی مہدی کے لیے راستہ ہموار کرنے والی حکومت کہتے اور لکھتے ہیں۔ اس لیے ایک طرف تو انہوں نے ساری دنیا کو چھوڑ کر عرق کو اپنے جہاد کا نشانہ بنایا کہ یہی ان کے راستہ کی پہلی منزل ہے اور اسی لیے وہ لاکھ لاکھ ایرانیوں کی پے بہ پے ہلاکت کے باوجود پورے جذبہ خونخواری کے ساتھ میدان میں ڈٹے ہوئے ہیں اور ان پیشینگوئیوں کے مطابق فتح کی امید میں جنگ بندی کی ہر کوشش کو ٹھکراتے جا رہے ہیں اور دوسری طرف حجاز پر نظریں گاڑے ہوئے ہیں اور وہاں سے آل سعود کو بے دخل کرنے کی سازشیں رچتے پھر رہے ہیں۔

کبھی لندن میں کبھی پاکستان میں اور کبھی کسی اور جگہ کانفرنسیں کی جا رہی ہیں۔ کہ حجاز پر سارے اسلامی ممالک کی مشترکہ حکومت قائم کی جائے اور اس کے لیے تائید حاصل کی جاتی ہے، لیبیا کے قذافی جیسے کمیونسٹ اور شام کے حافظ الاسد جیسے شیعہ اور ملحد حکمرانوں سے یا منکرین حدیث اور بریلوی جماعت کے بعض ناواقف سربراہوں سے جو وہابیت دشمنی کے دیرینہ جذبہ سے مغلوب ہو کر حقائق اور انجام سے بالکل بے خبر ہیں۔ ان کوششوں سے ایران کا منشا یہ ہے کہ ایک بار حجاز پر اسلامی منگ کا مشترکہ اقتدار قائم ہو جائے تو پھر وہاں ایرانی فوج اتنی بڑی تعداد میں اتار دی جائے کہ وہ خالص ایرانی مقبوضہ بن جائے اور کسی کے لیے دم مارنے کی گنجائش نہ رہے۔

اس مقصد کے لیے کانفرنسوں کے علاوہ فوجی اور نیم فوجی کارروائیاں بھی ایران کے پروگرام میں مستقلاً شامل ہیں، اور اس کے لیے موسم حج کا استحصال کرنے کی کوشش کی جا رہی

ہے۔ چنانچہ کئی برس سے ایران زمانہ حج میں گڑ بڑ مچاتا چلا آ رہا ہے۔ دو بار مدینہ میں ہنگامہ ہو چکا۔ کئی بار مکہ میں مظاہرہ ہوا، تین چار سال پہلے حکومت ایران نے شدت سے اصرار کیا کہ حرم سے متصل ہر چہار جانب کے مکانات ایرانی حجاج کو دیے جائیں اور ان کے بعد دور دراز جو مکانات باقی بچیں وہ دیگر ممالک کے حاجیوں کو دیے جائیں۔ نیز کسٹم پر ایران سے جانے والے عازمین حج کے سامان چیک نہ کیے جائیں۔ مقصد ظاہر ہے یہ تھا کہ اس طرح ایرانی حضرات اسلحہ سمیت مکہ میں داخل ہو جائیں اور حرم اور اس کے اطراف پر اس طرح قبضہ کر لیں کہ سعودی فوج کے لیے کارروائی کرنی ناممکن یا سخت مشکل ہو جائے۔

پھر ان قابضین کی امداد کے لیے ایران کے فوجی طیارے اور بحری جنگی جہاز حرکت میں آجائیں، اور مکہ اور پھر حجاز پر شیعہ حکومت قائم ہو جائے۔ مگر سخت اصرار کے باوجود سعودی حکومت ان کے دام فریب میں نہ آسکی تو پچھلے سال متعدد ایرانی حجاج کو گولہ بارود کے ساتھ بھیجا گیا کہ کم از کم وہ تخریب کاری ہی کریں۔ لیکن یہ گولہ بارود کسٹم ہی میں پکڑ لیا گیا۔ تو اس سال ایک نئی اسکیم بنائی گئی۔ حجاج کے بھیس میں خاصی تعداد میں تربیت یافتہ فوجی حج کے بہانے مکہ آئے اور چھریوں اور چاقوؤں سے مسلح ہو کر مظاہر شروع کر دیا۔ ساتھ ہی ساتھ سڑکوں پر کھڑی کاروں اور دیگر اشیاء کو آگ لگانی شروع کر دی اور رانوں کے اندر چھپائے ہوئے چھروں اور چاقوؤں سے سعودیوں اور غیر ایرانی حاجیوں پر حملے شروع کر دیے۔

غالباً ایرانیوں نے سمجھ رکھا تھا کہ مکہ میں چند مسلح ہریداروں اور بے ہتھیار نگراں پولیس کے سوا کوئی مسلح سعودی فورس نہیں اور جب تک جدہ یا طائف سے مسلح فوج آئے گی تب تک وہ بہت بڑے پیمانے پر تباہی مچا کر خانہ کعبہ پر قبضہ کر چکے ہونگے اور کم از کم اس سال کا حج نہ ہونے دیں گے۔ مگر کشت و خون اور آتش زنی کا یہ سلسلہ جاری ہوتے ہی سعودی فورس نے مظاہرہ کی پیش قدمی روک دی جس سے گھبرا کر پیچھے کے بے خبر ایرانی سوراؤں میں بھگدڑ مچ گئی، اور اس کے نتیجے میں خود ان کے کئی سوا فرد پیروں تلے کچل کر لقمہء اجل بن گئے۔

ایرانی رہنماؤں کو معلوم تھا کہ اس طرح کی خبروں اور کاروائیوں سے وہ مکہ معظمہ پر اپنا

اقتدار قائم نہ کر سکیں گے۔ لیکن انھیں توقع تھی کہ یہ پروگرام اس حد تک ضرور کامیاب ہو جائے گا کہ حج کا سارا انتظام درہم برہم ہو جائے گا اور قتل و خونریزی آتش زنی اور فساد اور گڑبڑی اتنے بڑے پیمانے پر پھیلے گی کہ طویل وقفے تک سعودی فورس کنٹرول نہ کر سکے گی۔ مختلف ممالک کے حجاج بڑے پیمانے پر قتل اور زخمی ہوں گے، پھر گڑبڑ کا الزام سعودی باشندوں اور سعودی فورس کے سر رکھ کر پورے عالم اسلام میں اس کی غفلت، شرارت اور بدنظمی کا ڈھنڈورا پیٹا جائے گا۔ (جیسا کہ اب بھی کیا جا رہا ہے۔)

لہذا سعودی دنیا میں منہ دکھانے کے لائق نہ رہیں گے اور اس طرح پورے عالم اسلام کو سعودی عرب کے خلاف متحد کر کے یہ متفقہ مہم چلائی جائے گی کہ حجاز کو سعودی عرب کے اقتدار سے نکال کر وہاں کا انتظام پورے عالم اسلام کے نمائندوں کے حوالہ کیا جائے۔ ایران کو یقین تھا کہ یہ مہم کامیاب ہوگی اور یوں اس کا دیرینہ منصوبہ عالم وجود میں آ جائے گا۔ مگر اللہ تعالیٰ کیف فعل ربك باصحاب الفيل ﴿۱﴾ والے پروردگار نے پورا معاملہ ہی الٹ دیا اور ایرانی پروگرام صرف یہیں نہیں کہ پہلے ہی قدم پر فیل ہو گیا، بلکہ ان کی تخریبی کارروائی کی پوری ویڈیو فلم بھی لے لی گئی جس کے بعد ایرانیوں کی کوئی بات بنائے نہ بن سکی۔ اور ساری دنیا نے سعودی عرب کی تائید اور اس کے چست نظام اور بروقت کارروائی کی تعریف کی اور ایران پر لعنت و ملامت کے ڈونگرے برسائے: ﴿وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ، مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ﴾ ﴿۲﴾

یہ ہیں وہ مضمرات و مقاصد جن کے لیے ایرانی کارندے کئی برس سے حرمین شریفین جیسے مقدس مقامات کو اپنی ہلڑبازی کا نشانہ بنائے ہوئے ہیں اور جس کے لیے انھوں نے اس سال حرمین کی تاریخ میں ایک سیاہ ترین کام انجام دیا اور نہ آپ غور کیجیے کہ آخر اس کا کیا تک ہے کہ حرمین شریفین میں تو امریکہ اور اسرائیل کے خلاف مظاہر سے منظم کر کے مردہ باد کے نعرے لگائے جائیں اور ان کے سر براہوں کے پتلے جلائے جائیں مگر بندر خمینی اور تہران ہوائی اڈے پر امریکی اور اسرائیلی جہازوں کا استقبال کیا جائے اور دولت کا انبار ان دونوں ملکوں

کے حوالے کر کے مسلمانوں کے قتل کے لیے ان سے اسلحہ خریدے جائیں اور پھر اعمال حج کے دوران ”لبیک اللہم لبیک“ کی جگہ لبیک یا خمینی پکارا جائے۔ طواف کے دوران پرسوز دعاؤں کی جگہ ”اللہ واحد، خمینی قائد“ اور ”اللہ اکبر، خمینی رہبر“ کی صدائیں بلند کی جائیں اور قربانی کے جانوروں کی جگہ انسانوں کو ذبح کرنے کی کوشش کی جائے۔ کیا اسی دور خمینی پالیسی کا نام اسلام دوستی ہے اور کیا انھی ہلڑ باز یوں کا نام حج ہے؟ بہر حال اب کی بار تو قدرت نے ضرب لگائی ہی ہے۔ آئندہ بھی..... ان شاء اللہ..... حرم میں مفسدہ پردازی کرنے والوں کو ناکامی ہی ہاتھ آئے گی۔

﴿ وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُونَ ﴾



مکہ نے دیا خاک جینوا کو یہ پیغام

دیارِ یورپ میں اسلامی نظام کا تعارف اور دانشورانِ یورپ کی خیرگی اور تاثر

کون ہوتا ہے حریف مئے مردانگن عشق

ہے مگر رلب ساتی پہ صلامیرے بعد

اس مضمون کا ہم نے جو عنوان منتخب کیا ہے وہ درحقیقت علامہ اقبالؒ کے ایک شعر کا ایک

مصرعہ ہے پورا شعر اس طرح ہے

مکہ نے دیا خاک جینوا کو یہ پیغام

جمعیت اقوام یا جمعیت آدم؟

علامہ موصوف نے اس شعر میں حیاتِ انسانی کے دو نظاموں کے درمیان موازنہ کیا ہے، ایک نظام، خدائی نظام کہلاتا ہے جس میں انسان حقوق کی تعیین اس بنیاد پر کی گئی ہے کہ پوری نوعِ انسانی ایک ہی باپ، آدم، کی اولاد ہے، اس لئے یکساں حقوق، یکساں فرائض، یکساں ذمہ داری اور یکساں انعام و تعذیر کی مستحق ہے، یہ نظام پورے بنی نوعِ انسان کو خدا کی اس بنائی ہوئی کائنات سے یکساں طور پر مستفید اور متمتع ہونے کے مواقع مہیا کرتا ہے، اور انکے درمیان اس بنا پر کوئی تفریق روا نہیں رکھتا کہ ان کے ایک طبقے نے مشرق میں بود و باش اختیار کر رکھی ہے اور دوسرے نے مغرب میں، ایک طبقے کی چمڑی سیاہ یا سیاہی مائل ہے اور دوسرے طبقے کی سرخ و سفید، ایک طبقے نے اپنی گرم گفتاری کے مظاہرہ کیلئے ایک خاص قسم کے الفاظ و کلمات کا انتخاب کیا ہے اور دوسرے طبقے نے دوسرے قسم کے الفاظ و کلمات کا ایک طبقہ سازی انسل ہے تو دوسرا حاکم یا یافت کی اولاد ہے۔

اس کے برعکس دوسرا نظام، انسانی نظام کہلاتا ہے یہ نظام ان نتائج پر مبنی ہے جنہیں

انسان نے اپنے مسلسل تجربات کے ذریعہ اخذ کیا ہے اور ان نتائج کی بنیاد پر تیار کیا جانو والا نظام حیات انسانی فکر و شعور کی پختگی و بلند پروازی کا شاہکار اور انسانی عقل و خرد کی رہنمائی، وگرہ کشائی کا رہن منت ہے۔ اس میں ایک ہی باپ کی اولاد کو مختلف بنیادوں پر متعدد طبقات میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔ پھر ہر طبقے کیلئے جداگانہ اور مخصوص قسم کے حقوق کی تعیین کی گئی ہے۔

پہلے نظام کا قبلہ و کعبہ مکہ ہے اور دوسرے نظام کا مرکز و محور جینوا اس لئے شاعر نے پہلے نظام کی تلمیح کیلئے مکہ کی تعبیر کی اختیار کی ہے اور دوسرے نظام کی تلمیح کیلئے جینوا کی، پھر شاعر نے پہلے نظام کے تقدس اور اسکی ہمہ گیری و انانیت کے مقابل میں دوسرے نظام کی طبقاتی تقسیم اور اقوام و مل کی تفریق کا ذکر کر کے خدائی نظام کی پختگی و بالاتری اور انسانی نظام کے نقص و اختلال اور اسکی خامی و ناکامی کا اظہار کیا ہے اور بتلایا ہے کہ انسان کیلئے کار آمد وہی نظام حیات ہو سکتا ہے جس میں حقوق و فرائض کی تعیین قومیت کے بجائے خالص انسانیت کی بنیادوں پر کی گئی ہو۔

عالمہ اقبالؒ کی یہ رائے محض ان کے شاعرانہ پرواز تخیل کا نتیجہ نہ تھی، بلکہ بنی نوع انسان نے اپنی تاریخ کے مختلف ادوار میں ان ہر دو قسم کے نظامہائے حیات کا تجربہ کیا تھا، اور خدائی نظام کی خیر و برکت اور انسانی نظام کی شقاوت و بدبختی کا بذات خود مشاہدہ کیا تھا، تاہم جس وقت علامہ اقبالؒ نے یہ بات کہی تھی تقریباً پوری دنیا خدائی نظام حیات کی بالادستی سے خالی تھی، امت مسلمہ جو اس الٰہی آئین اور خدائی دستور کی حامل و داعی تھی پورے طور پر استعمار کے پنجوں میں جکڑی ہوئی تھی، اور اس کا مستقبل تاریکی کے دبیز پردے میں دبا ہوا تھا لیکن کسے خبر تھی کہ نصف صدی گذرتے یہ نظام حیات عملاً اس دنیا میں وجود پذیر ہو جائے گا اور سچ سچ ”مکہ“ کی طرف سے ”جینوا“ کو جمعیت آدم کا یہ پیغام دیا جائے گا، آئیے آج اس پیغام کی داستان سن لیجئے۔

یہ تو معلوم ہی ہے کہ سعودی عرب نے اپنے حدود و مملکت میں وہی آئین نافذ کر رکھا ہے جسے آئین پیغمبر یا دستور خداوندی کہتے ہیں، اس آئین کے نفاذ کا ایک نتیجہ یہ ہوا کہ اس نے

اقوام متحدہ کے اس منشور پر دستخط نہیں کیا جس کا تعلق نوع انسان کے بنیادی حقوق سے ہے کیونکہ سعودی عرب کی نگاہ میں حقوق انسانی کی یہ میثاق نوع انسان کو اس کے پورے اور صحیح بنیادی حقوق عطا نہیں کرتی، اب اسے آپ حسن اتفاق کہہ لیجئے یا حکمت ایزدی سے تعبیر کر لیجئے کہ چند برس قبل سعودی عرب سے یہ سوال کیا گیا کہ آخر وہ اقوام متحدہ کا ممبر ہوتے ہوئے اس اہم منشور پر دستخط کرنے سے کیوں انکار کر رہا ہے؟ اس سوال کے جواب میں سعودی عرب کی وزارت خارجہ کی طرف سے ایک بیان جاری کیا گیا جس کی ایک کاپی اقوام متحدہ کے متعلقہ دفتر میں بھی بھیجی گئی، اس بیان کے اندر دو ٹوک الفاظ میں واضح کیا گیا کہ۔

”انسانی حقوق سے متعلق اقوام متحدہ کا دستور ناقص ہے، اور اس کے برخلاف ہمارے پاس ایک ایسا دستور موجود ہے جو ہر حیثیت سے جامع اور مکمل ہے اور عملی طور پر ہمارے ملک میں ہر خاص و عام ان حقوق سے مستحق ہو رہا ہے، اس لئے ہم ایک اعلیٰ دستور کے مالک ہوتے ہوئے اور عملی طور پر اسے نافذ و جاری رکھتے ہوئے ایک ناقص اور خیالی دستور پر دستخط کرنے کیلئے تیار نہیں ہیں، خصوصاً ایسی صورت میں جبکہ کئی مسائل میں یہ دستور ہمارے عقائد و نظریات اور دستور حیات سے ٹکراتا ہے۔“

سعودی وزارت خارجہ کے اس بیان سے دانشوران مغرب چونک اٹھے، ان کیلئے اس سے بڑھ کر حیرت کا مقام اور کیا ہو سکتا تھا کہ جس دستور کی تیاری میں دنیا کے بہترین دماغ استعمال کئے گئے ہیں اور جو عقل انسانی کی بلند پروازیوں کا ایک اعلیٰ شاہکار ہے اس کے مقابل میں ایک ایسے دستور کو جامع اور کامل تر قرار دیا جا رہا ہے جو ”وحشی“ دور کے ایک ”فرفرودہ خیالات“ رکھنے والے، ان پڑھ انسان کی یادگار ہے، اس حیرت کا نتیجہ یہ ہوا کہ یورپین ماہرین قانون کی ایک ٹیم سعودی عرب کے مطالعاتی دورے کیلئے تیار ہوئی، یہ ٹیم صرف یہی نہیں کہ انسانی حقوق کے موضوع پر تخصص کا درجہ رکھنے والے قانون دانوں پر مشتمل تھی بلکہ اس میں وہ لوگ بھی شامل تھے جو انسانی حقوق سے متعلق ریاستی سطح کے مختلف اداروں کے

سربراہ اور ذمہ دار تھے، یہ ٹیم درحقیقت دو گروپ کا مجموعہ تھی، پہلا گروپ ایک فرانسیسی تنظیم، فرانس سعودی عرب ”دوستی مشن“ کے نمائندوں سے عبارت تھا، جبکہ دوسرے گروپ کی نمائندگی ”یورپی لیگ“ کی ”انجمن حقوق انسان“ کی صدر سکریٹری، عظیم مستشرق ہنری لاوسٹ اور فرانس کے دوسرے بہت سے دانشور کر رہے تھے، اور دونوں گروپ کے مجموعی وفد کی سربراہی کا اعزاز آئرلینڈ کے ایک باشندہ کو حاصل تھا جو کیتھولک چرچ سے تعلق رکھتا تھا، اور انسانی حقوق کے موضوع رسائل میں دائیکان (روم) کے پاپائے عظیم کا مشیر کار تھا اور اس وفد میں انہیں کے نمائندے کی حیثیت سے شریک ہوا تھا۔

یہ واضح رہنا چاہیے کہ یورپین لیگ، یورپ کی تمام غیر کمیونسٹ حکومتوں، یعنی پورے مغربی یورپ کا نمائندہ ادارہ ہے اس کا مرکز شمال مشرقی فرانس کے مشہور شہر اسٹراسبرگ میں واقع ہے، اسی طرح ہنریلاوسٹ اسلامی امور کے سلسلے میں سلفی نقطہ نظر خصوصاً حنبلی فقہ اور امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے افکار و اراء کے بارے میں اختصاص کا درجہ رکھنے والا دور حاضر کا عظیم مستشرق ہے۔

بہر حال اس وفد کا استقبال سعودی عرب کے وزیر انصاف شیخ محمد حرکان نے پورے اعزاز و احترام کے ساتھ کیا، وزیر موصوف بہت بڑے عالم دین اور اسلامی قانون کے زبردست ماہر ہیں، چنانچہ موصوف کی سربراہی میں سعودی علماء اور اس وفد کے درمیان متعدد نشستیں ہوئی اور ان نشستوں میں اسلامی دستور کی ایسی بہت سی دفعات زیر بحث آئیں جن کا تعلق انسانی حقوق سے تھا سعودی علماء نے بڑی متانت و قابلیت سے اسلامی نظام کی معقولیت ذہن نشین کرائی، بحث و تمحیص اور تحقیق و تنقیح نے خاصا طول اختیار کیا، اور آخر کار یہ وفد مطمئن ہو گیا کہ دین اسلام اپنی جامعیت و ہمہ گیری اور خوبی و عظمت میں اپنا جواب نہیں رکھتا اور شریعت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام..... نے نوع انسانی کو جو حقوق عطا کئے ہیں اس کے حدود کو دور حاضر کی کوئی بڑی سے بڑی اور ترقی یافتہ سے ترقی یافتہ حکومت بھی نہیں چھو سکتی ہے۔

اس وفد نے صرف زبانی اور علمی بحث و تمحیص پر قناعت نہ کی بلکہ اسلامی نظام کی عملی تطبیق کا نقشہ دیکھنے کیلئے سعودی عرب کے مختلف خطوں کا دورہ بھی کیا، اور جب اسکی یہ مہم مکمل ہو گئی تو اس نے ایک بیان جاری کیا جو ہمارے ملک ہندوستان کے بعض اردو اخبارات میں بھی معمولی سی ہیڈنگ کے ساتھ مختصری خبر کی شکل میں ایک گوشے کے اندر ٹانک دیا گیا، اس بیان کے یہ شاہکار الفاظ آج بھی نوٹ کرنے کے لائق ہے کہ

”انسانی حقوق کا اعلان اقوام متحدہ کی بچوں اور جینوا کے دفتر کے بجائے سعودی

عرب سے ہونا چاہیے۔“

اس وفد کا یہ دورہ صفر ۱۳۹۲ھ میں مکمل ہوا تھا، اور اس وقت ہم نے یہ سمجھا تھا کہ یہ وفد محض اتفاقاً دورے پر آ گیا تھا اور اس کا یہ بیان محض ایک رسمی بیان ہے، جسے اراکین وفد کے تاثرات کی آخری کڑی سمجھنا چاہیے، مگر سعودی عرب سے شائع ہونے والے مفت روزہ ”اخبار العالم الاسلامی“ کی ۱۳۹۳ھ کے اواخر کی چند اشاعتوں سے صرف یہی نہیں کہ اس وفد کے دورے کے پس منظر کی تفصیلات معلوم ہوئیں بلکہ یہ معلوم ہوا کہ اس دورے کے بعد بھی مغربی دانشوروں اور سعودی علماء کے درمیان مسلسل ربط قائم رہا۔

ہوا یہ کہ جب اس وفد کے اراکین وطن واپس ہوئے تو چونکہ ان کے ادراک و شعور کے تمام گوشوں اور زاویوں پر اسلامی نظام کی خوبی و معقولیت اور ہمہ گیری و جامعیت چھائی ہوئی تھی، اس لئے انہوں نے اسکی عظمت و برتری کا اعلان و اعتراف ہر مجلس و محفل میں کیا، اور اسکے جمال و کمال کے تراشے ہر مجمع و مقام میں گائے، اس طرح یہ اراکین مجلسوں، حکومتوں اور اداروں میں سربارہی و ذمہ داری کے مناصب پر فائز تھے ان سے تعلق رکھنے والے بڑے بڑے عقلاء اور مدبرین کے سامنے ایک بالکل نئی اور انوکھی صورت حال پیش آئی اور ان کا ذوق جستجو اور جذبہ تجسس ان حقائق سے آشنا ہونے کیلئے کروٹیں لینے لگا جن کے ادراک کی لذت نے اراکین وفد کو مسحور کر رکھا تھا، اس ذوق جستجو کا نتیجہ یہ ہوا کہ دو سال کے دوران فریقین میں متعدد غیر رسمی ملاقاتیں ہوئیں، پاپائے اعظم کے نمائندے نے سعودی عرب کا چکر

لگایا اور سعودی عرب کے عظیم قانون دان ڈاکٹر معروف دو ایسی کو..... جو شاہ فیصل کے مشیر خاص ہیں کئی بار یورپ بلایا گیا، لیکن ان ملاقاتوں سے تشنہ کامی نہ گئی، اور یورپ کے چار عظیم اداروں نے اپنے اپنے طور پر فیصلہ کیا کہ سعودی عرب سے اسلامی قانون کے ماہرین کا ایک اعلیٰ وفد بلایا جائے اور اپنے اپنے مراکز میں یورپ کے بڑے بڑے مدبرین اور عظیم قانون دانوں کیساتھ نہایت ہی اعلیٰ سطح کے اجتماعات منعقد کئے جائیں اور ان عظیم حقائق کو کرید کرید کر نکھارا جائے جنہیں اسلامی نظام اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے، اس فیصلے کے مطابق ان چاروں اداروں نے سعودی عرب کے علماء کو دعوت نامے روانہ کئے، ان چار اداروں میں سے دو ادارے خالص مذہبی ہیں اور دونوں ہی پوری دنیا میں مسیحیت کے سب سے عظیم مراکز ہیں، ایک وائیکان..... روم..... جو دنیا بھر کے کیتھولک عیسائیوں کا سب سے عظیم کلیسا ہے اور ان کے سب سے بڑے مذہبی رہنما پاپائے اعظم کا مستقر ہے، پاپائے اعظم مذہبی پیشوا ہونے کے ساتھ ساتھ اس عظیم کلیسا اور اس کے بلجھات کا خود مختار حکمراں بھی ہے، اس کی حکومت حکومت وائیکان کہلاتی ہے، اس حکومت کو خود اٹلی بھی ۱۹۳۹ء سے ایک معاہدہ کے تحت تسلیم کر رکھا ہے۔

دوسرا ادارہ متحدہ عالمی کینسیا (جنیوا) ہے جو دنیا بھر کے تمام غیر کیتھولک عیسائی فرقوں کا سب سے عظیم کلیسا اور دینی مرکز ہے، اور ان فرقوں کے نزدیک اسے دینی تقدس حاصل ہے، جو کیتھولک چرچ کے نزدیک وائیکان کو حاصل ہے۔

ان دو مذہبی اداروں کے علاوہ باقی دو ادارے خالص لادینی اور غیر مذہبی ادارے ہیں اور یہ ان یورپین دانشوروں اور قانونی ماہرین کے مراکز ہیں جو حریت فکر و نظر کے علمبردار اور لادینی سیاست کے داعی ہیں ان میں سے ایک ادارہ ”یورپین لیگ“ ہے جس کا ذکر اس سے پہلے آچکا ہے اور دوسرا ”سعودی عرب فرانس دوستی مشن“ ہے جس کا مرکز فرانس کے دارالحکومت پیرس میں واقع ہے، اس کا بھی ذکر آچکا ہے۔

جب ان چاروں اداروں سے دعوت نامے پہنچے تو سعودی وزیر انصاف شیخ محمد

حرکان نے سعودی علماء اور ماہرین قانون کا ایک وفد مرتب کیا جو شیخ راشد بن حمیس شیخ محمد بن جبیر، استاد محمد مبارک، ڈاکٹر محمد عبدہ میمانی، ڈاکٹر ریاض یونیورسٹی، محترم فضیل مہرار عقیل، ڈاکٹر منیر عجلائی، استاد و عبد العزیز مسند ڈاکٹر معروف دوالہبی وغیرہ فضلاء سعودی عرب پر مشتمل تھا۔

اس وفد نے یکے بعد دیگرے ”وائٹکان“ (روم) ”متحدہ عالمی کنیسا“ (جینوا) ”سعودی عرب فرانس دوستی مشن پیرس اور ”یورپین لیگ (اسٹرا برگ) دورے کئے ہر ادارے نے نہایت ہی پر تپاک خیر مقدم کیا، وائٹکان میں پاپائے اعظم نے خود بڑھکر استقبال کیا، کارڈیناں اور دوسرے اکابرین کلیسا کی جمعیت بھی ان کے ہمراہ تھی پھر پاپائے اعظم نے خود ہی سپانامہ بھی پیش کیا، حالانکہ یہ کلیسا کی روایات کے خلاف تھا، کلیسا کی روایت یہ رہی ہے کہ پاپائے اعظم کی زیارت کرنے والے ہی سپانامے اور مبارکبادتیمات پیش کرتے ہیں، پاپائے اعظم کا جی چاہا تو جواب دیا ورنہ زائرین اس اعزاز سے بھی محروم ہی رہ جاتے ہیں۔

وفد نے چونکہ طویل خط و کتابت کے بعد باقاعدہ پروگرام کے تحت دورہ کیا تھا اس لئے دورے سے پہلے ہی چار دن مقامات کے لئے الگ الگ موضوع سخن کی تعیین ہو چکی تھی، اور سعودی علماء نے ان روشنی میں یادداشتیں مرتب کر کے روانگی سے پہلے ہی عربی اور فرانسیسی زبانوں میں چھپوالی تھیں۔

وائٹکان اور جینوا میں منعقد ہونے والے اجتماعتا خالص مذہبی نوعیت کے تھے اور انہیں ساسی مسائل سے کوئی سرکار نہ تھا، ان اجتماعات کا..... اور ان کے علاوہ باقی دونوں اجتماعات کا بھی طریقہ کار یہ تھا کہ پہلے متعلقہ موضوع پر سعودی وفد کے سربراہ اپنی یادداشت عربی زبان میں پڑھکر سنا دیتے تھے پھر اس کا فرانسیسی ترجمہ سنایا جاتا ہے ادھر اجتماع کے آغاز ہی میں یہ یادداشت حاضرین کے درمیان تقسیم ہو چکی ہوتی تھی، چنانچہ اب اس یادداشت کو سامنے رکھ کر حاضرین مجلس اپنے شکوک اور خدشات اور اعتراضات پیش کرتے تھے اور سعودی وفد ان کے جوابات دیتے ہوئے زیر بحث موضوع کے ایک ایک نکتے کی توضیح و تشریح کرتا تھا۔

بچھلی تفصیلات سے یہ تو واضح ہو چکا ہے کہ اصلاً انسانی حقوق کا مسئلہ ہی ان اجتماعات کا محرک تھا اس لئے منطقی طور پر ان اجتماعات کا اصل موضوع بحث بھی یہی مسئلہ رہا اور ہر اجتماع میں اسی مسئلے کے مختلف زاویوں سے گفتگو کا آغاز ہوا لیکن یہ گفتگو اسی ادارہ تک محدود نہ رہ سکی اور بہت سے دوسرے مسائل بھی زیر بحث آ گئے چنانچہ وائیکان اور عالمی مجلس کنیسا (جنیوا) کے اجتماعات میں ایمان اور الحاد سے تعلق رکھنے والے معاملات و مسائل بھی زیر بحث آئے اور اس وقت پوری دنیا میں الحاد و لادینیت نے جو زور پکڑ رکھا ہے اس کا فریقین نے بڑی سنجیدگی اور گہرائی سے جائزہ لیا اس سلسلے میں وفد کے ایک رکن ڈاکٹر ”محمد عبدہ میمانی“ ڈائرکٹر ریاض یونیورسٹی کا یہ بیان خاصا اہم ہے کہ عیسائیوں کے مذہبی پیشوا ہمیں یعنی اہل اسلام کو مومن نہیں سمجھتے تھے، بلکہ کافروں کی صف میں شمار کرتے تھے، لیکن جب ان کے سامنے دین اسلام کی حقیقت و اشکاف کی گئی تو انہوں نے کھل کر اعتراف کیا کہ واقعی اسلام دین الہی ہے (محمد ﷺ) اللہ کے پیغمبر ہیں اور اس دین کے ماننے والے مومنین کے زمرے میں شامل ہیں، انہوں نے محسوس کیا کہ اہل اسلام کو ساتھ لئے بغیر الحاد و لادینیت کے خلاف کوئی ٹھوس قدم نہیں اٹھایا جاسکتا، اور تہا مسیحیت اس سیلاب بلا کے روکنے میں کامیاب نہیں ہو سکتی۔

وائیکان اور جنیوا کے برعکس استراسبرگ اور پیرس میں منعقد ہونے والے اجتماعات خالص غیر مذہبی یعنی قانونی اور فکری نوعیت کے تھے اور اسی لئے سعودی وفد نے اپنی یادداشتوں کے اندر انسانی حقوق کے متعلق اقوام متحدہ اور دیگر یورپین قوانین پر اسی پہلو سے کڑی تنقید شامل کر رکھی تھی کہ ان قوانین کے پیچھے کوئی ایسا ٹھوس عقیدہ اور جذباتی لگاؤ کارفرمانہ نہیں ہے، جو ان قوانین پر ٹھیک ٹھیک عمل کرنے کی ضمانت دیتا ہو، اور ناجائز اور غلط تدابیر سے باز رکھنے کا کفیل ہو یورپ میں چونکہ مذہب اور شہری قوانین کے دائرے الگ الگ کر دیئے گئے ہیں اور مذہب اپنے متبعین پر شہری قوانین کے احترام کی ذمہ داری عائد نہیں کرتا، اس لئے یہ قوانین یورپ میں بری طرح پامال ہو رہے ہیں، توڑ، پھوڑ، قتل و خونریزی اور لوٹ مار کی گرم بازاری ہے اور صنعت و ٹکنالوجی کی مدد سے ان جرائم کا اس طرح ارتکاب

کیا جا رہا ہے کہ قانون بیچارہ اپنا منہ تکتا رہ جاتا ہے۔

ان دونوں قانونی مراکز میں اسلام کے قوانین اور نظام حیات پر عموماً اور انسانی حقوق کے بارے میں اسلامی نقطہ نظر پر خصوصاً سابقہ دونوں اجتماعات سے بڑھ چڑھ کر گفتگو ہوئی، اور بڑے دور دراز اور اہم گوشوں تک بحث و تنقیح کا دائرہ پھیلا، اسی سلسلہ میں اسلامی شریعت میں عورت کی پوزیشن کا مسئلہ بھی اٹھا، اور میراث اور طلاق کا اسلامی نظام بڑی تفصیل سے زیر بحث آیا، ڈاکٹر یمانی کہتے ہیں کہ اس موضوع پر گفتگو نہایت دلچسپ رہی، دانشوران یورپ نے سوال کیا کہ جب اسلام تمام انسانوں کیلئے یکساں اور مساوی حقوق کا قائل ہے تو آخر یہ گنجائش کہاں سے نکل آئی کہ عورت کو مال میراث سے مرد کے حصہ کا نصف دیا جائے؟ حالانکہ عورت بھی مرد کی طرح انسان ہے۔

اس کا جواب خاصاً دلچسپ رہا، سعودی وفد کے فاضل مجیب نے بڑی تفصیل سے واضح کیا کہ عورت کے حقوق تمام حالات و معاملات میں مرد کے نصف نہیں ہیں بلکہ عموماً اس کے مساوی ہیں چنانچہ عورت اگر کسی تجارتی کمپنی میں حصہ دار ہو یا شرکت میں کوئی مکان خریدے یا کوئی بھی کاروبار اختیار کرے تو اس کے منافع اور حصص مرد کے مساوی ہونگے، مرد کے مقابل میں نصف حصہ کا استحقاق عورت کیلئے صرف ایک مخصوص قضیے..... یعنی قضیہ میراث..... میں ایک معقول وجہ سے ہے، وجہ یہ ہے کہ اسلام میں عورت کو پیدائش سے لیکر موت تک کسی بھی مرحلے میں کسی شخص کی حتی کہ خود اپنے آپ کی کفالت کا ذمہ دار نہیں ٹھہرایا گیا، بلکہ اس کے مختلف مراحل حیات میں باپ، بھائی، شوہر، بیٹا، چچا، بھتیجا یا کوئی نہ کوئی قرابت دار اس کی کفالت کا ذمہ دار ہے، اس کے برخلاف مرد اپنی کفالت کا ذمہ دار خود ہے، اور عموماً اس کے سر دوسرے افراد کی کفالت کی ذمہ داری بھی رکھی گئی ہے، اس لئے یہ بات کسی طرح قرین انصاف نہیں ہو سکتی تھی کہ مال میراث سے عورت کو مرد کے مساوی حقوق دیئے جائیں پس شریعت کا یہ فیصلہ عورت کے مساویانہ حقوق کے قطعاً منافی نہیں ہے بلکہ شریعت کی منصفانہ تعلیمات اور عورت کے ساتھ اس کے فیاضانہ سلوگ کا ائینہ دار ہے۔

اس موقع پر وفد کے اراکین نے عورت کے دائرہ کار کو بڑی بسط و تفصیل سے بیان کیا اور عورت کے نفسانی رجحانات، ذہنی اور دماغی صلاحیتوں اور مادی و جسمانی قوی کی مسلمہ حیثیتوں کی روشنی میں یہ ثابت کیا کہ اس کے لئے وہی اور صرف وہی دائرہ کار ٹھیک ہے جس کی تعین اسلامی شریعت نے کی ہے اسی سلسلہ میں نکاح طلاق کے اسلامی نظام کی تنقیح بھی کی گئی اور سعودی علماء نے پوری بالغ نظری کے ساتھ ان مسائل میں اسلام کی معقولیت و اشکاف کی، اور اس طویل الذیل بحث نے حقوق نسواں سے متعلق بہت سارے مسائل کو اپنے دامن میں سمیٹ لیا۔

جب یہ تفصیلات دانشوران یورپ کے سامنے آئیں تو وہ عیش عیش کرتے رہ گئے ان کے حاشیہ خیال میں کبھی یہ بات نہ آئی تھی کہ دنیا کے کسی خطے میں یا کسی مذہب و ملت کے پاس اس قدر منصفانہ اور مبنی برحقیقت اصول و ضابطے اور آئین و قوانین موجود ہوں گے، چنانچہ وفد کے ایک رکن شیخ محمد مبارک فرماتے ہیں کہ

”جس وقت فرانس کے دانشوروں قانون دانوں اور یونیورسٹیوں کے بڑے بڑے پروفیسروں کے سامنے حقوق نسواں کے مسئلہ پر اسلام نظام کی تفصیلات پیش کی گئیں تو بے ساختہ پکاراٹھے کہ اسلامی شریعت نے عورت کو جو مکمل شخصیت عطا کی ہے ابھی تک ہم لوگ اس مقام بلند سے بہت پیچھے ہیں، حالانکہ ہمارے یہاں آزادی نسواں کا بہت شور و غوغا ہے انہوں نے اعتراف کیا کہ عورتوں کے سلسلے میں اسلامی قانون کے مقابلے میں ہمارا فرانسیسی قانون نہایت ناقص ہے، اس (فرانسیسی) آئین میں ۲۷ مقامات ایسے ہیں جہاں مرد اور عورت کے حقوق میں تفریق کی گئی ہے۔ اور عورتوں کو ناقص حقوق دیے گئے ہیں۔“

یہاں یہ وضاحت بیجا نہ ہوگی کہ اسلامی نظام سے اہل یورپ کے تاثر کی یہ کیفیت اسی ایک مسئلے کے ساتھ مخصوص نہ تھی بلکہ جتنے مسائل بھی زیر بحث آئے ان سب کے سلسلے میں ان کے تاثر کا یہی حال تھا، چنانچہ یہی شیخ محمد مبارک فرماتے ہیں کہ:-

”جب ہم لوگ یورپ پہنچے تو ہم نے ہر جگہ دیکھا کہ بڑے اشتیاق سے ہمارا

انتظار کیا جا رہا ہے لوگ کھلے دل سے ہمارا خیر مقدم کرتے تھے، اور ان کا اندازہ بتلاتا تھا کہ انکے اندر کچھ سیکھنے اور جاننے کی امنگ کروٹیں لے رہی ہے بعض مقامات پر اس شوق فراواں کے ساتھ ساتھ یہ منظر بھی سامنے آیا کہ انسانی حقوق کے میثاق پر سعودی حکومت کے دستخط نہ کرنے کی وجہ سے بہت سے لوگ سراپا حیرت بنے ہوئے ہیں، لیکن جوں ہی ان کے سامنے یہ حقیقت واشگاف ہوئی کہ انسانی حقوق کا اسلامی نظام اقوام متحدہ کے عطا کئے ہوئے حقوق سے بہت زیادہ اعلیٰ و ارفع ہے ان کی حیرت کے بادل چھٹ جاتے اور انہیں ایک عجیب قسم کی خوشی اور لذت و سرور محسوس ہوتا چنانچہ انہوں نے مختلف مواقع پر واشگاف لفظوں میں حیرت اور خوشی کا اظہار کیا اور اعتراف کیا کہ اسلام کے بارے میں ان کی سابقہ آرائیں بدل گئی ہیں، اور ان کے سامنے ایسی حقیقتیں کھل گئی ہیں، جو ان کے حاشیہ خیال میں بھی نہ تھیں۔“

شیخ مبارک ایک اور موقع پر فرماتے ہیں کہ:

”ان اجتماعات کا ایک بہت بڑا فائدہ یہ ہوا کہ اسلام اپنی صحیح شکل میں اہل یورپ کے سامنے آ گیا، ہم سے جس طرح کے سوالات کئے گئے اس سے یہ اندازہ ہوا کہ یورپ کے بڑے بڑے عقلاء و دانشور اور مفکرین بھی اسلام کی صحیح تعلیمات اور اصل حقائق سے قطعی نا آشنا تھے، انہیں اسلام کے نام پر چند بدنام داغ اور مسخ شدہ صورتوں کا علم تھا چنانچہ جب ہم نے اصل حقیقت پیش کی تو بڑے خوشگوار نتیجے برآمد ہوئے، اکثر شرکاء کی راہِ اِمام میں انقلاب آ گیا، اور انہیں اسلام کے ساتھ نفرت کے بجائے ایک گونہ دلچسپی پیدا ہو گئی۔“

ان اجتماعات کے سلسلے میں یہ توضیح بھی ضروری ہے کہ یہ عوامی شکل کے اجتماعات نہیں تھے، بلکہ یہ خواص کی مجلس تھی اور شرکاء کی تعداد بھی محدود تھی، اس لئے منطقی طور پر ان کے اثرات کا دائرہ بھی محدود ہی ہونا چاہیے، تاہم یہ اجتماعات نہایت اعلیٰ سطح کے تھے اور ان میں

حصہ لینے والی شخصیتیں یورپ کی چوٹی کی شخصیتیں تھیں اس لئے بجا طور پر توقع کی جاسکتی ہے کہ ان کے اثرات دور رس ہونگے پھر جن مقامات پر یہ اجتماعات ہوتے تھے وہاں کے مقامی اخبارات اور صحیفوں میں ان کے خلاصے چھپ جایا کرتے تھے، اور اب اس بات کی کوشش ہو رہی ہے کہ طرفین اس پورے مباحثے کی تفصیلات جامعہ طبعیت سے آراستہ کر کے منظر عام پر لائیں اس لئے اس توقع کو تقویت ملتی ہے کہ یہ مساعی خاطر خواہ بار آور ہوگی.....

یورپ میں سعودی وفد کے دوران قیام میں اٹلی کے وزیر اعظم اور فرانس کے صدر اور رئیس الوزراء نے بھی ملاقاتیں کیں اور اسلامی نظام اور اسلامی مسائل کے سلسلے میں خاصی دلچسپی کا اظہار کیا۔

سعودی علماء اور یورپین دانشوروں کے اجتماعات کا یہ دوسرا دور شوال ۱۳۹۴ھ میں مکمل ہوا آخر میں فریقین نے یہ طے کیا کہ اس طرح کے اجتماعات آئندہ بھی منعقد کئے جائیں اور گفتگو کے دائرہ کو زیادہ سے زیادہ وسعت دی جائے کیا عجب کہ یہ کوششیں کسی دن اسلام کیلئے اہل یورپ کا دل کھول دیں۔

ان دس رسالوں میں یہ چند اوراق شامل کرنے کا میرا مقصد یہ ہے کہ یورپ کے دانش ور متعصب عیسائی بھی اسلام کی حقانیت کے آگے جھک گئے مگر اسلام کا نام لینے والے شیعہ حضرات اسلام اور اہل اسلام اور سعودی عرب کے خلاف وہ باتیں لکھ اور کر رہے ہیں جو ابلیس سے ہی دو قدم آگے ہیں لہذا یہ آستین کے وہ سانپ ہیں جو ابلیس اور یہودیت کے علاوہ کسی کو فائدہ نہیں پہنچا سکتے پوری انسانیت اور اسلام کو جتنا خطرہ یہودیت سے ہے جو دنیا میں انسانوں کے حقوق کے ساتھ کھیل رہی ہے اور آج اسلام کو یہودیت سے بڑھ کر خطرہ شیعیت سے ہے۔ اگر کوئی ان کو دیکھنا چاہتا ہے تو آغا خانیت بہائیت اسماعیلیت اور نصیریہ جیسی شرک سے بھری ہوئی تنظیموں کو دیکھ لے اس بدنما فکر کے لوگ اہل اسلام کو بدنام کر رہے ہیں جس کا تعلق اہل اسلام سے زرہ برابر نہیں ہے یہ فرقے اسلام پر بدنما داغ ہیں۔



خوارج و شیعہ سے متعلق فتاویٰ علمائے عصر حاضر

جمع و ترتیب

فضل الرحمن رحمانی الندوی (مدنی)
فاضل جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ

خارجی فرقے کی پہچان

سوال: اس حدیث نبوی کا کیا مطلب ہے جو بخاری اور مسلم رضی اللہ عنہما نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((سَيَخْرُجُ قَوْمٌ فِي آخِرِ الزَّمَانِ أَحْدَاثُ الْأَسْنَانِ سُفَهَاءُ الْأَحْلَامِ يَقُولُونَ مِنْ خَيْرِ قَوْلِ الْبَرِيَّةِ، لَا يُجَاوِزُ إِيمَانُهُمْ حَنَاجِرَهُمْ، يَمْرُقُونَ مِنَ الدِّينِ كَمَا يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَّةِ، فَإِنَّمَا لَقِيتُمُوهُمْ فَاقْتُلُوهُمْ، فَإِنَّ فِي قَتْلِهِمْ أَجْرًا لِمَنْ قَتَلَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ))

”آخری زمانے میں کچھ ایسے لوگ ظاہر ہوں گے جو کم عمر اور کم عقل ہوں گے۔ مخلوق کی نہایت بہتر بات کہیں گے۔ ان کے ایمان ان کے گلے سے آگے نہیں جائیں گے (صرف زبان پر ایمان ہوگا دل میں نہیں) دین سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح (زور سے چلایا ہوا) تیر کمان میں سے نکل جاتا ہے۔ تم انہیں جہاں ملو انہیں قتل کر دو۔ ان کے قتل کرنے والے کو ان کے قتل کا ثواب ہے، قیامت کے دن تک۔“

جواب: الْحَمْدُ لِلَّهِ وَحْدَهُ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى رَسُولِهِ وَآلِهِ وَصَحْبِهِ وَبَعْدُ:

یہ حدیث اور اس مفہوم کی دوسری حدیثوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فرقے کا ذکر کیا ہے جسے ”خارجی“ کہتے ہیں۔ کیونکہ وہ دین میں غلو کرتے اور مسلمان کو ان گناہوں کی بنا پر کافر قرار دیتے ہیں جنہیں اسلام نے موجب کفر قرار نہیں دیا۔ یہ لوگ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے

زمانے میں ظاہر ہوئے تھے اور انہوں نے آپ پر کئی امور کی وجہ سے تنقید کی۔ امیر المؤمنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے انہیں حق کی طرف بلایا اور ان سے مسائل میں مناظرہ کیا۔ نتیجتاً بہت سے خارجیوں نے حق قبول کر لیا اور باقی اپنے غلط موقف پر اڑے رہے۔ جب انہوں نے مسلمانوں پر زیادتی کی تو امیر المؤمنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ان سے جنگ کی۔ اس کے بعد دوسرے خلفاء نے بھی مذکورہ احادیث پر عمل کرتے ہوئے خارجیوں سے جنگ کی۔ اس مذہب کے کچھ لوگ اب تک موجود ہیں۔ اور ہر زمانے اور ہر جگہ کے اس قسم کا عقیدہ رکھنے والوں کے لیے شرعی حکم ایک ہی ہے۔

وَبِاللّٰهِ التَّوْفِیْقُ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰی نَبِیِّنَا مُحَمَّدٍ وَّآلِہٖ وَصَحْبِہٖ وَسَلَّمَ

اللجنة الدائمة

رکن: (فضیلۃ الشیخ) عبداللہ بن قعود رکن: (فضیلۃ الشیخ) عبداللہ بن عدیان
نائب صدر: عبدالرزاق عقیفی صدر: عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز

فتویٰ: ۴۲۹۷

(ترجمہ التتم)



رافضی فرقہ، اسلام کے خلاف ہے

(سوال): ہم لوگ (سودی عرب میں) شمالی سرحد پر عراق کے علاقے کے قریب رہتے ہیں۔ یہاں جعفری مذہب کے کچھ افراد ہیں، ہم میں سے بعض ان کے ذبح کیے ہوئے جانور کا گوشت کھانے سے پرہیز کرتے ہیں اور بعض کھالیتے ہیں۔ سوال یہ ہے: کیا ہمارے لیے یہ گوشت کھانا جائز ہے؟ واضح رہے کہ یہ لوگ مصیبت اور راحت میں سیدنا علی، سیدنا حسن، سیدنا حسین رضی اللہ عنہم اور دیگر بزرگوں کو پکارتے ہیں۔

(جواب): اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَحْدَہٗ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ وَاٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ وَبَعْدُ:

جب صورت حال یہ ہو جو مسائل نے ذکر کی ہے کہ وہاں پر موجود جمعہ فری لوگ سیدنا علی، حسن، حسین رضی اللہ عنہم اور دیگر بزرگوں کو پکارتے ہیں تو وہ مشرک اور مرتد ہیں۔ (اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے،) ان کا ذبح کیا ہو جانور کھانا حلال نہیں، کیونکہ وہ مردار کے حکم میں ہے، اگرچہ انہوں نے اس پر اللہ کا نام ہی لیا ہو۔

وَبِاللّٰهِ التَّوْفِیْقُ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰی نَبِیِّنَا مُحَمَّدٍ وَاٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَسَلَّمَ

اللجنة الدائمة

رکن: (فضیلۃ الشیخ) عبداللہ بن قعود رکن: (فضیلۃ الشیخ) عبداللہ بن غدیان
نائب صدر: عبدالرزاق عقیفی صدر: عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز

فتویٰ: ۱۶۶۱

(جزء الثامن)



ایسے لوگوں سے سروکار نہ رکھیں

(سوال): ہمارا قبیلہ (مملکت سعودیہ کی) شمالی سرحد پر قیام پذیر ہے۔ ہمارا اور عراق کے بعض قبائل کا باہم تعلق اور میل جول رہتا ہے۔ وہ لوگ بت پرست شیعہ ہیں، جو قبے بنا کر ان کو پوجتے ہیں اور ان قبوں کا نام حسن و حسین اور علی رکھتے ہیں۔ اٹھتے ہوئے یا علی، یا حسین کہتے ہیں۔ ہمارے قبیلوں کے بعض افراد نے ان سے شادی بیاہ کے تعلقات قائم کر لئے ہیں اور ہر طرح کا میل جول قائم کر لیا ہے۔ میں نے انہیں نصیحت کی، لیکن انہوں نے سنی ہی نہیں۔ وہ اونچے عہدوں پر فائز ہیں اور میرے پاس اتنا علم نہیں کہ انہیں سمجھا سکوں۔ لیکن میں ان کی حرکتوں کو ناپسند کرتا ہوں اور ان سے میل جول نہیں رکھتا۔ میں نے سنا ہے کہ ان کا ذبح کیا ہوا جانور کھانا جائز نہیں، یہ لوگ ان کا ذبیحہ کھا لیتے ہیں اور بالکل خیال نہیں کرتے۔ آپ سے گزارش ہے کہ ارشاد فرمائیں مذکورہ بالا صورت حال میں ہمارا کیا فرض ہے؟

(جواب): الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَحْدَهُ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِهِ وَاٰلِهٖ

وَصَحْبِهِ وَبَعْدُ:

جب صورت حال یہ ہو جو آپ نے ذکر کی ہے کہ وہ سیدنا علی، حسن اور حسین (رضی اللہ عنہم) وغیرہ کو پکارتے ہیں تو وہ شرک اکبر کے مرتکب ہیں۔ جس کی وجہ سے انسان اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ اس لیے انہیں مسلمان لڑکیوں کا رشتہ دینا جائز نہیں اور ان کی عورتوں سے نکاح کرنا بھی جائز نہیں، نہ ان کا ذبیحہ کھانا جائز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتَّىٰ يُوْمِنُوْا ۗ وَلَا اُمَّةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكِيَّةٍ ۗ وَلَا اَعْجَبَتْكُمْ ۗ وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتَّىٰ يُوْمِنُوْا ۗ وَ لَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ ۗ وَلَا اَعْجَبَكُمْ ۗ اُولٰٓئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۗ وَاللّٰهُ يَدْعُوْا اِلَى الْجَنَّةِ ۗ وَالْمَغْفِرَةَ ۗ بِاِذْنِهِ ۗ وَيَسِّرُ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝﴾ (البقرہ: ۲/۲۲۱)

”اور مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو حتیٰ کہ وہ ایمان لے آئیں اور مومن لونڈی مشرک عورت سے بہتر ہے اگرچہ وہ (مشرک) تمہیں اچھی لگے۔ اور مشرکوں کو رشتہ نہ دو حتیٰ کہ وہ ایمان لے آئیں۔ اور مومن غلام مشرک مرد سے بہتر ہے اگرچہ تمہیں اچھا لگے۔ یہ لوگ آگ کی طرف بلا تے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے اذن سے جنت اور بخشش کی طرف بلاتا ہے اور لوگوں کے لیے اپنے احکام بیان کرتا ہے تاکہ وہ نصیحت قبول کریں۔“

وَبِاللّٰهِ التَّوْفِیْقُ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰی نَبِیِّنَا مُحَمَّدٍ وَاٰلِهِ وَصَحْبِهِ وَسَلَّمَ

اللجنة الدائمة

رکن: (فضیلۃ الشیخ) عبداللہ بن قعود رکن: (فضیلۃ الشیخ) عبداللہ بن عدیان
نائب صدر: عبدالرزاق عقیفی صدر: عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز

فتویٰ: ۳۰۰۸

(جزء الثامن)

شیعی عقائد سے متعلق اہم کتب

سوال..... حسب استطاعت شیعہ کے عقائد بیان فرمائیں۔

جواب..... اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَحَدَهُ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِهِ وَاٰلِهِ وَصَحْبِهِ وَبَعْدُ:

شیعہ کے بہت سے فرقے ہیں۔ ان میں سے کچھ غلو کے مرتکب ہیں، کچھ اس قدر غلو نہیں کرتے۔ آپ ان کتابوں کا مطالعہ کریں جن میں علماء نے ان کے فرقوں کی تفصیل اور ہر فرقے کا الگ الگ عقیدہ بیان کیا ہے۔ مثلاً ”مقالات الاسلامیین“ تصنیف ابوالحسن اشعری، ”منہاج السنۃ“ تصنیف شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ، ”الفرق بین الفرق“ تصنیف عبدالقادر بغدادی رحمۃ اللہ علیہ۔ ”الملل والنحل“ از شہرستانی۔ ”المملک والنحل“ از ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ اور ”مختصر تحفۃ الثمینیہ“ وغیرہ۔ تاکہ آپ ان کے عقائد سے بخوبی واقف ہو سکیں۔

وَبِاللّٰهِ التَّوْفِیْقُ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰی نَبِیْنَا مُحَمَّدٍ وَاٰلِهِ وَصَحْبِهِ وَسَلَّمَ

اللجنة الدائمة

رکن: (فضیلۃ الشیخ) عبداللہ بن قعود رکن: (فضیلۃ الشیخ) عبداللہ بن عدیان

نائب صدر: عبدالرزاق عقیفی صدر: عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز

فتویٰ: ۳۰۸:۷ (رحمۃ اللہ علیہ)



شیعہ کے متعدد فرقے ہیں

سوال..... کیا موجودہ دور کے تمام شیعہ یا ان کے لیڈر کافر ہیں؟

جواب..... اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَحَدَهُ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِهِ وَاٰلِهِ وَصَحْبِهِ وَبَعْدُ:

موجودہ دور کے بہت سے فرقے ہیں۔ ان کے بارے میں آپ موجودہ دور کے علماء کی

کتابیں پڑھیں تاکہ آپ کو ان کے بارے میں حکم کا تفصیل سے علم ہو سکے۔ آپ مندرجہ ذیل کتابوں کا مطالعہ کریں۔ علامہ محمود شکاری آلوسی کی ”مختصر تحفہ اثنا عشریہ“ محبت الدین خطیب کی ”الخطوط العریضہ“ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی ”منہاج السنہ اور امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کی ”المتقی“۔

وَبِاللّٰهِ التَّوْفِیْقُ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰی نَبِیِّنَا مُحَمَّدٍ وَاٰلِهِ وَصَحْبِهِ وَسَلَّمَ

اللجنة الدائمة

رکن: (فضیلۃ الشیخ) عبداللہ بن قعود رکن: (فضیلۃ الشیخ) عبداللہ بن عدیان

نائب صدر: عبدالرزاق عقیفی صدر: عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز

فتویٰ: ۸۱۸۷

(رحمۃ اللہ علیہ)



شیعہ کا سب سے بڑا گمراہ فرقہ

سوال: آپ کا شیعہ کے بارے میں کیا فیصلہ ہے؟ خصوصاً وہ شیعہ جو اس بات کے قائل ہیں کہ علی رضی اللہ عنہ کو نبوت کا مقام حاصل ہے اور جبریل علیہ السلام غلطی سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلے گئے تھے؟

جواب: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَحَدَهُ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِهِ وَاٰلِهِ وَصَحْبِهِ وَبَعْدُ:

شیعہ کے بہت سے فرقے ہیں۔ ان میں سے جو اس بات کا قائل ہو کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مقام نبوت کے حامل ہیں اور جبریل علیہ السلام غلطی سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلے گئے تھے۔ ایسا عقیدہ رکھنے والا شخص کافر ہے۔

وَبِاللّٰهِ التَّوْفِیْقُ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰی نَبِیِّنَا مُحَمَّدٍ وَاٰلِهِ وَصَحْبِهِ وَسَلَّمَ

اللجنة الدائمة

رکن: (فضیلۃ الشیخ) عبداللہ بن قعود رکن: (فضیلۃ الشیخ) عبداللہ بن عدیان
 نائب صدر: عبدالرزاق عقیلی صدر: عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز
 (جزء الثم) فتویٰ: ۸۵۶۳



اہلسنت اور شیعہ میں اختلافات اصولی ہیں

سوال:..... گزارش ہے کہ اہل سنت اور شیعہ کے مابین اختلاف کی وضاحت فرمائیں اور یہ بتائیں کہ ان میں سے کون سا فرقہ اہل سنت سے زیادہ قریب ہے؟
جواب:..... اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَحَدَهُ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِهِ وَآلِهِ وَصَحْبِهِ وَبَعْدُ:

اہل سنت والجماعت اور شیعہ کے درمیان توحید، نبوت اور امامت وغیرہ کے متعلق بہت سے امور میں اختلاف ہے۔ بہت سے علماء نے اس موضوع پر اپنی کتابوں میں روشنی ڈالی ہے۔ مثلاً شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے ”منہاج السنۃ“ میں، شہرستانی نے ”المملک والنخل“ میں، ابن حزم نے ”المملک والنخل“ میں اور دیگر علماء نے بھی لکھا ہے مثلاً محبت الدین خطیب کی تصنیف ”الخطوط العریضہ“ اور ”مختصر تحفہ اثنا عشریہ۔“ آپ مذکورہ بالا کتابوں میں اس موضوع کا مطالعہ کریں۔

وَبِاللّٰهِ التَّوْفِیْقُ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰی نَبِیِّنَا مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَصَحْبِهِ وَسَلَّمَ

اللجنة الدائمة

رکن: (فضیلۃ الشیخ) عبداللہ بن قعود رکن: (فضیلۃ الشیخ) عبداللہ بن عدیان
 نائب صدر: عبدالرزاق عقیلی صدر: عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز
 (جزء الثم) فتویٰ: ۸۸۵۲

رافضی عوام کا حکم

سوال:..... اثنا عشریہ کے رافضی عوام کا کیا حکم ہے؟ کیا کسی گمراہ فرقے کے علماء اور عوام کے متعلق کفر یا فسق کا حکم لگانے میں فرق بھی ہوتا ہے؟

جواب:..... اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَحْدَهُ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِهِ وَاٰلِهِ وَصَحْبِهِ وَبَعْدُ:

عوام میں سے جو شخص کفر و ضلالت کے کسی پیشوا کا ساتھ دے، زیادتی اور سرکشی کرتے ہوئے ان کے بڑوں اور سرداروں کی حمایت کرے، اس پر انہی کی طرح کفر یا فسق کا حکم لگایا جائے گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَسْأَلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللَّهِ وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُونُ قَرِيبًا إِنَّ اللَّهَ لَعَنَ الْكُفْرَيْنَ وَآمَدَّ لَهُمْ سَعِيرًا خٰلِدِينَ فِيهَا اَبَدًا لَا يَجِدُوْنَ وِلِيًا وَلَا نَصِيْرًا ۝ يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ يَقُوْلُوْنَ يَلِيْتَنَا اَطْعَمَنَا اللّٰهُ وَاطْعَمَنَا الرَّسُوْلَ ۝ وَ قَالُوْا رَبَّنَا اِنَّا اَطْعَمْنَا سَادَتَنَا وَكُفْرًا نَا فَاضْلُوْنَا السَّبِيْلَ ۝ رَبَّنَا اٰتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَالْعَنَهُمْ لَعْنًا كَبِيْرًا ۝﴾

(الاحزاب: ۳۳ / ۶۳-۶۸)

”لوگ آپ سے قیامت کے متعلق سوال کرتے ہیں۔ کہہ دیجیے کہ اس کا علم تو اللہ ہی کو ہے اور آپ کیا جانیں کہ شاید قیامت جلد ہی واقع ہونے والی ہے۔ بے شک اللہ نے کافروں کو ملعون قرار دیا ہے اور ان کے لیے دہکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے کوئی دوست اور کوئی مددگار نہ پائیں گے۔ جس دن ان کے چہرے آگ میں الٹ پلٹ کیے جائیں گے۔ وہ کہیں گے کہ

اے کاش! ہم نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی ہوتی۔ وہ کہیں گے ”یا رب! ہم نے اپنے سرداروں اور بزرگوں کی اطاعت کی تو انہوں نے ہمیں راہ راست سے بھٹکا دیا۔ یا رب! انہیں دگنا عذاب دے اور ان پر بڑی لعنت کر۔“

اس کے علاوہ مندرجہ ذیل آیات پڑھیے (سورۃ بقرہ آیت: ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، سورۃ الاعراف آیت: ۳۷، ۳۸، ۳۹۔ سورۃ ابراہیم آیت: ۲۱، ۲۲۔ سورۃ الفرقان آیت: ۲۸، ۲۹۔ سورۃ قصص آیت: ۶۲، ۶۳، ۶۴۔ سورۃ سباء آیت: ۳۱، ۳۲، ۳۳۔ سورۃ الصافات آیت: ۲۰ تا ۳۶، سورۃ مومن آیت: ۴۷ تا ۵۰) اس کے علاوہ بھی اس مفہوم کی بہت سی آیات اور احادیث ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے مشرکین کے سرداروں سے بھی جنگ کی اور عام مشرکوں سے بھی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل بھی یہی رہا۔ انہوں نے سرداروں اور پیروکاروں میں کوئی فرق نہیں کیا۔

وَبِاللّٰهِ التَّوْفِیْقُ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰی نَبِیِّنَا مُحَمَّدٍ وَّآلِہٖ وَصَحْبِہٖ وَسَلَّمَ

اللجنة الدائمة

رکن: (فضیلۃ الشیخ) عبداللہ بن تعود رکن: (فضیلۃ الشیخ) عبداللہ بن عدیان
نائب صدر: عبدالرزاق عقیفی صدر: عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز

فتویٰ: ۹۲۳۷

(رحمۃ اللہ علیہ)



شیعہ ایک نوا ایجاد مذہب ہے

(سوال) کیا شیعہ امامیہ کافر فرقہ بھی اسلامی فرقہ ہے، اسے کس نے ایجاد کیا؟ کیونکہ شیعہ اپنے مذہب کو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اگر شیعہ کا مذہب اسلامی مذہب نہیں ہے تو ان میں اور اسلام میں کیا اختلافات ہیں؟ آپ سے گزارش ہے کہ واضح، تسلی بخش اور مدلل جواب دیں۔ خصوصاً مذہب شیعہ اور ان کے عقائد کے متعلق بتائیں اور اسلام میں

نئے ایجاد ہونے والے بعض مسالک بیان کریں۔

(جواب)..... أَلْحَمْدُ لِلَّهِ وَحَدُّهُ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى رَسُولِهِ وَآلِهِ وَصَحْبِهِ وَبَعْدُ:

شیعہ امامیہ مذہب اپنے اصولی اور فروعی مسائل کے لحاظ سے ایک نوا ایجاد مذہب ہے آپ ”الخطوط العریضہ“ ”مختصر تحفہ اثنا عشریہ“ اور شیخ الاسلام کی کتاب ”منہاج السنہ“ کا مطالعہ کریں۔ ان کتابوں میں ان کی بہت سی بدعات مذکور ہیں۔

وَبِاللَّهِ التَّوْفِيقُ وَصَلَّى اللَّهُ عَلَى نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَصَحْبِهِ وَسَلَّمَ

اللجنة الدائمة

رکن: (فضیلہ) شیخ) عبداللہ بن قعود رکن: (فضیلہ) شیخ) عبداللہ بن عدیان
نائب صدر: عبدالرزاق عقیفی صدر: عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز

فتویٰ: ۹۴۲۰

(رحمۃ اللہ علیہم)



خمینی کے نظریات کی ایک جھلک

(سوال)..... نائیجیریا کے مسلمان نوجوانوں میں ایرانی شیعہ انقلاب اور آیت اللہ خمینی کی محبت بہت پھیل گئی ہے۔ یہ نوجوان سمجھتے ہیں کہ اسلامی دنیا میں ایران کے سوا کوئی اسلامی حکومت شریعت کے مطابق فیصلہ نہیں کرتی اور آیت اللہ خمینی کے سوا کسی مملکت کا سربراہ مسلمان نہیں۔ اب نائیجیریا میں ان کی دعوت پھیلنے لگ گئی ہے۔ اس لیے ہم آپ سے گزارش کرتے ہیں کہ ایران کے شیعہ اور اس حکومت کے سربراہ آیت اللہ خمینی اور اس کی دعوت کے متعلق وضاحت سے بیان فرمائیں۔ ہم ان شاء اللہ اس کا ترجمہ اگر ہو سکا تو انگریزی زبانوں میں کرنے کی کوشش کریں گے تاکہ اس ملک میں ہمیں اس عقیدے سے نجات مل سکے۔ کیونکہ

ایران کی حکومت نائیجیریا میں مسلمانوں کو ہر ماہ بہت سی کتابیں بھیجتی ہے۔ لہذا ہمیں فتویٰ دیجیے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے اور برکت دے۔

(جواب): اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَحَدَهُ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِهِ وَاٰلِهِ وَصَحْبِهِ وَبَعْدُ:

ان نوجوانوں کا یہ خیال کہ اسلامی دنیا میں ایران کے سوا کوئی اسلامی حکومت شریعت کے مطابق فیصلہ نہیں کرتی اور آیت اللہ خمینی کے سوا کسی مملکت کا سربراہ مسلمان نہیں، ایک غلط خیال بلکہ جھوٹ اور افتراء ہے۔ جس طرح کہ حکومت ایران اور اس کے سربراہ کے عقیدہ و عمل سے واضح ہے۔ اثنا عشری امامیہ شیعہ نے اپنی کتابوں میں اپنے اماموں سے نقل کیا ہے کہ وہ قرآن مجید جسے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حفاظ قرآن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تعاون سے جمع کیا تھا وہ اصل قرآن میں تحریف، یعنی کمی، زیادتی، بعض الفاظ اور جملوں میں تبدیلی اور بعض آیات اور سورتوں کو حذف کر کے تیار کیا گیا تھا۔ جو شخص بھی حسین بن محمد تقی نوری طبرسی کی کتاب ”فصل الخطاب فی اثبات تحریف کتاب رب الارباب“ پڑھے گا، جس میں قرآن مجید کی تحریف ثابت کی گئی ہے اور اس طرح کے دوسرے افراد کی وہ کتابیں پڑھے گا جو رافضیوں کی تائید اور ان کے مذہب کی اثبات میں لکھی گئی ہیں مثلاً ابن مظفر کی ”منہاج الکرامہ“ تو اس کے سامنے یہ تمام باتیں واضح طور پر آ جائیں گی۔ اسی طرح وہ سنت نبوی کے صحیح مجموعوں مثلاً صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی طرف توجہ نہیں کرتے اور عقیدے یافتہ کے مسائل معلوم کرنے کے لیے ان کتب احادیث کو استدلال کے قابل نہیں سمجھتے۔ قرآن مجید کے فہم و تفسیر کے لیے ان پر اعتماد نہیں کرتے بلکہ انہوں نے حدیث کی اپنی کتابیں بنا رکھی ہیں اور اپنے الگ الٹے سیدھے اصول بنا رکھے ہیں جن سے وہ اپنے خیال میں صحیح اور ضعیف روایات میں امتیاز کرتے ہیں۔ جن میں سے ایک اصول یہ ہے کہ وہ ان بارہ اماموں کے اقوال کی طرف رجوع کرتے ہیں جنہیں وہ معصوم قرار دیتے ہیں۔ پھر انہیں قرآن مجید اور صحیح سنت کا علم کیسے حاصل ہو سکتا ہے؟

اور وہ شریعت کے پختہ اصول و احکام کہاں سے معلوم کر سکتے ہیں جن کو وہ اپنی ایرانی قوم پر نافذ کر سکتے ہیں جن پر وہ حکومت کر رہے ہیں۔ ان حقائق کی موجودگی میں یہ کس طرح کہا جاسکتا ہے کہ آیت اللہ خمینی کے علاوہ کوئی مسلمان سربراہ مملکت موجود نہیں۔ جبکہ خمینی نے اپنی کتاب ”حکومت اسلامیہ“ میں صفحہ ۵۲ پر ”ولایت تکوینی“ کے عنوان سے لکھا ہے: ”ائمہ کرام کو مقام محمود، درجہ بلند اور خلافت تکوینی حاصل ہے۔ ان کی حکومت اور اقتدار کائنات کے ہر ذرے پر قائم ہے اور ہمارے مذہب کے بنیادی عقائد میں یہ بات شامل ہے کہ ہمارے ائمہ کو ایسا مقام حاصل ہے جس تک کوئی مقرب فرشتہ پہنچ سکتا ہے، نہ کوئی نبی اور رسول۔“ یہ نہایت واضح جھوٹ اور کھلا بہتان ہے۔ ہم آپ کو نصیحت کرتے ہیں کہ درج ذیل کتابوں کا مطالعہ کریں ”مختصر تحفہ اثنا عشریہ“ از علامہ محمود شکاری آلوسی، ”الخطوط العریضہ“ از محبت الدین خطیب، ”منہاج السنۃ النبویہ فی نقض کلام الشیعہ والبقدریہ“ از علامہ شیخ احمد بن عبدالحلیم ابن تیمیہ اور کتب ”منہاج السنۃ“ از امام ذہبی۔

وَبِاللّٰهِ التَّوْفِیْقُ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰی نَبِیِّنَا مُحَمَّدٍ وَاٰلِهِ وَصَحْبِهِ وَسَلَّمَ

اللجنة الدائمة

رکن: (فضیلہ الشیخ) عبداللہ بن قعود رکن: (فضیلہ الشیخ) عبداللہ بن عدیان

نائب صدر: عبدالرزاق عقیفی صدر: عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز

فتویٰ: ۱۱۴۶۱

(جزء الثامن)



کیا ابراہیم علیہ السلام شیعہ تھے؟

(سوال)..... کیا ابراہیم علیہ السلام شیعہ تھے؟

(جواب)..... لفظ شیعہ کا معنی گروہ اور فرقہ ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں لفظ شیعہ کسی خاص مذہب کے لیے مستعمل نہیں ہوا۔ شیعہ حضرات کا اپنے مذہب کی حقانیت کے لیے سورۃ الصافات کی

آیت ۸۳ ﴿وَإِنَّ مِنْ شِيعَتِهِ لَإِبْرَاهِيمَ﴾ پیش کرنا درست نہیں۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے لیے یہ جو لفظ استعمال کیا گیا ہے تو اس کا معنی گروہ ہے نہ کہ موجودہ شیعہ۔ آیت کا صاف مطلب یہ ہے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام سیدنا نوح علیہ السلام کے گروہ سے تھے۔ یعنی جس طرح وہ اللہ تعالیٰ کے نبی تھے، اسی طرح ابراہیم علیہ السلام بھی نبی تھے۔ قرآن مجید نے جہاں ابراہیم علیہ السلام کے دین کا ذکر کیا ہے، وہاں یوں ارشاد فرمایا ہے:

﴿مَا كَانَ إِبْرَاهِيمُ يَهُودِيًّا وَلَا نَصْرَانِيًّا وَلَكِنْ كَانَ حَنِيفًا مُّسْلِمًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ﴾ (آل عمران: ۶۷/۳)

”ابراہیم علیہ السلام یہودی تھے اور نہ عیسائی لیکن وہ تو یک سو مسلم تھے۔“

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کا دین بیان کرتے ہوئے ﴿حَنِيفًا مُّسْلِمًا﴾ کہا ہے۔ اگر وہ مذہباً شیعہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ یوں ارشاد فرماتے: ”مَا كَانَ إِبْرَاهِيمَ يَهُودِيًّا وَلَا نَصْرَانِيًّا وَلَكِنْ كَانَ شِيعَةً“ لیکن قرآن میں اس طرح مذکور نہیں۔

قرآن مجید میں اکثر و بیشتر مواقع پر لفظ شیعہ شریروں، فساد یوں اور فتنہ بازوں کے لیے استعمال ہوا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِي شَيْعِ الْأَوَّلِينَ ۝ وَمَا يَأْتِيهِمْ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ۝﴾ (الحجر: ۱۰/۱۱)

”البتہ ہم نے آپ سے پہلے کئی رسول اگلے شیعوں میں بھیجے اور ان کے پاس کوئی بھی رسول نہیں آیا مگر وہ ان سے مذاق کرتے تھے۔“

اگر لفظ شیعہ سے مراد شیعہ فرقہ ہے تو پھر اس آیت سے معلوم ہوا کہ رسولوں کے ساتھ مذاق کرنے والے شیعہ تھے۔ اس آیت کی تفسیر میں شیعہ مفسر عمار علی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے:

”یہاں شیعہ سے مراد وہ کافر ہیں جو رسولوں کے ساتھ ٹھٹھا مذاق کرتے تھے۔“

(تفسیر عمدة البيان ۲/ ۱۷۴)

﴿قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلَىٰ أَنْ يَبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ أَوْ مِّنْ تَحْتِ أَرْجُلِكُمْ أَوْ يَلْبَسَكُمْ شِيْعًا وَيُذِيقَ بَعْضَكُمْ بَأْسَ بَعْضٍ﴾

(الانعام: ۶۵)

”کہہ دیجیے اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ تمہارے اوپر سے عذاب بھیج دے یا

تمہارے پاؤں کے نیچے سے یا تم کو شیعہ بنا کر آپس میں لڑا دے۔“

اگر لفظ ﴿شِيْعًا﴾ سے شیعہ فرقہ مراد ہے تو ان کے عذاب الہی میں گرفتار ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں۔ اس آیت کے متعلق شیعہ مفسر عمار علی نے لکھا ہے:

”اس آیت میں لفظ ﴿شِيْعًا﴾ شریروں، فساد یوں اور فتنہ بازوں پر بولا گیا

ہے۔“ (عمدة البيان ۱/ ۳۵۳)

﴿إِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْأَرْضِ وَجَعَلَ أَهْلَهَا شِيْعًا﴾ (القصص: ۲۸/ ۴)

”بے شک فرعون نے زمین میں سرکشی کی اور وہاں کے رہنے والوں کو شیعہ بنا دیا۔“

اس آیت سے معلوم کہ لوگوں کو شیعہ بنانے والا فرعون تھا۔

﴿وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝ مِنَ الَّذِينَ فَرَّقُوا

دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيْعًا﴾ (الروم: ۳/ ۳۱، ۳۲)

”اور نماز قائم کرو اور مشرکوں میں سے نہ ہو جاؤ جنہوں نے اپنے دین کو ٹکڑے

ٹکڑے کر دیا اور وہ شیعہ تھے۔“

اس آیت کی تفسیر میں شیعہ مفسر نے لکھا ہے:

”اس آیت میں شیعہ..... مشرکوں، بت پرستوں، دشمنان دین اور یہود و نصاریٰ

کو کہا گیا ہے۔“ (عمدة البيان: ۱۳/ ۳)

﴿إِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيْعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ﴾

(الانعام: ۱/ ۱۵۹)

”بے شک وہ لوگ جنہوں نے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کیا اور شیعہ ہو گئے، ان سے آپ کا کوئی تعلق نہیں۔“

اس آیت نے صراحت کر دی کہ اللہ کے رسول ﷺ کا شیعوں سے کوئی تعلق نہیں۔ جس فرقہ سے اللہ کے رسول ﷺ کا کوئی تعلق نہ ہو، اس کے گمراہ ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں۔ مندرجہ بالا آیات میں لفظ شیعہ گروہ بندی کے معنی میں ہے۔ اگر لفظ شیعہ سے خاص فرقہ مراد لیں تو خود سمجھ لیں کہ مذکورہ پانچ آیات میں شیعہ کسے کہا گیا ہے؟

کیا علی رضی اللہ عنہ خلیفہ بلا فصل اور مشکل کشا ہیں؟

سوال..... کچھ لوگوں کا اعتقاد ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ مشکل کشا ہیں اور خلیفہ بلا فصل تھے۔ کیا ایسا عقیدہ کتاب و سنت کے خلاف نہیں؟

جواب..... اس ضمن میں رسول اللہ ﷺ کی ایک حدیث کئی ایک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلَيْ مَوْلَاهُ، اللَّهُمَّ وَالِ مَنْ وَاكَاهُ وَعَادِ مَنْ عَادَاهُ)) ❶

”جس کا میں دوست ہوں علی رضی اللہ عنہ بھی اس کا دوست ہے۔ اے اللہ! جو علی سے دوستی لگائے تو بھی اسے دوست بنا اور جو اس سے دشمنی رکھے تو بھی اس سے دشمنی رکھ۔“

مذکورہ بالا حدیث کا مفہوم اس کے الفاظ سے بالکل واضح ہے کہ یہاں مولیٰ سے مراد دوست ہے۔ یہاں مولیٰ سے مراد خلیفہ بلا فصل ہے اور نہ مشکل کشا اور حاجت روا۔ بلکہ خلیفہ بلا فصل سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور مشکل کشا اللہ تبارک و تعالیٰ ہے، جو ہر کسی کے نفع و نقصان کا الٰہ ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

❶ مسند احمد: ۵/۴۱۹، ۱/۸۴۔ طبرانی کبیر: ۴۰۵۲۔ مجمع الزوائد: ۹/۱۲۸، ۱۴۶۱۰۔ بزار: ۲۵۱۹۔ کتاب السنۃ لابن ابی عاصم: ۲/۵۹۰، ابن حاکم: ۲۲۰۵۔ جامع ترمذی: ۳۷۱۲۔ سلسلۃ الأحادیث الصحیحۃ: ۱۷۵۰۔

﴿وَإِنْ يَمْسَسْكَ اللَّهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهُ إِلَّا هُوَ وَإِنْ يُرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَادَّ لِفَضْلِهِ يُصِيبُ بِهِ مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَهُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ﴾ (يونس: ۱۰/۱۰۷)

”اور اگر اللہ تمہیں کوئی تکلیف پہنچا دے تو اسے دور کرنے والا کوئی نہیں مگر صرف وہی (اللہ تعالیٰ) اور اگر وہ آپ کے ساتھ کسی بھلائی کا ارادہ کرے تو اس کے فضل کو رد کرنے والا کوئی نہیں۔ وہ اپنا فضل اپنے بندوں میں سے جسے چاہے عطا کرتا ہے اور وہ بہت بخشنے والا مہربان ہے۔“

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ مشکل اور مصیبت کو دور کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے، اس کے علاوہ کوئی نہیں۔ ایک اور مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿أَمَّنْ يُجِيبُ الْمُضْطَّرَّ إِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَاءَ الْأَرْضِ طَعَّ إِلَهُ مَعَ اللَّهِ قَلِيلًا مَا تَدَّكُرُونَ﴾ (النمل: ۲۷/۶۲)

”بے کس ولاچار جب پکارے تو ان کی پکار کو قبول کر کے کون مصیبت کو دور کرتا ہے؟ اور تمہیں زمین کا خلیفہ بناتا ہے کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے؟ (جو مشکل حل کر سکے) تم بہت کم نصیحت حاصل کرتے ہو۔“

نبی کریم ﷺ نے سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے فرمایا تھا:

((وَإِذَا سَأَلْتَ فَاسْئَلِ اللَّهَ وَإِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللَّهِ وَاعْلَمْ أَنَّ الْأُمَّةَ لَوِ اجْتَمَعَتْ عَلَىٰ أَنْ يَنْفَعُوكَ بِشَيْءٍ لَّمْ يَنْفَعُوكَ إِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللَّهُ لَكَ وَإِنْ اجْتَمَعُوا عَلَىٰ أَنْ يَضُرُّوكَ بِشَيْءٍ لَّمْ يَضُرُّوكَ إِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللَّهُ عَلَيْكَ)) ❶

”اور جب بھی تو سوال کرے اللہ سے سوال کر اور جب بھی تو مدد طلب کرے اللہ

❶ ترمذی، کتاب صفة القيامة: باب (۲۵۱۶)، مسند احمد (۱/۲۹۳-۳۰۳)

تعالیٰ سے مدد طلب کر۔ یقین کر لے بلاشبہ اگر ساری امت اس بات پر جمع ہو جائے کہ وہ تجھے کسی چیز سے نفع پہنچائے تو وہ نفع نہیں پہنچا سکتی مگر وہی جو اللہ تعالیٰ نے تیرے لیے لکھ دیا ہے۔ اور اگر ساری امت تجھے نقصان پہنچانے پر اکٹھی ہو جائے تو تجھے نقصان نہیں پہنچا سکتی مگر وہی جو اللہ نے تیرے خلاف لکھ دیا ہے۔“

مذکورہ بالا آیات اور صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ ہر قسم کے نفع و نقصان کا مالک، مشکل کشا اور حاجت روا صرف اللہ کی ذات ہے۔ کائنات میں سے کوئی فرد بھی کسی کے نفع و نقصان کا مالک نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو نصیحت کرتے ہوئے یہ بات سمجھادی کہ آپ کی امت میں سے کوئی شخص بھی خواہ وہ نیک ہو یا بد، امیر ہو یا غریب، حکمران ہو یا رعایا، الغرض کوئی بھی کسی کی قسمت کا مالک نہیں۔ ہر قسم کا اختیار اللہ کے پاس ہے۔ وہی مختار کل، مشکل کشا اور حاجت روا ہے۔

شیعہ اثنا عشریہ اور قرآن

سوال..... کیا شیعہ اثنا عشریہ ہمارے قرآن پر ایمان نہیں رکھتے؟

جواب..... اللہ وحدہ لا شریک لہ نے اپنے انبیاء و رسل پر کتب و صحائف نازل فرمائے اور

اس سلسلے کی آخری کڑی امام اعظم سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر بذریعہ جبریل امین قرآن نازل فرمایا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِجِبْرِيلَ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَيَّ قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللَّهِ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَبُشْرَىٰ لِلْمُؤْمِنِينَ ۝ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِلَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَرُسُلِهِ وَجِبْرِيلَ وَمِيكَلَ فَإِنَّ اللَّهَ عَدُوٌّ لِلْكَافِرِينَ ۝﴾

(البقرة: ۲/۹۷-۹۸)

”آپ کہہ دیں جو شخص جبریل (علیہ السلام) کا دشمن ہے جس نے آپ کے دل پر اس

قرآن کو اللہ کے حکم سے اتارا ہے جو اس چیز کی تصدیق کرنے والا ہے جو اس کے سامنے ہے اور یہ ہدایت و خوشخبری ہے ایمان والوں کے لیے جو شخص اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں اور رسولوں اور جبریل اور میکائیل کا دشمن ہے تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ بھی کافروں کا دشمن ہے۔“

اس آیت کریمہ میں واضح کیا گیا ہے کہ جبریل امین علیہ السلام یہ قرآن لے کر رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے خود اس کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾ (الحجر: ۹/۱۰)

”بے شک ہم نے اس ذکر (قرآن) کو نازل کیا اور بے شک ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔“

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِالذِّكْرِ لَمَّا جَاءَهُمْ وَإِنَّهُ لَكِتَابٌ عَزِيزٌ ۝ لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ تَنْزِيلٌ مِّنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ﴾

(فصلت: ۴۱، ۴۲)

”بے شک وہ لوگ جنہوں نے قرآن حکیم کے ساتھ کفر کیا جب وہ ان کے پاس آیا۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک زبردست کتاب ہے، باطل نہ سامنے سے اس پر آسکتا ہے اور نہ پیچھے سے۔ یہ ایک حکیم و حمید کی نازل کردہ ہے۔“

معلوم ہوا کہ قرآن ایک ایسی کتاب ہے جس میں باطل کو دخل نہیں اور اس کی حفاظت کی ذمہ داری رب ذوالجلال والا کرام نے لے رکھی ہے۔ قرآن حکیم لا ریب کتاب ہے، اس میں تبدیلی و تحریف ناممکن ہے۔ قرآن حکیم کا اعجاز ہے کہ اس جیسی کتاب کوئی لاسکتا ہے اور نہ لاسکے گا۔ نبی کریم ﷺ نے جب یہ وحی الہی لوگوں کو سنانا شروع کی تو کفار نے کہا: اس میں کچھ ترمیم کر لو، تب ہم آپ (ﷺ) کی بات مان سکتے ہیں۔ تو ارشاد الہی ہوا:

﴿وَإِذَا تَنَلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ قَالَ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا
 أَنْتِ بَقْرَانٌ غَيْرٌ هَذَا أَوْ بَدَّلَهُ قُلْ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أُبَدِّلَهُ مِنْ تَلْقَائِي
 نَفْسِي إِنْ اتَّبَعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ إِنِّي أَخَافُ إِنْ عَصَيْتُ رَبِّي عَذَابٌ
 يَوْمٍ عَظِيمٍ﴾ (يونس: ۱۰/۱۵)

”اور جب ان پر ہماری واضح آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو وہ لوگ جو ہم سے ملاقات کی توقع نہیں رکھتے، کہتے ہیں کہ اس کے علاوہ کوئی اور قرآن لاؤ یا اس میں کچھ ترمیم کرو۔ آپ (ﷺ) ان سے کہہ دیجیے کہ میرا یہ کام نہیں ہے کہ میں اپنی طرف سے اس میں کوئی تغیر و تبدل کر لوں، میں تو بس اس وحی کا پیروکار ہوں جو میرے پاس بھیجی جاتی ہے۔ اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو مجھے ایک بڑے ہولناک دن کے عذاب کا ڈر ہے۔“

معلوم ہوا کہ وحی الہی قرآن میں تغیر و تبدل کا حق کسی کو نہیں ہے۔ ہمارے نزدیک قرآن حکیم ایک مکمل جامع کتاب ہے، اس میں کسی قسم کا شبہ، تغیر و تبدل اور تحریف ممکن نہیں۔ جس طرح نبی کریم (ﷺ) نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جمع کرنے کے لیے کہا انہوں نے اسی طرح اس کو جمع کر دیا۔ قرآن کی تحریف کا قائل مسلمان نہیں ہے۔ امام ابن حزم رحمہ اللہ نے نصاریٰ کا یہ الزام نقل کیا ہے:

((وَأَيْضًا فَإِنَّ الرَّوَافِضَ يَزْعُمُونَ أَنَّ أَصْحَابَ نَبِيِّكُمْ بَدَّلُوا
 الْقُرْآنَ وَأَسْقَطُوا مِنْهُ وَزَادُوا فِيهِ)) ❶

”بیزروافض دعویٰ کرتے ہیں کہ تمہارے نبی (ﷺ) کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے قرآن پاک کو تبدیل کر دیا ہے اور اس میں سے کچھ آیات ساقط کر دی ہیں اور کچھ زیادہ کر دی ہیں۔“

❶ الفصل في الملل والاهواء والنحل: ۲/۷۰.

اس کا جواب دیتے ہوئے امام ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((وَأَمَّا قَوْلُهُمْ فِي دَعْوَى الرَّوَافِضِ تَبْدِيلُ الْقِرَاءَاتِ فَإِنَّ الرَّوَافِضَ لَيْسُوا مِنَ الْمُسْلِمِينَ ، إِنَّمَا هِيَ فِرْقٌ حَدَّثَتْ أَوْلَهَا بَعْدَ مَوْتِ النَّبِيِّ ﷺ بِخَمْسِ وَعِشْرِينَ سَنَةً وَكَانَ مَبْدَأُهَا إِجَابَةٌ وَمَنْ خَذَلَهُ اللَّهُ تَعَالَى لِدَعْوَةٍ مِّنْ كَادِ الْإِسْلَامِ وَهِيَ طَائِفَةٌ تَجْرِي مَجْرَى الْيَهُودِ وَالنَّصَارَى فِي الْكُذِبِ وَالْكَفْرِ)) ❶

”رہانصاری کا یہ کہنا کہ روافض کا دعویٰ ہے کہ صحابہ نے قرآن تبدیل کر دیا تھا تو اس کا جواب یہ ہے کہ: روافض کا شمار مسلمانوں میں نہیں ہے۔ یہ ایسے فرقے ہیں جو رسول اللہ ﷺ کی وفات کے ۲۵ سال بعد پیدا ہوئے اور ان فرقوں کی ابتدا اس شخص کی دعوت کو قبول کرنے کی وجہ سے ہوئی جسے اللہ تعالیٰ نے اسلام کے خلاف سازشیں کرنے والوں کا داعی ہونے کی وجہ سے ذلیل و رسوا کر دیا تھا۔ روافض کا یہ گروہ جھوٹا ہونے اور کفر میں یہود و نصاریٰ کے راستے پر گامزن ہے۔“

حافظ ابن حزم اندلسی رحمہ اللہ کی اس توضیح سے معلوم ہوا کہ اہل حدیث کے نزدیک تحریف قرآن کا قائل مسلمان نہیں ہے۔ روافض کو انہوں نے مسلمانوں میں شمار کیا۔ اس لیے کہ یہ لوگ تحریف قرآن کے قائل اور عقائد فاسدہ رکھتے تھے۔ شیعہ حضرات کا ایمان موجودہ قرآن کریم پر ہے اور نہ ہو ہی سکتا ہے۔ اس کی وجوہات درج ذیل ہیں:

..... شیعہ کے عقائد کا جزو لاینفک یہ ہے کہ ناقلان قرآن اور زوایان دین اسلام، یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت جھوٹی تھی۔ ان میں سے ایک آدمی بھی ایسا نہ تھا جس نے حق و صداقت کو دل و جان سے قبول کیا ہو۔ اور ان کے نزدیک اصحاب رسول ﷺ کے دو گروہ تھے۔ ایک گروہ خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم اور دیگر ہزاروں صحابہ کی تعداد میں

❶ الفصل فی الملل والہواء والنحل : ۷۵/۲.

موجود تھا۔ دوسرا گروہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور ان کے چند ساتھیوں پر مشتمل تھا۔ پہلے گروہ کے جھوٹ کا نام انہوں نے نفاق رکھا ہے اور دوسرے گروہ کے جھوٹ کا نام تقیہ رکھا ہے۔ شیعہ کا ثقہ الاسلام ابو جعفر محمد بن یعقوب الکلبینی لکھتا ہے کہ: امام باقر نے فرمایا:

((كَانَ النَّاسُ أَهْلَ رِدَّةٍ بَعْدَ النَّبِيِّ ﷺ إِلَّا ثَلَاثَةٌ، فَقُلْتُ وَمَنْ الثَّلَاثَةُ؟ فَقَالَ الْمِقْدَادُ بْنُ الْأَسْوَدِ وَأَبُو ذَرِّ الْعَفَّارِيُّ وَسَلْمَانُ الْفَارِسِيُّ))^①

”نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد لوگ مرتد ہو گئے تھے، سوائے تین اشخاص کے۔“ راوی کہتا ہے کہ میں نے پوچھا: ”وہ تین کون ہیں؟“ تو انہوں نے کہا: ”مقداد بن اسود، ابو ذر غفاری اور سلمان فارسی (رضی اللہ عنہم)۔“

قاضی نور اللہ شوشتری نے لکھا ہے کہ امام باقر سے روایت ہے:

((ارْتَدَّ النَّاسُ إِلَّا ثَلَاثَ نَفَرٍ سَلْمَانَ وَأَبُو ذَرٍّ وَالْمِقْدَادُ.))^②

”تین کے سوا تمام لوگ مرتد ہو گئے تھے۔ سلمان فارسی، ابو ذر غفاری اور مقداد بن اسود (رضی اللہ عنہم)۔“

اس کے بعد لکھتا ہے:

((يَعْنِي حَضْرَتِ إِمَامِ فَرْمُودَ كَمَا جَمِيعِ مَشَاهِيرِ صَحَابِهِ كَمَا

اسْتَمَاعِ نَصِ نَبِيِّ دَرِ بَابِ خِلَافَةِ أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ نَمُودَةَ بُوذَنْدِ

مَرْتَدِ شَدَنْدِ الْأَسْهَةِ سَلْمَانَ وَأَبُو ذَرٍّ وَمِقْدَادَ اسْت.))^③

① کتاب الروضة من الكافي: ۲۴۵/۸.

② محالس المومنین: ۲۰۳/۱.

③ محال المومنین: ۲۰۳/۱.

”امام باقرؑ نے فرمایا: ”تمام مشہور صحابہ امیر المؤمنین کی خلافت کے بارے میں نص نبوی سننے کے باوجود پھر گئے اور مرتد ہو گئے سوائے تین اشخاص کے، یعنی سلمان، ابوذر اور مقداد۔“

احمد بن علی الطبری نے لکھا ہے:

((وَمَا مِنْ الْأُمَّةِ أَحَدٌ بَايَعَ مُكْرَهَا غَيْرَ عَلِيٍّ وَأَرْبَعَتِنَا)) ❶

”امت میں سے کوئی ایسا آدمی نہ تھا جس نے دلی رضا مندی کے بغیر ابوبکر صدیقؑ کی بیعت کی ہو۔ علیؑ اور چار اشخاص کے سوا یعنی ابوذر، سلمان، مقداد اور عمار بن یاسر (رضی اللہ عنہم)۔“

طبری کی اس عبارت سے معلوم ہوا کہ تمام امت مسلمہ نے دل و جان سے ابوبکر صدیقؑ کی بیعت کی تھی، صرف مذکورہ چار اشخاص ایسے تھے جنہوں نے مجبوراً بیعت کی اور جو بات ان کے دل میں تھی وہ زبان پر نہ تھی۔ یعنی ان کا ظاہر و باطن ایک نہ تھا (العیاذ باللہ) زبان سے ابوبکرؑ کے ساتھ تھے اور دل سے کسی اور کے ساتھ۔ شیخ الطائفہ الامامیہ ابو جعفر الطوسی رقمطراز ہے:

((عَنْ حُمْرَانَ قَالَ قُلْتُ لِأَبِي جَعْفَرٍ: مَا أَقْلَنَّا لَوْ اجْتَمَعْنَا عَلَى شَاةٍ

مَا أَفْنَيْنَاهَا، قَالَ، فَقَالَ: أَلَا أَخْبَرُكَ بِأَعْجَبَ مِنْ ذَلِكَ؟ قَالَ فَقُلْتُ

بَلَى، قَالَ الْمُهَاجِرُونَ وَالْأَنْصَارُ ذَهَبُوا إِلَّا وَأَشَارَ بِيَدِهِ ثَلَاثَةً)) ❷

”حمران نے کہا میں نے امام باقر سے کہا: ”ہماری تعداد کس قدر کم ہے، اگر ہم ایک بکری پر جمع ہوں تو اسے بھی ختم نہ کر پائیں۔“ امام نے کہا: ”میں تجھے اس سے بھی عجیب بات نہ بتاؤں؟“ ”میں نے کہا: ”کیوں نہیں؟“ فرمایا: ”مہاجرین و انصاریوں کے علاوہ سب چلے گئے، یعنی مرتد ہو گئے تھے۔“

❶ رجال کشی، ص: ۷۱.

❷ الاحتجاج: ۱/۸۴.

شیعہ کے مذکورہ حوالہ جات سے معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد تمام صحابہ (العیاذ باللہ) مرتد ہو گئے تھے اور یہ عقیدہ انہوں نے اپنے مزمومہ ائمہ معصومین سے نقل کیا ہے۔ شیعہ کا صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں موقف مزید معلوم کرنا ہو تو اسد حیدر کی کتاب ”الصحابۃ فی نظر الشیعۃ الامامیۃ“ مطبوعہ قاہرہ اور باقر مجلسی کی ”بحار الأنوار“ سے مطاعن پر مشتمل جلدوں کا مطالعہ کریں۔ جس سے یہ حقیقت آشکارا ہو جاتی ہے کہ ان کے نزدیک دین اسلام کے راویان اور ناقلان قرآن جھوٹے تھے۔ جب تک عدالت و عظمت صحابہ کو شیعہ تسلیم نہیں کر لیتے اتنی دیر تک ان کا قرآن حکیم پر ایمان درست نہیں ہو سکتا۔ صحابہ پر تبر اور سب و شتم کرنا ان کا بنیادی عقیدہ ہے۔ اس عقیدے کی موجودگی میں قرآن حکیم پر ایمان محال و ناممکن ہے۔ تقیہ اور کتمان کے بارے میں اصول کافی وغیرہ کتب کا مطالعہ کر لیں۔

شیعہ علماء کے اقرار کے مطابق اس قرآن کو خلفائے ثلاثہ نے جمع کیا اور انہی کے انتظام و انصرام سے یہ پوری دنیا میں پھیلا یا گیا اور اس موجودہ قرآن کی قابل و وثوق تصدیق ان کے ائمہ معصومین سے نہیں ملتی۔ اور خلفائے ثلاثہ کے متعلق شیعہ کا عقیدہ ہے کہ وہ دین دشمن تھے اور اسلام کے لبادے میں حصول حکومت کے لیے رسول اللہ ﷺ کے گرد جمع تھے اور آپ ﷺ پر ان کا رعب و دبدبہ اس قدر تھا کہ آپ ﷺ ان سے پوچھے بغیر کوئی کام سر انجام نہیں دیتے تھے۔ اور ان کے رعب کی وجہ سے آپ ﷺ خلافت بلا فصل کا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے لیے کھلے عام واضح اور دونوک اعلان نہ کر سکے۔ لہذا جو چیز دین دشمن لوگوں نے لکھ کر پھیلا دی ہو وہ معتبر اور قابل و وثوق کیسے ہو سکتی ہے؟ شیعہ کا کہنا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ فوت ہوئے تو لوگ مرتد ہو گئے اور علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے خلاف ہو گئے اور اپنے لیے زمام حکومت پر قابض ہو گئے۔ علی رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کے غسل اور کفن و دفن کے بعد اپنے گھر میں محصور ہو کر قرآن تالیف کرنے لگے۔ جب قرآن پاک جمع کر لیا تو اسے انصار و

مہاجرین کے پاس لے کر آئے، اس لیے کہ اس بات کی انہیں رسول اللہ ﷺ نے وصیت کی تھی۔ فصل الخطاب میں ہے:

((فَلَمَّا فَتَحَهُ أَبُو بَكْرٍ خَرَجَ فِي أَوَّلِ صَفْحَةٍ فَتَحَهَا فَضَائِعَ الْقَوْمِ
فَوَثَبَ عُمَرُ وَقَالَ يَا عَلِيُّ! أُرِدُّهُ فَلَا حَاجَةَ لَنَا فِيهِ، فَأَخَذَهُ عَلِيُّ
عَلَيْهِ السَّلَامُ وَأَنْصَرَفَ)) ❶

”جب اسے ابو بکر نے کھولا تو پہلے صفحہ پر قوم کی فضیحتوں اور رسوائیوں کا ذکر تھا۔

عمر اٹھ کھڑے ہوئے اور کہا: ”اے علی! اس کو لے جاؤ، ہمیں اس کی ضرورت

نہیں۔“ علی ﷺ نے اس قرآن کو لیا اور چلے گئے۔“

پھر زید بن ثابت رضی اللہ عنہ قاری قرآن کو بلا کر نیا قرآن لکھوایا گیا اور اس میں سے انصار و

مہاجرین کی ذلت و رسوائی والی آیات کو نکال دیا گیا۔ (الاحتجاج للطبرسی ۱/۱۵۶)

دوسری روایت میں ہے کہ جب صحابہ نے کہا: ”ہمیں تمہارے جمع کردہ قرآن کی

حاجت نہیں۔“ تو علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

((وَاللَّهِ مَا تَرَوْنَهُ بَعْدَ يَوْمِكُمْ هَذَا)) ❷

”اللہ کی قسم! تم اس قرآن کو آج کے بعد کبھی نہیں دیکھو گے۔“

مذکورہ بالا حوالہ جات سے معلوم ہوا کہ شیعہ کے نزدیک موجودہ قرآن کے جامع ابو بکر و

عمر رضی اللہ عنہما تھے اور انہوں نے اسے سیدنا زید بن ثابت سے لکھوا کر دنیا میں پھیلا دیا اور اصل

قرآن جو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے لکھا تھا وہ تسلیم نہ کیا تو علی رضی اللہ عنہ نے اسے غائب کر دیا۔ ابو بکر و

عمر رضی اللہ عنہما کا پھیلا یا ہوا قرآن ہی آج دنیا میں پڑھا جا رہا ہے اور اس کے حافظین دنیا کے ہر

گوشے میں موجود ہیں۔

❶ فصل الخطاب فی اثبات تحریف کتاب رب الارباب، ص: ۷.

❷ فصل الخطاب فی اثبات تحریف کتاب رب الارباب، ص: ۷.

ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں شیعہ کا عقیدہ ملاحظہ ہو۔ ملا باقر مجلسی نے اپنی کتاب میں

لکھا ہے:

((ابوبکر و عمر ہر دو کافر بودند و ہر کہ ایشان

رادوست دارد کافر است .)) ❶

”ابوبکر و عمر دونوں کافر تھے اور ان سے دوستی رکھنے والا ہر فرد بھی کافر ہے۔“

(العیاذ باللہ)

اس کے بعد لکھتا ہے:

((ودریں باب احادیث بسیار است و در کتب متفرق است

واکثر در بحار الانوار مذکور است .)) ❷

”اس بارے میں بہت سی روایات ہیں اور متفرق کتب میں موجود ہیں اور اکثر کا

ذکر ”بحار الانور“ میں موجود ہے۔“

بحار الانور باقر مجلسی ہی کی کتاب ہے، جو ۱۱۰ جلدوں میں چھپی ہے اور راقم الحروف کے

کتب خانہ میں موجود ہے۔ مجلسی نے لکھا ہے:

((اعتقاد ما در براءت آنستکہ بیزاری جو یند از بت ہائے

چہار گانہ یعنی ابوبکر و عمر و عثمان و معاویہ و زنان

چہار گانہ یعنی عائشہ و حفصہ و ہند و ام الحکم و از جمیع

اشیاع و اتباع ایشان و آنکہ ایشان بدترین خلق خدا یند و آنکہ

تمام نمی شود اقرار بخدا و رسول و ائمہ مگر بہ بیزاری از

دشمنان ایشان .)) ❸

”تبراً کے بارے میں ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ چار بتوں سے بیزاری اختیار کریں۔“

❷ حق الیقین، ص: ۵۴۲.

❶ حق الیقین، ص: ۵۴۲.

❸ حق الیقین ص ۵۳۹/

یعنی ابوبکر، عمر، عثمان اور معاویہ سے اور چار عورتوں سے بیزاری اختیار کریں۔
یعنی عائشہ، حفصہ، ہند اور ام الحکم سے اور ان کے تمام پیروکاروں سے اور یہ اللہ
کی مخلوق میں سے بدترین لوگ تھے اور یہ کہ اللہ، رسول اور ائمہ پر ایمان مکمل نہیں
ہوگا جب تک ان دشمنوں سے بیزاری نہ کریں۔“

مشہور شیعہ مفسر علی بن ابراہیم قمی رقمطراز ہے:

”آیت ﴿وَكَرَّهَ إِلَيْكُمْ الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَالْعِصْيَانَ﴾ اس میں کفر
سے مراد ابوبکر، فسوق سے مراد عمر اور عصیان سے مراد عثمان ہیں۔“^①

مولوی مقبول حسین دہلوی لکھتا ہے:

”کافی اور تفسیر قمی میں جناب امام جعفر صادق سے روایت ہے کہ ﴿حَبَّسَبَّ
إِلَيْكُمْ الْإِيمَانَ﴾ میں ایمان سے اور ﴿زَيَّنَهُ فِي قُلُوبِكُمْ﴾ میں ضمیر
غائب سے مراد جناب امیر المومنین ہیں اور ﴿كَرَّهَ إِلَيْكُمْ الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ
وَالْعِصْيَانَ﴾ میں کفر سے مراد حضرت اول اور الفسوق سے مراد ہیں حضرت ثانی
اور العصیان سے حضرت ثالث۔“^②

مذکورہ بالا حوالہ جات سے معلوم ہوا کہ اہل تشیع کے نزدیک قرآن کا انتظام و انصرام
کرنے والے اور اسے نقل کروا کے دنیا کے مختلف گوشوں میں پھیلانے والے خلفائے
راشدین رضی اللہ عنہم تھے۔ چنانچہ ان کی سب سے زیادہ دشمنی ان کے ساتھ ہے اور ان سے بیزاری
کا اظہار کرنا ان کا عقیدہ ہے۔ اس عقیدے کی موجودگی میں یہ موجودہ قرآن پر کیسے ایمان رکھ
سکتے ہیں؟ کیونکہ اگر وہ اس قرآن کو مان لیں تو ان کا عقیدہ باطل ہو جاتا ہے۔

۳..... تیسری اہم وجہ یہ ہے کہ تحریف قرآن کے بارے میں شیعہ کی امہات الکتب میں دو ہزار

① تفسیر قمی: ۳۱۹/۲، نیز دیکھیں: تفسیر الصافی: ۵۹۰/۲، تفسیر نور الثقلین: ۸۳/۵۔

② ترجمہ و تفسیر مقبول دہلوی، ص: ۲۸۳۔

سے زائد روایات موجود ہیں، جن میں پانچ قسم کی تحریف کا ذکر ہے: (۱) کمی (۲) زیادتی (۳) تبدیلی الفاظ (۴) تبدیلی حروف (۵) آیات و سوراہات اور کلمات کی خرابی ترتیب۔ پھر ان روایات میں شیعہ کے معتبر اور ثقہ علماء کے تین اقرار ہیں۔

(۱)..... یہ روایات متواتر ہیں اور ان کی تعداد مسئلہ امامت کے متعلق مروی روایت سے کم نہیں۔

(۲)..... یہ روایات تحریف قرآن پر صراحتاً دلالت کرتی ہیں۔

(۳)..... ان روایات کے مطابق شیعہ کا تحریف قرآن کا عقیدہ بھی ہے۔

ایران سے مرزا حسین بن محمد تقی نوری طبرسی شیعہ کی ایک کتاب ۱۲۹۸ھ میں بنام ”فصل الخطاب فی اثبات تحریف کتاب رب الأرباب“ شائع ہوئی، جس میں مولف نے ہر عقلی و نقلی طریقے سے حیرت انگیز بات اپنے مذہب کی امہات الکتاب سے ثابت کی ہے کہ قرآن محرف و مبدل ہے۔ موجودہ قرآن پر شیعہ کا ایمان نہیں ہے۔ اور یہ شیعہ کے ثقہ علماء میں سے ہے اور شیعہ رجال کے تراجم پر ایران و ہندوستان سے جتنی کتب طبع ہوئیں ان میں سے اکثر کے اندر اس کا ذکر بڑے بھاری القابات سے کیا گیا ہے، مثلاً شیخ عباس قتی نے ”فوائد رضوی (ص: ۱۵)“ میں لکھا ہے:

((سَحَابُ الْفَضْلِ..... بَحْرُ الْعِلْمِ الَّذِي لَيْسَ لَهُ سَاحِلٌ.))

”مرزا حسین بن محمد نوری فضل کا بادل..... اور علم کا ایسا سمندر ہے جس کا کوئی کنارہ نہیں۔“

نیز ایک اور کتاب میں لکھا ہے:

((إِمَامُ أُمَّةِ الْحَدِيثِ كِبَارُ رِجَالِ الْإِسْلَامِ.))^①

”حدیث کے اماموں کا امام ہے اور اسلام کے عظیم آدمیوں میں سے ہے۔“

① مستدرک ابو سائل : ۱/ ۴.

معلوم ہوا کہ فصل الخطاب کا مؤلف شیعہ گروہ کے ہاں بڑا معتبر محدث اور بحر العلوم ہے اور یہ کتاب اس نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے روضہ میں بیٹھ کر مکمل کی ہے۔ اپنی کتاب کے آخری صفحہ پر لکھتا ہے:

((وَقَدْ فَرَعْتُ مِنْ تَنْمِيقِ هَذِهِ الْأُورَاقِ رَجَاءَ الْإِنْتِفَاعِ بِهَا فِي يَوْمٍ يُكْشَفُ عَنْ سَاقِ الْعَبْدِ الْمُذْنِبِ الْمُسِيءِ الْمَنَسِيءِ حُسَيْنِ بْنِ مُحَمَّدٍ تَقِيُّ النُّورِيِّ الطَّبْرَسِيِّ فِي مَشْهَدِ مَوْلَانَا أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ عَلَيْهِ السَّلَامُ لِلْيَلْتِنِ أَنْ بَقِيَا مِنْ شَهْرِ جُمَادَى الْأُخْرَى مِنْ سَنَةِ اثْنَتَيْنِ بَعْدَ الْأَلْفِ .))

”امیر المؤمنین کے روضہ میں بیٹھ کر ان اوراق کے لکھنے سے بندہ گناہ گار حسین بن محمد تقی النوری الطبرسی ۲۸ جمادی الاخریٰ ۱۲۹۲ھ میں قیامت والے دن نفع کی امید کرتے ہوئے فارغ ہوا۔“

اور یہ مقام شیعہ کے ہاں بابرکت اور اقدس البقاع ہے۔ اور جب یہ مؤلف فوت ہوا تو اسے نجف میں مشہد مرتضوی کے صحن میں دفن کیا گیا اور مشہد مرتضوی سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کا روضہ شیعہ کے ہاں اتقیاء کے دفن کا مقام ہے۔ لہذا اس کتاب کا مؤلف ان کے ہاں بڑا معتبر محدث ہے اور اس نے فصل الخطاب لکھ کر ثابت کر دیا کہ شیعہ اس قرآن کو تسلیم نہیں کرتے۔ اس کتاب میں لکھا ہے:

((أَنَّ الْأَخْبَارَ الدَّالَّةَ عَلَى ذَلِكَ تَزِيدُ عَلَى الْفَقْهِ حَدِيثٌ وَأَدْعَى اسْتِفَافَتَهَا جَمَاعَةٌ كَالْمُفِيدِ الْمُحَقِّقِ الدَّامَادِ وَالْعَلَامَةِ الْمَجْلِسِيِّ وَغَيْرِهِمْ))^①

”تحریف قرآن پر دلالت کرنے والی احادیث دو ہزار سے زائد ہیں اور ان کے

① فصل الخطاب فی اثبات تحریف کتاب رب الارباب، ص: ۲۵۱

مشہور ہونے کا دعویٰ علماء کی ایک جماعت نے کیا ہے۔ جیسے شیخ مفید، محقق داماد اور علامہ مجلسی وغیرہ ہیں۔“

اس مؤلف نے سید نعمت اللہ الجزائر الشیبی کے حوالے سے لکھا ہے:

((إِنَّ الْأَصْحَابَ قَدْ أَطَبَقُوا عَلَى صِحَّةِ الْأَخْبَارِ الْمُسْتَفِيضَةِ بِلِ
الْمُتَوَاتِرَةِ الدَّالَّةِ بِصَرِيحِهَا عَلَى وُقُوعِ التَّحْرِيفِ فِي الْقُرْآنِ
كَلَامًا وَمَادَّةً وَأَعْرَابًا وَالتَّصْدِيقِ بِهَا)) ❶

”اصحاب امامیہ نے ان مشہور روایات کی صحت بلکہ تواتر پر اتفاق کیا ہے۔ ایسا تواتر جو صراحتاً قرآن میں تحریف پر دلالت کرتا ہے۔ یہ تحریف کلام و مادہ اور اعراب میں ہے اور ان روایات کی تصدیق پر بھی علمائے شیعہ نے اتفاق کیا ہے۔“
شیعہ کی معتبر کتاب اصول کافی میں روایت ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

((إِنَّ الْقُرْآنَ الَّذِي جَاءَ بِهِ جَبْرِئِلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ إِلَى مُحَمَّدٍ سَبْعَةَ
عَشَرَ آيَةً))

”بلاشبہ جو قرآن جبرئیل علیہ السلام محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لے کر آئے اس کی سترہ ہزار آیات تھیں۔“

اس حدیث کی شرح میں ملا باقر مجلسی نے لکھا ہے:

((فَالْخَبْرُ صَحِيحٌ وَلَا يَخْفَى أَنَّ هَذَا الْخَبَرَ وَكَثِيرًا مِنَ الْأَخْبَارِ
الصَّحِيحَةِ صَرِيحَةٌ فِي نَقْصِ الْقُرْآنِ وَتَغْيِيرِهِ وَعِنْدِي أَنَّ
الْأَخْبَارَ فِي هَذَا الْبَابِ مُتَوَاتِرَةٌ مَعْنَى وَطَرَحُ جَمِيعِهَا يُوجِبُ
رَفْعَ الْإِعْتِمَادِ عَنِ الْأَخْبَارِ رَأْسًا بَلْ ظَنِّي أَنَّ الْأَخْبَارَ فِي هَذَا

البَابِ لَا يَقْضُرُ عَنْ أَخْبَارِ الْإِمَامَةِ فَكَيْفَ يَثْبُتُونَهَا بِالْخَبَرِ))^①
 ”یہ خبر صحیح ہے، پس مخفی نہ رہے کہ یہ خبر اور دیگر بہت ساری صحیح روایات صراحۃً قرآن پاک میں کمی اور تبدیلی پر دلالت کرتی ہیں اور میرے نزدیک تحریف قرآن کے مسئلہ میں روایات معنأً متواتر ہیں اور ان سب روایات کو ترک کرنا تمام ذخیرہ احادیث سے اعتماد کو اٹھانا ہے۔ بلکہ میرا خیال ہے کہ تحریف قرآن کی روایات مسئلہ امامت کی روایات سے کم نہیں، اگر ان روایات کا اعتبار نہ ہو تو مسئلہ امامت روایات سے کیسے ثابت کریں گے؟“

مرزا حسین بن محمد بن تقی نوری طبرسی لکھتا ہے:

((الْأَخْبَارُ الْكَثِيرَةُ الْمُعْتَبَرَةُ الصَّرِيحَةُ فِي وُقُوعِ السَّقْطِ وَدُخُولِ

النَّقْصَانِ فِي الْمَوْجُودِ مِنَ الْقُرْآنِ))^②

”بہت ساری معتبر روایتیں موجودہ قرآن میں کمی پر صراحۃً دلالت کرتی ہیں۔“

ملا فیض کا شانی لکھتا ہے:

((وَأَمَّا اعْتِقَادُ مَشَايِخِنَا فِي ذَلِكَ فَالظَّاهِرُ مِنْ ثِقَةِ الْإِسْلَامِ

مُحَمَّدِ بْنِ يَعْقُوبَ الْكَلْبِيِّ أَنَّهُ كَانَ يَعْتَقِدُ التَّحْرِيفَ وَالنَّقْصَانَ

فِي الْقُرْآنِ لِأَنَّهُ كَانَ رَوَى رِوَايَاتٍ فِي هَذَا الْمَعْنَى فِي كِتَابِهِ

الْكَافِي وَلَمْ يَتَعَرَّضْ لِقَدْحِ فِيهَا مَعَ أَنَّهُ ذَكَرَ فِي أَوَّلِ الْكِتَابِ أَنَّهُ

كَانَ يَثْبُتُ بِمَا رَوَاهُ فِيهِ وَكَذَلِكَ أَسْتَاذُهُ عَلِيُّ بْنُ إِبْرَاهِيمَ الْقُمِّيِّ فَإِنَّ

تَفْسِيرَهُ مَمْلُوءٌ مِنْهُ وَلَهُ غُلُوفٌ فِيهِ وَكَانَ الشَّيْخُ أَحْمَدُ بْنُ أَبِي طَالِبٍ

الطَّبْرَسِيُّ فَإِنَّهُ أَيْضًا نَسَجَ عَلَى مَنَوَالِهِمَا فِي كِتَابِ الْإِحْتِجَاجِ))^③

① مرآة العقول فی شرح اخبار آل الرسول: ۱۲/۵۲۵. ② فصل الخطاب ص: ۲۳۵.

③ مقدمہ تفسیر صافی: ۱/۳۴.

”بہر کیف تحریف قرآن کے بارے میں ہمارے مشائخ کا عقیدہ تو ظاہر بات ہے کہ ثقہ الاسلام محمد بن یعقوب کلینی قرآن میں تحریف اور کمی کا عقیدہ رکھتے ہیں، اس لیے کہ انہوں نے اپنی کتاب ”اصول کافی“ میں اس معنی کی روایات بیان کی ہیں اور ان پر جرح نہیں کی باوجود اس کے کہ انہوں نے اپنی کتاب کی ابتدا میں ذکر کیا ہے کہ جو روایات وہ اس میں لائیں گے اس پر انہیں اعتماد ہے۔ اسی طرح ان کے استاذ علی بن ابراہیم قمی کا بھی یہی عقیدہ تھا۔ ان کی ”تفسیر قمی“ اس بات سے بھری پڑی ہے اور انہوں نے اس میں غلو سے کام لیا ہے اور شیخ احمد بن ابی طالب طبرسی بھی ان دونوں کے منج پر اپنی کتاب ”الاحتجاج“ میں چلے ہیں۔“

مذکورہ بالا حوالہ جات سے معلوم ہوا کہ ثقہ جمع فریہ کی امہات الکتب میں دو ہزار سے زائد روایات تحریف قرآن پر دلالت کرتی ہیں اور یہ ان کے ہاں متواتر روایات ہیں۔ ان کا مقام بھی وہی ہے جو مسئلہ امامت کی روایات کا ہے اور مسئلہ امامت ان کے ہاں اصول دین سے ہے۔ اگر ان روایات کا انکار کریں گے تو اپنے اصول دین کا انکار کرنا پڑے گا اور ان روایات میں اس بات کی تصریح ہے کہ قرآن محرف ہو چکا ہے۔ اس میں کمی بیشی، تبدیلی حروف و کلمات وغیرہ کی صورت میں ہوئی ہے اور تحریف قرآن پر ان کے ثقہ علماء کا اتفاق ہے۔ تفسیر قمی جو ان کی پہلی تفسیر میں سے ہے اور بڑی معتبر سمجھی جاتی ہے اور اس کا مؤلف علی بن ابراہیم قمی ان کے ہاں ثقہ محدث و مفسر ہونے کے ساتھ ساتھ گیارہویں امام حسن عسکری کے دور کا ہے۔ اس میں تحریف قرآن پر دلالت کرنے والی کثیر روایات موجود ہیں اور اس کا شاگرد محمد بن یعقوب کلینی جو اصول کافی وغیرہ کا مؤلف ہے اور یہ کتاب ان کے ہاں ایسے ہی ہے جیسے ہمارے ہاں بخاری شریف ہے۔ یہ بھی تحریف قرآن کا قائل ہے اور اس کے علاوہ ان کے علماء کی بہت بڑی تعداد صراحتاً تحریف قرآن پر عقیدہ رکھتی ہے۔ بعض شیعہ اپنے چار علماء کا نام لیتے ہیں کہ

وہ تحریف کے قائل نہ تھے“

(۱) سید شریف مرتضیٰ (۲) شیخ صدوق

(۳) ابو جعفر طوسی (۴) ابو علی طبرسی

لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ بھی تحریف کے قائل تھے۔ انہوں نے قرآن کے محرف نہ ہونے کا قول تبقیہ کرتے ہوئے اور بعض مصلحتوں کی بنیاد پر اختیار کیا تھا۔ کیونکہ سید شریف مرتضیٰ نے اپنے رسالہ ”المحکم والمتشابه المعروف بتعید النعمانی (ص: ۲۶)“ میں لکھا ہے:

((وَأَمَّا مَا حَرَّفَ مِنْ كِتَابِ اللَّهِ فَقَوْلُهُ ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ فَحَرَّفَتْ إِلَى خَيْرِ أُمَّةٍ))

مقصود یہ ہے کہ اس آیت میں لفظ ”ائمہ“ کو ”امہ“ سے بدل دیا گیا ہے۔ اسی طرح کی کئی مثالیں شریف مرتضیٰ نے اس مقام پر ذکر کر کے واضح کر دیا کہ یہ اس بات کا قائل ہے کہ قرآن حکیم میں تحریف کی گئی ہے۔

مرزا حسین بن محمد نے فصل الخطاب میں ذکر کیا ہے کہ ان متقدمین میں کوئی موافق نہیں ہے۔ سید نعمت اللہ الجزائری الشیبی نے لکھا ہے:

((وَالظَّاهِرُ أَنَّ هَذَا الْقَوْلَ إِنَّمَا صَدَرَ مِنْهُمْ لِأَجْلِ مَصَالِحِ كَثِيرَةٍ، مِنْهَا سُدُّ بَابِ الطَّعْنِ عَلَيْهَا بِأَنَّهُ إِذَا جَازَ هَذَا فِي الْقُرْآنِ فَكَيْفَ جَازَ الْعَمَلُ بِقَوَاعِدِهِ وَأَحْكَامِهِ مَعَ جَوَازِ لُحُوقِ التَّحْرِيفِ لَهَا، كَيْفَ وَهُوَ لِإِعْلَامِ رَوَا فِي مُؤَلَّفَاتِهِمْ أَخْبَارًا كَثِيرَةً تَشْتَمِلُ عَلَى وَفُوعِ تِلْكَ الْأُمُورِ فِي الْقُرْآنِ وَإِنَّ الْآيَةَ هَكَذَا أُنزِلَتْ ثُمَّ غُيِّرَتْ إِلَى هَذَا)) الأنوار النعمانية: ۲/۳۵۸

”ظاہر ہے کہ ان حضرات کا یہ انکار چند مصلحتوں پر مبنی تھا جن میں سے ایک یہ ہے کہ طعن کا دروازہ بند کرنے کے لیے کہ جب قرآن میں تحریف جائز ہے تو اس کے قواعد اور احکام پر عمل کیسے جائز ہو سکتا ہے؟ باوجود اس کے قرآن میں تحریف کا واقع ہونا جائز ہے اور یہ قرآن کے غیر محرف ہونے کا عقیدہ کیسے رکھ سکتے تھے؟ جب کہ انہوں نے اپنی کتابوں میں بہت ساری ایسی روایات درج کی ہیں جو تحریف قرآن پر مشتمل ہیں اور بتاتی ہیں کہ فلاں آیت اس طرح نازل ہوئی پھر اس طرح بدل دی گئی۔“

معلوم ہوا کہ ان چاروں نے بھی یقین کرتے ہوئے اور بعض مصلحتوں کی بنا پر کہہ دیا کہ قرآن محرف نہیں حالانکہ یہ تحریف کے قائل تھے۔ بعض شیعہ یہ مغالطہ دیتے ہیں کہ ہم تو اس قرآن کو مانتے ہیں اور اسے ہی پڑھتے پڑھاتے ہیں، لہذا ہم کیسے اس کی تحریف کے قائل ہو سکتے ہیں؟ یہ بھی صرف مغالطہ ہے۔ کیونکہ یہ یقین کی آڑ میں ایسا کہتے ہیں۔ ان کو یہ حکم ہے کہ جب تک بارہواں امام اصل قرآن لے کر نہیں آتا تم اسے ہی پڑھتے رہو، جب وہ اصل قرآن لے کر آئے گا تو پھر اس کی تلاوت ہوگی۔ مولوی مقبول دہلوی سورہ یوسف کی آیت (۴۹) میں ”يَعْصِرُونَ“ کے لفظ کے بارے میں لکھتا ہے:

”معلوم ہوتا کہ جب قرآن میں ظاہر اعراب لگا دیے گئے تو شراب خور خلفاء کی خاطر يُعْصِرُونَ کو يَعْصِرُونَ سے بدل کر معنی کو زیر و زبر کیا گیا ہے یا مجہول کو معروف سے بدل کر لوگوں کے لیے ان کے آئوت کی معرفت آسان کر دی۔ ہم اپنے امام کے حکم سے مجبور ہیں کہ جو تغیر یہ لوگ کر دیں تم اس کو اس کے حال پر رہنے دو اور تغیر کرنے والے کا عذاب کم نہ کرو۔ ہاں جہاں تک ممکن ہو لوگوں کو اصل حال سے مطلع کر دو۔ قرآن کو اس کی اس حالت پر لانا جناب صاحب العصر علیہ السلام کا حق ہے اور انہی کے وقت میں وہ حسب تزیل خدائے تعالیٰ پڑھا

جائے گا۔“ ❶

نیز دیکھیں شیعہ گروہ کی معتبر کتب ”الانوار النعمانية: ۲/ ۳۶۰، المقدمة السادسة من تفسير الصافي: ۱/ ۲۵، بصائر الدرجات الجزء الرابع، ص/ ۱۹۳۔“

مذکورہ بالا حوالہ جات سے معلوم ہوا کہ یہ لوگ اس قرآن کو پڑھنے پر مجبور ہیں اور ان کے نزدیک اصل قرآن ان کا بارہواں امام صاحب العصر والزماں لے کر آئے گا۔ اس کے ظہور تک یہ اسے ہی پڑھتے رہیں گے، حقیقت میں ان کا اس پر ایمان نہیں ہے۔ لہذا واضح ہو گیا کہ ان کا ایمان قرآن پر ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔ اگر یہ قرآن پر صحیح ایمان لے آئیں توفیقہ جعفریہ کا خون ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ حقائق کو سمجھ کر صحیح عمل کی توفیق نصیب کرے اور باطل مذاہب سے محفوظ رکھے۔ شیعہ کے اس موقف کی تفصیل کے لیے ان کی کتاب ”فصل خطاب فی اثبات تحریف کتاب رب الارباب“ اور علامہ احسان الہی ظہیر اللہ کی ”الشیعة والقرآن“ ملاحظہ ہو۔



رسوائے زمانہ، روافض کے متعلق لکھی گئی

علماء احناف کی کتب

- ۱..... شم العوارض في ذم الروافض لملا على القاري شارح الفقه الأكبر .
- ۲..... التحفة الاثنا عشرية لشاه عبد العزيز الدهلوی بالفارسية (اثنا عشر مجلد مخطوط)
- ۳..... النصفحات القدسية في الرد على الإمامية لأبي الثناء الألوسی علامة العراق (صاحب تفسیر روح المعانی)
- ۴..... الأجوبة العراقية على الأسئلة الإيرانية للمؤلف السابق .
- ۵..... الأجوبة العراقية على الأسئلة اللاهورية للمؤلف السابق .
- ۶..... نهج السلامة إلى مباحث الإمامة للمؤلف السابق .
- ۷..... شرح حديث الثقلين للمؤلف السابق (بالفارسية) وترجمه أبو المعالي الألوسی إلى العربية .
- ۸..... المنحة الإلهية مختصر التحفة الاثني عشرية لأبي المعالي محمود شكري الألوسی .
- ۹..... صب العذاب على من سب الأصحاب للمؤلف السابق .
- ۱۰..... السيوف المشرقة في أعناق أهل الزدقة لنصر الله الحسيني الحنفي واختصره أبو المعالي الألوسی .
- ۱۱..... النواقض لظهور الروافض لميرزا الحنفي في القرن الحادي عشر .
- ۱۲..... السيف المسلول على مبغضی أصحاب الرسول للشيخ ياسين القرصي البقاعي الحنفي في القرن الحادي عشر .
- ۱۳..... رسالة في تكفير الرافضة لشمس الدين ابن كمال باشا من علماء القرن

التاسع .

- ۱۴..... تنبيه الولاة والحكام على حكم شاتم خير الأنام لابن عابدين الشامي .
 ۱۵..... اليمانيات المسلوولة على الرافضة المخذولة لزين العابدين بن يوسف الكوراني من علماء القرن الحادي عشر .

- ۱۶..... رسالة في تكفير الرافضة لشمس الدين ابن كمال باشا من علماء القرن التاسع .

۱۷..... إزالة الخفاء عن خلافة الخلفاء لشاه ولي الله الدهلوي .

- ۱۸..... رد الشيعة لأحمد السرهندي (الملقب عد الحنفية بمجدد الألف الثاني، بالأردية)

۱۹..... مطرقة الكرامة مرآة الإمامة للسهارنغوي .

۲۰..... هداية الرشيد إلى إفحام العنيد للمؤلف السابق . (بالأردية)

۲۱..... هداية الشيعة لمحمد قاسم التانوتوي . (بالأردية)

۲۲..... تنبيه الحائر ين لعبد الشكور اللكهنوي . (بالأردية)

۲۳..... الأيات البيئات لنواب محسن الملك .

۲۴..... الثورة الإبرانجة في ميزان الإسلام لمنظور نعماني الحنفي .

۲۵..... بطلان عقائد الشيعة لمحمد عبد الستار التونسوي .

۲۶..... مذهب الشيعة لمحمد قمر الدين السيالوي (بالأردية)

۲۷..... إرشاد الشيعة لمحمد سرفراز خان (بالأردية)

۲۸..... تاريخ التشيع وأفكاره لمحمد طاهر الهاشمي (بالأردية)

۲۹..... الوثيقة التاريخية المسمى "تاريخي دستاويز" لضياء الرحمن فاروقي ،

(بالأردية)

۳۰..... سيرة أم المومنين عائشة لمحمد أعظم طارق . (بالأردية)

۳۱..... الأجوبة العلمية على الاعتراضات العنكبوتية على معاوية رضى الله

- عنه لمحمد طاهر الهاشمي بالأردنية .
- ۳۲: تعريف أهل البيت لضياء الرحمن الفاروقى . بالأردنية .
- ۳۳: مناقب الصحابة لمحمد إسماعيل مدنى (بالأردنية)
- ۳۴: رسالة الألوسى الحفيد أبى المعالى فى الرد على كتاب "الحصول المنبعا" للعاملى الرافضى .
- ۳۵: أيام الخلافة الراشدة لعبد الرؤوف الرحمانى بالأردنية .
- ۳۶: الخلفاء الراشدون لشاه معين الدين الندوى .
- ۳۷: حديث الثقلين دراسة مفصلة لمحمد نافع بالأردنية .



The True Message of Islam

دعوة الاسلام بالحق

- (۱) امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی سیرت کے سنہرے اوراق
فضیلۃ الشیخ / صالح عبداللہ الدرویش حفظہ اللہ
- (۲) آل بیت رضی اللہ عنہم کے حقوق شریعت کے آئینہ میں
فضیلۃ الشیخ / صالح عبداللہ الدرویش حفظہ اللہ
- (۳) آل بیت اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب رضی اللہ عنہم کا انتخاب
ابوخلیفہ علی بن محمد القاضی رحمہ اللہ
- (۴) مقام اہل بیت رضی اللہ عنہم امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی نظر میں
ابوخلیفہ علی بن محمد القاضی رحمہ اللہ
- (۵) مقام اہل بیت رضی اللہ عنہم امام محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کی نظر میں
خالد بن احمد الزہرانی حفظہ اللہ
- (۶) اسلام کا پیغام ہر شیعہ کے نام
فضیلۃ الشیخ ابوبکر جابر الجزازی حفظہ اللہ
- (۷) عقیدہ تقیہ حقیقت کے آئینہ میں
فضیلۃ الشیخ عبدالرحمن بن ناصر البراک حفظہ اللہ
- (۸) متعہ کی حقیقت
فضیلۃ الشیخ / ڈاکٹر عثمان بن محمد الحمیس رحمہ اللہ
- (۹) خمینی اور اسلام
شیخ صفی الرحمن مبارک پوری رحمہ اللہ
- (۱۰) خوارج و شیعہ سے متعلق کبار علماء کرام کے فتاویٰ
فضیلۃ الشیخ / عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رحمہ اللہ

مکتبہ اہل بیت العالمی